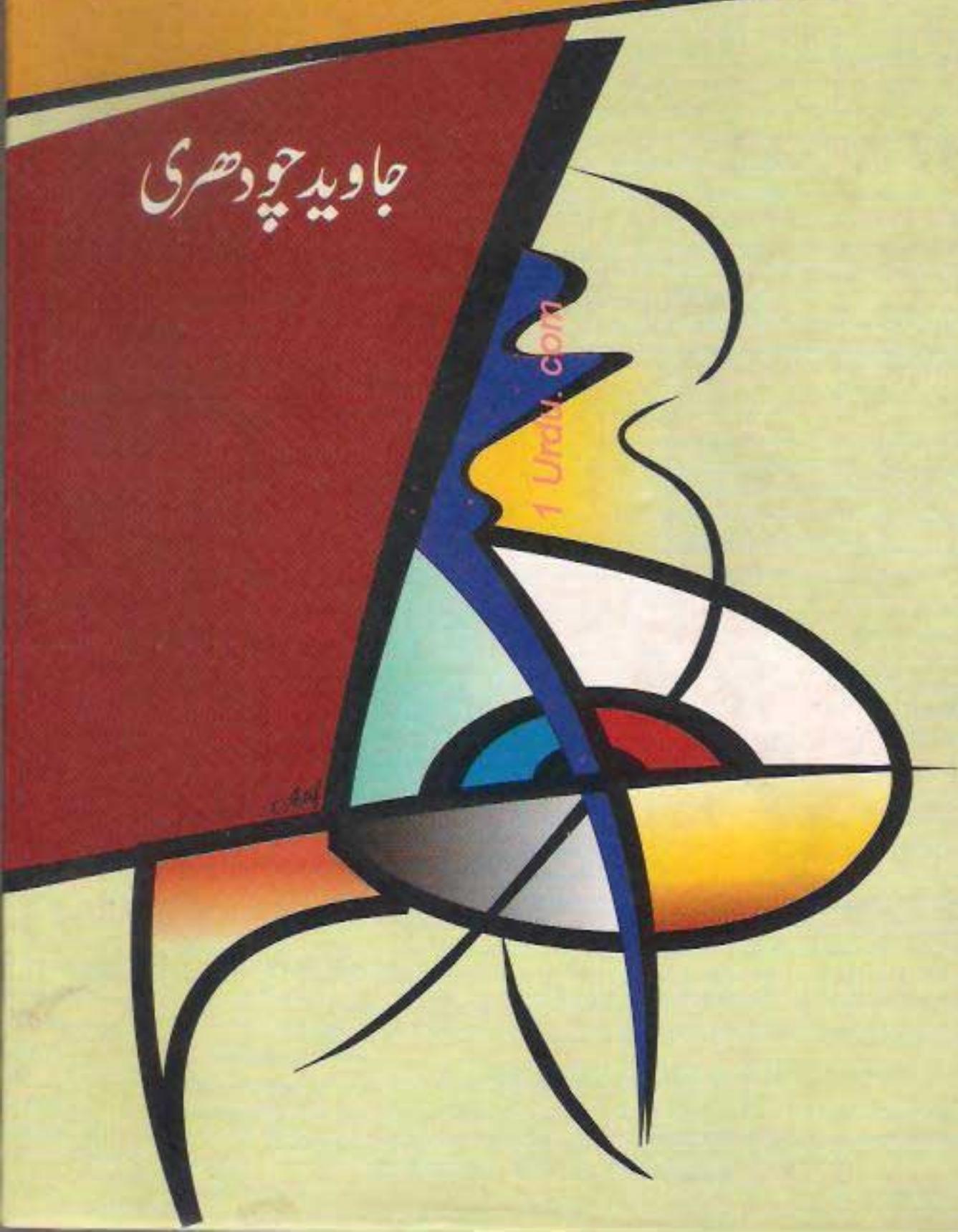


نیرو پاؤئنٹ 5

جاوید حودھری

One Urdu.com



ترتیب

12	کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے
17	تموار سے پہلے
21	چائے کا ایک کپ، رس کے دلکشی
24	چھوٹی چھوٹی نیکیاں
28	چوتھائیکرت
31	دوسری کتا
34	دعا عبادت ہے
37	علم اور دولت
41	اصل سکندر اعظم
45	کاش
49	کاش کبھی ایسا ہو جائے
53	چڑھتے سورجوں کے دوست
57	محمد شاہ رنگیلا
61	مبارک ہو
65	دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں
68	خواب تو خواب ہیں
72	”ہم شرمند ہوں گے“
76	اواس نسل

161		دولائے لائیں بھی ہیں	41
165		ریڈسکنل	42
168		ری سر کمر گ	43
172		ریکل ڈاؤن	44
176		ٹرانسپورٹ سسٹم	45
180		واہ شوکت عزیز صاحب واہ	46
184		وقت نہیں رکتا	47
188		بکری جو کھائے گی وہی لوٹائے گی	48
192		عدل بھی مومن کی کھوئی ہوئی میراث ہے	49
196		بوٹی مافیا	50
199		وہ وقت تو نہیں آیا	51
203		وہ مشرف یہ مشرف	52
207		صدراتی یکمپ آفس میں	53
211		ہائے ہائے	54
215		موآخذہ نہیں ہو گا	55
218		بادشاہ سے بھکاری	56
222		اللہ کی بادشاہی	57
226		آخری امید	58
230		ایک مشورے کا فاصلہ	59
234		”آفریآل یو آرے ہی ہون بیگ“	60
238		نجات	61
241		حکومت کیا کرے	62
244		عمران مرزا جیسے لوگ	63

8	زیر و پوائنٹ 5☆.....	اور نگ رزیب ٹانی	18
		شہاب صاحب جیسے استاد	19
		1557	20
		جوت	21
		جو تماری کا عالمی دن	22
		سورپے کا نوٹ	23
		اگر کوئی بدل نہ ہوتی	24
		بد قسمت قوم	25
		چند دن انتظار کیجئے	26
		چند ری گل	27
		چینی کے برتن	28
		ڈیڈ اینڈ	29
		کہیں پاکستان بھی کینیانہ بن جائے	30
		خاموشی	31
		محودا چکنی اور عبدالحی بلوچ کو پنجاب سے الیکشن لا ایں	32
		”سات کروڑ دل لاکھ روپے کی بے عزتی“	33
		شی، شی آہستہ	34
		پیتنا لیس من	35
		آج ہمالیہ رورہا ہے	36
		اللہ کو دھوکہ دینے والے	37
		انجام	38
		بس قومی مفاد نکال دیں	39
		دوفٹ کا شیشہ	40
79			
83			
86			
89			
93			
96			
99			
103			
106			
110			
113			
117			
121			
124			
128			
132			
135			
139			
142			
146			
149			
153			
157			

324	باقی سب خیریت ہے!	87
328	سزا	88
332	جب تک	89
335	بنانا اسٹیٹ	90
339	بلیک بائس سے جہانگنگی تصویر	91
342	ادھار کی چند سائیں	92
346	آئٹ کی جنگ	93
349	کیوں	94
353	”مجھے کیا فرق پڑتا ہے“	95
357	احتجاج کیسے کرنا چاہیے	96
361	خانہ جنگی	97
365	بے بسی	98
369	عوام کیا کریں	99
373	خود کشی کرنے والوں سے ڈریں	100
376	میں احتجاج کرتا ہوں	101
380	عظمت کالمح	102
384	اینڈ آف ڈے	103
388	مشی کیلئے	104
392	اللہمیہ	105
395	اللہ کا انعام	106
398	اوقات	107

10	زیر و پوائنٹ 5☆.....	10
247		
251		
254		
258		
261		
264		
267		
270		
274		
277		
280		
283		
286		
290		
293		
297		
301		
304		
307		
311		
314		
317		
320		

64 آپ جائیں اور اللہ تعالیٰ جانے
65 عنبرین تمہارے لئے
66 ”ہم لوگ کہاں جائیں“
67 ابھی اور اسی وقت
68 روم میں روم کی طرح رہیں
69 کاش ہم بولیو یا ہوتے
70 ہم کب جائیں گے
71 کبوتر کا اٹڑا
72 ڈس پلیسڈ پرنس
73 ڈس پلیسڈ پاکستانی پالی ٹیشن
74 ڈس پلیسڈ ایمپلیشمنٹ
75 ڈس پلیسڈ اسٹنکر پرنس
76 ڈس پلیسڈ نیشن
77 پاکستان انقلاب کے دہانے پر
78 پاگل خانہ
79 ہمارا کیا بننے گا
80 ہم برطانوی عوام کے مجرم ہیں
81 بس ایک لیڈر چاہیے
82 آج سے
83 پارٹی ڈپلن
84 بس ذرا سی بے شری
85 میاں صاحب زیادتی کر رہے ہیں
86 بہت اچھا ہوا

لٹک گی والی کو مٹھائی بنتے اور دستِ خوان سے پلٹیں غائب ہوتے بھی دیکھیں، ہم نے رومال کو کبوتر بنتے ہوئے کوئی بنتے بھی دیکھا، ہم نے ستاروں کی چال سے لوگوں کے مقدرت تبدیل ہوتے اور صحت مند لوگوں کو بری نظر کا ہنگار ہوتے اور بیمار لوگوں کو پانی کے ایک گھونٹ سے شفایا ب ہوتے بھی دیکھا۔ ہم نے اس دور میں ایک ایسا بزرگ بھی تلاش کر لیا جو پانی کے گلاس میں انگلی ڈبوتا تھا اور یہ پانی پی کر بیمار اٹھ کر بیٹھ چاہا تھا۔ ہم ایک ایسے بینکار سے بھی ملے جو درد کا تھوڑا تھا اور دعا ب ہو جاتا تھا۔ ہم ایسے شعبدہ مال سے بھی ملے جو اپنے گھنٹے پر ہاتھ رکھتا تھا اور دوسرا کے گھنٹے کا درد غائب ہو جاتا تھا۔ ہم ایسے شعبدہ والوں سے بھی ملے جو سکریٹ خود پیتے تھے لیکن دھواں دوسرا کی ناک سے لکھتا تھا اور ایسے فنا کاروں سے بھی ملے جو فنا میں ہاتھ بلند کرتے تھے، آسمان سے ان کے ہاتھ پر کاغذ گرتا تھا اور اس کا گذپر تمام والوں کے جواب ہوتے تھے لیکن یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود ہم حیران نہیں ہوتے تھے کیونکہ ہمارے لئے یہ سب نارمل تھا یہ تمام مجرمے ڈیکھتے اور ہمیں ان ٹریکس کا طریقہ کار بھی معلوم ہتا۔ اس دور میں صرف چار لوگوں نے حیران کیا تھا۔ ایک شیم قریشی صاحب تھے یہ مقبوضہ شیمیر کے رہنے والے تھے ابھوں نے بنارس کی قدیم یونیورسٹی سے دستِ شناسی کی تعلیم حاصل کی تھی اور یہ نہ صرف انتہائی قابلِ پامن تھے بلکہ وہ ایک درویش صفت انسان بھی تھے۔ ان کی ذات میں بے انتہا طیبی عاجزی اور انکساری کو دھڑکتے ہوئے دیکھا تھا، اس کی سرخ آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اس کے بدن کی بدبو بھی آہستہ آہستہ غفن بن رہی تھی، میرے اندر خوف ہکورے لے رہا تھا لیکن میں اپنے خوف کو چھرے تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دنیا کا ہر انسان خوفزدہ ضرور ہوتا ہے، خواہ وہ بہادر ہو یا بزدل، خوفزدہ اور بہادر لوگوں میں بس اظہار کا فرق ہوتا ہے، بہادر لوگ اپنے خوف کو نہیں تک محدود رکھنا جانتے ہیں، یہ خوف کو چھرے تک نہیں آنے دیتے جبکہ جو شخص اپنے خوف کو دیکھیں سکتا اس کا خوف چند یکنہ میں اس کے چھرے پہنچ جاتا ہے۔ میں اس وقت بہادر بننے کی کوشش کر رہا تھا اور میں نے اسی کوشش میں اس کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا میں اسے انسانی لغش لا کر دوں گا اور وہ ہمیں اس لغش کو اٹھا کر اور بولا کر دھائے گا، وہ بھی پر اعتماد تھا اور میں بھی اپنے تمام تر خوف کے باوجود اپنی جگہ پر ڈالا ہوا تھا۔

کہانی یہاں سے شروع ہوتی ہے

(میری داستان تھوڑی تھوڑی)

”لیکن لغش تازہ ہونی چاہئے“ میں نے اپنے دوست کی طرف دیکھا اور وہ بھی ترجمہ لگا ہوں سے میری طرف دیکھنے لگا، ہم دونوں کی دھرمکنیں تیز تھیں، ذلکنیہوں میں دھرمک رہا تھا، ناسیں نھنہوں سے الجھ رہی تھیں اور پسینے کے قطرے سے گردن کی طرف دوڑ رہے تھے، کمرے میں سانسوں کی آواز کے سوا مکمل خاموشی تھی اور وہ ہماری حالت کو انجوائے کر رہا تھا، اس کی لمبی لمبی لشیں بر گد کے درخت کی رسیوں کی طرح اس کے شانوں پر گردی تھیں، اس کے چوڑے ماٹھے پر سلوٹوں کا جال بچھا تھا اور اس جال میں پسینے کے قطرے دائیں سے ہائی اور کمی بائیں سے دائیں دوز رہے تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار کسی کے پسینے کو دھڑکتے ہوئے دیکھا تھا، اس کی سرخ آنکھوں کی سرخی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور اس کے بدن کی بدبو بھی آہستہ آہستہ غفن بن رہی تھی، میرے اندر خوف ہکورے لے رہا تھا لیکن میں اپنے خوف کو چھرے تک پہنچنے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دنیا کا ہر انسان خوفزدہ ضرور ہوتا ہے، خواہ وہ بہادر ہو یا بزدل، خوفزدہ اور بہادر لوگوں میں بس اظہار کا فرق ہوتا ہے، بہادر لوگ اپنے خوف کو نہیں تک محدود رکھنا جانتے ہیں، یہ خوف کو چھرے تک نہیں آنے دیتے جبکہ جو شخص اپنے خوف کو دیکھیں سکتا اس کا خوف چند یکنہ میں اس کے چھرے پہنچ جاتا ہے۔ میں اس وقت بہادر بننے کی کوشش کر رہا تھا اور میں نے اسی کوشش میں اس کا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کر لیا میں اسے انسانی لغش لا کر دوں گا اور وہ ہمیں اس لغش کو اٹھا کر اور بولا کر دھائے گا، وہ بھی پر اعتماد تھا اور میں بھی اپنے تمام تر خوف کے باوجود اپنی جگہ پر ڈالا ہوا تھا۔

میں اور میر ادوست ان دونوں غیر مرکی علوم کی جستجو میں تھے، ہمیں جہاں کی اچھی دستِ شناس، نجومی، قیافہ شناس، صوفی، عامل یا ہر اسی کا لوگی کے ماہر کی اطلاع ملتی تھی، ہم وہاں پہنچ جاتے تھے اور گھنٹوں اس کے ساتھ گفتگو کرتے رہتے تھے، ہم نے اس دور میں کالے جادو کے بے شمار ماہر بھی تلاش کئے اور ہم جنوں اور پریوں کے ”آقاوں“ کے پاس بھی گئے، ہم ٹھنڈی ناخ اور بندھ راتوں میں قبرستانوں میں ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر عمل کرنے والے عاملوں کے پاس بھی گئے اور ہم نے اس دور میں موکلوں کی گفتگو بھی سئی، ہم

اب تک لوگ موجود تھے شاہ صاحب جو سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھے اور شام کے اترتے اندر جیرے کی طرف کے دات چمک رہے تھے میں اور میرے دوست کی دھڑکنیں تیز تھیں اور ہمارے ماتھوں پر پہنچنے لگیں۔ میں نے اپنی مشنگی کھولی وہ پہنچنے سے شرابور تھی میں نے ہاتھ پھلوں پر گزر کر صاف کیا اور نعش کے درمیں طرف دیکھنے لگا، نعش ستر پچھر پر سفید کفن میں لپٹا پڑی تھی، کمرے میں آہستہ آہستہ پنچھا چل رہا تھا۔ پہنچے کی ساری ساری اسی اور گاہ گاہ کمرے کی نضا کو مزید خوفزدگ بنا رہی تھی۔ شاہ صاحب نے ہم کی اس کا شارہ کیا اور ہم بھاری قدموں سے چلتے ہوئے ستر پچھر کے قریب پہنچ گئے، شاہ صاحب پہنچنے تک شام تک "شاہ صاحب" سے گفتگو کرتے رہے، شاہ صاحب کا دعویٰ تھا وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مردوں کو بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں جبکہ ہم یہ دعویٰ مانے کیلئے تیار نہیں تھے۔ ہماری یہ بحث اس وقت تک جاری رہی جب تک میں نے ان کا چینچنگ قول نہ کر لیا۔ شاہ صاحب کا کہنا تھا، "نعش تازہ ہوں چاہئے" میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا "تازہ نعشوں کی زبان نرم ہوتی ہے چنانچہ اس کے الفاظ سمجھا آجاتے ہیں" ہم نے اگلے دن کا وقت ٹک کیا اور وہاں سے واپس آگئے۔

میرا دوست پریشان تھا۔ اس کا کہنا تھا ہم نعش کہاں سے لائیں گے؟ دوسرا گر نعش واقعی بول پڑی تو کیا ہو گا؟ میں اسے راست بھر تسلی دیتا رہا، میں نے اسے یقین دلایا نعش کا بندوبست میں کروں گا اور نعش بھی نہیں بولے گی اور یہ شخص بہت بڑا فرازیا ہے، ہم وہاں سے سیدھے ہسپتال آگئے، میرا ایک کلاس فیلوڈا اکٹھا تھا اور وہ ہسپتال میں پوست مارٹم یونٹ میں کام کرتا تھا، ہم اس کے پاس چلے گئے اور رات گئے تک اسے مدد کیلئے تیار کرتے رہے۔ ڈاکٹر اس خطرناک کام کیلئے تیار نہیں تھا لیکن میں نے اسے جیسے تیار کر لیا، ڈاکٹر میں ایک گھنٹے کیلئے نعش دینے پر تیار ہو گیا لیکن اس کی شرط تھی ہم نعش کو ہسپتال سے باہر نہیں لے جائیں گے وہ نعش الگ کمرے میں شفت کر دے گا اور ہم گھنٹہ بھراں کے ساتھ رہ سکیں گے۔ ہم واپس شاہ صاحب کے پاس گئے، شاہ صاحب کا کہنا تھا نعش ان کے گھر لائی جائے اور یہ ظاہر ہے ہمارے لئے ممکن نہیں تھا چنانچہ معاملہ "لوریٹری" پر چلا گیا۔ ہم ماہیوں کے عالم میں شاہ صاحب کے گھر سے نکل آئے، ہم ابھی ہی میں تھے کہ شاہ صاحب کا شاگرد بھاگتا ہوا آیا اور ہمیں واپس شاہ صاحب کے پاس لے گیا۔

ہم اگلے دن شاہ صاحب کو ساتھ لے کر ہسپتال جانے کیلئے تیار ہو گئے یوں ہم نے ایک مرحلہ عبور کر لیا۔

اور بیری کو دیکھ کر وہشت ہوتی تھی۔ ہمیں "شاہ صاحب" کا شاگرد کو ٹھہری میں لے جیا، کو ٹھہری کے اندر بھی مرداروں جیسی باؤ اور قبرستانوں کی وہشت بکھری تھی دیواروں پر گوبر مٹی کا لیپ تھا، چھت سے پھٹی ہوئی پنگوں کے رنگ برلنگے کا غذ لیک رہے تھے اور وہاں غیر معمولی حد تک اندر جیسا کمرے کی ایک دلچسپ اور غیر معمولی بات اس کا ٹھپر پیچہ تھا، کمرے کا فرش نہ ٹھنڈا تھا اور ہم نے جوتے اتار کر جوں ہی فرش پر پاؤں رکھ کر تھے تو یوں محسوس ہوا جیسے ہم نے برف کی سل پر پیور کر دیئے ہیں، کمرے میں مرسوں کے تیل کا لیپ جل رہا تھا اور اس لیپ کی روشنی میں شاہ صاحب بٹگی زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے۔ ہم اس کا ٹھپر کرتے تھے، ہم کو دعویٰ تھا وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے مردوں کو بولنے پر مجبور کر دیتے ہیں جبکہ ہم یہ دعویٰ مانے کیلئے تیار نہیں تھے۔ ہماری یہ بحث اس وقت تک جاری رہی پوچھی تو انہوں نے جواب دیا "تازہ نعشوں کی زبان نرم ہوتی ہے چنانچہ اس کے الفاظ سمجھا آجاتے ہیں" ہم نے اگلے دن کا وقت ٹک کیا اور وہاں سے واپس آگئے۔

میرا دوست پریشان تھا۔ اس کا کہنا تھا ہم نعش کہاں سے لائیں گے؟ دوسرا گر نعش واقعی بول پڑی تو کیا ہو گا؟ میں اسے راست بھر تسلی دیتا رہا، میں نے اسے یقین دلایا نعش کا بندوبست میں کروں گا اور نعش بھی نہیں بولے گی اور یہ شخص بہت بڑا فرازیا ہے، ہم وہاں سے سیدھے ہسپتال آگئے، میرا ایک کلاس فیلوڈا اکٹھا تھا اور وہ ہسپتال میں پوست مارٹم یونٹ میں کام کرتا تھا، ہم اس کے پاس چلے گئے اور رات گئے تک اسے مدد کیلئے تیار کرتے رہے۔ ڈاکٹر اس خطرناک کام کیلئے تیار نہیں تھا لیکن میں نے اسے جیسے تیار کر لیا، ڈاکٹر میں ایک گھنٹے کیلئے نعش دینے پر تیار ہو گیا لیکن اس کی شرط تھی ہم نعش کو ہسپتال سے باہر نہیں لے جائیں گے وہ نعش الگ کمرے میں شفت کر دے گا اور ہم گھنٹہ بھراں کے ساتھ رہ سکیں گے۔ ہم واپس شاہ صاحب کے پاس گئے، شاہ صاحب کا کہنا تھا نعش ان کے گھر لائی جائے اور یہ ظاہر ہے ہمارے لئے ممکن نہیں تھا چنانچہ معاملہ "لوریٹری" پر چلا گیا۔ ہم ماہیوں کے عالم میں شاہ صاحب کے گھر سے نکل آئے، ہم ابھی ہی میں تھے کہ شاہ صاحب کا شاگرد بھاگتا ہوا آیا اور ہمیں واپس شاہ صاحب کے پاس لے گیا۔

ہم اگلے دن شاہ صاحب کو ساتھ لے کر ہسپتال جانے کیلئے تیار ہو گئے یوں ہم نے ایک مرحلہ عبور کر لیا۔

کی نعش موجود تھی، یہ نعش سرداخانے میں رکھی تھی اور اس کا پوست مارٹم اگلے دن ہوتا تھا۔

وادڑ کا آخری کمرہ دے دیا، نعش کمرے میں شفت کر دی گئی، ہم نے دروازہ اندر سے بند کر لیا،

تلوار سے پہلے

ام ایک اور پہلو بھی نظر انداز کر رہے ہیں، جنگ، چہاؤ اور اسلامی سزا میں یہ تینوں ہمارے
ا حصہ ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو برائی کو ہاتھ، زبان اور احساس سے روکنے کا حکم دے رکھا ہے
لہ، جس اللہ تعالیٰ کے اس حکم سے انحراف کرتا ہے وہ اسلام کے دائرے سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسلام
کے داون ایک آئین اور ایک مکمل ضابطہ اخلاق بھی ہے چنانچہ اسلامی ریاست کی حدود میں چور کے
لہ، اسیں گئے قاتل کی گردان بھی اُتاری جائے گی اور بدکاروں کو کوڑے بھی مارے جائیں
لہ، اسیں گے ایمان، ہمارے مذہب کا حصہ ہے اور ہم سب اسے دل اور روح کی گہرائی سے تسلیم
لہ، ہمارے ایمان، ہمارے مذہب کا حصہ ہے اور ہم سب اسے دل اور طریقہ
لہ، اس لیکن سوال یہ ہے ”پھر مسئلہ کیا ہے؟“ مسئلہ یہ ہے ہم اسلام کو نبی اکرم ﷺ کی سنت اور طریقہ
لہ، مطابق شروع نہیں کر رہے ہیں اور ہم آج بھی رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر عملدرآمد شروع کر دیں تو
لہ، اسلام پوری دُنیا کیلئے قابل قبول ہو جائیں اور دُنیا کے دل ہمارے لئے کھل جائیں، آپ نبی
لہ، اسلام کی حیات طیبیہ کو دیکھیں، آپ ﷺ نے نبوت کے اعلان سے قبل کیا کیا تھا؟ آپ ﷺ نے
لہ، کارکردگی میں اپنی کریمی بیانی سیلیش کی تھی، وہ معاشرہ جس میں جھوٹ، مکر، فریب، بے ایمانی، بد دینی تھی
لہ، خاوت، سرقہ، چوری، جہالت، ضد بہت دھرمی اور دھوکہ وہی گندگی میں بوکی طرح رچی بھی تھی آپ ﷺ نے
لہ، اس معاشرے میں خود کو صادق امین، حليم، ایماندار اور پاک دامن سیلیش کیا، آپ کی صداقت کا یہ
لہ، عالم تھا کہ جب لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو لوگوں سے فرمایا ”میں اگر آپ سے کہوں، اس پہاڑ کے
لہ، پہن کی فوج جپی ہے تو کیا آپ لوگ میری بات پر یقین کرو گے؟“ تمام لوگوں نے با آواز بلند
لہ، ہوا ب دیا، ”ہم فوراً یقین کر لیں گے، پوچھا“ کیوں؟ ”لوگوں نے جواب دیا“ ہم سمجھتے ہیں ہماری نظریں
لہ، دھوکہ کما سکتی ہیں لیکن آپ ﷺ غلط بیان نہیں کر سکتے، رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا اعتراف کرنے
لہ، اس لوگوں میں ایسے اشخاص بھی شامل تھے جو پہاڑ کی دوسری طرف سے آئے تھے اور انہوں نے دیکھا
لہ، تھا پہاڑ کی دوسری طرف کوئی فوج موجود نہیں لیکن یہ لوگ بھی اقرار کر رہے تھے ہماری آنکھیں دھوکہ کھا
لہ، سکتی ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ غلط نہیں فرماسکتے۔ آپ ﷺ کی امانت داری کا یہ عالم تھا کہ وہ کفار جو

سے ہو کر سر سے نکل گئی اور میں نے کامپنا شروع کر دیا۔ لفڑ کی آنکھیں کھلی تھیں؛ اس کی ہاک سے آہت آہتہ سانس لکل رہی تھی اور اس کے ہونٹ کپکار ہے تھے۔ لفڑ واقعی زندہ ہو رہی تھی، میں نے خوف کے عالم میں شاہ صاحب کی طرف دیکھا، ان کا چہرہ سرخ تھا، سرکی چوٹی سے آبشار کی طرح پینہ لکل رہا تھا۔ پینہ کی لکیریں چہرے کے زادیوں سے ہو کر چھوڑی پر مجھ ہو رہی تھیں اور وہاں سے بے تاب ہو کر فرش پر گر رہی تھیں۔ شاہ صاحب کی بڑی آہت میں اضافہ ہو چکا تھا جبکہ لفڑ کے ہونٹ کپکار ہے تھے اور اس نے اپنی آنکھیں ہمارے اوپر گاڑھ رکھی تھیں۔ میرا دل یعنی سے باہر لکل کر ڈھڑک رہا تھا۔ میں نے وہاں سے بھاگنے کا فیصلہ کیا لیکن پھر اچانک کرے میں آواز گنجی "ہووازو دیز، ڈسٹر بگ می" میں نے گھبراہت کے عالم میں لفڑ کے چہرے کی طرف دیکھا، اس کے ہونٹ پل رہے تھے اور آنکھیں میرے چہرے پر گڑھی تھیں۔ شاہ صاحب نے پڑھتے پڑھتے آنکھیں کھولیں اور مجھے سوال کرنے کا اشارہ کر دیا لیکن میرے سارے حواس جواب دے پکے تھے، میری زبان تالوں کے ساتھ چپک گئی تھی اور کنپشیاں ڈھول کی طرح نج رہی تھیں۔ میں نے سڑپجر سے ہاتھ اٹھائے اور دروازے کی طرف بھاگ کرنا اہوا۔ لفڑ مجھے "ویسی آر یو گونگ مسٹر شودری، ویسی آر یو گونگ مسٹر شودری" کی آوازیں دینے لگیں لیکن میں باہر کے دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ میں دروازے کے پاس پہنچا اور چھپنی کی ٹلاش کیلئے دیوانہ وار دروازے پر ہاتھ پھیرنے لگا، مجھے اچانک اپنے دوست کی چیخ کی آواز آئی، میں نے واپس مرکر دیکھا، لفڑ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر ہاتھ اور وہ اپنا ہاتھ چھڑوانے کیلئے زور آزمائی کر رہا تھا لیکن لفڑ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ میں نے مدد کیلئے شاہ صاحب کی طرف دیکھا لیکن شاہ صاحب لفڑ کا انگوٹھا چھوڑ کر دیوار کے ساتھ پیک گا کر کھڑے تھے، ان کا رنگ پیلا زرد ہو چکا تھا، مجھے محسوس ہوا شاہ صاحب کو ہارت ایک ہو گیا ہے اور وہ کسی بھی لمحے فرش پر گر کردم تو ڈجا نہیں گے۔ میں ابھی یہ منظر دیکھ رہا تھا کہ لفڑ میں ایک اور تبدیلی آئی، لفڑ آہتہ سڑپجر پر بیٹھنے لگی، اسی دوران میرا ہاتھ چھپنی تک پہنچ گیا۔ میں نے چھپنی کا راڑ سیدھا کیا لیکن اس سے پہلے کہ میں چھپنی کو نیچے کی طرف سر کاتا، کرے میں ایک لٹک شگاف قہقہہ گونجا اور کھڑکی کے پردے ہلانا شروع ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر میرے ذہن نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، میرے اوپر غنوگی اور اندھیرا سا چھانے لگا اور میں بے ہوش ہو کر دروازے کے قدموں میں گرمیا۔

جاوید چودھری

مکان نمبر: 17، گلی نمبر: 491

شہزاد، اسلام آباد

اپنے لئے اکابر یا تھا اور جنہوں نے آپ نبی مسیح کے چھا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لیجہ نکال کر چبایا تھا۔ اس کے بعد کیا کیا؟ آپ نبی مسیح نے اس کے بعد اسلام کے پیغام کو پوری دنیا میں امانت رکھاتے تھے، آپ نبی مسیح کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انہی کفار کی امانتیں لوٹانے کیلئے کمک میں چھوڑ گئے تھے۔ آپ نبی مسیح کی انصاف پسندی کا یہ عالم تھا کہ مکہ کے چالیس چالیس برس کے دشمن قبائل اپنے فیصلے آپ نبی مسیح سے کرتے تھے، جو اس کو انصاب کرنے کا وقت آتا تھا تو اس وقت بھی لوگوں کی نگاہیں آپ نبی مسیح کی طرف ہی اختی تھیں۔ آپ نبی مسیح کی کریمیتی کا یہ عالم تھا کہ مکہ کی ریس تین خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا شادی کا فیصلہ کرتی ہیں تو ان کی نگاہ انتخاب بھی صرف اور صرف آپ نبی مسیح کی طرف اختی ہے۔ آپ نبی مسیح چالیس برس کی اس کریمیتی کے بعد کیا کرتے ہیں یہ بات بھی غور طلب ہے آپ نبی مسیح اس کے بعد تبلیغ، دعوت اور تغییب کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور آپ نبی مسیح کی کریمیتی اس تبلیغ میں مرکزی کردار ادا کرتی ہے چنانچہ آپ نبی مسیح کے قریب تین لوگوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا جبکہ دوسرا لوگ آہست آہست ایمان کے داخل ہوتے رہے۔ تبلیغ کا یہ وقت انتہائی سخت تھا، مکہ کے کفار نے آپ نبی مسیح اور آپ نبی مسیح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ظلم کے پھائی توڑ دیئے لیکن آپ نبی مسیح اور آپ نبی مسیح کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے اللہ کی رضا بمحکمہ گئے، مشکل

کے اس دور میں مسلمان قرآن مجید اور نماز چھپ کر پڑھتے تھے اور اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک مکہ کرمہ کے ایک طاقتوں شخص حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا اور وہ حرم شریف میں تکوار اٹھا کر مسلمانوں کی چہلی اوپن اور باجماعت نماز کی حفاظت کیلئے کھڑے کھڑے نہیں ہوئے لہذا یہ استقامت کا دور تھا۔ رسول اللہ نبی مسیح نے اس کے بعد کیا کیا؟ آپ نبی مسیح نے بھرت فرمائی، آپ نبی مسیح محفوظ مقام پر تشریف لے گئے، آپ نبی مسیح نے اس کے بعد کیا کیا؟ آپ نبی مسیح نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ ان کی شرائط پر معاہدہ کیا اور ان کی شرائط پر مدینہ منورہ میں زندگی گزارنے لے گئے آپ نبی مسیح نے اس کے بعد کیا کیا؟ آپ نبی مسیح نے اس کے بعد کفار کے ہملوں کا دفاع کیا، کفار مکہ نے تین لشکر بھجوائے اور آپ نبی مسیح نے بدر اور احد میں ان ہملوں کا دفاع کیا جبکہ تیرے ہملے کے وقت آپ نبی مسیح نے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھود دی، دفاع کے بعد آپ نبی مسیح نے کیا کیا؟ آپ نبی مسیح نے اس کے بعد مدینہ منورہ کے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملایا، یہودیوں کو وعدہ خلافیوں کی سزا دی میں کی شیش پر اپنی گرفت مضبوط کی اور اس کے بعد مکہ کی دفعہ کیلئے ہمل کھڑے ہوئے اس دوران آپ نے صلح حدیبیہ پر بھی دستخط کئے اور کفار کی بعض کڑی شرائط بھی تسلیم کیں۔ آپ نبی مسیح نے اس کے بعد کیا کیا؟ آپ نبی مسیح نے اس کے بعد مکہ کے ان ظالم لوگوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپ نبی مسیح اور آپ نبی مسیح کے ساتھیوں کی

چائے کا ایک کپ، رس کے دمکڑے

میں نے ملکی ویژن بند کیا اور اپنے ساتھی کی طرف مزگیا، میرے دوست تو نے سے منہ صاف میں نے اس سے عرض کیا "یار بے شک پریم کورٹ نے تاریخی فیصلہ دیا، میاں نواز شریف اور احمدی میں نے اس سے عرض کیا" یار بے شک پریم کورٹ نے تاریخی فیصلہ دیا، میاں نواز شریف اور میاں نواز شریف کی واپسی پاکستانی سیاست کا یوں فتنہ ثابت ہو گی اور اگر میاں نواز شریف پاکستان پہنچے تو وہ سیاست سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فارغ ہو جائے گی" میرے دوست نے اثبات میں سرہادیا میں اس سے عرض کیا "لیکن اس کے باوجود میرے ذہن میں ایک عجیب سوال پیدا ہوتا ہے" میرے دوست نے سرہاد پر اٹھایا اور آنکھوں میں پوچھا "کیا" میں نے عرض کیا "اگر میاں نواز شریف اور ان کے خاندان نے واپس ہی آنا تھا، انہوں نے دوبارہ اقتدار میں پہنچنا تھا تو اللہ تعالیٰ کو 12 اکتوبر 1999 کیا ضرورت تھی، نواز شریف فیملی کو قید تھا اسی میں ڈالنے اور انہیں جدہ اور لندن بھجوانے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر اللہ تعالیٰ نے 12 اکتوبر 1999 اور 23 اگست 2007 کو ایک دوسرے کے ساتھ ہی طور پر اٹھ برس کا یہ کھیل کھینے کی کیا ضرورت تھی؟ مجھے اس سارے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی مصلحت کیا پہنچنے کے لئے پر کھل کھڑا کیا؟ جیب سے پرس لکھا اور پس سے ایک میلی کھیلی رسیدنکالی اور وہ بھروس آ رہی" میرے دوست نے قہقہہ لگایا، جیب سے پرس لکھا اور اس کے نیچے بھلوال تحریر تھا، اس پر میرے سامنے رکھ دی رسیدنکالی اور میز پر رکھ دی، یہ دس بارہ سال کے ایک بچے کی تصویر کے بعد اس نے پرس سے ایک چھوٹی سی تصویر نکالی اور میز پر رکھ دی، میں نے اس سے ایک بچے کی تصویر لے لی، بچے نے کندھے پر سکول کا بستہ اخبار کھا تھا اور وہ شرما کر کیسے کی طرف دیکھ رہا تھا، میں حیرت سے دوست کی طرف دیکھنے لگا، اس نے دونوں چیزیں واپس پرس میں رکھیں اور کری پڑھیر ہو گیا۔

"یہ پانچ برس پر انا واقعہ ہے اور تمہیں اس واقعے میں نواز شریف خاندان کی جلاوطنی کی تمام دوہات معلوم ہو جائیں گی" میرے دوست کے چہرے پر رونق سی آگئی وہ بولا" میں ٹرین کے ذریعے بہاولپور سے سرگودھا آ رہا تھا، یہ رات کا وقت تھا، میں بر تھہ پر چڑھ کر سو گیا، میرا خیال تھا میں سرگودھا سے پہلے باغ جاؤں گا لیکن شدید تھکاوٹ کی وجہ سے میری آنکھ نہ سکھ سکی اور میں سرگودھا سے آگے نکل گیا، راستے میں چند لمحوں کیلئے ٹرین رکی تو میں جیسے ہی گرتے پڑتے نیچے اتر آیا، یہ ایک دیہاتی ساشیشن تھا، اور کامیابی نہ شروع ہو چکا تھا اور فضا میں سردی کا ہلکا ہلکا اثر موجود تھا، صحیح ہونے میں ابھی چند سکھنے باقی تھے اور پورے پہلیت قارم پر میرے سوا کوئی مسافر نہیں تھا، میں نے گارڈ روم کے چوکیدار سے اگلی ٹرین

یہ عجیب بات لگتی ہے، ہم دنیا کے بدترین معاشروں میں رہتے ہوں، ہم نے جہالت کو اپنا اور ہتنا بچھوتا بنا رکھا ہو، ہم دواؤں کیلئے بھی دشمنوں کی محتاج ہوں، ہم ہتھیار بھی اپنے دشمنوں کے استعمال کرتے ہوں، ہم دودھ میں گندے جو ہڑوں کا پانی ملاتے ہوں اور مسجدوں سے لوٹے اور کلاک چوری کرتے ہوں، ہمارا سکول ہر وقت یہودیوں کے سامنے پھیلا ہو اور ہم اپنے ہی مسلمان بھائیوں کے سرلم کر رہے ہوں، مسجدوں، امام بارگاہوں اور قبرستانوں میں بھی چھاڑ رہے ہوں اور اس کے بعد پوری دنیا میں اسلام پھیلانے کا دعویٰ کر رہے ہوں یہ کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سلطنت میں کریمہ بھلی، تبلیغ اور استقامت ہمیشہ تکوار سے پہلے آتی ہے جبکہ ہم لوگ اسلام کو تکوار سے شروع کر رہے ہیں۔

⊗ ⊗ ⊗

کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا مجھ دس بجے سے پہلے کوئی ٹرین نہیں آئے گی، لاری اڑہ وہاں سے "ور" تھا اور رات کے وقت شیشن سے لکھا خطرے سے خالی نہیں تھا لہذا میں پلیٹ فارم کے اکلوتے نجع پر بینہ گیا، یہ میری زندگی کی مشکل ترین رات تھی پلیٹ فارم پر سناٹا بھی تھا اور اندر میرا بھی اور مجھے شدید سردی بھی لگ رہی تھی میں انھوں کر چکیدار کے پاس چلا گیا اور اس سے کسی چائے خانے یا ہوٹل کے بارے میں پوچھنے لگا، چکیدار نے بیزاری سے گیٹ کی طرف اشارہ کر دیا، میں نے اپنا سامان اس کے کرے میں رکھا اور آہستہ چلتا ہوا شیشن سے باہر آگیا، میرا دوست سانس لینے کیلئے رکا۔

مجھے اس کی کہانی انتہائی فضول، بے معنی اور بور محسوس ہو رہی تھی لیکن میں خاموش بیٹھا رہا، وہ دوبارہ گویا ہوا، "شیشن سے باہر ایک چھوٹا سا ہوٹل تھا، ہوٹل کے چولہے سر دھنے کریاں کر سیوں پر اونڈھی پڑی تھیں اور دروازہ آدھ کھلا تھا، میں نے دروازے سے اندر جماں کر دیکھا، اندر کا منظر دیچپ تھا، ہوٹل کے فرش پر دو گدے بچے تھے، ایک گدے پر درمیانی عمر کا ایک بے ہنجم سا شخص خانے لے رہا تھا جبکہ دوسرے گدے پر پانچ چھ سال کا ایک بچہ بیٹھ کر سلیٹ پر کچھ لکھ رہا تھا، بچے کے سرہانے مٹی کے تیل کا یہ پر کھا تھا اور وہ ناکافی روشنی میں بڑی مشکل سے لکھ رہا تھا، میں نے دروازے پر دستک دی تو بچے نے سہم کر میری طرف دیکھا، میں نے مسکرا کر اسے سلام کیا اور بڑے بیمار سے پوچھا "بیٹا میں مسافر ہوں کیا مجھے ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" بچے نے اثبات میں سرہلا یا سلیٹ گدے پر رکھی اور چولہے پر کھڑا ہو گیا، میں اس کی مدد کرنے لگا، ہم نے مٹی کے تیل کا چولہا جلا یا، اس نے چولہے پر پتکی رکھی، ہم دونوں نے چائے بنائی اور ہم چائے کا کپ لے کر ہوٹل کے باہر بیٹھ گئے، بچے نے مجھے اندر سے رس کے دو گلڑے اور ایک کیک پیس بھی لادیا، مجھے سخت بھوک لگی تھی، اس بھوک میں چائے کا وہ کپ وہ درس اور ایک کیک پیس مجھے دنیا کی سب سے بڑی نعمت محسوس ہوا، وہ دم لینے کیلئے رکاتوں نے بے چینی سے پوچھا "لیکن اس سارے واقعے کا نواز شریف کی جلاوطنی سے کیا تعلق،" اس نے مجھے ہاتھ سے صبر کرنے کا اشارہ کیا اور دوبارہ بولا "میرے پاس وقت تھا لہذا میں نے بچے کے ساتھ کپ شپ شروع کر دی،" مجھے معلوم ہوا وہ بچہ ٹیکم ہے اور اپنے دور پار کے کسی عزیز کے ساتھ ہوٹل میں کام کرتا ہے، وہ سارا دن بازار میں چائے سرو کرتا ہے اور چولہا جلاتا ہے اور رات کو پڑھنے کی کوشش کرتا ہے، بچے نے بتایا اسے پڑھنے کا بے تحاشہ شوق ہے وہ اخبار سامنے رکھ کر کچھ لفظ منتخب کرتا ہے اور گھنٹوں یہ لفظ سلیٹ پر کاپی کرتا رہتا ہے، جب اسے یہ لفظ اچھی طرح لکھنے آ جاتے ہیں تو وہ کسی پڑھے لکھنے کا کم سے ان کا تنظیم اور مطلب سیکھ لیتا ہے اس نے مجھے چند لفظ لکھ کر بھی دکھائے، میں بچے کی ذہانت سے متاثر

ہے لیکن سارا تھا وہ محبت اور شفقت سے اپنے بچوں کی طرف دیکھتا تھا اور اس کا سینہ فخر سے پھیل
ہوا تھا، قمار آہتہ آہتہ آگے بڑھ رہی تھی، اس خاندان سے آگے ایک ادھیز عمر جوڑا تھا، باباجی نے
بچوں میں سے کپڑے پہن رکھے تھے جبکہ بوزہمی خاتون نے نیلے رنگ کا سکرت وہ دونوں آگے بڑھے
بچوں لے لیکر لیا اور اندر ورنی راہ واری کی طرف مڑ گئے، اب اس خاندان کی باری تھی وہ صاحب اپنی
کام کے ساتھ آگے بڑھے، انہوں نے پیار اور فخر سے بچوں کی طرف دیکھا، حکمت کی کھڑکی پر جھکے اور
بچوں نے لیکر بیچنے والی خاتون سے پوچھا "دول اور آٹھ بھائیوں کے کتنے پیسے بنتے ہیں؟" سرکس کی
مصنف کی کتاب میں پڑھا تھا اور یہ میرے شعور کا حصہ، بن گیا تھا اور اس کے بعد میں نے جب بھی کسی
سینما ہاؤس سرکس یا کسی ریسٹوران کے سامنے پانچ چھوپھوں کی فیملی دیکھی تو مجھے فوراً یہ واقعہ یاد آگیا اور
میں اس کے کرداروں کے گھر میں گرفتار ہو گیا، یہ مصنف کی ذاتی زندگی کا واقعہ تھا، مصنف کا نام غالباً ڈین
کلارک تھا، ڈین کلارک نے اپنی بائیوگرافی میں لکھا "بچپن میں ہمارے شہر میں ایک شاندار سرکس گی تھی،
میں نے اپنے والد سے سرکس دیکھنے کی صد کی اس وقت ہمارے معاشری حالات اچھے نہیں تھے، میرے
والد نے مجھے ٹالنے کی بڑی کوشش کی لیکن میں جب ماننے پر تیار نہ ہوا تو میرے والد نے جیسے تھے دو
ٹکٹوں کی رقم کا بندوبست کیا اور ہم سرکس پلے گئے، سرکس کے سامنے تماشائیوں کی لمبی قطار لگی تھی، میں
اور میرے والد بھی اس قطار میں کھڑے ہو گئے، ہم سے آگے ایک لمبی چوڑی فیملی کھڑی تھی، یہ درمیانی عمر
کے دو میاں بیوی تھے جبکہ ان کے پیچے آٹھ بچے کھڑے تھے، یہ پنج شانگی اور تہذیب کے ساتھ قطار
میں کھڑے تھے اور خوب تیاری کر کے سرکس دیکھنے آئے تھے، بچوں کے منہ تازہ تازہ دھلے ہوئے تھے
سب نے بڑی احتیاط سے بال بنا کر تھے، سب نے اپنے بہترین کپڑے پہن رکھے تھے اور سب کے
جسم سے عطر کی خوبیوں آرہی تھی، یہ پنج دو دو کی جوڑی کی صورت میں کھڑے تھے اور انہوں نے ایک
دوسرے کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے، میں نے زندگی میں بے شمار پنج دیکھے ہیں لیکن مجھے ان آٹھ بچوں جیسا
کوئی مہذب پچھے نہیں ملا، وہ پنج اخلاقیات میں بڑی عمر کے لوگوں سے بھی بہتر تھے لیکن شانگی اور
تہذیب کے باوجود بچوں کے پھر دوں پر صاف لکھا تھا، یہ ان کی زندگی کا سب سے بہترین دن ہے اور وہ
پہلی مرتبہ تفریغ کیلئے گھر سے لکھے ہیں، وہ ایک دوسرے کے ساتھ رکھوں میں بات چیت کر رہے تھے
اور ان کی بات چیت میں عموماً ہاتھی، شیر اور جادوگروں کا ذکر آرہا تھا، جس سے محروس ہوتا تھا وہ پنج سرکس
کے پر دے کے پیچھے چھپی دنیا دیکھنے کیلئے بے تاب ہیں، بچوں کے ماں بآپ بھی بہت خوش تھے وہ خوشی
سے بھی ہاتھ ملتے تھے اور کبھی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر سرت کا اظہار کرتے تھے، ان کا والد خوشی سے

چھوٹی چھوٹی نیکیاں

Urdu.com

مرحلے میں میرا ساتھ دیا۔"

ذین کلارک کی زندگی کا واقعہ بظاہر ایک معمولی ساقصہ ہے لیکن جب سے میں نے یہ واقعہ پڑھا ہے مجھے محسوس ہوتا ہے ہم لوگ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کو بڑی بڑی عبادتوں اور بڑی بڑی خدمتوں میں طلاش کرتے رہتے ہیں، ہم اسے مسجدوں، کیساوں، سینا کوکا اور مندروں میں طلاش کرتے ہیں، ہم اسے قرآن مجید، بال اور توریت میں کھو جتے ہیں اور ہم اس تک پہنچنے، اس کو پانے کیلئے بڑے بڑے ہسپتاں، بڑے بڑے خیراتی ادارے اور بڑے بڑے دارالامان بناتے ہیں لیکن ہمارا خدا ہماری زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات، ہماری چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی مسافتیں چھوٹی ہوتی ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے انقشار کرتا رہتا ہے وہ خدا جس تک پہنچنے کیلئے دنیا کے پرمیز گارپوری زندگی بجدعے کرتے ہیں اور جسے پانے کیلئے مقی عمر بھر روزے رکھتے ہیں وہ خدا انسانوں کو پانی کے ایک گلاس، ایک وقت کی روٹی، ایک چادر اور سردیوں کی بندرا توں میں ایک رضاکی کے عوض مل سکتا ہے وہ خدا زمانے کے مارے بے بس لوگوں کے پاس بیٹھ کر صدیوں سے ہمارا انقشار کر رہا ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی جس رحمت اور جس کرم کو قبلوں اور کھبوں میں طلاش کرتے رہتے ہیں، اللہ کی وہ رحمت اور وہ کرم اس کے بندوں کی چھوٹی چھوٹی امیدوں اور چھوٹی چھوٹی حرثوں میں چھپی رہتی ہے، مجھے محسوس ہوا خدا تک پہنچنے کے تمام راستے اس کی مظلوم بے بس اور نادار جموق کے دل سے گزرتے ہیں اور یہ راستے کبھی فقط بیس روپے اور کبھی پانی کے ایک گلاس کے عوض کھل جاتے ہیں، مجھے محسوس ہوا خدا ہمیشہ چھوٹے لوگوں کے دلوں میں رہتا ہے اور جب تک ہم ان لوگوں کے دلوں پر دستک نہیں دیتے اور جب تک ان لوگوں کا دل ہمارے لئے نہیں کھلتا اس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ پاتے، ذین کلارک کی زندگی کے اس واقعے نے بتایا بعض اوقات میں روپے کا نوٹ انسان کو خوشی کا وہ احساس دے دیتا ہے جو بیس ارب روپے خرچ کر کے بھی حاصل نہیں ہوتا، مجھے یہاں دنیا کے نامور نفیات و ان سگمنڈ فرائیڈ کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے، فرائیڈ کے پاس شہر کا امیر تین ٹھنڈ آیا اور اس سے کہنے لگا "فرائیڈ میرے پاس دنیا کی تمام نعمتیں موجود ہیں لیکن میرے دل میں قرار نہیں، مجھے سکون اور خوشی کا احساس نہیں ہوتا، تم میرا علاج کرو" فرائیڈ مسکرایا اور اسے مشورہ دیا "آپ روزانہ سو مارک کے پھول خریدا کریں اور یہ پھول بچوں اور بڑھوں میں تقسیم کر دیا کریں آپ کو خوشی بھی مل جائے گی اور سکون بھی، وہ ٹھنڈ گیا اور اس نے پھول تقسیم کرنا شروع کر دیئے وہ ایک ماہ بعد واپس آیا تو اس کے چہرے پر خوشی بھی تھی اور سکون بھی، فرائیڈ نے اس وقت اسے بتایا خوشی ہمیشہ چھوٹی چھوٹی بے لوث خدمتوں میں ملتی ہے لیکن لوگ اسے زندگی بھر بڑے کاموں اور بڑی نیکیوں میں

ہال اتر رہتے ہیں لہذا لوگ عمر بھر اس سے محروم رہتے ہیں، مجھے یہاں اپنے ایک دوست بھی یاد کر رہے ہیں تو یہ بازار سے فٹ بال، کرکٹ کی گیندیں اور پڑھا ہے مجھے محسوس ہوتا ہے ہم لوگ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کو بڑی بڑی عبادتوں اور بڑی بڑی خدمتوں میں طلاش کرتے رہتے ہیں، ہم اسے مسجدوں، کیساوں، سینا کوکا اور مندروں میں طلاش کرتے ہیں، ہم اسے قرآن مجید، بال اور توریت میں کھو جتے ہیں اور ہم اس تک پہنچنے، اس کو پانے کیلئے بڑے بڑے ہسپتاں، بڑے بڑے خیراتی ادارے اور بڑے بڑے دارالامان بناتے ہیں لیکن ہمارا خدا ہماری زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات، ہماری چھوٹی چھوٹی نیکیوں اور ہمارے چھوٹے چھوٹے کاموں میں ہمارا انقشار کرتا رہتا ہے وہ خدا جس تک پہنچنے کیلئے دنیا کے پرمیز گارپوری زندگی بجدعے کرتے ہیں اور جسے پانے کیلئے مقی عمر بھر روزے رکھتے ہیں وہ خدا انسانوں کو پانی کے ایک گلاس، ایک وقت کی روٹی، ایک چادر اور سردیوں کی بندرا توں میں ایک رضاکی کے عوض مل سکتا ہے وہ خدا زمانے کے مارے بے بس لوگوں کے پاس بیٹھ کر صدیوں سے ہمارا انقشار کر رہا ہے، ہم اللہ تعالیٰ کی جس رحمت اور جس کرم کو قبلوں اور کھبوں میں طلاش کرتے رہتے ہیں، اللہ کی وہ رحمت اور وہ کرم اس کے بندوں کی چھوٹی چھوٹی امیدوں اور چھوٹی چھوٹی حرثوں میں چھپی رہتی ہے، مجھے محسوس ہوا خدا تک پہنچنے کے تمام راستے اس کی مظلوم بے بس اور نادار جموق کے دل سے گزرتے ہیں اور یہ راستے کبھی فقط بیس روپے اور کبھی پانی کے ایک گلاس کے عوض کھل جاتے ہیں، مجھے محسوس ہوا خدا ہمیشہ چھوٹے لوگوں کے دلوں میں رہتا ہے اور جب تک ہم ان لوگوں کے دلوں پر دستک نہیں دیتے اور جب تک ان لوگوں کا دل ہمارے لئے نہیں کھلتا اس وقت تک ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ پاتے، ذین کلارک کی زندگی کے اس واقعے نے بتایا بعض اوقات میں روپے کا نوٹ انسان کو خوشی کا وہ احساس دے دیتا ہے جو بیس ارب روپے خرچ کر کے بھی حاصل نہیں ہوتا، مجھے یہاں دنیا کے نامور نفیات و ان سگمنڈ فرائیڈ کا ایک واقعہ یاد آ رہا ہے، فرائیڈ کے پاس شہر کا امیر تین ٹھنڈ آیا اور اس سے کہنے لگا "فرائیڈ میرے پاس دنیا کی تمام نعمتیں موجود ہیں لیکن میرے دل میں قرار نہیں، مجھے سکون اور خوشی کا احساس نہیں ہوتا، تم میرا علاج کرو" فرائیڈ مسکرایا اور اسے مشورہ دیا "آپ روزانہ سو مارک کے پھول خریدا کریں اور یہ پھول بچوں اور بڑھوں میں تقسیم کر دیا کریں آپ کو خوشی بھی مل جائے گی اور سکون بھی، وہ ٹھنڈ گیا اور اس نے پھول تقسیم کرنا شروع کر دیئے وہ ایک ماہ بعد واپس آیا تو اس کے چہرے پر خوشی بھی تھی اور سکون بھی، فرائیڈ نے اس وقت اسے بتایا خوشی ہمیشہ چھوٹی چھوٹی بے لوث خدمتوں میں ملتی ہے لیکن لوگ اسے زندگی بھر بڑے کاموں اور بڑی نیکیوں میں

لہے میں عرض کیا۔ ”جتاب مجھے اب بھی سمجھ نہیں آئی“، انہوں نے قہقہہ لگایا اور فرمایا ”خوشحالی کی دلائل چیزیں ہوتی ہیں لیکن یہ دونوں انسان کیلئے انتہائی ضروری ہوتی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کے لئے جہاں لوگوں کو سکون اور اطمینان کا طریقہ سکھایا تھا وہاں آپ ﷺ اپنے لئے اپنے لوگوں کی خوشحالی کیلئے بھی دعا کیا کرتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے غربت انسان کو کفر نک لے جاتی ہے۔ آپ غور کر انسان کو دولت اور سکون دونوں درکار ہوتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے یہ دونوں چیزیں ایک دہن ہیں، دولت جب کسی شخص کے پاس پہنچتی ہے تو اس سے سکون رخصت ہو جاتا ہے اور اس کوں موجود ہوتا ہے وہاں سے دولت کھکنے لگتی ہے لیکن اللہ کا شکر وہ واحد طاقت ہے جو سکون اور دلوں کو نہ صرف ایک جگہ جمع کر سکتی ہے بلکہ انہیں سینکڑوں ہزاروں سالوں تک اکٹھا بھی رکھ سکتی ہے، دلوں کو اسی منتد اور ترقی یافتہ لوگوں کو بے سکون پاؤ گے جو اللہ کی نعمتوں کا شکر ہے، دنیا میں ان تمام خوشحالی، دولت منتد اور ترقی یافتہ لوگوں کو بے سکون پاؤ گے جو اللہ کی نعمتوں کا شکر کرتے اور تمہیں وہ تمام لوگ پر سکون اور مطمکن ملیں گے جن کی زبان پر اللہ کا شکر ہوتا ہے۔“ وہ ایک بارہ بھری طرف دیکھنے لگئے میں نے عرض کیا۔“ لیکن ہم میں سے بے شمار لوگ ہر وقت اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں، ہم پر اللہ کا کرم ہے، اللہ کا شکر ہے جیسے فقروں کو اپنی طیک سلیک کا حصہ بنالیا ہے، ایک مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولے ”صرف زبانی کلائی۔“ ہم لوگوں نے شکر اور کرم کو اس طرح اپنی روشنیں بنالیا ہے جس طرح ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر ہیلو ہائے یا سوری کہتے ہیں اور یہ بھی ایک طرح کی منافقت ہے۔“ میں نے عرض کیا۔“ پھر شکر ادا کرنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے؟“ انہوں نے فرمایا میں ب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے انعامات کو تسلیم کرنا چاہئے،“ اللہ نے ہمیں محنت دی، دنیا کا ہر انسان میں سے چار ہزار بیماریاں لے کر پیدا ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی بیماری کسی بھی وقت متھر ک ہو سکتی ہے،“ ان اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بیماریوں سے بچا کر رکھا ہے، دنیا میں کھانا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اس کے لئے کام اللہ تعالیٰ نے ہمیں کام کا وہ حکومت جو ہم ہمیشہ بے خیالی میں پیتے ہیں اور رزق کا وہ کام ہوئے کو خارج کرنا مشکل ہے، پانی کا وہ حکومت جو ہم نے کبھی اس کے بارے میں سوچا اگر یہ لقماً اور پانی کا یہ لامبہ، ہم فی ولی دیکھتے دیکھتے نگل جاتے ہیں،“ ہم نے کبھی اس تکلیف کا اثر رہا،“ اس تکلیف کا اثر رہا،“ اس کے لئے اندرونہ جائے، قدرت اسے اخراج کی اجازت نہ دے تو ہمارا کیا حشر ہو؟“ تم اس تکلیف کا اثر رہا،“ تک نہیں کر سکتے۔“ اگر انسان کے منہ میں تھوک پیدا نہ ہو تو دنیا کی ساری دولت مل کر بھی یہ تھوک پیدا نہیں کر سکتی،“ ہماری سانس کی نالی میں سور کے دانے کے برابر کا وہ آجائے،“ ہمارے حلقوں میں پھٹلی کا لامبا پھٹس جائے اور ہمارے انگوٹھے پر پھوڑا نکل آئے،“ یا ہماری ریڑھ کی ہڈی کا آخری سراثوت جائے،“ ہماری ساری زندگی عذاب ہو جائے اور انسان موت کو اس تکلیف سے ہزار درجے اچھا سمجھنے لگے،“ دنیا میں اس شخص سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں ہوتا جس کی جیب میں سور و پے ہوں اور اس شخص کے پاس

چوتھا سیکرٹ

وہ مکرانے اور آہستہ سے بولے "ایک دوسرا ازاں یہ نظر بھی ہے" میں نے عرض کیا "وہ کیا" وہ بولے "اللہ کا شکر" میں نے عرض کیا "جناب میں سمجھا نہیں" انہوں نے مکرانے کر میری طرف دیکھا اور پھر بولے "میں آپ کو حضرت موسیٰ کا ایک واقعہ سناتا ہوں آپ کو اس واقعے سے ساری بات سمجھ جائے گی" میں نے عرض کیا "بھی فرمائیے" وہ بولے "حضرت موسیٰ کوہ طور پر تشریف لے جا رہے تھے آپ کو راستے میں دو صاحب ملے ایک صاحب نے آپ سے عرض کیا میں بدحال ہوں گہر میں فاقوں کی نوبت آچکی ہے آپ اللہ سے میرے لئے رزق کی دعا کیجئے گا۔ حضرت موسیٰ نے اس سے وعدہ کر لیا۔ دوسرا شخص آگے بڑھا اور عرض کیا "اے اللہ کے خوبخبر میں اس بمحیٰ کا خوشحال ترین شخص ہوں" میرے پاس زرخیز زمین ہے بکریوں اور بھیڑوں کے گلے اور گھوڑوں کے اصطبل ہیں میرے پاس خادموں اور غلاموں کا شکر ہے اور اللہ نے مجھے اولاد کی خوشی سے بھی نوازا ہے۔ میں اب چاہتا ہوں میرا زیادہ تر وقت اللہ کی عبادت میں گزرے لیکن دنیا داری مجھے اتنی فرصت نہیں دے رہی آپ اللہ سے درخواست کیجئے گا وہ میرے اوپر سے دنیا داری کا بوجھ کم کر دے تاکہ مجھے وقت ملے اور میں صدق دل سے اللہ کی عبادت کر سکوں۔ حضرت موسیٰ نے اس کے ساتھ بھی وعدہ کر لیا "حضرت موسیٰ کوہ طور سے واپس تشریف لائے تو دونوں اشخاص آپ کے راستے میں کھڑے تھے آپ کو دیکھ کر بدحال شخص آگے بڑھا" آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا اللہ نے تمہارے لئے پیغام بھجوایا ہے تم کثرت سے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کرو تمہیں خوشحالی مل جائے گی اس شخص نے چونک کر آپ کی طرف دیکھا اور غصے سے بولا اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا کیا ہے جس کا میں شکر کروں وہ مژا اور واپس بمحیٰ کی طرف چل پڑا۔ دوسرا شخص آگے بڑھا اور عرض کیا میرے لئے کیا حکم ہے آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیغام بھجوایا ہے تم میرے شکر میں کی کر دو تمہارا رزق کم ہو جائے گا، یوں تمہیں فرصت مل جائے گی اس شخص نے ایک لمحہ سوچا اور اس کے بعد بولا میں یہ کیسے کر سکتا ہوں میرے اوپر اللہ تعالیٰ کا بے تحاشا کرم ہے میں خود کو اللہ کے شکر سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں۔ وہ بھی مژا اور بمحیٰ کی طرف واپس چلا گیا۔ وہ خاموش ہو گئے۔

میں چند لمحے تک ان کی طرف دیکھتا رہا وہ بھی خاموشی سے میری طرف دیکھتے رہے میں

دوسرا کتا

حاجی صاحب نے آخری عمر میں فیکٹری لگائی اور وہ چوبیس گھنٹے فیکٹری میں رہنے لگئے وہ سولہ
سالاں کی دفتر میں کام کرتے تھے اور جب تحکم جاتے تھے تو فیکٹری کے گیست ہاؤس میں سو جاتے
لگا حاجی صاحب کے مزاد کی یہ تبدیلی سب کیلئے حیران کن تھی وہ تمیں برس تک دنیاداری کا روپا را اور
بے پہنچ سے الگ تحفہ رہے تھے انہوں نے یہ عرصہ عبادت اور ریاضت میں گزارا تھا اور اللہ تعالیٰ
کے اکابر اس ریاضت کا بڑا خوبصورت صلد دیا تھا وہ اندر سے روشن ہو گئے تھے وہ صبح آٹھ بجے اپنی
لکھ کھو لتے تھے اور رات گئے تک ان کے گرد لوگوں کا مجمع رہتا تھا، لوگ اپنی اپنی حاجت لے کر ان
کے اس آئے تھے وہ ان کیلئے دعا کا ہاتھ بلند کر دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سائل کے مسائل حل فرمادیا تھا
انہوں نے ان کی دعاؤں کو قبولیت سے سرفراز کر رکھا تھا لیکن پھر اچاک حاجی صاحب کی زندگی نے
کامیابی ادا کی ایک دن اپنی گدی سے اٹھنے بینھک بند کی اپنے بیٹوں سے سرمایہ لیا اور گارمنٹس کی ایک
کمپنی کیلئے کپڑوں کے نئے ڈیزائن بنانے کی ذیانت پورپ بھجوائے باہر سے آرڈر آئے اور حاجی
کمپنی مال بنا شروع کر دیا، یوں ان کی فیکٹری چل لکی اور حاجی صاحب دونوں ہاتھوں سے ڈال
کی دی کسی نعمت کا انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس نعمت سے مزہ اڑا دیتا ہے اور اس کے بعد
انسان کھانا کھاتا ہے لیکن اسے اس کھانے کا مزہ نہیں آتا، اس انسان کے پاس رزق اور دولت تو ہوتی
ہے لیکن اس کیلئے اس دولت اور اس رزق کی لذت ختم ہو جاتی ہے وہ انسان ترقی یافتہ اور مشہور تو ہوتا ہے
لیکن اس کی شہرت اور ترقی بے رنگ ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کا شکر ہے جو اللہ کی نعمتوں میں رنگ لذت
اور مزہ ذاتی ہے چنانچہ جب بھی موقع ملے ایک لمبا سانس لو اور دوسروں کو بتاؤ تم پر اللہ کا بہت کرم ہے
ہمیشہ یہ کہو اللہ کا بڑا ہی شکر ہے اللہ کا بڑا ہی کرم ہے اور کبھی اللہ کی نعمتوں کی موجودگی میں شکوہ نہ کرو کیونکہ
اللہ شکر کرنے والوں سے محبت اور شکوہ کرنے والوں سے ناراض رہتا ہے۔

وہ رکے انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولے "یہ اللہ کی سلطنت کا چوتھا سیکرت ہے میں
پہلے تین سیکرت تمہیں پھر کبھی بتاؤں گا"۔

حاجی صاحب کی کہانی ایک سنت سے شروع ہوئی تھی اور کتنے پر ہی آکر ختم ہوئی تھی یہ

یہ سورپے خرج کرنے کی مہلت موجود ہو۔ دنیا میں ایسے ہزاروں لاکھوں لوگ ہیں جن کے پاس
کروڑوں اربوں روپے ہیں لیکن قدرت نہیں پر قم خرج کرنے کی اجازت نہیں دیتی، شاہ ایران کے
اکاؤنٹس میں اربوں روپے تھے لیکن اس نے آخری زندگی دوسروں کے گلزوں پر گزار دی۔ دولت ایک
نوث کی شکل میں ہو یا اربوں روپے کی چیک بک کی صورت میں اس کو جو خرج کر سکے اللہ کا اس پر بڑا
کرم ہوتا ہے اور ہاتھ کو دائیں سے باسیں گھما لینا اور اپنے پاؤں میں خود جوتا پہن لینا اور جب چاہتا اور
جہاں چاہتا چلے جانا، دنیا میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے، یہ تم بھی اس شخص سے پوچھو جس کی ناگزینی اور ہاتھ
مغلون ہیں اور دنیا میں ایک تولہ تھوک کی کیا قیمت ہے، یہ تمہیں صرف وہ بتا سکتا ہے جس کا منہ ہر وقت
خشک رہتا ہے اور اسے زبان کو حرکت دینے کیلئے ہر پانچ منٹ بعد کچھیکل کا گھونٹ بھرنا پڑتا ہے چنانچہ تم
سب سے پہلے اللہ کی ان نعمتوں کو تسلیم کرو اور اس کے بعد صدق دل سے پوری دنیا کو بتا دو تم پر اللہ کا کتنا
بڑا کرم ہے اور تم اس کرم پر اللہ کے بہت ملکور ہو"۔

وہ رکے انہوں نے چند لمحے سوچا اور دوبارہ بولے "دنیا میں ان لوگوں سے برابر قسمت کوئی
نہیں ہوتا جنہیں اللہ تعالیٰ رزق، صحت اور عزت سے فوازے اور وہ ہر وقت شکوہ کرتے رہیں وہ
ہر وقت رو تے دھوتے رہیں، آپ ان سے جب بھی پوچھیں شیخ صاحب آپ کیسے ہیں تو وہ ہائے مر گئے
برپا دھو گئے پیسے ختم ہو گئے، بجلی چلی گئی، پانی نہیں ہے ملک کی حالت پتلی ہے ملک برپا دھو رہا ہے، ہمیں
مچھلی حکومت نے برپا کر دیا، ہمیں بھارت کھا گیا، ہمیں امریکہ لے کر ڈوب گیا اور تجارت میں بہت
نقسان ہو رہا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جیسے شکوہ شروع کر دیتے ہیں۔ تم یقین کرو جب انسان سات پار اللہ
کی دی کسی نعمت کا انکار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس نعمت سے مزہ اڑا دیتا ہے اور اس کے بعد
انسان کھانا کھاتا ہے لیکن اس کھانے کا مزہ نہیں آتا، اس انسان کے پاس رزق اور دولت تو ہوتی
ہے لیکن اس کیلئے اس دولت اور اس رزق کی لذت ختم ہو جاتی ہے وہ انسان ترقی یافتہ اور مشہور تو ہوتا ہے
لیکن اس کی شہرت اور ترقی بے رنگ ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ کا شکر ہے جو اللہ کی نعمتوں میں رنگ لذت
اور مزہ ذاتی ہے چنانچہ جب بھی موقع ملے ایک لمبا سانس لو اور دوسروں کو بتاؤ تم پر اللہ کا بہت کرم ہے
ہمیشہ یہ کہو اللہ کا بڑا ہی شکر ہے اللہ کا بڑا ہی کرم ہے اور کبھی اللہ کی نعمتوں کی موجودگی میں شکوہ نہ کرو کیونکہ
اللہ شکر کرنے والوں سے محبت اور شکوہ کرنے والوں سے ناراض رہتا ہے۔

وہ رکے انہوں نے میری طرف دیکھا اور بولے "یہ اللہ کی سلطنت کا چوتھا سیکرت ہے میں

اے جل جل اک نام سے مشہور ہو گئے اور لوگ ان کے پاؤں کی خاک کا تعویذ ہا کر گئے میں
اور انہیں پھر ایک دوسرا واقعہ پیش آیا اور صوفی بابا دوبارہ حاجی صاحب ہو گئے۔
برادر یوس کی ایک نیم گرم دوپہر تھی، صوفی بابا کی بیٹھک میں درجنوں عقیدت مند بیٹھے تھے
ان کے ساتھ روحانیت کی رموز شیئر کر رہے تھے، با توں ہی با توں میں صوفی بابا نے کتنے کا قصہ
اس لئے کے آخر میں حاضرین کو بتایا ”رزق ہمیشہ انسان کا پیچھا کرتا ہے لیکن ہم بے وقوف
از زندگی کا پیچھا شروع کر دیا ہے، اگر انسان کی توکل زندہ ہو تو رزق انسان تک ضرور پہنچتا ہے
اس کی طرح جو زخمی ہوا تو دوسرا کتاب اس کے حصے کا رزق لے کر اس کے پاس آ جیا۔ میں نے
ذکر کیے تو کہ میں نے دنیاداری ترک کی اور اللہ کی راہ میں لکھا آیا، آج اس راہ کا انعام
اپنے اپنے ذکر کی سمجھی، میں نے دنیاداری ترک کی اور ایسا دن بھی گزر اجب اللہ تعالیٰ نے کسی نہ
پھر اپنے درمیان بیٹھا ہوں۔ ان تین برسوں میں کوئی ایسا دن نہیں گز راجب اللہ تعالیٰ نے کہتا
کہ رزق نہ دیا ہو یا میں کسی رات بھوکا سویا ہوں، میں ہمیشہ اس زخمی کتے کو تھیک یو کہتا
ہے اس لئے مجھے توکل کا سبق سکھایا تھا، صوفی بابا کی محفل میں ایک نوجوان پروفیسر بھی بیٹھا تھا
اوپر اس اختر میں رکھی تھی اور اس کے کان میں ایم پی تھری کا ار فون لگا تھا، نوجوان پروفیسر نے اس
فیصلہ کیا اور چپ چاپ بیٹھ گئے وہ کتاب را دن گودام میں بے ہوش پڑا، شام کو جب انہیں اپنے لگا تو
حاجی صاحب نے دیکھا ان کی فیکٹری کے گیٹ کے نیچے سے ایک دوسرا کتاب اندر داخل ہوا کتے کے منہ
میں ایک بھی سی بولی تھی، کتاب چھپتا چھپتا گودام تک پہنچا، زخمی کتے کے قرب آیا، اس نے پاؤں سے ذکر
کتے کو جگایا اور بولی اس کے منہ میں دے دی، زخمی کتے کا جبراً حرکت نہیں کر پا رہا تھا، چنانچہ اس نے بولی
وہ اپس اگل دی، صحت مند کتے نے بولی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالی، بولی چیائی جب وہ اچھی طرح زم ہو گئی تو
اس نے بولی کا لقہ ساہنا کر زخمی کتے کے منہ میں دے دیا، زخمی کتاب بولی نکل گیا، اسکے بعد وہ کتاب گودام سے
باہر آیا، اس نے پانی کے حوض میں اپنی دم گلی کی وہاں گیا اور دم زخمی کتے کے منہ میں دے دی، زخمی کتے
نے صحت مند کتے کی دم چوں لی، صحت مند کتاب اس کا رروائی کے بعد اطمینان سے واپس چلا گیا، حاجی
صاحب مکراپرے اس کے بعد یہ کھیل روزانہ ہونے لگا، روز کتاب آتا، زخمی کتے کو بولٹی کھلاتا، پانی پلاٹا اور
چلا جاتا۔ حاجی صاحب کئی دنوں تک یہ کھیل دیکھتے رہے، ایک دن حاجی صاحب نے اپنے آپ سے
پوچھا ”وہ قدرت جو اس زخمی کتے کو رزق فراہم کر رہی ہے کیا وہ مجھے دو وقت کی روٹی نہیں دے گی؟“
سوال بہت ولچپ تھا، حاجی صاحب رات تک اس سوال کا جواب تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ
توکل کی حقیقت بجا پکے انہوں نے فیکٹری اپنے بھائی کے حوالے کی اور تارک الدنیا ہو گئے وہ مہینے
میں تیس دن روزے رکھتے اور صبح صادق سے اگلی صبح کاذب تک روکوں وجود کرتے، وہ برسوں اللہ کے
دربار میں کھڑے رہے، اس عرصے میں اللہ انہیں رزق بھی دیتا رہا اور ان کی دعاوں کو قبولیت بھی۔ یہاں

35 برس پرانی بات تھی حاجی صاحب کی گاڑی میں فیکٹری تھی، حاجی صاحب صبح صبح فیکٹری پلے جاتے تھے
اور رات بھی گئے تک کام کرتے تھے، ایک دن وہ فیکٹری پہنچے تو انہوں نے دیکھا ایک درمیانے قد کاٹھ کا سات
گھٹ گھٹ کر ان کے گودام میں داخل ہو رہا ہے، حاجی صاحب نے غور کیا تو پڑھا کتاب شدید زخمی ہے
شاکر دہ کسی گاڑی کے نیچے آ گیا تھا جس کے باعث اس کی تین ناٹکیں نوٹ گئی تھیں اور وہ صرف ایک
ٹانگ کے ذریعے اپنے جسم کو گھیٹ کر ان کے گودام تک پہنچا تھا، حاجی صاحب کو کہتے پر بڑا رحم آیا،
انہوں نے سوچا وہ کتاب کو جانوروں کے کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں، اس کا علاج کرتے ہیں اور
جب کتاب تھیک ہو جائے گا تو وہ اسے گلی میں چھوڑ دیں گے۔ حاجی صاحب نے ڈاکٹر سے رابطے کیلئے فون
اٹھایا لیکن نمبر ملانے سے قبل ان کے دل میں ایک انوکھا خیال آیا اور حاجی صاحب نے فون واپس رکھ
دیا۔ حاجی صاحب نے سوچا کتاب شدید زخمی ہے، اس کی تین ناٹکیں نوٹ چکی ہیں، اس کا جبراً زخمی ہے اور
پہبھی چوتھا کتاب روزی روٹی کا بندوبست نہیں کر سکتا، حاجی صاحب نے سوچا
اپ دیکھایا ہے قدرت اس کتے کی خوراک کا بندوبست کیسے کرتی ہے، حاجی صاحب نے مشاہدے کا
فیصلہ کیا اور چپ چاپ بیٹھ گئے وہ کتاب را دن گودام میں بے ہوش پڑا، شام کو جب انہیں اپنے لگا تو
حاجی صاحب نے دیکھا ان کی فیکٹری کے گیٹ کے نیچے سے ایک دوسرا کتاب اندر داخل ہوا کتے کے منہ
میں ایک بھی سی بولی تھی، کتاب چھپتا چھپتا گودام تک پہنچا، زخمی کتے کے قرب آیا، اس نے پاؤں سے ذکر
کتے کو جگایا اور بولی اس کے منہ میں دے دی، زخمی کتے کا جبراً حرکت نہیں کر پا رہا تھا چنانچہ اس نے بولی
وہ اپس اگل دی، صحت مند کتے نے بولی اٹھا کر اپنے منہ میں ڈالی، بولی چیائی جب وہ اچھی طرح زم ہو گئی تو
اس نے بولی کا لقہ ساہنا کر زخمی کتے کے منہ میں دے دیا، زخمی کتاب بولی نکل گیا، اسکے بعد وہ کتاب گودام سے
باہر آیا، اس نے پانی کے حوض میں اپنی دم گلی کی وہاں گیا اور دم زخمی کتے کے منہ میں دے دی، زخمی کتے
نے صحت مند کتے کی دم چوں لی، صحت مند کتاب اس کا رروائی کے بعد اطمینان سے واپس چلا گیا، حاجی
صاحب مکراپرے اس کے بعد یہ کھیل روزانہ ہونے لگا، روز کتاب آتا، زخمی کتے کو بولٹی کھلاتا، پانی پلاٹا اور
چلا جاتا۔ حاجی صاحب کئی دنوں تک یہ کھیل دیکھتے رہے، ایک دن حاجی صاحب نے اپنے آپ سے
پوچھا ”وہ قدرت جو اس زخمی کتے کو رزق فراہم کر رہی ہے کیا وہ مجھے دو وقت کی روٹی نہیں دے گی؟“
سوال بہت ولچپ تھا، حاجی صاحب رات تک اس سوال کا جواب تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ وہ
توکل کی حقیقت بجا پکے انہوں نے فیکٹری اپنے بھائی کے حوالے کی اور تارک الدنیا ہو گئے وہ مہینے
میں تیس دن روزے رکھتے اور صبح صادق سے اگلی صبح کاذب تک روکوں وجود کرتے، وہ برسوں اللہ کے
دربار میں کھڑے رہے، اس عرصے میں اللہ انہیں رزق بھی دیتا رہا اور ان کی دعاوں کو قبولیت بھی۔ یہاں

دعا عبادت ہے

خواہش کا۔ خواہش صاحب نے اور ذرا سے توقف کے بعد بولے ”آپ کا گھوہ بجا ہے لیکن اس کا ایک مکمل نہیں ہے“ دوسرے مکرائے اور دوبارہ بولے ”میں یہ پہلو بتانے سے پہلے آپ کو ایک تمثیل بتانا چاہتا ہیں“ میں اس تن کوش ہو گیا، خواجه صاحب بولے ”آپ نے اکثر چھوٹے بچوں کو دیکھا ہو گا، بعض بچوں کو اٹھتے ہیں اور اپنی ماوں سے دودھ کیلئے ضد شروع کر دیتے ہیں، دودھ کے قیدر بچوں کو اٹھتے ہیں اور اپنے بچوں کو دودھ نہیں دیتیں، بچے روتے رہتے ہیں، بلکہ میری طرف دیکھتے رہتے ہیں میں نے عرض کیا“ انسان کی 80 فیصد خواہشیں جائز ہیں، ضرر اور معصوم ہوں ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ یہ خواہشیں پوری کروے تو اس میں بظاہر کوئی مضاائقہ نظر نہیں آتا لیکن خواہشوں کی فائل میں ایک میز سے دوسری اور ایک صاحب سے دوسرے صاحب کے دفتر میں دھکے کھاتی رہتی ہیں“ میں نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا، اس پر اطمینان، سکون اور مسکراہٹ تھی، میں نے عرض کیا ”مثلاً ایک طالب علم محنت کرتا ہے اور اس محنت کے بعد گزر آکر اللہ تعالیٰ سے کامیابی کی دعا کرتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود فیل ہو جاتا ہے مثلاً ایک مریض شہر کے سب سے اچھے ڈاکٹر سے علاج کرتا ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے شفاء کی دعا کرتا ہے ایک بنس میں شہر کے مرکزی علاقے میں دکان کھولتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کار و بار میں برکت کی دعا کرتا ہے، نوجوان اپنی پسند کی شادی کرتا چاہتا ہے، بے روز گارفٹس دینے کی درخواست دیتا ہے، تو کری کا طلب گار دفتر میں درخواستیں دیتا ہے، کھلاڑی سارا سال محنت کرتا ہے، کارخانے دار پوری ایمانداری سے مال تیار کرتا ہے، بیوی شوہر کی خدمت کرتی ہے، مال، باب پھوکوں کو اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیم دلاتے ہیں، کسان سارا سال کھیت تیار کرتا ہے، سرکاری ملازم پوری زندگی ایک ایک پیسہ جمع کرتا ہے، ہزاروں لاکھوں بزرگ عمر بھر دیار حرم کی جھلک دیکھنے کیلئے ترپتے ہیں، بھوکاروٹی کی خواہش کرتا ہے اور پیاسے کو پانی کا ایک پیالہ چایئے مریض کو درود کیوں گولی درکار ہے، کلرک سارے دن کے کام کے بعد بس کو خوش دیکھنا چاہتا ہے اور خانہ میں دن بھر کی خدمت کے بعد روٹی کے چند نواں لے چاہتا ہے لیکن جناب ان لوگوں کی یہ تمام جائز خواہشیں حرمتیں بن جاتی ہیں، مریض شفاء کی دعا نیں کرتا کرتا مرجاتا ہے، خانہ میں کوئی کھلی روٹی نہیں ملتی، بس کلرک کو گالی دے کر گھر بھجواتا ہے، لوگ اللہ کے گھر کی خواہش دل میں لئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، تو کری کا طلب گار درخواستیں دے دے کر بیوڑا ہو جاتا ہے، طالب علم محنت اور ذہانت کے باوجود فیل ہو جاتا ہے اور بنس میں مرکزی چوک میں دکان کھول کر بھی تھکیاں مارتا رہتا ہے، کیوں؟ خواجه صاحب کیوں آخراً اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی یہ جائز خواہشیں پوری کیوں نہیں کرتا؟ اس میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟“ میرا سانس پھول گیا اور میں تھک کر

علم اور دولت

"میری دال روٹی چل رہی ہے، مزید کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے میری آنکھوں سافٹ کی بنیاد رکھی اور بل گیش کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہو گیا، ذرا سوچوبل گیش کی وقت ناکاہی زندگی کی کتنی بڑی کامیابی ثابت ہوئی تھی، اگر وہ یونیورسٹی میں رہتا تو کیا ہوتا؟ وہ آج زیادہ سے زیادہ کسی کمپنی میں ملازمت کر رہا ہوتا یا پھر یونیورسٹی میں پروفیسر ہوتا لیکن قدرت نے اسے ناکام طالب علم بنا کر اس پر کامیابی کا سب سے بڑا راستہ کھول دیا، میرا خیال ہے جب بل گیش کو یونیورسٹی سے نکالا گیا ہو گا تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ سے بڑا لکھوہ کیا ہو گا، اس نے بھی اپنی بھائی کیلئے بڑی دعا میں اور بڑی ہنسی کی ہوں گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کے مستقبل سے واقع فتحاً چنانچہ اس نے مسکرا کر اس کی ساری دعا میں رد کر دی ہوں گی، وہ رکے اور مسکرا کر بولے "ہماری دعاؤں کے رد ہماری خواہشوں کی عدم قبولیت اور ہماری آرزوؤں کی عدم تحقق میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جب تک ہماری ناکام آرزوؤں کے کھنڈروں سے کامیابی کی کوچلیں نہیں پھوٹتیں، ہم اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی مصلحت نہیں سمجھ پاتے، میری نظر میں دنیا کی سب سے بڑی حکمت عملی "وہیت ایڈیسی" ہے، آپ دعا کرو اور چپ چاپ بیٹھ جاؤ، اس کے نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، میں نے بے چینی سے پہلو بدلا اور عرض کیا "خواجہ صاحب اگر آپ کی بات مان لی جائے تو پھر دنیا میں دعاؤں کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی ہے،" خواجہ صاحب نے الکار میں سرہلایا اور مسکرا کر جواب دیا "دعا تو عبادت ہوتی ہے، اللہ رب کائنات ہے، اسے اچھا لگتا ہے، اس کے بندے اس کے سامنے سر جھکا نہیں اور اس سے مانگنیں اور جب تک ہماری طلب ہماری درخواست اور ہماری دعاؤں میں ٹکوئے کی ملاوٹ نہیں ہوتی اس وقت تک اللہ تعالیٰ ہماری دعا کو عبادت سمجھتا رہتا ہے لیکن جس دن ہم اس میں ٹکوئے کی کڑواہت ڈال دیتے ہیں اس دن ہماری نماز، نماز اور ہماری دعا، دعائیں رہتی، میرے پیچے اللہ کا شکر ادا کیا کرو اور اس سے ٹکوئے کے بغیر مانگا کرو اللہ تعالیٰ تم سے بہیشہ خوش رہے گا،"

چیز اہم ہے وہ جانتا ہے یہ بے وقوف جس وقت دودھ مانگ رہا ہے اگر اس وقت اسے دودھ دے دیا تو اسے ہیضہ ہو جائے گا اور یہ اگلے پندرہ دن بستر سے نہیں اٹھ سکے گا چنانچہ وہ ہمارے گروگڑا نے ہماری منتوں اور ہماری فریادوں کے باوجود ہمیں دیتا اور ہم کیونکہ تھرڈ لے اور محدود سوچ کے حال لوگ ہیں اللہ اہم اسے اپنی بدنصیبی یا نحود باللہ اللہ تعالیٰ کی سُنگدی سمجھنے لگتے ہیں،"

وہ رکے اور دوبارہ بولے "اگر کوئی یونیورسٹی کسی طالب علم کو نکال دے تو یہ طالب علم کی بہت بڑی ناکامی سمجھی جاتی ہے لیکن ہماروڑی یونیورسٹی نے مسٹر گیش کا نام خارج کر دیا تو اس نے باہر جا کر مانگنے سافٹ کی بنیاد رکھی اور بل گیش کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ہو گیا، ذرا سوچوبل گیش کی وقت ناکاہی اس کی زندگی کی کتنی بڑی کامیابی ثابت ہوئی تھی، اگر وہ یونیورسٹی میں رہتا تو کیا ہوتا؟ وہ آج زیادہ سے زیادہ کسی کمپنی میں ملازمت کر رہا ہوتا یا پھر یونیورسٹی میں پروفیسر ہوتا لیکن قدرت نے اسے ناکام طالب علم بنا کر اس پر کامیابی کا سب سے بڑا راستہ کھول دیا، میرا خیال ہے جب بل گیش کو یونیورسٹی سے نکالا گیا ہو گا تو اس نے بھی اللہ تعالیٰ سے بڑا لکھوہ کیا ہو گا، اس نے بھی اپنی بھائی کیلئے بڑی دعا میں اور بڑی ہنسی کی ہوں گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کے مستقبل سے واقع فتحاً چنانچہ اس نے مسکرا کر اس کی ساری دعا میں رد کر دی ہوں گی، وہ رکے اور مسکرا کر بولے "ہماری دعاؤں کے رد ہماری خواہشوں کی عدم قبولیت اور ہماری آرزوؤں کی عدم تحقق میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جب

میں نے اس سے پوچھا "اس کا مطلب ہے انسان دنیا میں صرف دال روٹی کا بندوبست کیلئے اس کی زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے، اس کا چولہا تین وقت جتنا چاہیے اس کے پاس کیلئے ہمار کپڑے ہونے چاہیں، اس کا تین چار مرلے کا گھر ہونا چاہیے اور اگر اس دوران اسے ایک اور کھانا میں جائے تو غنیمت ہے اور بس! اس کے بعد اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا، وہ اب باقی دنیا میں مارے اور موت کے فرشتے کا انتظار کرے،" اس نے کروٹ بدل کر فوراً جواب دیا "نہیں وہ اسے اچھا لگتا ہے اس کے بندے اس کے سامنے سر جھکا نہیں اور اس سے مانگنیں اور جب تک ہماری طلب ہماری درخواست اور ہماری دعاؤں میں ٹکوئے کی ملاوٹ نہیں ہوتی اس وقت تک اللہ تعالیٰ ہماری دعا کو عبادت سمجھتا رہتا ہے لیکن جس دن ہم اس میں ٹکوئے کی کڑواہت ڈال دیتے ہیں اس دن ہماری نماز، نماز اور ہماری دعا، دعائیں رہتی، میرے پیچے اللہ کا شکر ادا کیا کرو اور اس سے ٹکوئے کے بغیر مانگا کرو اللہ تعالیٰ تم سے بہیشہ خوش رہے گا،"

اس نے دولت جمع کی تھی اور اللہ تعالیٰ دولت جمع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، وہ سرمایہ ہمارے دوستے ہیں، ایک ہم لوگ دولت اور کام کے بارے میں غلط تصورات کے شکار ہیں، دولت اور کام برائیں ہوتا دولت کا غلط استعمال اور منفی کام برے ہوتے ہیں اور ہم لوگ مقدس ہستیوں کی سنت کرنے کی کوشش میں انسانی حدود سے باہر نکل جاتے ہیں، دنیا میں ایسی بے شمار نعمتیں اور لا تعداد کام ہیں جو ہم عام انسانوں کیلئے جائز ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ کام انہیاء کرام اور اولیاء اللہ کیلئے تاجرا فرار دے دیئے تھے مثلاً انہیاء کرام اور اولیاء کرام کو دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں، ان کیلئے دولت کے حصول کیلئے تنگ و دوڑاپنے پاس اپنی ضرورت سے زائد اشیاء درکھنا، دوسرے سے بدلتا اور دوسرے کے جسمانی، ذہنی اور روحانی نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں لیکن عام لوگوں کیلئے یہ تمام چیزیں جائز ہیں، اللہ کے کسی نبی نے اپنے لئے قصاص یادیت نہیں لی تھی لیکن یہ دونوں چیزیں عام شخص کیلئے جائز بھی ہیں اور اس کا حق بھی، اللہ کے کسی نبی نے دنیا میں کوئی زمین یا جائیداد نہیں چھوڑی جبکہ زمین جائیداد عام شخص کا حق بھی ہے اور فرض بھی، اللہ کے کسی نبی، کسی ولی کا کوئی خزانہ تھا اور نہ ہی بینک اکاؤنٹ جبکہ یہ عام شخص کا حق بھی ہے اور اس کیلئے جائز بھی اور اللہ کے کسی نبی نے نبوت اور ولی نے ولایت کے بعد دعوت اور تبلیغ کے علاوہ کوئی کام جبکہ کام مختت، مزدوری اور تجارت عام آدمی کا حق بھی ہے اور فرض بھی، نبی اور ولی پر تبلیغ اور دعوت فرض ہوتی ہے جبکہ یہ عام آدمی کیلئے "نفل" کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ ہم لوگ بعض اوقات نادانستگی میں ان چیزوں پر عملدرآمد شروع کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے صرف نبیوں اور اولیاء پر لا گوکی ہیں، اللہ نے دولت سے صرف نبیوں اور اولیاء کو احتجان کی ہدایت کی، آپ جیسے عام لوگوں کو نہیں لہذا وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے زیادہ پویشل اور استطاعت دے رکھی ہے اس کا چند لاکھ روپے کیلئے کام کرتا، دال روپی، چند مرلوں کا مکان اور چھوٹی سی سواری پر قناعت کر لیتا خود غرضی ہو گی اور اپنی ضرورت پوری ہونے کے بعد کام کرنا صدقہ، کوئی سینہا اگر اپنی دکان اور فیکری نہ لگائے یا لا کھ پتی لوگ کروز ارب اور کھرب کی دوڑ میں شامل نہ ہوں تو لاکھوں کروزوں لوگ بھوکے مر جائیں، شیر کو دن میں صرف پانچ کلو گوشت درکار ہوتا ہے لیکن وہ پانچ کلو گوشت کیلئے پانچ من کا بھینسا فکار کرتا ہے، اگر شیر قاعات پر آ جائے، وہ روزانہ بھیڑ یا بکریوں کے بچوں کا فکار شروع کر دے تو جنگل کے وہ آدمی جانور بھوکے مر جائیں جن کی خوراک کا انحصار شیر کے شکار پر ہے، میں خاموش ہو گیا۔

وہ تھوڑی دیر تک میری طرف دیکھتا رہا اور اس کے بعد بولا "اللہ تعالیٰ نے پھر قارون کو برا کیوں کھا تھا" میں نے مسکرا کر جواب دیا "اس لئے کہ قارون نے انویسٹمنٹ کی بجائے ڈیپازٹ کو

طرف دیکھنے لگا" میں تھوڑی دیر اس کی ایسی کیفیت سے لطف لیتا رہا اور پھر میں نے اس سے عرض کیا "ہمارے دوستے ہیں، ایک ہم لوگ دولت اور کام کے بارے میں غلط تصورات کے شکار ہیں، دولت اور کام برائیں ہوتا دولت کا غلط استعمال اور منفی کام برے ہوتے ہیں اور ہم لوگ مقدس ہستیوں کی سنت کرنے کی کوشش میں انسانی حدود سے باہر نکل جاتے ہیں، دنیا میں ایسی بے شمار نعمتیں اور لا تعداد کام ہیں جو ہم عام انسانوں کیلئے جائز ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے وہ کام انہیاء کرام اور اولیاء اللہ کیلئے تاجرا فرار دے دیئے تھے مثلاً انہیਆ کرام اور اولیاء کرام کو دولت جمع کرنے کی اجازت نہیں، ان کیلئے دولت کے حصول کیلئے تنگ و دوڑاپنے پاس اپنی ضرورت سے زائد اشیاء درکھنا، دوسرے سے بدلتا اور دوسرے کے جسمانی، ذہنی اور روحانی نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں لیکن عام لوگوں کیلئے یہ تمام چیزیں جائز ہیں، اللہ کے اس کا حق بھی، اللہ کے کسی نبی نے دنیا میں کوئی زمین یا جائیداد نہیں چھوڑی جبکہ زمین جائیداد عام شخص کا حق بھی ہے اور فرض بھی، اللہ کے کسی نبی، کسی ولی کا کوئی خزانہ تھا اور نہ ہی بینک اکاؤنٹ جبکہ یہ عام شخص کا حق بھی ہے اور اس کیلئے جائز بھی اور اللہ کے کسی نبی نے نبوت اور ولی نے ولایت کے بعد دعوت اور تبلیغ کے علاوہ کوئی کام جبکہ کام مختت، مزدوری اور تجارت عام آدمی کا حق بھی ہے اور فرض بھی، نبی اور ولی پر تبلیغ اور دعوت فرض ہوتی ہے جبکہ یہ عام آدمی کیلئے "نفل" کی حیثیت رکھتی ہے چنانچہ ہم لوگ بعض اوقات نادانستگی میں ان چیزوں پر عملدرآمد شروع کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے صرف نبیوں اور اولیاء پر لا گوکی ہیں، اللہ نے دولت سے صرف نبیوں اور اولیاء کو احتجان کی ہدایت کی، آپ جیسے عام لوگوں کو نہیں لہذا وہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے زیادہ پویشل اور استطاعت دے رکھی ہے اس کا چند لاکھ روپے کیلئے کام کرتا، دال روپی، چند مرلوں کا مکان اور چھوٹی سی سواری پر قناعت کر لیتا خود غرضی ہو گی اور اپنی ضرورت پوری ہونے کے بعد کام کرنا صدقہ، کوئی سینہا اگر اپنی دکان اور فیکری نہ لگائے یا لا کھ پتی لوگ کروز ارب اور کھرب کی دوڑ میں شامل نہ ہوں تو لاکھوں کروزوں لوگ بھوکے مر جائیں، شیر کو دن میں صرف پانچ کلو گوشت درکار ہوتا ہے لیکن وہ پانچ کلو گوشت کیلئے پانچ من کا بھینسا فکار کرتا ہے، اگر شیر قاعات پر آ جائے، وہ روزانہ بھیڑ یا بکریوں کے بچوں کا فکار شروع کر دے تو جنگل کے وہ آدمی جانور بھوکے مر جائیں جن کی خوراک کا انحصار شیر کے شکار پر ہے، میں خاموش ہو گیا۔

صل سکندر اعظم

سکندر را عظیم کون تھا مقدونیہ کا لیگزینڈ ریاتارنخ اسلام کے حضرت عمر فاروقؓ یہ وہ سوال ہے جس کا جواب دینا دنیا بھر کے موئی خین پر فرض ہے، آج ”ایس ایم ایس“ کا دور ہے موبائل کامیونیکیشن چند سیکنڈ میں خیالات کو دنیا کے دوسرے کوئے میں پہنچا دیتا ہے، جدید دور کی اس سہولت سے اب قارئین اور ناظرین بھی بھر پورا فائدہ اٹھاتے ہیں، گزشتہ روز کسی صاحب نے پیغام بھجوایا ”کاش آپ نے آج حضرت عمر فاروقؓ پر کالم لکھا ہوتا“ یہ پیغام پڑھتے ہی یاد آیا آج تو حضرت عمر فاروقؓ کا یوم شہادت تھا اور میں اس وقت سے سوچ رہا ہوں مقدونیہ کا لیگزینڈ ریاتارنخ تھا یا حضرت عمر فاروقؓ ہم نے بچپن میں پڑھا تھا مقدونیہ کا لیگزینڈ رہیں سال کی عمر میں بادشاہ بنا، 23 سال کی عمر میں مقدونیہ کو لکھتے دی، پھر وہ شام پہنچا، پھر اس نے یہ شلم اور بابل کا رخ کیا، پھر وہ مصر پہنچا، پھر وہ ہندوستان آیا، ہندوستان میں اس نے پورس سے جنگ لڑی، اپنے عزیز از جان گھوڑے کی یاد میں چالیہ شہر آباد کیا، مکران سے ہوتا ہوا اپنی کاسپر شروع کیا، راستے میں نامیغا یئڈ میں جتنا ہوا اور 323 قبل مسیح میں 33 سال کی عمر میں بخت نصر کے محل میں انتقال کر گیا، دنیا کو آج تک بتایا گیا وہ انسانی تاریخ کا عظیم جرنیل، فاتح اور بادشاہ تھا اور تاریخ نے اس کے کارنا موس کی وجہ سے اسے لیگزینڈ روی گردی کا نام دیا اور ہم نے اسے سکندر عظیم یعنی بادشاہوں کا بادشاہ بنادیا لیکن آج اکیسویں صدی کے دویں سال کے پہلے دن میں پوری دنیا کے موئی خین کے سامنے یہ سوال رکھتا ہوں کیا حضرت عمر فاروقؓ کے ہوتے ہوئے ایک لیگزینڈ کو سکندر عظیم کہلانے کا حق حاصل ہے؟ میں دنیا بھر کے موئی خین کو سکندر عظیم اور حضرت عمر فاروقؓ کی فتوحات اور کارنا موس کے موازنے کی دعوت دیتا ہوں، آپ بھی سوچئے ایک لیگزینڈ ریاتارنخ کی تھی اور پہنچتا، اسے دنیا کے بہترین لوگوں نے گھر سواری سکھائی، اسے اس طویلے استادوں کی صحبت میں تھی اور جب وہ بیس سال کا ہو گیا تو اسے تخت اور تاج پیش کر دیا گیا جبکہ اس کے مقابلے میں حضرت عمر فاروقؓ کی سات پیشوں میں کوئی بادشاہ نہیں گزر تھا، آپ بھیز بکریاں اور اونٹ چراتے چراتے بڑے ہو۔

کر را کھ کر دیا لیکن جب وہ شیراز پہنچا تو اس نے سعدی شیرازی کے ایک فقرے کے صدقے پورے شہر کو امان دے دی۔ میں رکا اور اس سے عرض کیا۔ ”تم پوری دنیا پر نظر ڈالو تو تمہیں ہر وہ خاندان وہ معاشرہ اور وہ ملک ترقی کرتا نظر آئے گا جس میں علم اور دولت ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ہر وہ ملک جس نے دولت یا علم کسی ایک چیز کو ہمیاد بنا کر آگے بڑھنے کی کوشش کی وہ ترقی کی دوڑ میں مار کھا گیا چنانچہ دولت اور کام کو بھی برانہ سمجھو یہ قوموں اور انسانوں کو عزت دیتی ہے، تم صرف اس کے استعمال کو جائز اور درست رکھو۔

8

تھے اور آپ نے تکوار بازی اور تیر اندازی بھی کسی اکیدہ میں نہیں سمجھی تھی، سکندر اعظم نے آر گنازد آرمی کے ساتھ دس برسوں میں 17 لاکھ مرلے میل کا علاقہ فتح کیا تھا جبکہ حضرت عمر فاروقؓ نے دس برسوں میں آر گنازد آرمی کے بغیر 22 لاکھ مرلے میل کا علاقہ فتح کیا اور اس میں روم اور ایران کی دو پر پاورز بھی شامل تھیں، آج کے سیالہ بیٹ، میزاں اور آبدوزوں کے دور میں بھی دنیا کے کسی حکمران کے پاس اتنی بڑی سلطنت نہیں جو حضرت عمر فاروقؓ نے نہ صرف گھوڑوں کی پیٹھ پر فتح کرائی تھی بلکہ اس کا انتظام والصرام بھی چلایا تھا، ایکزینڈر نے فتوحات کے دوران اپنے بے شمار جرنیلوں اور جوانوں نے اس کا ساتھ چھوڑا، اس کے خلاف بغاوتیں بھی ہوئیں اور ہندوستان میں اس کی فوج نے آگے بڑھنے سے اکاربھی کر دیا لیکن حضرت عمر فاروقؓ کے کسی ساتھی کو ان کے حکم سے سرتائبی کی جرأت نہ ہوئی، وہ ایسے کمانڈر تھے کہ آپ نے صین میدان جنگ میں عالم اسلام کے سب سے بڑے پہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کر دیا اور کسی کو یہ حکم نہ لئے کی جرأت نہ ہوئی، آپ نے حضرت سعد بن ابی و قاصؓ کو فوج کی گورنری سے ہشادیا، آپ نے حضرت حارث بن کعب سے گورنری واپس لے لی، آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کا مال ضبط کر لیا اور آپ نے حکم کے گورنر کو داہمیں بلا کراونٹ چنانے پر لگادیا لیکن کسی کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہوئی۔

ایکزینڈر نے 17 لاکھ مرلے میل کا علاقہ فتح کیا لیکن دنیا کو کوئی نظام، کوئی سُنم نہ دے سکا جبکہ حضرت عمر فاروقؓ نے دنیا کو ایسے سُنم دیئے جو آج تک پوری دنیا میں راجح ہیں، آپ نے نماز فجر میں الصلاة خیر من النوم کا اضافہ کرایا، آپ کے عہد میں نماز تراویح کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا، آپ نے شراب نوشی کی سزا مقرر کی، سن بھری کا اجراء کیا، جیل کا تصور دیا، موذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں، مسجدوں میں روشنی کا بندوبست کرایا، پولیس کا محکمہ بنایا، ایک مکمل عدالتی نظام کی بنیاد رکھی، آپ پاشی کا نظام قائم کرایا، فوجی چھاؤنیاں بنوائیں اور فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا، آپ نے دنیا میں پہلی بار دودھ پینے پھون، معدوروں بیواؤں اور بے آسراؤں کے وفاکف مقرر کئے، آپ نے دنیا میں پہلی بار حکمرانوں سرکاری عہدیداروں اور والیوں کے اٹائی ڈیکلیس کرنے کا تصور دیا، آپ نے بے انصافی کرنے والے جوں کو سزا دینے کا سلسلہ بھی شروع کیا اور آپ نے دنیا میں پہلی بار حکمران کلاس کی اکادمی بھلی شروع کی، آپ راتوں کو تجارتی قافلوں کی چوکیداری کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے جو حکمران عدل کرتے ہیں وہ راتوں کو بے خوف سوتے ہیں، آپ کا فرمان تھا "قوم کا سردار قوم کا سچا خادم ہوتا ہے، آپ ہی مہر پر لکھا تھا "عمر! فیصلت کیلئے موت ہی کافی ہے، آپ کے دستِ خوان پر کبھی دوسالن نہیں رکھے گئے، آپ زمین

پر سر کے نیچے اپنے رکھ کر سو جاتے تھے، آپ صفر کے دوران جہاں نیند آ جاتی تھی آپ کسی درخت پر پارہ تاں کر سایہ کرتے تھے اور سو جاتے تھے اور رات کو نگلی زمین پر دراز ہو جاتے تھے، آپ کے کرتے پر چودہ ہیوند تھے اور ان پیوندوں میں ایک سرخ چہرے کا پیوند بھی تھا، آپ ٹھوٹا کھر درا کپڑا پہنے تھے، آپ کو زم اور باریک کپڑے سے نفتر تھی، آپ کسی کو جب سرکاری عہدے پر فائز کرتے تھے تو اس کے اھاؤں کا تخمینہ لگوا کر اپنے پاس رکھ لیتے تھے اور اگر سرکاری عہدے کے دوران اس کے اھاؤں میں اضافہ ہو جاتا تو آپ اس کی اکادمی بھلی کرتے تھے، آپ جب کسی کو گورنر ہناتے تو اسے نصیحت فرماتے تھے، کبھی ترکی گھوڑے پر نہ بیٹھنا، باریک کپڑے نہ پہننا، چھننا ہوا آٹا نہ کھانا، دربان نہ رکھنا اور کسی فریادی پر دروازہ بند نہ کرنا، آپ فرماتے تھے خالم کو معاف کر دینا مظلوموں پر قلم ہے اور آپ کا یہ فقرہ آج انسانی حقوق کے چاروں کی حیثیت رکھتا ہے "ماں میں بچوں کو آزاد پیدا کرتی ہیں تم نے انہیں کب سے غلام سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو معزول کر دیا اور کسی کو یہ حکم نہ لئے کی جرأت نہ ہوئی، آپ نے حضرت سعد بن ابی و قاصؓ کو فوج کی گورنری سے ہشادیا، آپ نے حضرت حارث بن کعب سے گورنری واپس لے لی، آپ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کا مال ضبط کر لیا اور آپ نے حکم کے گورنر کو داہمیں بلا کراونٹ چنانے پر لگادیا لیکن کسی کو حکم عدولی کی جرأت نہ ہوئی۔

آپ کے عدل کی وجہ سے عدل دنیا میں عدل فاروقی ہو گیا، آپ شہادت کے وقت مقرض اترتے ہیں، آپ کے عدل کی وجہ سے عدل دنیا میں عدل فاروقی ہو گیا، آپ شہادت کے وقت مقرض تھے چنانچہ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا واحد مکان بیچ کر آپ کا قرض ادا کر دیا گیا اور آپ دنیا کے واحد حکمران تھے جو فرمایا کرتے تھے میرے دور میں اگر فرات کے کنارے کوئی کتاب بھی بھوک سے مر گیا تو اس کی سزا عمر (حضرت عمر فاروقؓ) کو بھکتنا ہو گی، آپ کے عدل کی یہ حالت تھی آپ کا انتقال ہوا تو آپ کی سلطنت کے دور دراز علاقے کا ایک چڑواہا بھاگتا ہوا آیا اور جنگ کر بولا "لوگو! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا، لوگوں نے حیرت سے پوچھا "تم مدینہ سے ہزاروں میں دور جنگ میں ہو جنہیں اس سامنے کی اطلاع کس نے دی، چڑواہا بولا" جب تک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زندہ تھے میری بھیزیں جنگ میں بے خوف پھرتی تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا لیکن آج بھیزیں جنگ میں بے خوف پھرتی تھیں اور کوئی درندہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر لے گیا، میں نے بھیزیے کی جرأت سے جان لیا آج دنیا میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ موجود نہیں ہیں"۔

میں دنیا بھر کے موئی خیں کو دعوت دیتا ہوں وہ ایکزینڈر کو حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے رکھ کر دیکھیں انہیں ایکزینڈر حضرت عمر فاروقؓ کے حضور پہاڑ کے سامنے نکل دکھائی دے گا کیونکہ ایکزینڈر کی ہنائی سلطنت اس کی وفات کے پانچ سال بعد ختم ہو گئی جبکہ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں جس جس

کاش

یہ 27 جون کی شام تھی اور 2008ء کا سن، اس نے کاغذ پر دستخط کئے، فائل بند کی اور کاغذوں کا پاندہ اپنی سیکرٹری کے ہاتھ میں دے دیا، اس کے شاف کے پچاس افراد نے تالیاں بجائیں اور اس کی زندگی کا ایک ہاب ہمیشہ کیلئے بند ہو گیا، اس کی دائیں آنکھ کے کونے سے پانی کا ایک قطرہ ابھرنا، پڑھنے سے پہلے دائیں باسیں دیکھتے ہیں، لاہور کے مسلمانوں کے جو آج احساسِ کتری کے شدید احساس میں مکمل تک اگر ہم گھروں سے نکل پڑے تو تمہیں چنگیز خان یاد آ جائے گا، اس پر جواہر لال نہر نے مکرا کر کہا تھا، افسوس آج چنگیز خان کی دھمکی دینے والے مسلمان یہ بھول گئے ان کی تاریخ میں ایک (حضرت) عمر فاروقؓ بھی تھا، ہم آج بھی یہ بھولے ہوئے ہیں کہ ہم میں ایک (حضرت) عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا تھا "میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ حضرت عمر بن خطاب ہوتے"۔

پال ایمن نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ 28 اکتوبر 1955ء کو واشنگٹن ریاست کے شہریائل میں ہیدا ہوا، اس کے والد وکیل تھے سارا گھر انہ پڑھا لکھا اور معزز تھا لیکن بل پڑھائی میں کمزور تھا، اس میں یکسوئی نہیں تھی، اس کی سوچیں منتشر ہو جاتی تھیں لہذا اس کے والدین اس کی وجہ سے پریشان رہتے تھے، اس کے والد کی خواہش تھی وہ ہاروڑ یونیورسٹی سے ڈگری لے لیکن یونیورسٹی نے اس کا نام خارج کر دیا، اس کے والد کو شدید صدمہ پہنچا لیکن بل مطمئن تھا، اس کا خیال تھا ہماروڑ یونیورسٹی کسی نہ کسی دن اپنے اس نالائق طالب علم پر فخر کرے گی آنے والے دنوں میں اس کی بات صحیح ثابت ہوئی اور ہاروڑ یونیورسٹی نے صرف اپنے گیٹ پر اس کے نام کی مخفیت لگادی تھی بلکہ خود کو بل گئیں کی یونیورسٹی کھلانے لگی لیکن یہ بہت بعد کی بات تھی، ہم ابھی 1975ء میں ہیں، اس نے اپنے دوست پال ایمن کے ساتھ مل کر دنیا کی پہلی سافت ویر

خطے میں اسلام کا جنڈا بھجوایا وہاں سے آج بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائیں آتی ہیں وہاں آج بھی لوگ حضرت عمر فاروقؓ کے اللہ کے سامنے مجدد کرتے ہیں، دنیا میں الیکٹریٹ رکاناٹ صرف کتابوں میں سمٹ کر موجود ہیں، آج بھی جب کسی ڈاک خانے سے کوئی خط لکھتا ہے، پولیس کا کوئی سپاہی اور دی پہنچتا ہے، کوئی فوجی جوان چھ ماہ بعد چھٹی پر جاتا ہے یا پھر حکومت کسی بچے معدود بیوہ بے آسرائیں کو وظیفہ دیتی ہے تو وہ معاشرہ وہ سوسائٹی بے اختیار حضرت عمر فاروقؓ کو گریٹ تسلیم کرتی ہے، وہ انہیں تاریخ کا سب سے بڑا سکندر مان لیتی ہے مساویے ان مسلمانوں کے جو آج احساسِ کتری کے شدید احساس میں مکمل تک پڑھنے سے پہلے دائیں باسیں دیکھتے ہیں، لاہور کے مسلمانوں نے ایک بار انگریز سرکار کو دھمکی دی تھی، "اگر ہم گھروں سے نکل پڑے تو تمہیں چنگیز خان یاد آ جائے گا، اس پر جواہر لال نہر نے مکرا کر کہا تھا"۔

⊗ ⊗ ⊗

بل گیش نے اپنی بیوی میلینڈا کے ساتھ مل کر جنوری 2000ء میں فلاج عامہ کی ایک فاؤنڈیشن بنائی تھی، اس کا نام "بل اینڈ میلینڈا گیش فاؤنڈیشن" تھا، اس وقت یہ دنیا کا ویفیئر کا سب سے بڑا ادارہ ہے، فاؤنڈیشن کے اکاؤنٹس میں 29 بلین ڈالر ہیں یہ کتنی بڑی رقم ہے اس کا اندازہ آپ پاکستان کے بجت سے لگا لیجھے پاکستان کا ٹول بجٹ 12 بلین ڈالر ہوتا ہے، بل گیش کی یہ فاؤنڈیشن پوری دنیا میں صحت، تعلیم، لاہبری یوں اور کمپیوٹر کی تربیت کے لئے کام کرتی ہے، یہ فاؤنڈیشن ہر سال غریب ممالک کے ذہین طالب علموں کو ایک ارب ڈالر کے وظائف دیتی ہے، خلیفہ غیر امریکی لاہبری یوں کو ایک ملین ڈالر کا ایوارڈ دیتی ہے، فاؤنڈیشن ہر سال تیسرا دنیا کے سو ذہین طالب علموں کو اپنے خرچ پر کیمپین یونیورسٹی میں تعلیم دلاتی ہے، فاؤنڈیشن ڈیوک یونیورسٹی کی ہر کلاس کے دس ذہین طالب علموں کو کیمپین یونیورسٹی میں تعلیم دلاتی ہے، فاؤنڈیشن ڈیوک یونیورسٹی کی ہر کلاس کے دس ذہین طالب علموں کو اپنے خرچ پر دریافت کراتی، وہ ہر سال دنیا کے کروڑوں بچوں کو پولیو و یکسین فراہم کرتا ہے، اس کی فاؤنڈیشن ایڈز کا علاج دریافت کر رہی ہے اور بل گیش کی یہ فاؤنڈیشن سات سال سے پوری دنیا میں کام کر رہی ہے، بل گیش نے اعلان کیا وہ جولائی 2008ء کو مائیکروسافت سے فاؤنڈیشن کے دفتر شفت ہو جائے گا اور اپنی باقی زندگی لوگوں کی صحت اور تعلیم کے لئے وقف کر دے گا، اس کا کہنا تھا وہ انتقال سے قبل اپنے بچوں کو صرف ایک ایک ملین ڈالر دے گا اور اپنی باقی ساری دولت دنیا کے ضرورت مندوں کے حوالے کر دے گا، اس کا کہنا تھا یہ دولت ضرورت مندوں کی امانت ہے اور وہ یہ امانت ان لوگوں کو لوٹا کرو اپنے جائے گا، بل گیش کے اس اعلان کے بعد دنیا بڑی شدت سے 27 جون 2008ء کا انتظار کرتی رہی، دنیا دیکھنا چاہتی تھی کیا بل گیش واقعی اپنے وعدے کا پاس کرے گا، اس دوران بے شمار تجویز آئیں، لوگوں کے کچھ نے کچھ نہ کیا بل گیش کیا اور 200 بلین ڈالر کی کمپنی چھوڑنا اتنا آسان کام نہیں، بل گیش 2008ء میں اپنا ارادہ بدل دے گا میکن پھر 27 جون آ جیا، بل گیش دفتر آیا، اس نے اپنے ملازمین کو جمع کیا اور کمپنی چھوڑنے کا اعلان کر دیا، بل گیش کے اعلان نے تمام لوگوں کی آنکھیں ٹھیک کر دیں، اس کی ایک آنسو بکا اور تھوڑی سر آ کر رکھیا، بل گیش زندگی میں تیسرا بار روپا تھا۔

کمپنی بنائی، اس کمپنی کا نام انہوں نے ”مائیکر و سافٹ“ رکھا، لوگ اس کے آئینڈیا ز اور کمپنی کے ہام دونوں پر ہستے تھے لیکن اس نے ہمت نہ ہاری، وہ کام کرتا چلا گیا یہاں تک کہ 1979ء تک کمپنی نے پر پر زے لکال لئے اور وہ تھیک خاک امیر ہو گیا لیکن ابھی وہ اس کامیابی سے دور تھا جو کمپنی سے اس کے ذہن پر دستک دیتی آرہی تھی، 1980ء میں سینیو بالمر نے کمپنی جوانئ کی اور اس کے بعد دیکھتے ہی دیکھتے مائیکر و سافٹ واکٹشن ریاست کی سب سے بڑی کمپنی بن گئی اور اس پر دولت بارش کی طرح برنسے گئی یہاں تک کہ 1994ء میں وہ صرف 39 برس میں دنیا کا امیر ترین ف人性 بن گیا، وہ اتنا مشہور ہو گیا کہ امریکی صدر یہ اعلان کرنے پر مجبور ہو گیا ”وی آر دی نیشن آف بل گیئس“ یہ ہارورڈ یونیورسٹی کے اس ٹالاک طالب علم کا پہلا اعزاز تھا اور یہ اعزاز پا کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے یہ دوسری بار تھی جب وہ دروازہ بند کر کے روپ میں احترا۔

جی باں اس شخص کا نام مل گیش ہے اور یہ پچھلے 14 برس سے دنیا کا امیر ترین شخص چلا آ رہا ہے۔ یہ انسانی تاریخ کا واحد شخص ہے جو 39 برس کی عمر میں دنیا کا امیر ترین شخص بنا اور اس نے مسلسل 14 سال تک یہ اعزاز برقرار رکھا، مائیکرو سافت دنیا کی پانچ بڑی کمپنیوں میں شمار ہوتی ہے اس میں اس وقت 63 ہزار 5 سو 64 لوگ ملازم ہیں، اس کا کار و بار 102 ممالک تک پھیلا ہے جبکہ یہ کمپنی اب تک دنیا کے ایک لاکھ 28 ہزار لوگوں کو ارب پتی بنا چکی ہے، مائیکرو سافت کے طاز میں اوس طا 89 ہزار 6 سو ڈالر سالانہ تجخواہ لیتے ہیں، مائیکرو سافت کے پانچ ڈائریکٹر ہیں اور بل گیش کے پاس سب سے زیادہ شیئرز ہیں، وہ 97 کروڑ 74 لاکھ 99 ہزار 3 سو 36 شیئرز کا مالک ہے اور پچھلے 15 برسوں میں میدیا نے بل گیش کو پوری دنیا میں سب سے زیادہ کورنیج دی، وہ دنیا کی با اثر ترین شخصیات میں شمار ہوتا ہے، لوگ اس کے ساتھ ہاتھ ملانا اور اس کے ساتھ تصور یہ کھنچوانا اعزاز بخخت ہیں جبکہ اسے دنیا کے 35 ممالک میں سربراہ حملہ کا پروٹوکول دیا جاتا ہے، بل گیش نے 15 جون 2006ء کو اعلان کیا تھا وہ جولائی 2008ء کو مائیکرو سافت چھوڑ دے گا اور باقی زندگی فلاج عامہ کے کاموں کے لئے دف کر دے گا۔ اس کا کہنا تھا وہ کم جولائی 2008ء سے اپنا سارا وقت فلاج عامہ کیلئے صرف کرے گا، اس اعلان کے بعد وہ پوری دنیا میں اپنی نویعت کا واحد شخص بن گیا تھا اس سے پہلے دنیا میں عورتوں کیلئے تخت اور تاج چھوڑنے والے بے شمار لوگ تھے دنیا میں مہاتما بدھ جیسے لوگ بھی تھے جنہوں نے سکون کیلئے اقتدار تیاگ دیا تھا لیکن یہ تاریخ کا پہلا شخص تھا جس نے عام لوگوں کیلئے دنیا کی سب سے بڑی کمپنی چھوڑنے کا اعلان کیا تھا اور اس نے باقی زندگی مل ایک میلینڈ اگیش قاؤنٹریشن کو دینے کا فیصلہ کیا تھا۔

کاش کبھی ایسا ہو جائے

نکولس سرکوزی فرانس کا "نو جوان" صدر ہے وہ 28 جنوری 1955ء کو فرانس میں پیدا ہوا، اس کے والد پال سرکوزی کا تعلق ہنگری سے تھا۔ سوویت یونین کی سرخ فوج 1944ء میں ہنگری میں اپنی تو سرکوزی کے والد جمنی بھاگ گئے اور وہ وہاں سے فرانس آگئے۔ ان کے والد نے 1949ء میں اینڈری مالہ سے شادی کر لی، نکولس سرکوزی ان کا دوسرا بیٹا تھا، پال سرکوزی اور اینڈری مالہ میں بعد ازاں اختلافات ہوئے اور سرکوزی کے والد ان کی ماں کو چھوڑ کر چلے گئے چنانچہ سرکوزی اور ان کے دونوں بھائیوں کی پروش ان کے نخیال کو کرتا پڑ گئی لیکن سرکوزی اس کا خاندان اور اس کے بھپن کے حالت ہماری اس کہانی میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتے چنانچہ ہم تیزی سے آگے بڑھتے ہیں۔ سرکوزی اچھا طالب علم تھا بت نہیں ہوا، وہ مختلف سکولوں اور کالجوں سے پاس فیل ہوتا ہوا یونیورسٹی آف پیرس میں بھی طالب علم تھا اور اس نے بنس لاء کی ڈگری لے لی۔ بعد ازاں اس نے سیاست کے انتہیوں میں داخلہ لیا اور اس نے بنس لاء کی ڈگری لے لی۔ بعد ازاں اس نے سیاست کے انتہیوں میں داخلہ لیا اور اس کی خانگی زندگی بھی ہماری کہانی میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ ہم طلاق دے دی۔ اب کیونکہ سرکوزی کی خانگی زندگی کا کام اور اس کے بعد قانون کی تعلیم کیلئے لکھا، اس نے بار کا لیکن اگر یہ زندگی کمزور ہونے کی وجہ سے میل ہو گیا۔ وہ اس کے بعد قانون کی تعلیم کیلئے لکھا، اس نے بار کا اتحان پاس کیا اور وکیل بن گیا۔ سرکوزی نے 1982ء میں پہلی شادی کی اور 1996ء میں یوہی کو طلاق دے دی۔ اس سال اس نے دوسری شادی کی لیکن مارچ 2005ء میں اس نے دوسری یوہی کو بھی طلاق دے دی۔ اب کیونکہ سرکوزی کی خانگی زندگی بھی ہماری کہانی میں زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ ہم اس سے بھی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں۔ سرکوزی نے 22 سال کی عمر میں سیاست شروع کی وہ پیرس شہر کی ایک مضائقی بستی کے کونسل بن گئے، وہ چند برسوں بعد اس بستی کے میسر منتخب ہو گئے وہ فرانس کے لو جوان ترین میسر تھے۔ وہ 1988ء میں فرانس کی قومی اسٹبلی کے ڈپٹی منتخب ہو گئے اور 1993ء میں بہت کے وزیر اور کابینہ کے ایگزیکٹو بن گئے وہ یاک شیراک کے استٹ بھی رہے۔ صدر یاک شیراک نے 2002ء میں سرکوزی کو وزیر داخلہ بنادیا، وہ 2004ء میں وزیر خزانہ بن گئے اور 2005ء میں انہیں ایک بار پھر وزیر داخلہ بنادیا گیا، وہ فرانس کی تاریخ کے مقبول ترین وزیر داخلہ تھے جبکہ سرکوزی کو ان کی سیاسی جماعت (یو ایم پی) نے 14 جنوری 2007ء کو اپنا صدارتی امیدوار منتخب کر لیا۔ سرکوزی

"آپ سوچنے دنیا کا پانچواں امیر تین شخص ایک عرب مسلمان شہزادہ ولید بن طلال ہے، اس کی دولت جو خانوں میں خرچ ہو رہی ہے جبکہ مل گئیں اپنی دولت ایڈز کے علاج پر خرچ کر رہا ہے وہ مسلمان بچوں کو تعلیم دے رہا ہے، آپ سوچنے کیا یہ مل گئیں جیسے لوگ نہیں ہیں جنہیں حقیقتاً رسول ماذل سمجھنا چاہیے، ہیروں کی کئی کئی کانوں کے مالک ہیں، جن کی زمینوں سے سوتا لکھتا ہے اور جو تیل کے درجنوں کنوؤں کے مالک ہیں لیکن انہیں کسی ضرورت مندوں کو دیتے دینے کی توفیق نہیں ہوتی جبکہ مل گئیں اپنی ساری دولت لے کر ضرورت مندوں کی حلاظ میں نکل کھڑا ہوا ہے، میں نے سوچا 162 اسلامی ممالک کی اس دنیا میں ایک ارب 45 کروڑ مسلمان آباد ہیں لیکن ان ذیزدھارب لوگوں میں ایک بھی مل گئیں نہیں، ان میں ایک بھی ایسا شخص نہیں جو 53 سال کی عمر میں اپنی کمپنی کا دروازہ کھولے اور اپنا سارا مال، اپنی ساری زندگی اللہ کے بندوں کے لئے وقف کر دے جو لوگوں میں دوا اور کتاب بانٹے جو لوگوں کے زخم دھوئے جو لوگوں کو کھانا کھلانے اور جو لوگوں کے آنسو پوچھنے میں بھیشہ اپنے آپ سے پوچھتا تھا عالم اسلام پر یورپ اور امریکہ کیوں غالب ہیں؟ مجھے آج معلوم ہوا امریکہ اور یورپ مل گئیں جیسے لوگوں کی وجہ سے ہم پر غالب ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے پاس بڑے انسان ہیں جبکہ عالم اسلام بڑے تاجر ہوں، بڑے بیو پاریوں اور بڑے صنعت کاروں کی غلامی میں زندگی گزار رہا ہے۔ مجھے محض ہوا مغرب کے پاس انسان ہیں جبکہ ہم لوگ آدمیوں کی چاکری میں عمر گزار رہے ہیں، کاش پاکستان کے سوارب پتی تاجر مل گئیں سے سبق یکھیں اور آج سے اپنا وقت اور سرمایہ عام اور غریب لوگوں کیلئے وقف کر دیں، کاش اللہ تعالیٰ مسلمان تاجروں کو بھی مل گئیں جیسا ظرف اور توفیق دے دے، کاش!

⊗ ⊗

نے 16 مئی 2007ء میں ایکشن لڑا اور وہ 16 مئی 2007ء کو فرانس کے صدر منتخب ہو گئے۔ وہ فرانس کے پہلے صدر تھے جنہوں نے دوسری جنگ عظیم کے بعد جنم لیا تھا لیکن سرکوزی کا سیاسی کیرر اور پروفائل بھی ہمارے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا چنانچہ ہم اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔

فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی 2007ء کے آخر میں اچانک سابق پر ماڈل اور گلوکارہ کارلا بروں کے ساتھ دیکھے جانے لگے۔ کارلا بروں اٹلی کے بنس میں خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور وہ یورپ کی پر ماڈل اور گلوکارہ تھی۔ وہ 1967ء میں اٹلی میں پیدا ہوئی تھی اور اس وقت وہ بڑھاپے کی دلیز پر قدم رکھ چکی ہے۔ کارلا بروں ایک خوشحال خاتون ہے، اس کی ذاتی آمدی سازی ہے سات لاکھ یورو سالانہ ہے اور وہ عام زندگی میں ایک گرم جوش اور متحرک خاتون ہے۔ کارلا بروں صدر سرکوزی سے پہلے میک حاجر، اریک کلپن، کیون کومڑ، نیجٹ پریز، ڈونلڈ ترمپ اور فرانس کے سابق وزیر اعظم اور پہلے فپس کو بھی بھلکا چکی ہے، یہ تمام لوگ اس کے بوائے فرینڈز رہے تھے اور کارلا بروں ایک بچے کی ماں بھی ہے۔ 2007ء میں نکولس سرکوزی اور کارلا بروں کی ملاقات ہوئی، دونوں قریب آئے میڈیا کی نظرؤں میں آئے اور پوری دنیا کے اخبارات اور میلی ویژن چینلز نے اس نئے جوڑے کو کورتیج دینا شروع کر دی لیکن صدر سرکوزی اور کارلا بروں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اسی دوران کارلا بروں نے فرانسیسی صدر سرکوزی کے ساتھ بے شمار ممالک کے دورے کئے اور دونوں نے ان تمام ممالک میں اچھا وقت گزارا۔ 2008ء کے شروع میں فرانس کے چند اخبارات اور میلی ویژن چینلز نے دعویٰ کیا ہے نکولس سرکوزی کارلا بروں کے ساتھ شادی کر چکے ہیں اور وہ چند ہی دنوں میں شادی کا اعلان کرنے والے ہیں لیکن یہ بات ابھی صرف انواہوں اور سرگوشیوں تک محدود ہے اور یہ سرگوشیاں یا افواہیں یہ شادی اور سرکوزی اور کارلا بروں کی ازدواجی زندگی بھی ہمارے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ ہم اس قصے سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔

فرانس کے صدر نکولس سرکوزی 25 اور 26 جنوری 2008ء کو بھارت کے سرکاری دورے پر آئے تھے۔ یہ دورہ دو ماہ قبل طے ہوا تھا، جنوری کے وسط میں کارلا بروں نے بھی صدر کے ساتھ بھارت جانے کا فیصلہ کیا، وہ آگرہ میں تاج محل دیکھنا چاہتی تھی اور اس کے سامنے کھڑی ہو کر تصویر کھنچوانا چاہتی تھی۔ فرانسیسی حکومت نے بھارت کو صدر کے ساتھ کارلا بروں کی آمد کی اطلاع دے دی، یہ اطلاع جوں ہی بھارت پہنچنے تو بھارتی حکومت پریشان ہو گئی۔ بھارتی حکومت کی پریشانی کی دو بڑی وجہات تھیں۔ اول، بھارت میں کبھی کوئی صدر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ نہیں آیا تھا اور بھارتی حکومت کا خیال تھا اگر اس

فرانسیسی صدر کی گرل فرینڈ کو سرکاری پر ونوکول دیا تو عوام ناراض ہو جائیں گے۔ بھارت ابھی اس سوکھ "میچور" نہیں ہوا کہ لوگ حکومت کو کسی صدر کی گرل فرینڈ کا استقبال کرتے دیکھیں اور خاموش ہیں۔ دو م، فرانسیسی صدر کارلا بروں کو الہیہ سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں لہذا سرکوزی کی خواہش ہو گی بھارتی حکومت کارلا بروں کو "فرست لیڈی" کا پر ونوکول دے اور اگر حکومت اس خواہش کا احترام کرتی بروں کے ساتھ دیکھے جانے لگے۔ کارلا بروں اٹلی کے بنس میں خاندان سے تعلق رکھتی ہے اور وہ یورپ کی پر ماڈل اور گلوکارہ تھی۔ وہ 1967ء میں اٹلی میں پیدا ہوئی تھی اور اس وقت وہ بڑھاپے کی دلیز پر قدم رکھ چکی ہے۔ کارلا بروں ایک خوشحال خاتون ہے، اس کی ذاتی آمدی سازی ہے سات لاکھ یورو سالانہ ہے اور وہ عام زندگی میں ایک گرم جوش اور متحرک خاتون ہے۔ کارلا بروں صدر سرکوزی سے پہلے میک حاجر، اریک کلپن، کیون کومڑ، نیجٹ پریز، ڈونلڈ ترمپ اور فرانس کے سابق وزیر اعظم اور پہلے فپس کو بھی بھلکا چکی ہے، یہ تمام لوگ اس کے بوائے فرینڈز رہے تھے اور کارلا بروں ایک بچے کی ماں بھی ہے۔ 2007ء میں نکولس سرکوزی اور کارلا بروں کی ملاقات ہوئی، دونوں قریب آئے میڈیا کی نظرؤں میں آئے اور پوری دنیا کے اخبارات اور میلی ویژن چینلز نے اس نئے جوڑے کو کورتیج دینا شروع کر دی لیکن صدر سرکوزی اور کارلا بروں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی، اسی دوران کارلا بروں نے فرانسیسی صدر سرکوزی کے ساتھ بے شمار ممالک کے دورے کئے اور دونوں نے ان تمام ممالک میں اچھا وقت گزارا۔ 2008ء کے شروع میں فرانس کے چند اخبارات اور میلی ویژن چینلز نے دعویٰ کیا ہے نکولس سرکوزی کارلا بروں کے ساتھ شادی کر چکے ہیں اور وہ چند ہی دنوں میں شادی کا اعلان کرنے والے ہیں لیکن یہ بات ابھی صرف انواہوں اور سرگوشیوں تک محدود ہے اور یہ سرگوشیاں یا افواہیں یہ شادی اور سرکوزی اور کارلا بروں کی ازدواجی زندگی بھی ہمارے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی چنانچہ ہم اس قصے سے بھی آگے بڑھتے ہیں۔

آپ کو اس نکلتے پر لانا چاہتا تھا۔

فرانسیسی صدر کی گرل فرینڈ کارلا بروں اس سے قبل سرکوزی کے ساتھ سعودی عرب، قطر، دوہی، مصر اور اردن کا دورہ کر چکی ہے، یہ پانچوں اسلامی ملک ہیں اور ان پانچوں ممالک میں کارلا بروں فرانسیسی صدر نکولس سرکوزی کے ساتھ گئی تھی اور کسی اسلامی ملک نے کارلا بروں، اس کے ناجائز ہستے اور پر آئے تھے۔ یہ دورہ دو ماہ قبل طے ہوا تھا، جنوری کے وسط میں کارلا بروں نے بھی صدر کے ساتھ بھارت جانے کا فیصلہ کیا، وہ آگرہ میں تاج محل دیکھنا چاہتی تھی اور اس کے سامنے کھڑی ہو کر تصویر کھنچوانا چاہتی تھی۔ فرانسیسی حکومت نے بھارت کو صدر کے ساتھ کارلا بروں کی آمد کی اطلاع دے دی، یہ اطلاع جوں ہی بھارت پہنچنے تو بھارتی حکومت پریشان ہو گئی۔ بھارتی حکومت کی پریشانی کی دو بڑی وجہات تھیں۔ اول، بھارت میں کبھی کوئی صدر اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ نہیں آیا تھا اور بھارتی حکومت کا خیال تھا اگر اس

چڑھتے سورجوں کے دوست

وہ 1925ء میں پیدا ہوا، چھ سال کی عمر میں ولی محمد ہنا اور 22 سال کی عمر میں ایران کا بادشاہ گیا۔ وہ محمد رضا شاہ پہلوی تھا لیکن پوری دنیا اسے شاہ ایران کے نام سے جانتی تھی۔ وہ ایشیا میں امریکہ کا بے سے بڑا دوست تھا، یورپی پریس اسے "امریکن گورنر" کہتا تھا، وہ امریکی وفاداری میں بہت آگے ہاں گیا۔ امریکہ نے اسے روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا حکم دیا اور اس نے ایران میں واڑھی اور پردوہ پر اپنی لگادی۔ اس کے دور میں کوئی با پردوہ عورت گھر سے نکلتی تھی تو پولیس سرہ عام اس کا بر قعہ پھاڑ دیتی تھی، شاہ ایران نے تمام زنانہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں سکرت کو یونیفارم ہنا دیا، شراب نوشی، رقص اور زنانہ فشن بن گیا۔ شاہ کے دور میں ایران دنیا کا واحد ملک تھا جس میں کالجوں میں شراب کی دکانیں چیزیں یونیورسٹیوں میں خواتین کی سودے بازی ہوتی تھی اور اس مکروہ کار و بار کو قانونی حیثیت حاصل تھیں۔ شاہ کے زمانے میں دو جنیلوں کے ہم جنس پرست بیٹوں نے آپس میں شادی کی، سرکاری سطح پر نہ صرف ان کی دعوت ولیمہ ہوئی بلکہ شاہ اور اس کی کابینہ نے خصوصی طور پر اس تقریب میں شرکت کی۔ شاہ نے امریکہ کی محبت میں ایران میں موجود 42 ہزار امریکیوں کو سفارتی حیثیت دے دی، امریکہ نے شاہ ایران کے دفتر میں "گرین فون" لگا رکھا تھا اور اسے امریکہ سے جو ہدایات ملتی تھیں وہ ان پر فوری عملدرآمد کرنا تھا لیکن پھر شاہ کی امریکہ نواز پالیسیوں پر بغاوت ہوئی، یہ بغاوت تین سال تک چلتی رہی، شاہ نے 12 شہروں میں مارشل لاء لگا دیا، عوام نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، شاہ نے حکومت شاہ پور بختیار کے حوالے کی اور ملک سے فرار ہو گیا، اس کا خیال تھا امریکہ اب اس کی وفاداریوں کا بدلہ دے گا لیکن جوں ہی شاہ ایران کا طیارہ ایران کی حدود سے لکھا، امریکہ نے آنکھیں پھیر لیں، شاہ پہلے مصر گیا، پھر مراٹش، پھر بہاماس اور پھر میکسیکو وہ اس دوران امریکہ سے مسلسل مدد مانگتا رہا لیکن کسی نے اس کی مدد نہ کی، امریکہ کا نیلی فون تک نہیں ملتا تھا۔ شاہ ایران سو سال تک مارا مارا پھر تارہ لیکن کسی نے اس کی مدد نہ کی، امریکہ نے اس کے اکاؤنٹس تک "سیز" کر دیئے، 26 خریں انورالسادات کام آیا اور اس نے اسے پناہ دے دی۔ جولائی 1980ء میں قاہرہ میں اس کا انتقال ہوا، انتقال کے وقت اس کے پاس اس کی تیسری بیوی کے

پاکستان میں بھی کسی قسم کا مسئلہ پیش نہ آتا۔ یہ نوجوان جوڑا کر اچھی لاہور یا اسلام آباد کے ہوائی اڈے پر اترتا، ہم اسے 21 توپوں کی سلامی دیتے، اسے گارڈ آف آرڈر پیش کرتے اور جب تک یہ دونوں ہمارے ملک میں رہتے، ہم ان کے راستے میں پھولوں کی پتیاں بچاتے رہتے لیکن کیونکہ صدر سرکوزی اور ان کی گرل فرینڈ کارلا برونی پاکستان نہیں آئی چنانچہ یہ دونوں ہماری میزبانی اور ہم ان کی خدمت سے محروم رہے اور ہم سعودی عرب، قطر، دوہی، مصر اور اردن کی طرح شرف میزبانی بھی حاصل نہیں کر سکے مگر میری خواہش ہے ہماری زندگی میں ایسا وقت ضرور آئے جب ہم نہ صرف کارلا برونی کا استقبال کر رہے ہوں بلکہ اس کی پالتوبیوں کی خدمت بھی کر رہے ہوں۔ آخر ہمیں کسی نہ کسی شعبے میں تو اپنے ہمسائے ملک سے آگے بڑھنا چاہئے۔ مجھے نہیں معلوم وہ سنہری دن کب طلوع ہو گا لیکن اس دن سے پہلے ایک بات طے ہے قومیں انا، عزت نفس اور وقار کے بغیر زندہ نہیں رہتیں اور یہ عزت نفس، وقار اور اتنا کی قوت ہوتی ہے جو قوموں کو اقوام عالم کی بھیڑ میں سراخا کر جانے کی جرأت دیتی ہے اور بدستقی سے عالم اسلام اس قوت سے محروم ہے۔ میں نے جب سے یہ خبر پڑھی ہے میرے دل سے آہ لکل رہی ہے اور میں دعا کر رہا ہوں کاش بھارت کی جگہ ہم ہوتے، کاش ہمارے اندر اتنی طاقت ہوتی کہ ہم فرانس، امریکہ اور برطانیہ چیزیں ملکوں کے سربراہان کو ٹوک سکتے۔ کاش ہم انہیں یہ کہہ سکتے اگر تم نے پاکستان آتا ہے تو تمہیں ہماری شرائط پر آنا پڑے گا، تمہیں ہماری خواہشات کا احترام کرنا پڑے گا۔ کاش بھی ایسا ہو جائے۔

⊗ ⊗

جان بچانے کیلئے چھپتا پھر رہا ہے لیکن امریکی حکومت اس کا میلی فون تک نہیں سنتی۔ "جزل نور یگا" پانامہ میں امریکہ کا آہ کار تھا، اسے بھی امریکیوں نے کیونٹوں کے خلاف استعمال کیا۔ وہ 1990ء تک

امریکی مفادات کی جگہ لڑتا رہا لیکن امریکہ کی تسلی نہ ہوئی لہذا امریکہ نے پانامہ پر حملہ کر دیا، صدر نور یگا گرفتار ہوا، امریکی ایما پر عدالت نے اسے 40 سال قید با مشقت کی سزا سادی اور نور یگا گزشتہ چودہ برس سے جیل میں امریکی دوستی کا خمیازہ بھگت رہا ہے۔ "فرڈی میڈ مارکوس" 22 برس تک فلپائن میں امریکی مفادات کی جگہ لڑتا رہا۔ اس نے فلپائن سے کیونٹوں کو جن جن کر ختم کر دیا لیکن 1986ء میں امریکہ ہی نے اس کی حکومت ختم کر دی مارکوس امریکہ آگیا، امریکہ نے اسے پناہ تو دے دی لیکن اسے دہشت اور وہ تو قیرنہ دی جس کا وہ حق دار تھا مارکوس نے باقی زندگی ہونولولو کے ایک چھوٹے سے مکان میں گزاری اور اسے ایک عام پناہ گزین کے برابر وظیفہ ملتا تھا مارکوس 1999ء میں اسی بے بسی کے عالم میں آنحضرتی ہو گیا۔ 1979ء ہی میں امریکہ نے رہوڑیشیا میں بیپاں ابھل منور یا کو موچا بے اور نکو موکے مقابلے میں کھڑا کیا، بیپاں امریکیوں کیلئے لڑتا رہا لیکن جب وہ لڑتے لڑتے کمزور ہو گیا تو امریکہ نے اس کی امداد سے ہاتھ کھیچ لیا اور صدر صدام حسین کی کھانی تو پوری دنیا جانتی ہے۔ انقلاب ایران کے بعد امریکہ نے صدام حسین کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، صدام حسین نے امریکہ کی ایما پر 22 ستمبر 1980ء کو ایران پر حملہ کیا، یہ جگہ 20 اگست 1988ء تک 8 سال جاری رہی اور اس میں دس لاکھ افراد ہلاک اور 20 لاکھ زخمی ہوئے۔ صدام حسین 1990ء تک امریکہ کا دوست رہا لیکن پھر امریکہ نے تیل کے لائچ میں عراق پر حملہ کر دیا، اس جگہ میں 86 ہزار عراقی شہری شہید ہوئے، 2003ء میں امریکہ نے ایک بار پھر عراق پر حملہ کیا، صدام حسین گرفتار ہوا اور امریکی ہدایات پر اسے 30 نومبر 2006ء کو بغداد میں پھانسی دے دی گئی۔

شاہ ایران سے لے کر صدام حسین تک امریکی تاریخ دوست کشی کی ہزاروں مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ امریکی اپنی خارجہ پالیسی کو "ڈسپوزل ڈپویسی" کہتے ہیں، ان کا فلسفہ ہے خرید و استعمال کرو اور چینک دو امریکی قوم بلیڈ کند ہونے سے پہلے بیوی بدلتے ہیں چنانچہ یہ لوگ اپنے دوستوں کو کاغذ کے گلاس پلیٹ، ٹشو اور گندی جراب سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ یہ لوگ ہمیشہ کیس ٹوکیس اور پراجیکٹ ٹو پراجیکٹ چلتے ہیں چنانچہ ان کے دوست جزل اکتوپوشے ہوں، جزل رضا شاہ پہلوی ہوں یا جزل صدام حسین یا لوگ اس وقت انہیں دوست سمجھتے ہیں جب تک وہ ان کیلئے خدمات سرانجام دے سکتے ہیں اور جس دن انہیں محسوس ہوتا ہے یہ شخص ان کی "ذمہ داری" بنتا جاتا رہا ہے، یہ اس کے ساتھ

سو اکوئی نہ تھا، لوگ اس کا جنازہ تک پڑھنے نہ آئے چنانچہ اسے اس کے بیڈ روم ہی میں اماماً فن کر دیا گیا۔

یہ صرف رضا شاہ پہلوی کی کہانی نہیں، امریکہ کا ہر دوست حکمران اسی انجام کا شکار ہوا، آپ "اناں تاسیوسو" کی مثال یجھے، وہ نکارا گوا میں امریکی ایجنت تھا، نکارا گوا میں کیونزم کی تحریک شروع ہوئی تو امریکہ نے اناں تاسیوسو کو ڈالا اور اسکے کیونزم کے خلاف کھڑا کر دیا۔ تاسیوسو امریکہ کی جگہ کوپنی جنگ کھجھ کر لڑتا رہا، 1979ء میں نکارا گوا میں اس کے لئے حالات مشکل ہو گئے، وہ ملک سے فرار ہوا لیکن جوں ہی اس نے نکارا گوا سے باہر قدم رکھا، امریکا نے اسے پچانے سے انکار کر دیا، اس نے امریکہ آنے کی کوشش کی لیکن امریکی حکومت نے اجازت نہ دی، یوں اناں تاسیوسو جنگلوں اور غاروں میں چھپ کر زندگی گزارنے لگا، وہ 1980ء میں اسی پریشانی کے عالم میں انتقال کر گیا اور اس کے چند قریبی دوستوں نے اسے پیرا گوئے کے شہر استشن میں دفن کر دیا، آج لوگ اس کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔ چلی کے آخر "جزل اگارتے اکتوپوشے" نے 1973ء میں ہی آئی اسے کی مد و سے جزل ایلینڈ کی منتخب حکومت پر شب خون مارا تھا، پوشے نے اقتدار میں آتے ہی چلی کی عوام کے خلاف آپریشن شروع کر دیا۔ پوشے 1990ء تک چلی پر حکمران رہا، ان 17 برسوں میں پوشے نے امریکہ کے کہنے پر ہزاروں شہری قتل کرائے، امریکہ کی ناپسندیدہ تنظیموں پر پابندیاں لگائیں اور امریکہ کی خواہش پر اپنے شہریوں کے انسانی حقوق غصب کے، عوام 1990ء میں پوشے کے خلاف اٹھ کھرے ہوئے، وہ مارچ 1990ء میں لندن فرار ہو گیا، اس کا خیال تھا برطانیہ اور امریکہ اسکی وفاداریوں کی قدر کریں گے لیکن لندن آتے ہی برطانوی پولیس نے اسے گرفتار کیا اور اسے اس کے گھر میں نظر بند کر دیا، اس نے اس نارواں سکو پر امریکہ سے احتجاج کیا لیکن امریکی حکومت نے اسے جواب تک دینے کی زحمت نہ کی، برطانوی حکومت نے اسے 2000ء میں چلی کے حوالے کر دیا، اس کے خلاف مقدمہ چلا، 3 دسمبر 2006ء کو اسے ہارث ایک ہوا اور وہ دم توڑ گیا، اس کی موت پر پورے ملک میں خوشیاں منائی گئیں، جبکہ امریکی حکومت نے ایک سطر کا تعریقی پیغام تک جاری نہ کیا۔ اگولا کا باعث سردار "جوناس سیمونی" بھی امریکہ نواز لیڈر تھا، وہ بر سہابر س اگولا میں امریکی مفادات کی جگہ لڑتا رہا، نومبر 1992ء میں امریکہ نے اسے کیونٹوں کے ساتھ امن معابدے کا حکم دیا، اس نے معابدے پر دستخط کر دیئے جس کے نتیجے میں جوناس سیمونی بے دوست پا ہو گیا، معابدے پر دستخطوں کے دو ماہ بعد کیونٹوں نے "ہامبو" میں اس کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دیا، وہ فرار ہو گیا، آج اس واقعہ کو پندرہ سال گزر رچے ہیں، جوناس سیمونی

محمد شاہ رنگیلا

شہزادے کا اصل نام روشن اختر تھا، وہ شاہ جہاں جستہ اختر کا بیٹا اور شاہ عالم بہادر شاہ اول کا پناہی سید برادران نے اسے جل سے رہا کرایا اور 17 ستمبر 1719ء کو تخت پر بٹھا دیا، اس نے اپنے لئے ناصر الدین محمد شاہ کا لقب پسند کیا لیکن تاریخ نے اسے محمد شاہ رنگیلا کا نام دے دیا، محمد شاہ رنگیلا ایک میں طبع غیر متوازن شخص تھا، چوبیس گھنٹے نشے میں دھست رہتا تھا اور رقص و سرود اور فحاشی و عربی کا دل ہفتون کی بات ہے اور اس کے بعد نیا کپٹی پلیٹ اور نیا گلاس ہو گا اور کوتہ الیز اس کا ہو گی۔

اپنے کسی شخص کو ہندوستان کا اعلیٰ ترین عہدہ سونپ دیتا تھا اور جب چاہتا وزیر اعظم کو کھڑے کھڑے نیل بھجوادیتا تھا، وہ اکثر دربار میں نگاہ آ جاتا تھا اور درباری بھی اس کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری میں کپڑے اتار دیتے تھے، وہ بعض اوقات جوش اقتدار میں دربار میں سر عام پیشاب کر دیتا تھا اور تمام معزز وزراء ولی کے شرفاء اور اس وقت کے علماء اور فضلاء وہ وہ کہہ کر پادشاہ سلامت کی تعریف کرتے تھے، وہ بیشے بیشے حکم دیتا تھا کل تمام درباری زنانہ کپڑے پہن کر آئیں اور فلاں فلاں وزیر پاؤں میں مکنکروپاندھیں گے اور وزراء اور درباریوں کے پاس انکار کی منجائش نہیں ہوتی تھی، وہ دربار میں آتا تھا اور اعلان کر دیتا تھا جل میں بند تمام مجرموں کو آزاد کر دیا جائے اور اتنی ہی تعداد کے برابر مزید لوگ جل میں ڈال دیئے جائیں، پادشاہ کے حکم پر سپاہی شہروں میں نکلتے تھے اور انہیں راستے میں جو بھی شخص ملتا تھا وہ اسے کپڑکر جل میں پھینک دیتے تھے، وہ وزارتیں تقسیم کرنے اور خلعتیں پیش کرنے کا بھی شو قین تھا، وہ روز پانچ نئے لوگوں کو وزیر بنا تھا اور سو پچاس لوگوں کو شاہی خلعت پیش کرتا تھا اور اگلے ہی دن یہ خلعتیں اور یہ وزارتیں واپس لے لی جاتی تھیں، وہ طوال گفون کے ساتھ دربار میں آتا تھا اور ان کی ناگلوں اور زوؤں اور پیٹ کر کاروبار سلطنت چلاتا تھا، وہ قاضی شہر کو شراب سے وضو کرنے پر مجبور کرتا تھا اور اس کا حکم تھا ہندوستان کی ہر خوبصورت عورت پادشاہ کی امانت ہے اور جس نے اس امانت میں خیانت کی اس کی گرون مار دی جائے گی اور اس نے اپنے دور میں اپنے عزیز ترین گھوڑے کو وزیر مملکت کا سیٹ دے دیا اور یہ گھوڑا شاہی خلعت پہن کر وزراء کے ساتھ بیٹھتا تھا، محمد شاہ رنگیلا کثیر شراب

ذوالقدر علی بھٹو اور جزل ضیاء الحق جیسا سلوک کرتے ہیں اور اس کے بعد یہ ان کی قبروں تک پر "سابق" کی مہر لگادیتے ہیں۔ یہ ہے امریکی دوستی اور اس کا انجام اور امریکہ وچھلے دو سو چودہ برس سے "دوستی" کے اسی فلسفے پر کاربنڈ ہے اور اس نے آج تک کسی شخص کیلئے اپنی یہ پالیسی نہیں بدلتی لیکن ہمارے مہر بان یہ سمجھ رہے ہیں 2007ء تک پہنچ کر امریکہ نے اپنا سارا فلسفہ بدل لیا ہے اور وہ اب بھیرہ عرب کے آخری ساحل اور بحر اوقیانوس کی آخری لہر تک ہمارا ساتھ دے گا، ہمارے یہ دوست بھول گئے ہیں وہ امریکی جو کی زمین ہے اور ذوب بنتے سورجوں کے بیٹے ہمیشہ چڑھتے سورجوں کے دوست ہوتے ہیں اور اس وقت ہمارے مہر بانوں کا سورج ڈوب رہا ہے چنانچہ امریکہ کی وفاداری کا رخ بھی بدل رہا ہے۔ بس ایک دوست کی بات ہے اور اس کے بعد نیا کپٹی پلیٹ اور نیا گلاس ہو گا اور کوتہ الیز اس کا ہو گی۔

⊗ ⊗ ⊗

ہی کے یعنی قک اسی اجازت نامے کا مخفف ہے، امیر تیور اسلامی دنیا کا بہت بڑا ہیر و تھائیں وہ قتل اور علم کے خبط میں بتلا تھا اس نے اپنی زندگی میں 54 ممالک میں کھوپریوں کے میثار بنائے اور علمائے کرام کو بیع کر کے قرآن مجید کی ترتیب بدلتے کا حکم دے دیا، جن کے ایک بادشاہ نے مردوں کو بر قعہ پہنچنے اور عورتوں کو "اندر گار منش" میں باہر آنے کا حکم دے دیا، جلپاں کے ایک محمد شاہ رنگیلے نے کشتی بنانے کی سزا موت طے کر دی اور دوسرے نے دال پکانے کو ناقابلِ ضمانت جرم قرار دے دیا، اٹلی کے ایک بادشاہ اور عورتوں کے ہنسنے پر پابندی لگادی جبکہ دوسرے نے قانون بنادیا سلطنت کی تمام عورتوں پر را کھملان کریں گی، یہ وقت تھا جب لیونارڈ وڈ اوچی مونالیز اپنارہ تھا، شاید یہی وجہ تھی اس پینٹنگ میں مونا لیزا نے ہونٹ بھینچ رکھے ہیں اور پولینڈ کے ایک محمد شاہ رنگیلے نے ملک کی تمام عورتوں کو کستے پانے کا حکم دے دیا تھا۔

آپ تاریخ کا کوئی باب اٹھا کر دیکھیں، آپ کو اس میں بے شمار محمد شاہ رنگیلے میں گے، پوری دنیا میں بیسویں صدی تک بادشاہت ہوتی تھی اور بادشاہ قانون کا درجہ رکھتے تھے لہذا جب کبھی یہ قانون کا حکم دے دیا، روم کے ایک بادشاہ نے جوش شاہی میں پورے روم کو آگ لگادی اور خود محل کی چھت پر بیٹھ کر بانسری بجانے لگا، ایک بادشاہ نے روم کے درمیان میں اپنی تحریز بنایا اور 80 ہزار لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بھوکے شیروں کو انسان کا شکار کرتے اور گوشت کھاتے دیکھنے لگا، روم کے ایک بادشاہ نے اپنی سگی بہن سے شادی کر لی، یوتان کا ایک بادشاہ ملکہ کے ساتھ بردہ بہن پاہر لکھا اور عوام کو حکم دے دیا تمام لوگ با آواز بلند کہیں "بادشاہ نے برا خوبصورت لباس پہن رکھا ہے" ایران کا ایک بادشاہ اپنی ملکہ کے ساتھ شترنخ کھیلتا تھا اور اس بازی کے دوران اگر ملکہ ہارتی تھی تو وہ بادشاہ کو ایک غلام پیش کر دیتی تھی اور بادشاہ کو مات ہوتی تھی تو وہ ایک غلام ملکہ کے حوالے کر دیتا، یہ غلام کھیل کے آخر میں سر عالم ذبح کر پر عاشق تھا، بادشاہ ایک دن دہن بنتا تھا اور ہندو لڑکا دلہا، دربار میں دونوں کا باقاعدہ نکاح ہوتا تھا، رخصتی ہوتی تھی، ولیمہ ہوتا تھا اور سارے عمالک دین سلطنت "جوڑے" کو باقاعدہ سلامیاں دیتے تھے، دوسرے دن وہ لڑکا دلہن اور بادشاہ دلہنا بنتا تھا اور اس تقریب میں بھی تمام درباری اور شرقاء شریک ہوتے تھے، فرانس کے بادشاہوں نے ایک طویل عرصے تک غسل کو خلاف قانون قرار دیئے رکھا تھا، برطانیہ کے ایک بادشاہ کے دور میں شادیوں پر پابندی تھی اور جب تک کوئی شہری بادشاہ سے سر میکیٹ نہیں لے لیتا تھا اس وقت تک اسے وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، اس اجازت کو

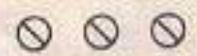
نوشی کے باعث 26 اپریل 1748ء کو انتقال کر گیا لیکن آج بھی جب تاریخ محمد شاہ رنگیلے کے پہنچتی ہے تو اس کی ہنسی چھوٹ جاتی ہے۔

محمد شاہ رنگیلے اس نوعیت کا واحد کردار نہیں تھا، اس انی تاریخ ایسے سینکڑوں ہزاروں کرداروں سے تھری پڑی ہے، آپ دنیا کی قدیم تہذیبوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں آپ کو معلوم ہو گا دنیا کی ہر تہذیب کو شروع میں نیک اور بحمدہ دار بادشاہ میں، ان بادشاہوں نے ملک میں میراث عدل اور مساوات قائم کی جس کے نتیجے میں ملک نے ترقی کی اور وہ تہذیب معاشری خوشحالی کے دور میں داخل ہو گئی لیکن پھر اچانک ایک دن ملک میں کوئی محمد شاہ رنگیلہ آیا اور اس نے اپنے پاگل پن اور انہا کو مستور قانون اور آئین کی شکل دے دی اور وہ ملک اور وہ بادشاہ کے پاگل پن کے ہاتھوں فنا ہو گئی، آپ مصر کے بادشاہوں کو دیکھنے بادشاہوں کی ایک نسل نے اہرام مصر جیسے تعمیراتی مجزے برپا کئے جبکہ دوسری نسل کے رنگیلے خدائی کے دعوے کرنے لگے، شداد جیسے بادشاہ نے زمین پر جنت بنا دی، نمودنے آگ دہکائی اور حضرت ابراہیم کو اس آگ میں دھکیل دیا اور ایک بادشاہ نے اللہ کے نبی کو آرے سے چینے کیا، ایک بادشاہ نے جوش شاہی میں پورے روم کو آگ لگادی اور خود محل کی چھت پر ساتھ بھر جائے لگا، ایک بادشاہ نے روم کے درمیان میں اپنی تحریز بنا لیا اور 80 ہزار لوگوں کے درمیان بیٹھ کر بھوکے شیروں کو انسان کا شکار کرتے اور گوشت کھاتے دیکھنے لگا، روم کے ایک بادشاہ نے اپنی سگی بہن سے شادی کر لی، یوتان کا ایک بادشاہ ملکہ کے ساتھ بردہ بہن پاہر لکھا اور عوام کو حکم دے دیا تمام لوگ با آواز بلند کہیں "بادشاہ نے برا خوبصورت لباس پہن رکھا ہے" ایران کا ایک بادشاہ اپنی ملکہ کے ساتھ شترنخ کھیلتا تھا اور اس بازی کے دوران اگر ملکہ ہارتی تھی تو وہ بادشاہ کو ایک غلام پیش کر دیتی تھی اور اگر بادشاہ کو مات ہوتی تھی تو وہ ایک غلام ملکہ کے حوالے کر دیتا، یہ غلام کھیل کے آخر میں سر عالم ذبح کر دیے جاتے تھے، ہندوستان کا ایک بادشاہ قطب الدین مبارک شاہ، ہم جس پرست تھا، وہ ایک ہندو لڑکے پر عاشق تھا، بادشاہ ایک دن دہن بنتا تھا اور ہندو لڑکا دلہا، دربار میں دونوں کا باقاعدہ نکاح ہوتا تھا، رخصتی ہوتی تھی، ولیمہ ہوتا تھا اور سارے عمالک دین سلطنت "جوڑے" کو باقاعدہ سلامیاں دیتے تھے، دوسرے دن وہ لڑکا دلہن اور بادشاہ دلہنا بنتا تھا اور اس تقریب میں بھی تمام درباری اور شرقاء شریک ہوتے تھے، فرانس کے بادشاہوں نے ایک طویل عرصے تک غسل کو خلاف قانون قرار دیئے رکھا تھا، برطانیہ کے ایک بادشاہ کے دور میں شادیوں پر پابندی تھی اور جب تک کوئی شہری بادشاہ سے سر میکیٹ نہیں لے لیتا تھا اس وقت تک اسے وظیفہ زوجیت ادا کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی، اس اجازت کو

مبارک ہو

ہم اگر تاریخ کے غیر معمولی انسانوں کی فہرست بنائیں تو یونارڈوڈ اوپنجی کا نام شروع میں آئے گا، وہ اٹلی کے شہر فلورنس میں پیدا ہوا، اس کا والد ایک دولت مند قانون دان تھا، یونارڈو نے جوانی میں بیک وقت مصوری، مجسمہ سازی، تعمیرات، موسیقی اور سائنس کو اپناؤز ریجیہ شاخت بنا یا لیکن اس کی شہرہ آفاق پینینگ "مونالیزا" اس کا حوالہ بن گئی، یہ فلورنس کی ایک ریکس زادی گرارڈنی کی پورٹریت ہے، یہ 1507ء میں مکمل ہوئی اور اس پورٹریت کی ملکوتی مکراہت نے یونارڈو کو تخلیق اور مصوری کی کتاب میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے امر کر دیا، یہ تصویر آج تک ہر سے عجائب گھر لوور میں رکھی ہے اور میں تیرہ چودہ مرتبہ اس کی "زیارت" کر چکا ہوں، مونالیزا نے جہاں یونارڈو کو آفاقتی پڑیا تھی بخشی وہاں ڈاونچی کا اصل شیفت اور کنٹری پیوشن اس تصویر کے پیچھے چھپ گیا، یونارڈو مصور سے کہیں زیادہ اچھا سائنس دان تھا اور اس نے انسانیت کی فلاح کیلئے ایسی بے شمار اشیاء کے تصور ویے جنہوں نے ہماری سماجی زندگی کا ڈھانچہ بدل دیا۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی قبیلی یونارڈوڈ اوپنجی نے ایجاد کی تھی، ڈرل مشین اس کی ایجاد تھی، اس نے دنیا کا پہلا "موواہبل" گمراہیا تھا، سریا بنانے کی مشین اس کی ایجاد تھی، زمین سے پانی لکانے والی بورگ مشین اس نے بنائی تھی، خرا مشین اس کی ایجاد تھی، مل ڈوز راس نے بنایا تھا، سیمنٹ بجری اور ریت کو ملانے والا کچھ اس نے ایجاد کیا تھا، سوت کاٹنے والی مشین اور دریا دل سے کچھ رکانے والی کشی اس نے بنائی تھی، وہ پہلا شخص تھا جس نے مقاطی سوئی کو فتحی محور پر لگایا تھا اور اس سے قطب نما بنا تھا، دنیا کا پہلا فوجی مل اس نے بنایا تھا، نہریں کھونے کی جدید سائنس کا بانی یونارڈوڈ اوپنجی تھا، انسانی جسم میں موجود ریڈوں کا نظام اس نے دریافت کیا تھا اور انسانی جسم کے مختلف اعضاء کی اندر ہونی ساخت کی تصویریں اس نے بنائی تھیں، جدید توپ کا ذریز ان بھی اس نے دیا تھا، مشین گن کا نقش بھی اس نے بنایا تھا، گیلا بینڈ ریز اس نے بنائے تھے اور گوشت روٹ کرنے والی مشین بھی اس نے ایجاد کی تھی، ان تمام سائنسی ایجادات کے ساتھ ساتھ یونارڈوڈ اوپنجی پہلا شخص تھا جس نے کیلکو لیٹر بنایا تھا اور جس نے کپیورٹ کا تصور دیا تھا لیکن اس کی یہ ساری ایجادات مونالیزا کے پیچھے چھپ گئیں دنیا میں

متکن رہ سکے گا اور اس دوران بھی اگر حکومت کو محسوس ہوا چیف جسٹس ٹھیک کام نہیں کر رہا تو وہ اسے ہٹا بھی سکے گی، میں نے جب یہ خبر پڑھی تو مجھے محسوس ہوا پوری دنیا نے دس ہزار سال میں محمد شاہ رنگیلے سے جارج بیش، گورڈن براؤن اور لی کو آن یوکی طرف سفر کیا لیکن ہم 21 ویں صدی میں محمد شاہ رنگیلے کی طرف لوٹ رہے ہیں اور پوری دنیا شخصی اختیار سے اداروں کی طرف آگئی وہ بادشاہوں سے جمہوریت، درباروں سے پارلیمنٹ اور ٹھل بھانی سے آزادی دینے کی طرف پہنچ گئی لیکن ہم عدیہ پارلیمنٹ اور انسانی حقوق کو داپس ایک بادشاہ کی ذات میں جمع کر رہے ہیں، کیا بات ہے ہماری، ہم وہ لوگ ہیں جو تاریخ کے دھارے سے الٹ سفر کر رہے ہیں لیکن ساتھ ہی ہمیں اپنی کامیابی کا بھی یقین ہے، ہم کیا زبردست لوگ ہیں، ہم گرم توے پر برف جمانے کی کوشش کر رہے ہیں، ہم 21 ویں صدی میں محمد شاہ رنگیلے کا دور داپس لارہے ہیں۔ ہم جزل پرویز مشرف جیسے محمد شاہ رنگیلے سے نکلتے ہیں تو جناب آصف علی زرداری نے رنگیلے بن کر ہمارے سر پر سوار ہو جاتے ہیں۔ کیا بات ہے ہماری۔۔۔



پاکستان میں پہلی بلت پروف گاڑی جزل ضایاء الحق کے دور میں آئی تھی، افغان جنگ کے دوران جزل ضایاء الحق اور ان کے "رفقاء کار" روی ایجنسیوں کا نارک تھے چنانچہ امریکہ نے اتنا فوج کو بارہ بلت پروف گاڑیاں دیں، ان میں سے تین گاڑیاں جزل ضایاء الحق استعمال کرتے تھے جبکہ باقی گاڑیاں ان کے منظور نظر جرنیلوں کے زیر استعمال تھیں، جزل ضایاء الحق کے بعد محترمہ بنائی تھی، اس نے بادشاہوں کیلئے لکڑی کی ایک ایسی گاڑی بنائی تھی جس میں بینہ کروہ بے خطر لے سفر کر سکتے تھے، یہ گاڑی ساڑھے چار سال تک بادشاہوں کے استعمال میں رہی لیکن جب دنیا میں انجمن ایجاد ہوا اور انسان نے پہنچے میں بال بیئر گنڈا لے تو برطانوی فوج نے جدید بکتر بند گاڑیاں بنانا شروع کر دیں، دنیا کی پہلی بکتر دین کا نام "پیئر" تھا اور اس کی پہلی کھیپ 1912ء میں برطانوی فوج کے حوالے کی گئی تھی، 1919ء میں امریکہ کی ایک کمپنی نے امریکی تاجر ہوئے کافر بند کار بنانے کا فیصلہ کیا، یہ گاڑی جنوری 1920ء میں مکمل ہوئی اور یکم فروری 1920ء کو سینٹ پاؤل میں اس کی پہلی نمائش ہوئی، اس گاڑی کو بلت پروف کا نام دیا گیا، 1923ء میں بلت پروف گاڑیوں کا تصور امریکہ سے یورپ پہنچا اور برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں بھی ان کی تیاری شروع ہو گئی لیکن ان گاڑیوں کو قبول عام دوسری جنگ عظیم میں حاصل ہوئی، دوسری عظیم جنگ میں دنیا کے زیادہ تر بڑے تاجر، صنعت کار، سیاستدان، شاہی خاندانوں کے افراد اور لیڈر بلٹ پروف گاڑیوں میں "شفت" ہو گئے یہ جنگ ختم ہوئی تو بلٹ پروف گاڑیاں باقاعدہ تجارت کی شکل اختیار کر گئیں اور گاڑیاں بنانے والی تمام بڑی کمپنیاں اپنے گاہوں کو بلٹ پروف کا آپشن دینے لگیں، 1970ء تک ان گاڑیوں میں صرف تین سے چھ انج مونا خصوصی شیشہ لگایا جاتا تھا اور ان کی بادی میں سیسے ڈال کر اسے گولی سے محفوظ بنا دیا جاتا تھا لیکن 80ء کی دہائی میں ایسی گاڑیاں بھی مارکیٹ میں آگئیں جن میں آگ بجھانے کے آؤنک آلات تھے، جو تائروں کے بغیر رم پر ایک سو بیس کلو میٹر کی رفتار سے چل سکتی تھیں، جن کا نیوں نیک گولی، بم اور آگ سے محفوظ رہتا تھا، جو ریموت کنٹرول سے شارٹ ہو سکتی تھیں، جن میں گاڑی میں بینہ کر تائروں کا درجہ حرارت اور ہوکم اور زیادہ کی جاسکتی تھی، جن میں سارے اور الارم لگے تھے، جن میں انٹر کام ہوتا تھا، جن میں آسیجن کا خود کار نظام تھا اور جو بم پروف بھی تھیں، آج 2007ء میں یہ صورتحال ہے تمام بڑی کمپنیاں بلٹ پروف گاڑیاں بنارہی ہیں لیکن تین کمپنیاں زیادہ مشہور ہیں، بی ایم ڈبلیو کی سیون سیریز میں ہائی سیکورٹی، مرسلینز بیزنس کی ایس کلاس میں گارڈ اور اوڈی کی اے 6 اور اے 8 میں اچھی بلٹ پروف گاڑیاں آرہی ہیں، ایک عام گاڑی کو بھی بلٹ پروف بنایا جاسکتا ہے لیکن اس پر کم از کم 60 سے 90 لاکھ روپے خرچ آتا ہے جبکہ دنیا کی مہنگی ترین بلٹ پروف گاڑی کی قیمت 92 کروڑ روپے ہے۔

بعض اوقات کسی تخلیق کا رکی کوئی ایک تخلیق اس کے باقی تمام کارنا موں کو نگل جاتی ہے اور یونارڈ کا شمار انہی تخلیق کا رکوں میں ہوتا ہے۔

یونارڈ او پیچی کا ایک اور کار نامہ بکتر بند گاڑی تھا، ڈاوچی نے دنیا میں پہلی بکتر بند گاڑی بنائی تھی، اس نے بادشاہوں کیلئے لکڑی کی ایک ایسی گاڑی بنائی تھی جس میں بینہ کروہ بے خطر لے سفر کر سکتے تھے، یہ گاڑی ساڑھے چار سال تک بادشاہوں کے استعمال میں رہی لیکن جب دنیا میں انجمن ایجاد ہوا اور انسان نے پہنچے میں بال بیئر گنڈا لے تو برطانوی فوج نے جدید بکتر بند گاڑیاں بنانا شروع کر دیں، دنیا کی پہلی بکتر دین کا نام "پیئر" تھا اور اس کی پہلی کھیپ 1912ء میں برطانوی فوج کے حوالے کی گئی تھی، 1919ء میں امریکہ کی ایک کمپنی نے امریکی تاجر ہوئے کافر بند کار بنانے کا فیصلہ کیا، یہ گاڑی جنوری 1920ء میں مکمل ہوئی اور یکم فروری 1920ء کو سینٹ پاؤل میں اس کی پہلی نمائش ہوئی، اس گاڑی کو بلٹ پروف کا نام دیا گیا، 1923ء میں بلٹ پروف گاڑیوں کا تصور امریکہ سے یورپ پہنچا اور برطانیہ، فرانس اور جرمنی میں بھی ان کی تیاری شروع ہو گئی لیکن ان گاڑیوں کو قبول عام دوسری جنگ عظیم میں حاصل ہوئی، دوسری عظیم جنگ میں دنیا کے زیادہ تر بڑے تاجر، صنعت کار، سیاستدان، شاہی خاندانوں کے افراد اور لیڈر بلٹ پروف گاڑیوں میں "شفت" ہو گئے یہ جنگ ختم ہوئی تو بلٹ پروف گاڑیاں باقاعدہ تجارت کی شکل اختیار کر گئیں اور گاڑیاں بنانے والی تمام بڑی کمپنیاں اپنے گاہوں کو بلٹ پروف کا آپشن دینے لگیں، 1970ء تک ان گاڑیوں میں صرف تین سے چھ انج مونا خصوصی شیشہ لگایا جاتا تھا اور ان کی بادی میں سیسے ڈال کر اسے گولی سے محفوظ بنا دیا جاتا تھا لیکن 80ء کی دہائی میں ایسی گاڑیاں بھی مارکیٹ میں آگئیں جن میں آگ بجھانے کے آؤنک آلات تھے، جو تائروں کے بغیر رم پر ایک سو بیس کلو میٹر کی رفتار سے چل سکتی تھیں، جن کا نیوں نیک گولی، بم اور آگ سے محفوظ رہتا تھا، جو ریموت کنٹرول سے شارٹ ہو سکتی تھیں، جن میں گاڑی میں بینہ کر تائروں کا درجہ حرارت اور ہوکم اور زیادہ کی جاسکتی تھی، جن میں سارے اور الارم لگے تھے، جن میں انٹر کام ہوتا تھا، جن میں آسیجن کا خود کار نظام تھا اور جو بم پروف بھی تھیں، آج 2007ء میں یہ صورتحال ہے تمام بڑی کمپنیاں بلٹ پروف گاڑیاں بنارہی ہیں لیکن تین کمپنیاں زیادہ مشہور ہیں، بی ایم ڈبلیو کی سیون سیریز میں ہائی سیکورٹی، مرسلینز بیزنس کی ایس کلاس میں گارڈ اور اوڈی کی اے 6 اور اے 8 میں اچھی بلٹ پروف گاڑیاں آرہی ہیں، ایک عام گاڑی کو بھی بلٹ پروف بنایا جاسکتا ہے لیکن اس پر کم از کم 60 سے 90 لاکھ روپے خرچ آتا ہے جبکہ دنیا کی مہنگی ترین بلٹ پروف گاڑی کی قیمت 92 کروڑ روپے ہے۔

دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں

یہ 1996ء کی ایک سرد دوپہر تھی، شکا گولاے سکول مکے مخندے کے کوریڈور تھے اور وہ ان دنوں میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا، دوسرے ہاتھ میں فائلس تھیں اس نے یہ فائلس یعنی پر رکھ کر انہیں ہاتھ سے دبار کھا تھا، اس کے چہرے پر فکر کی کئی لکیریں بکھریں تھیں اس کے سامنے اس عالم میں شاف روم میں داخل ہوا، اس کے زیادہ تر کو لیکن زکافی کے مگ اٹھا کر ایک دوسرے بکھریں اور اس عالم میں جائزہ لیا، اس کا دوست کھڑکی کے پاس آ کیلا کھڑا تھا، اس کا بٹپٹ کر رہے تھے۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا، اس کا دوست کھڑکی کے پاس پہنچ گیا، فائلس اور بریف کیس میز پر رکھا، اور کوتھونی پر لٹکایا اور سکراتا ہوا دوست کے پاس پہنچ گیا، دوست نے سکرا کر پوچھا "آج کا دن کیا گزر؟" اس نے گرم جوشی سے جواب دیا "گذ" اس کا دوست مادر نفیات تھا اور وہ شکا گولاے سکول میں مجرموں کی نفیات پڑھاتا تھا، وہ فوراً اس کی سکھش تک مل گیا "تم کیا سوچ رہے ہو؟" اس کے دوست نے اس سے براہ راست پوچھ لیا، وہ سکرا کیا اور بڑے ہیں سے بولا "میں نے امریکہ کا صدر بننے کا فیصلہ کر لیا ہے" اس کے دوست کے پیٹ سے ایک قہقہہ انہیں اس نے قہقہے کو حلق میں روک لیا، وہ اپنے دوست کی نفیات سے واقف تھا، وہ جانتا تھا یہ قہقہہ ان کی دوستی میں دراز ڈال دے گا چنانچہ دوست نے فوراً کھڑکی سے باہر دیکھا اور سکرا کر کہا "آج سردی کی دوستی میں دراز ڈال دے گا" اس نے دوست کے سوال کا کوئی جواب نہ دیا، دوست کی نظریں کھڑکی سے پھسلتی ہوئی کہ زیادہ نہیں؟، اس نے دوست کے پاس کی طرف دیکھا اور سکراتے ہوئے پوچھا "آج ماں اس کے چہرے پر آئیں؟ دوست نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور سکراتے ہوئے پوچھا "آج ماں یہ رکس،" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور بولا "پاگل پن کی حد تک سیر کس" اس کے دوست نے اس کا سارا پکڑا، دونوں کھڑکی سے چند قدم پچھے ہے اور کر سیبوں پر آ کر بینچ گئے۔

پڑتی ہے، آپ دلچسپ امرد یکھئے پاکستان میں اس وقت 4227 آئینہ درآمد ہوتی ہیں، ان میں سے 81 فیصد اشیاء عام لوگوں تک پہنچتی ہیں لیکن آج تک محمد میاں سورہ سے جناب شوکت عزیز تک کسی سربراہ نے ان میں سے کسی آئینہ کو لیکس اور کشم سے متاثر قرار نہیں دیا جبکہ بلٹ پروف گاڑیاں وہ خوش نصیب "ضروریات" ہیں جنہیں حکومت نے ایک ہی جھکٹے میں ڈیوٹی فری کر دیا چنانچہ اب ملک میں بلٹ پروف گاڑیاں عام طیں گی اور لوگ ان گاڑیوں میں بیٹھ کر پاکستان زندہ باد پاکستان پاسندہ باد اور شاد باد منزل مراد کے نظرے لگائیں گے۔ وادہ کیا بات ہے، کیا ہم اس ملک میں نہیں رہ رہے جس میں عوام کو سورج کی روشنی، آکسیجن اور پانی تک فری نہیں ملتا جبکہ حکمران کلاس کیلئے بلٹ پروف گاڑیاں تک ڈیوٹی فری ہیں وادہ نامہ مبوب کو مبارک ہو۔

88

کے مالئے جہا اور مسکرا کر بولا" میں آپ کی کامیابی کیلئے دعا گو ہوں مسٹر پر یہ یہ نہ"

وکا گواہ سکول کا یہ استاد بارک حسین ادبا ما تھا، اس نے 1996ء میں ایک نامکن کام کا پیرزا امکانات کم ہوں اور جس کی پہلے کوئی مثال بھی موجود نہ ہو، اس کا دوست خاموش ہو گیا، اس نے غور سے دوست کی بات سنی اور اس کے بعد بولا "میرے پاس بھی اپنے اس فیصلے کی تین وجہات ہیں۔ نمبرون" امریکہ تبدیل ہو رہا ہے امریکہ کے 80 فیصد لوگ مذل کلاس ہیں، ان میں سے اکثریت گوروں کی ہے اور مجھے ان گوروں کی آنکھوں میں اپنے لئے ہمدردی محسوس ہوتی ہے، اس ہمدردی کی وجہ پائچ سو سال کا وہ جریہ ہے جو گوروں نے میرے رنگ اور میری نسل سے روار کھا، امریکہ کا مذل کلاس گورا آج اس زیادتی پر شرمندہ ہے، میں اس شرمندگی کا فائدہ اٹھا سکتا ہوں، وہ رکا، اس نے سوچا اور دوبارہ بولا "میں نے تاریخ کا بڑے غور سے مطالعہ کیا، مجھے تاریخ نے بتایا، دنیا میں کسی قوم کا صبر کبھی ضائع نہیں جاتا، اس ملک کے سیاہ فاموں نے پائچ سو سال تک صبر کیا، مجھے محسوس ہوتا ہے اب اس صبر کے نتیجے کا وقت آچکا ہے اور میں اس وقت کا فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ نمبرو، میرا کا لارنگ اور میرے والد کا مسلمان ہوتا میری سب سے بڑی طاقت ہے، میں اپنی کمزوریوں سے واقف ہوں، چنانچہ میں اپنی کمزوری کو بڑی آسانی سے اپنی قوت بناسکتا ہوں اور نمبر تحری، میں یہ سمجھتا ہوں انسان قدرت کی واحد مخلوق ہے، جس کیلئے دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں، جس انسان نے سمندر میں اترنے اور ہواؤں اور فضاوں میں تیرنے کافی کیا ہے، جس نے خلے کے اندر کی دنیا جان لی اس انسان کیلئے امریکہ کا صدر بننا زیادہ مشکل نہیں، وہ خاموش ہو گیا، دوست نے چند لمحے سوچا اور اس کے بعد پوچھا "تم مجھے اپنی کوئی پائچ خوبیاں بتاؤ، وہ چند لمحے خاموش رہا اور اس کے بعد بولا "میری پہلی خوبی میں ہارنے کے بعد حوصلہ نہیں ہارتا۔ دوسری خوبی میں جب کوئی کام شروع کرتا ہوں تو پھر اس میں وقہ نہیں آنے دیتا۔ میری تیسرا خوبی میں عام لوگوں کی نفیات سمجھتا ہوں، میں ان کے جذبات، احساسات اور ضروریات کو سمجھتا ہوں۔ میری چوتھی خوبی اخلاص ہے، میں نے آج تک کسی کو دھوکہ نہیں دیا، میں نے کبھی وحدہ نہیں توڑا، میں نے کبھی صلے کو سامنے رکھ کر نیکی نہیں کی اور میری پانچویں خوبی امید ہے، میں برے سے برے حالات میں بھی امید کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ میرے دوست میرے بارے میں کہتے ہیں اسے اگر تنور میں بھی پھینک دیا جائے تو یہ اپنے پیسے سے آگ بجھانے کی کوشش شروع کر دے گا، وہ خاموش ہو گیا، اس کے دوست نے چند لمحے سوچا اور اس کے بعد بولا "میں تمہیں ایک چھٹی خوبی کا تحفہ دینا چاہتا ہوں، وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا، دوست بولا "میں نے دنیا کے تمام بڑے لیڈروں میں ایک مشترک خوبی دیکھی، یہ تمام لوگ مسکراہٹ اور سنجیدگی کے استعمال کے ماہر تھے، یہ ایک منٹ میں مسکرا بھی سکتے تھے اور اسی منٹ میں ان کے چہرے پر موت جیسی سنجیدگی بھی آجائی تھی، تم نے جس دن سنجیدگی اور مسکراہٹ کا استعمال کیا ہے، تم کامیاب لیڈر ثابت ہو گے، اس کے ساتھ ہی وہ اپنی سیٹ سے اٹھا، اس

خواب تو خواب ہیں

"تم گوروں کے ایوان میں نہیں بیٹھ سکتے" یہ وہ الفاظ تھے جو نومبر 1868ء میں امریکی ایوان نمائندگان میں گونجے اور جان ولز مینارڈ کا سیاہ رنگ سرخ ہو گیا، وہ اپنی نشست سے اٹھا اور پیکر کو مخاطب کر کے بولا "جناب عالی میں بھی دوسرے معزز ارکان کی طرح عموم کے دوڑوں سے منت ہو کر آیا ہوں، مجھے اس ایوان میں بیٹھنے اور بولنے کیلئے بھیجا گیا ہے، اگر مجھے بولنے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تو یہ جمہوریت کی توہین ہو گی" ابھی مینارڈ کی بات جاری تھی کہ ایوان کے گورے ارکان نے اس کے خلاف نفرے لگاتا شروع کر دیئے وہ اوپری آواز میں چلا رہے تھے، ہم ایوان میں کسی کا لے کو برداشت نہیں کر سکتے، مینارڈ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جان ولز مینارڈ امریکہ کی تاریخ کا پہلا سیاہ قام رکن اسمبلی تھا، امریکہ میں 1860ء تک سیاہ قام پاشندوں کو صرف ایک ہی حق حاصل تھا اور وہ حق تھا غلامی۔ ابراہم لنکن نے 1860ء میں امریکہ میں غلامی کے خاتمے کا اعلان کیا جس کے بعد امریکہ کے تمام کا لے آزاد ہو گئے۔ جان ولز مینارڈ نے اس آزادی کو حقیقت سمجھ لیا، وہ ایکشن میں کھڑا ہوا اور 1868ء میں رکن اسمبلی منتخب ہو کر ایوان نمائندگان میں داخل ہو گیا۔ وہ ایوان کے دوسرے ارکان کی طرح کری پر بیٹھنے لگا تو ایک گورے رکن نے اس کے بیٹھنے کے حق کو چیخ کر دیا، جان ولز مینارڈ نے اس زیادتی پر احتجاج کیا لیکن اس کی آواز جلد ہی گوروں کی سرخ زبان تلے دب گئی اور اسے بالآخر ایوان سے باہر لکھا پڑ گیا۔ جان ولز مینارڈ کا تعلق غلاموں کی نسل سے تھا، یہ نسل امریکہ کیسے پہنچی؟ اس کے بارے میں دو تحریر یاں تھیں، 30 ہزار سال پہلے امریکہ اور ایشیا کے درمیان پندرہ سو کلو میٹر لمبی ایک پٹی ہوتی تھی، اس پٹی پر سفر کرتے ہوئے ایشیا اور افریقہ کے باشندے امریکہ پہنچ تھے بعد ازاں دنیا میں طوفان اور سیلاں آئے، سمندروں کا پانی بلند ہوا اور یہ پٹی سمندر میں ڈوب گئی جس کے بعد امریکہ اور ایشیا کا رابطہ ٹوٹ گیا۔ 1492ء تک یورپ، افریقہ، ایشیا اور مشرق بعید کے ممالک امریکہ کے وجود سے ناواقف رہے، 1492ء میں کریموف کلبس بھارت جانے کیلئے چین سے لکھا اور غلطی سے امریکہ کے ساحل پر جاتا تو وہ نئی دنیا دیکھ کر جیران رہ گیا، لاکھوں کروڑوں میل تک جنگلات پھیلے تھے، ان جنگلات میں کروڑوں جانور پھر رہے تھے اور ان کروڑوں جانوروں کے درمیان مختلف نسلوں کے لاکھوں انسان رہ رہے تھے

اک سین او بامہ جیسے لوگ پیدا کر دیتا ہے اور وہ فرعونوں کو اندر سے موت دے دیتا ہے لہذا ہو سکتا ہے
امریکے کالوں کو صدیوں کی غلامی سے آزادی دینے والا یہ بارک او بامہ آنے والے دنوں میں دنیا بھر
کے سالوں کا نجات دہندہ بھی بن جائے۔ دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ناممکنات کو ممکنات میں
بھی کر سکتا ہے ہو سکتا ہے یہ بارک حسین او بامہ ہمارے آج کے ناممکن کو بھی ممکن بنادے۔ خواب تو
کہاں ہے آقاوں کے بچوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے لیکن ابھی دوسرا خواب دور تھا۔
فاب یہ اگر مارٹن لوٹھر خواب دیکھ سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں دیکھ سکتے۔

⊗ ⊗ ⊗

تعالیٰ نے تقریر کے فن سے نواز رکھا تھا وہ بولتا تھا تو اس کے لفظ سخنے والوں کے دل کی دھڑکن بن جائے
تھے مارٹن لوٹھر نے اپنی تقریروں سے پورے امریکہ میں آگ لگادی، انہی دنوں جان ایف کینیڈی
ڈیموکریٹک پارٹی کا صدارتی امیدوار بنا، کینیڈی اور لینڈن بی جانسون نے مارٹن لوٹھر نگ کے مطالبہ کو اپنا
صدرتی نعرہ بنایا، کینیڈی 20 جنوری 1961ء میں منتخب ہوا تو اس نے صدر بننے ہی سیاہ قام باشندوں کو
سفید قام لوگوں کے برابر حقوق دے دیے۔ یوں مارٹن لوٹھر نگ کا ایک خواب پورا ہو گیا، اس کے کالے
پچھے گورے آقاوں کے بچوں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر کھڑے ہو گئے لیکن ابھی دوسرا خواب دور تھا۔

امریکہ کی سیاہ قام نسل کو جس زمانے میں برابری کے حقوق ملے تھے اسی دور میں کینیا کا ایک
غريب مسلمان طالب علم امریکہ پہنچا، اس کا نام بارک حسین او بامہ تھا، اس نے اپنی کلاس فیلوین ڈنہم کے
ساتھ شادی کی وہ دونوں دو سال تک اکٹھے رہے، ان دو سالوں کی ایک ثانی بارک حسین او بامہ جونیز کی
شكل میں ظاہر ہوئی، میاں بیوی کے درمیان طلاق ہوئی، بارک حسین او بامہ واپس کینیا چلا گیا لیکن وہ اپنی
جدوجہد کی ایک ثانی امریکہ میں چھوڑ گیا، بارک حسین او بامہ جونیز نے زندگی کی سختیوں کو اپنا ہتھیار بنا یا
وہ کولبیا اور ہارورڈ یونیورسٹی سے ہوتا ہوا معاشرے میں اتر، اس نے سیاست شروع کی اور اس خواب کی
تجیہ کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا جو اس کے سیاہ قام آباد اجادا نے دیکھا تھا، اس نے 21 ماہ قبل صدارتی
مہم شروع کی، پوری دنیا کا خیال تھا وہ یہ مہم سنبھیں کر سکے گا کیونکہ سفید امریکی ذہن و اٹھ ہاؤس میں بھی
کسی سیاہ بدن کی پر چھائی نہیں پڑنے دے گا لیکن پھر 5 نومبر 2008ء کو یہ مجرم ہو گیا۔ ایک ایسا سیاہ
فام شخص جس کے نام میں اسلام کی ثانی موجودتی وہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا صدر بن گیا۔
بارک حسین او بامہ کا سیاہ رنگ جیت گیا۔ میں جب میلی ویژن پر اسے شکا گو کے سینڈیم میں لاکھوں
لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا تو میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میں نے اللہ کی شان پر
لاکھ لاکھ ٹکڑا دیکھا کیا۔ کینیا دنیا کا وہ ملک تھا جس سے امریکیوں نے 1541ء میں پہلی بار غلام درآمد کیے
تھے، یہ غلام مسلمان تھے اور صدیوں کے جرنے ان لوگوں کو کلمہ تک بھلا دیا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اسی
کینیا سے ایک مسلمان امریکہ بھجوایا اور یہ مسلمان امریکہ میں تبدیلی کی ایک ایسی "جاگ" لگا گیا جس
نے آنے والے دنوں میں دنیا کے تمام سیاہ قاموں کا سرختر سے بلند کر دیا۔ یہ بارک او بامہ مذہب ایسا ہی
ہے لیکن اس کے نام کے درمیان حسین آتا ہے اور یہ حسین آنے والے دنوں میں کیا مشکل اختیار کرتا ہے
ہم آج کے دن میں بیٹھ کر اس کا اندازہ نہیں لگاسکتے۔ اللہ کے رنگ بھی عجیب ہیں وہ جب عقل کو حیران
کرنا چاہتا ہے تو وہ بتول کو کبھی کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ دیتا ہے وہ امریکہ جسی طاقتیوں کے اندر

اسے دوبارہ روادہ کیا اور خود اس غلام زادے کے گھوڑے کی رکاب پکڑ کر لشکر کو مدینہ سے باہر دور تک پہونچے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جب حضرت خالد بن ولید کو معزول کیا تو انہوں نے دنیا کے بہت سے بڑے سپہ سالار کی گرفتاری کا فریضہ غلام ابن غلام حضرت بلاں ھبھی کو سونپا، حضرت بلاں حضرت خالد بن ولید کے قریب پہنچنے والیں خلیفہ کا پیغام سنایا، ان کی گپڑی کھول کر اس سے ان کے ہاتھ اٹھئے اور انہیں سوالا کہ جوانوں کے لشکر کے درمیان سے لے کر مدینہ روادہ ہو گئے اور کسی کو اف تک پادری دعا کیلئے آگے بڑھا، اس کے سامنے 20 لاکھ لوگ موجود تھے جبکہ میلی ویژن سکرینوں کے ذریعے پوری دنیا سے دیکھ رہی تھی، پادری نے مجھے کی طرف دیکھا اور بولا "یہ ہمارے خدا کی دین اور ہمارے معاشرے کی ترقی کا ثبوت ہے کہ آج افریقہ کے ایک مہاجر کا بیٹا دنیا کی واحد پر پا اور یونیورسٹیز آف امریکہ کا صدر بن گیا،" پورے مجھے نے نظرے لگائے اور تالیاں بجا میں، حلف کی تقریب کے آخر میں باراک حسین اوباما نے خطاب کیا، اس خطاب میں انہوں نے اعتراف کیا "میرے والد کا تعلق کینیا کے ایک پسمندہ گاؤں سے تھا، وہ تارک وطن تھے، انہوں نے امریکہ میں پناہ لی تھی، وہ سکار تھے لیکن غربت اور مالی کمپرسی کا شکار تھے چنانچہ وہ سانحہ بر س قبل ریستوران میں ویٹر کی حیثیت سے کام کرتے تھے،" صدر اوباما کے اس اعتراف پر لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں اور انہوں نے "یہی وی کین اوباما" کے نظرے لگانا شروع کر دیئے۔

20 جنوری 2009ء امریکہ کی اخلاقی فتح اور اس کے نظام کی کامیابی کا دن تھا اور ہم اگر چند ملحوظ کیلئے اپنا تعصب اپنی نفرت اور امریکہ کے خلاف اپنی رنجش ایک طرف رکھ دیں اور امریکہ کی جمہوری خوبیوں کا تجزیہ کریں تو ہمیں امریکہ کی کامیابی اور عروج کی وجہ معلوم ہو جائے گی۔ امریکہ صرف تعلیم، معیشت، امن، سڑکی، میناں والی اور انفار اسٹرکچر میں پوری دنیا سے آگے نہیں بلکہ اس کی اصل خوبصورتی، اس کی اصل طاقت اس کی جمہوریت، اس کا نظام ہے اور یہ وہ نظام ہے جس کی بنیاد آج سے چودہ سو سال پہلے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں رکھی تھی۔ اسلام کے ظہور سے قبل عرب طبقاتی تقسیم کا شکار تھے، ان کی اشرافیہ کو سات قتل معاف تھے جبکہ غلاموں کو پورے کپڑے پہننے، حرم میں داخل ہونے اور بتوہاشم کے کنوں سے پانی تک پہننے کی اجازت نہیں تھی لیکن پھر اسلام کا ظہور ہوا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے عربی اور بھجی اور گورے اور کالے کی تمیز ختم کر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے شام کی طرف پہلا لشکر بھجوایا تو اس کا سالار ایک غلام زادے اسما میں زید بھجوایا اور عرب کے بڑے بڑے سرداروں کو ان کا ماتحت ہنا دیا۔ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد یہ لشکر واپس لوٹ آیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے

"ہم شرمند ہوں گے"

کوئی ایسا باشندہ جس کا والد کسی دوسری قومیت اور رنگ سے تعلق رکھتا ہو وہ ان ملکوں کا سربراہ منتخب ہو سکتا ہے؟ مجھے یقین ہے صدر وزیر اعظم یا بادشاہ تو بڑی دور کی بات ہے ہمارے 158 اسلامی ملکوں میں کوئی غریب، کوئی خارجی اور کوئی کالا (افریقی اسلامی ممالک کے سوا) پاریمانی امور تک کا وزیر نہیں بن سکتا اور یہ وہ بنیادی فرق ہے جس کی وجہ سے آج امریکہ ان داتا اور اسلامی دنیا بھکاری ہے۔ آپ کو اگر یقین نہ آئے تو آپ عربوں کا وہ دور نکال کر دیکھ لجئے جب ابوالہب اور ابو جہل جیسے سردار کا لے غلاموں کو خانہ کعبہ کے سامنے تک میں نہیں بیٹھنے دیتے تھے اور پھر آپ وہ دور دیکھ لجئے جب حضرت بلال جبھی کی اذان پر مدینہ کے سارے سردار نماز کیلئے مسجد نبوی میں حاضر ہوتے تھے اور ایک سردارزادہ (حضرت خالد بن ولید) اپنے ہاتھ بوزھے جبھی غلام (حضرت بلال) کے آگے کر دیتا تھا اور وہ اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار کے ہاتھ اسی کی چکری سے باندھ دیتا تھا۔ آپ دونوں اداروں کا موافقہ کر لیجئے، آپ کو یہ جان کر حیرت ہو گی طبقاتی تقسیم کے دور میں عرب غلام بھی تھے، مفلس بھی تھے، آسرا بھی اور بے حیث بھی لیکن جب معاشرے میں مساوات آئی تو مدینہ پوری دنیا کا دار الحکومت بن گیا۔ مسلمانوں کے پاس اتنی دولت آئی کہ پوری اسلامی ریاست میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں ہوتا تھا اور ایک عام عربی سردار روزانہ ہزار ہزار مہماں کو کھانا کھلاتا تھا۔

دنیا کی دس ہزار سال کی تاریخ کا متفقہ فیلم ہے جس معاشرے میں مساوات، برابری اور تمام شہریوں کیلئے ترقی کے یہاں موقوع نہیں ہوتے ان معاشروں میں خوشحالی، طاقت اور اطمینان نہیں آتا۔ آپ یقین کیجئے آج اگر امریکا ایک سیاہ فام باشندے کو اقتدار مختل نہ کرتا تو امریکا کونو میخ، بکھرتے اور زوال پذیر ہوتے دیر نہ لگتی۔ یہ اسلامی اصول صرف قوموں اور ملکوں تک محدود نہیں بلکہ میرا ذاتی تجربہ ہے جس سیاسی جماعت، تنظیم، ادارے، محکمے، کمپنی، فیکٹری اور فرم میں بھی اس اصول کی پیروی ہوتی ہے وہ فرم، وہ ادارہ اور وہ سیاسی جماعت بے تحاشا ترقی کرتی ہے۔ میرا مشاہدہ ہے جس دکان، فیکٹری اور ادارے میں ملازمین اور مالکان اور رکرذ اور افراد میں مساوات ہوتی ہے، جس سیاسی جماعت میں بارک اوبامہ جیسے لوگوں کیلئے ترقی کے راستے کھلے ہوتے ہیں اور جس محکمے میں گورے اور کالے اور چھوٹے اور بڑے برابر ہوتے ہیں وہ آگے بھی بڑھتے ہیں اور مضبوط بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا پاکستان میں فوج کا ادارہ کیوں مضبوط ہے اور سیاسی جماعتیں کیوں زوال پذیر ہیں؟ اس کی وجہ یہاں موقوع ہیں؛ فوج میں آج بھی جزل اشغال پر دیز کیاں جیسے اور مئل کلاس بیک گراؤڈ کے افراری چیف بن جاتے ہیں، فوج میں آج بھی جزوں کے صاحبوں اور کلرکوں کے بچے ایک ہی

”اں میں ایسے ملکوں ایسے شہروں میں پھر ناچاہتا ہوں جہاں لوگ قول، فعل اور سوچ میں آزاد ہوں جہاں ہمارا ملام وائے حکمران نہ ہوں جہاں کے سیاستدان کی زبان میں ضمیر بولتا ہو اور جہاں پولیس احتجاج کرنے والوں پر ڈنڈے نہ برساتی ہو۔“ میں نے حیرت سے پوچھا ”ابا جی میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔“ وہ ”لے“ ہمارے گاؤں کے ڈائیکے نے مجھے 13 سال کی عمر میں آزادی کی خوشخبری سنائی تھی، میں اس وقت گھر سے کل آپا تھا، آج مجھے گاؤں سے لفک ساٹھ سال ہو چکے ہیں لیکن مجھے اس ملک میں کہیں آزادی کے لئے مجھے محسوس ہوتا ہے پچھلے ساٹھ برسوں میں صرف میرے آقابد لئے چلے آ رہے ہیں 1947ء میں جا اور چارہ ہے تھے، شہر سے ڈاکیا آیا اور اس نے سب بچوں کو مجمع کر کے خوشخبری سنائی ”ہمارے دلیں کا نام بدل گیا ہے اب ہم ہندوستان کے بجائے پاکستان کے شہری ہیں“ میرے والد نے حیرت سے پوچھا ”اس سے کیا فرق پڑے گا؟“ ڈائیکے نے بتایا ”بے وقوف اہم آزاد ہو گئے ہیں“ میرے والد نے فوراً جذباتی ہو کر پوچھا ”اس کا مطلب ہے انگریز یہاں سے چلے جائیں گے اور اب ہمارے سارے صاحب دیکی ہوں گے؟“ ڈائیکے نے فوراً اثبات میں سرہلا یا اور سائیکل پر بیٹھ کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا، اس نے شام تک پانچ دیہات میں یہ خوشخبری سنائی تھی، یہ پاکستان کے ساتھ میرے والد کا پہلا تعارف تھا، میرے والد انتہائی سیلف میڈیم ہیں، انہوں نے دو کلاس تک تعلیم پائی، گاؤں کی زندگی اور دشمنیاں تذکرے میں، شہر میں آ کر دکانداری سے شارت لیا، پچاس برس تک مسلسل منت کی اور لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے کمائے، وہ پوری زندگی سچے اور پکے پاکستانی رہے، وہ اخبار نہیں پڑھ سکتے لیکن جب میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا تو انہوں نے مگر میں اخبار لگوایا اور مجھے اخبار پڑھنے کی ”لت“ ڈال دی، انہوں نے ایک مشی رکھا ہوا تھا، یہ مشی انہیں روزانہ اخبار پڑھ کر سنا تھا، انہوں نے 1971ء میں میل دیڑن لیا اور آج تک پیٹی وی کا خبر نامہ سنتے ہیں، 1999ء میں انہوں نے سیلف ریٹائرمنٹ لے لی، اپنا سارا کاروبار بند کیا، اپنی ساری جائیداد فروخت کر دی اور رقم ہم سب بہن بھائیوں میں تقسیم کر دی اور باقی زندگی میلی ویڑن کیلئے وقف کر دی، وہ روز صحیح تازہ کرتے ہیں اور رات گھے تک میلی ویڑن کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں چنانچہ پاکستان کے کس شعبے میں کیا ہو رہا ہے، دنیا کے کس ملک کے سیاسی حالات کیا ہیں اور کون سے رہنماء کیا کہا تھا وہ سب پکھ جانتے ہیں۔

اُداں نسل

پاکستان بناتے میرے والد کی عمر بارہ تیرہ سال تھی، وہ گاؤں کے دوسرے بچوں کے ساتھ جنگ میں جا اور چارہ ہے تھے، شہر سے ڈاکیا آیا اور اس نے سب بچوں کو مجمع کر کے خوشخبری سنائی ”ہمارے دلیں کا نام بدل گیا ہے اب ہم ہندوستان کے بجائے پاکستان کے شہری ہیں“ میرے والد نے حیرت سے پوچھا ”اس سے کیا فرق پڑے گا؟“ ڈائیکے نے بتایا ”بے وقوف اہم آزاد ہو گئے ہیں“ میرے والد نے فوراً جذباتی ہو کر پوچھا ”اس کا مطلب ہے انگریز یہاں سے چلے جائیں گے اور اب ہمارے سارے صاحب دیکی ہوں گے؟“ ڈائیکے نے فوراً اثبات میں سرہلا یا اور سائیکل پر بیٹھ کر گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا، اس نے شام تک پانچ دیہات میں یہ خوشخبری سنائی تھی، یہ پاکستان کے ساتھ میرے والد کا پہلا تعارف تھا، میرے والد انتہائی سیلف میڈیم ہیں، انہوں نے دو کلاس تک تعلیم پائی، گاؤں کی زندگی اور دشمنیاں تذکرے میں آ کر دکانداری سے شارت لیا، پچاس برس تک مسلسل منت کی اور لاکھوں بلکہ کروڑوں روپے کمائے، وہ پوری زندگی سچے اور پکے پاکستانی رہے، وہ اخبار نہیں پڑھ سکتے لیکن جب میں تیسری جماعت میں پڑھتا تھا تو انہوں نے مگر میں اخبار لگوایا اور مجھے اخبار پڑھنے کی ”لت“ ڈال دی، انہوں نے ایک مشی رکھا ہوا تھا، یہ مشی انہیں روزانہ اخبار پڑھ کر سنا تھا، انہوں نے 1971ء میں میل دیڑن لیا اور آج تک پیٹی وی کا خبر نامہ سنتے ہیں، 1999ء میں انہوں نے سیلف ریٹائرمنٹ لے لی، اپنا سارا کاروبار بند کیا، اپنی ساری جائیداد فروخت کر دی اور رقم ہم سب بہن بھائیوں میں تقسیم کر دی اور باقی زندگی میلی ویڑن کیلئے وقف کر دی، وہ روز صحیح تازہ کرتے ہیں اور رات گھے تک میلی ویڑن کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں چنانچہ پاکستان کے کس شعبے میں کیا ہو رہا ہے، دنیا کے کس ملک کے سیاسی حالات کیا ہیں اور کون سے رہنماء کیا کہا تھا وہ سب پکھ جانتے ہیں۔

میرے والد نے زندگی میں صرف دو بڑے سفر کئے، وہ ایک بار میرے ساتھ عمرے کیلئے گئے اور ایک مرتبہ انہوں نے حج کیا، پچھلے مہینے انہوں نے ایک عجیب فرماںش کی، انہوں نے فرمایا ”میں ملک سے باہر جانا چاہتا ہوں“ میں نے پوچھا ”ابا جی کہاں؟“ انہوں نے فرمایا ”میں آزاد ملکوں میں جانا چاہتا ہوں“

اور نگزیب ثانی

ڈاکٹر خالد راجحہ ملک کے نامور قانون دان ہیں، وہ وفاقی وزیر تاتوان رہے اور آخری اطاعت تک وہ مسلم ایک ق سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پچھلے دنوں ہمدران وزیر اعظم اور ہزار میں بیٹھ محمد میاں سو مرد کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ سنایا تھا، ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا "میں نے اپنے والد سے پوچھا" آپ کو پاکستان کا کون سا فوجی حکمران نبنتا بہتر لگا" اپنے زندگی میں اتنا شائستہ مہذب، منکر اہم راج اور عاجز سیاستدان نہیں دیکھا، میں چند بیٹھیز کے ہمراہ سو مرد صاحب کے ساتھ عمرے کی ادائیگی کیلئے جزاً مقدس گیا تھا، خانہ کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے سو مرد صاحب نے جب سے بڑا شاپنگ بیگ نکالا اور ساتھیوں سے فرمایا، آپ تمام لوگ اپنے اپنے ہوتے اس بیگ میں ڈال دیں، ہم سب لوگوں نے سمجھا سو مرد صاحب جو تھے شاپنگ بیگ میں ڈال کر کسی ستون کے پیچھے رکھ دیں گے یا جو توں کے کسی ریک میں فٹ کر دیں گے چنانچہ ہم نے اپنے اپنے ہوتے ان کے شاپنگ بیگ میں ڈال دیئے، اس کے بعد سو مرد صاحب نے یہ بیگ اٹھایا اور طواف میں ٹھاکل ہو گئے۔ ڈاکٹر خالد راجحہ کے بقول یہ وہ لمحہ تھا جس نے تمام بیٹھیز کے ماتھے بھگو دیئے، تمام لوگ خود مختار ملک دیکھنا چاہتے ہیں، تو اس وقت میری جذباتی حالت کیا ہو گی اور میں اپنے آپ کو کیا جواب دوں گا، آج میں اپنے آپ کو بری طرح ایک ادا نسل سمجھ رہا ہوں، میں ایک ایسی ادا نسل ہوں جو اپنے بزرگوں کو ایک پر سکون ملک اور اپنے بچوں کو ایک ترقی پذیر اور مہذب معاشرہ نہیں دے سکی، جس کا ملک تو کامیاب ہے لیکن خود وہ ناکام ہو چکی ہے، آئیے ہم سب اپنی ناکامی تسلیم کر لیں، ہم مان لیں ہم نے ادا نسل بن کر زندہ رہنا ہے اور اپنی طبعی عمر پوری کر کے ادا سی کے قبرستان میں دفن ہو جانا ہے، آئیے ہم تسلیم کر لیں، ہم اپنے بزرگوں کو سکھ دے سکتے ہیں اور نہ ہم اپنے بچوں کو تحفظ، ہم ایک ہاری ہوئی قوم ہیں۔

بھگوان داس بھی ہمیں ایک دن بعد جوان کر لیں گے، میں عید تک واپس آ جاؤں گا جبکہ میرے والد دیزے کے خاتمے تک یورپ میں رہیں گے۔

میں نے کل اپنے والد سے پوچھا "آپ کو پاکستان کا کون سا فوجی حکمران نبنتا بہتر لگا" اپنے زندگی میں نے وجہ پوچھی تو وہ بولے "ایوب خان کو عوام نے ایک بارگاہی دی تھی اس نے اسی وقت استغفار دیا اور گھر چلا گیا جبکہ اس کے بعد جو بھی فوجی حکمران آیا وہ پاکستان توڑ کر واپس گیا پھر اس نے مرکر جان چھوڑی، وہ رکے اور دوبارہ بولے "صدر پر وزیر مشرف بھی نہیں جائے جبکہ میں دیر تک سوچتا رہا، میں نے ذرا سی خاموشی کے بعد اب ابھی سے پوچھا" کیا صدر مشرف نے پاکستان کو کچھ نہیں دیا، اب ابھی ذرا سے مسکراتے اور بولے "صدر مشرف نے عوام کو غصہ اور شدت دی ہے، موجودہ حالت نے لوگوں کو حساس اور جذباتی بنا دیا ہے، اب لوگوں میں برداشت نہیں رہی چنانچہ پورا ملک اب ایک دوسرے کے ساتھ الجھا اور لڑ رہا ہے، لوگ خود کشیوں اور خودکش حملوں کے بارے میں سوچتے ہیں، اب وزراء عوام میں نہیں جاسکتے اور ہمارے فوجی جوان چھاؤں سے باہر نہیں نکل سکتے، حکومت نے عوام کو یہ تخدیج دیا ہے، میرے والد پہنچ کیلئے چلے گئے اور میں سوچنے لگا اگر ملک اور قوم کے سیاسی اور سماجی حالات اسی طرح جاری رہے اور آج سے دس پندرہ برس بعد میرے بچوں نے بھی مجھ سے بھی طالبہ کر دیا، اگر انہوں نے بھی مجھ سے یہ کہہ دیا "ہمارا دم گھٹتا ہے اور ہم زندگی میں کوئی آزاد اور خود مختار ملک دیکھنا چاہتے ہیں، تو اس وقت میری جذباتی حالت کیا ہو گی اور میں اپنے آپ کو کیا جواب دوں گا، آج میں اپنے آپ کو بری طرح ایک ادا نسل سمجھ رہا ہوں، میں ایک ایسی ادا نسل ہوں جو اپنے بزرگوں کو ایک پر سکون ملک اور اپنے بچوں کو ایک ترقی پذیر اور مہذب معاشرہ نہیں دے سکی، جس کا ملک تو کامیاب ہے لیکن خود وہ ناکام ہو چکی ہے، آئیے ہم سب اپنی ناکامی تسلیم کر لیں، ہم مان لیں ہم نے ادا نسل بن کر زندہ رہنا ہے اور اپنی طبعی عمر پوری کر کے ادا سی کے قبرستان میں دفن ہو جانا ہے، آئیے ہم تسلیم کر لیں، ہم اپنے بزرگوں کو سکھ دے سکتے ہیں اور نہ ہم اپنے بچوں کو تحفظ، ہم ایک ہاری ہوئی قوم ہیں۔

اکٹھم اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے سینٹ کے تمام سابق اور آئندہ رئیس ارکان کے لئے دس چیز میں کی مراعات میں اضافہ کر دیں۔ اس سری میں رئیس ارکان کے تمام اہل خانہ کیلئے ملک اور بیرون ملک مراعات مانگی گئیں، ان مراعات میں چیز میں سینٹ اور ان کے تمام اہل خانہ کیلئے ملک اور بیرون ملک اہل طبی سہولیات کی مفت فراہمی تا حیات پر ایسی یونیورسٹی یکورٹی گارڈز، ڈرامس اور خانہ اماں کی تا حیات سرکاری گیٹس، ہاؤسز میں مفت رہائش سفارتی پاپورٹ اور فری ٹیکلی فون، تین منوچہ ہاؤس تا حیات اور ٹریننگ اور ایسٹ پورٹ یکورٹی گارڈز، ڈرامس سے پک اینڈ ڈریپ کی سہولت اور پھر منوچہ یورپھیا ریوس کے لائنس، ملک کے تمام اہل پورٹ سے پک اینڈ ڈریپ کی سہولت کا ٹیکلی فون نمبر دے رکھا تھا اور رات تین بجے بھی ان لوگوں کا فون سنتے تھے وہ 2002ء کی پاریمنٹ تکمیل پانے کے بعد کراچی سے اسلام آباد شفت ہوئے تو بھی ان سے ایک آدھ طلاقاں ہوئی اور ان تمام طلاقاں میں بھی ان کی عاجزی، اکساری، خداخوشنی اور درویشی نمایاں رہی اور میں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے ان کے بعض دوستوں نے بھی ان کی زندگی کے بارے میں محیر العقول واقعات سنائے تھے یہ تمام لوگ ڈاکٹر خالد راجحہ کی طرح سومرو صاحب کی پیر پرستی اور درگاہوں سے خصوصی شفاف کے معزف تھے اور ان سب کا فرمانا تھا ”ہم نے زندگی میں اتنا سادا اور مہربان شخص نہیں دیکھا“ یہ تمام لوگ ان کی اتنی تعریف کرتے تھے کہ میں ان سے ذرا سی ”حیلی“، ”محسوں کرنے لگا اور حسد میں آ کر کثر اوقات ان کی روحانیت سے انکار بھی کر دیتا تھا لیکن پھر 24 فروری کا دن آگیا اور میں اس درویش وزیر اعظم اور منکر المزاج چیز میں سینٹ کی روحانیت کا پوری طرح قائل ہو گیا اور میں نے فیصلہ کر لیا اگر میں نے زندگی میں کبھی کسی زندہ پیر کے ہاتھوں پر بیعت کی تو وہ محمد میاں سومرو ہی ہوں گے۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا، میں اس ملک کے 16 کروڑ لوگوں سے بھی درخواست کروں گا وہ بھی فوراً اپنے اپنے منہ عرق گلاب سے دھولیں اور انہیں جب بھی موقع ملے وہ اپنے ہونٹ سومرو صاحب کے دست روحانیت پر رکھ دیں اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں سیدھی کر لیں۔ وہ کیا واقعہ تھا جس نے مجھے ان کے انتہائی احترام پر مجبور کر دیا، میں آگے بڑھنے سے قبل آپ کو اس واقعے میں شریک کرنے کی جارت کرتا ہوں۔

محمد میاں سومرو چیز میں سینٹ ہیں اور وہ 15 نومبر 2007ء کو شوکت عزیز حکومت کے خاتمے کے بعد مگر ان وزیر اعظم بنائے گئے تھے ان کی وزارت عظیمی کی مدت نئے ایکشنز اور فنی حکومت کے قیام تک ہے۔ 26 دسمبر 2007ء کو محمد میاں سومرو کے اصلی دفتر سینٹ یکورٹی کے ایک ایئر یشل سیکرٹری شاہزاد نے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو ایک سری بھجوائی، اس سری میں وزیر اعظم سے درخواست کی گئی

داخل نہ ہو گئے وہ دروازہ پکڑ کر کھڑے رہے، میرے سر میں درد ہو رہا تھا، میں نے گورنر ہاؤس کے بہلے سے سر درد کی گولی مانگی تو سومرو صاحب یک دم پر بیٹھا ہو گئے، وہ اٹھے، اپنے بیڈروم میں گئے، میرے لئے سر درد کی گولی لائے اور گلاس میں پانی بھر کر مجھے گولی کھلانی اور اس کے بعد ہم جتنی دیر وہاں بیٹھے رہے وہ مجھ سے میری خیریت پوچھتے رہے۔ یہ میری ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی۔ محمد میاں سومرو جتنی دریں سندھ میں گورنر ہے انہوں نے گورنر ہاؤس میں قیام نہیں کیا، وہ سارا دن گورنر ہاؤس میں کام کرتے تھے اور شام کو اپنے ذاتی گھر چلے جاتے تھے۔ سومرو صاحب نے سندھ کے تمام سیکرٹریوں کو اپنے بیڈروم کا ٹیکلی فون نمبر دے رکھا تھا اور وہ رات تین بجے بھی ان لوگوں کا فون سنتے تھے وہ 2002ء کی پاریمنٹ تکمیل پانے کے بعد کراچی سے اسلام آباد شفت ہوئے تو بھی ان سے ایک آدھ طلاقاں ہوئی اور ان تمام طلاقاں میں بھی ان کی عاجزی، اکساری، خداخوشنی اور درویشی نمایاں رہی اور میں ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ مجھے ان کے بعض دوستوں نے بھی ان کی زندگی کے بارے میں محیر العقول واقعات سنائے تھے یہ تمام لوگ ڈاکٹر خالد راجحہ کی طرح سومرو صاحب کی پیر پرستی اور درگاہوں سے خصوصی شفاف کے معزف تھے اور ان سب کا فرمانا تھا ”ہم نے زندگی میں اتنا سادا اور مہربان شخص نہیں دیکھا“ یہ تمام لوگ ان کی اتنی تعریف کرتے تھے کہ میں ان سے ذرا سی ”حیلی“، ”محسوں کرنے لگا اور حسد میں آ کر کثر اوقات ان کی روحانیت سے انکار بھی کر دیتا تھا لیکن پھر 24 فروری کا دن آگیا اور میں اس درویش وزیر اعظم اور منکر المزاج چیز میں سینٹ کی روحانیت کا پوری طرح قائل ہو گیا اور میں نے فیصلہ کر لیا اگر میں نے زندگی میں کبھی کسی زندہ پیر کے ہاتھوں پر بیعت کی تو وہ محمد میاں سومرو ہی ہوں گے۔ میں نے یہ بھی فیصلہ کر لیا، میں اس ملک کے 16 کروڑ لوگوں سے بھی درخواست کروں گا وہ بھی فوراً اپنے اپنے منہ عرق گلاب سے دھولیں اور انہیں جب بھی موقع ملے وہ اپنے ہونٹ سومرو صاحب کے دست روحانیت پر رکھ دیں اور اپنی دنیا اور آخرت دونوں سیدھی کر لیں۔ وہ کیا واقعہ تھا جس نے مجھے ان کے انتہائی احترام پر مجبور کر دیا، میں آگے بڑھنے سے قبل آپ کو اس واقعے میں شریک کرنے کی جارت کرتا ہوں۔

محمد میاں سومرو چیز میں سینٹ ہیں اور وہ 15 نومبر 2007ء کو شوکت عزیز حکومت کے خاتمے کے بعد مگر ان وزیر اعظم بنائے گئے تھے ان کی وزارت عظیمی کی مدت نئے ایکشنز اور فنی حکومت کے قیام تک ہے۔ 26 دسمبر 2007ء کو محمد میاں سومرو کے اصلی دفتر سینٹ یکورٹی کے ایک ایئر یشل سیکرٹری شاہزاد نے وزیر اعظم سیکرٹریٹ کو ایک سری بھجوائی، اس سری میں وزیر اعظم سے درخواست کی گئی

شہاب صاحب جیسے استاد

یہ بہاولپور کی ایک نیم گرم شام تھی، شام کے سامنے صحرائی پودوں اور ریگستانی درختوں پر دیرے اتر ہے تھے، میں اسلامیہ یونیورسٹی کی کینٹین کی بیٹھا تھا، کینٹین کی ہالیوں کے چوں میں کی زردی اتر چکی تھی اور جوں ہی ہوا پتوں کو گلداتی تھی، چوں کا ہبھیوں سے رشتہ ٹوٹ جاتا تھا اور وہ لرزتے، کانپتے اور ڈولتے ہوئے نیچے آگرتے تھے، میرے قدموں سامنے پڑی آڑھی ترچھی اور دور تک بھی زمین پر ایسے ہزاروں لاکھوں پتے پڑے تھے، میں سمجھی ان چوں کی طرف دیکھتا رہا تھا میں پکڑی آدھ کھلی کتاب کی طرف یہ کتاب میرا ایک کلاس فیلو مجھے پکڑا گیا تھا، وہ لاہوری یہی اوری یہ کتاب اس نے لاہوری سے چھائی تھی الہادا وہ اسے لاہوری لے جانے کا رسک نہیں لے سکتا تھا اوری یہ کتاب جا چکا تھا اور میری زندگی میں دور دور تک بوریت پھیلی تھی، میں نے بوریت کے کسی ایسے ہی پھر ادوات جا چکا تھا اور میری زندگی میں دور دور تک بوریت پھیلی تھی، میں نے بوریت کے کسی ایسے ہی میز پر رکھیں اور کتاب کی ورق گردانی شروع کر دی، یہ کتاب انتہائی دلچسپ میں تھا، میں سیدھی کیسے میز پر رکھیں اور پلٹ کرنا شکل دیکھا، یہ متاز مفتی کی "اللکھ نگری" تھی، میں اس نے کتاب کے درمیان میں انگلی رکھی اور پلٹ کرنا شکل دیکھا، یہ متاز مفتی کی "اللکھ نگری" تھی، میں دوبارہ صفحے کھولے اور کتاب پڑھنی شروع کر دی، یہ متاز مفتی صاحب "اللکھ نگری" اور قدرت اللہ شہاب میرا پہلا تعارف تھا، میں وہاں بیٹھ کر ایک گھنٹہ کتاب پڑھتا رہا، میرا کلاس فیلو واپس آیا تو میں نے اس کتاب ختم ہوئی تو میرے اندر ایک عجیب و کھلکھل کر ایک انوکھا درد بھر گیا اور مجھے اندر ہی اندر تجدیلی کی محسوس ہوئی، مجھے کامیں دور دل کے کسی انداز کیھے، ان چھوئے گوشے میں کسی نے کوئی چھوٹا سا دیا جلا دیا ہو۔ میں آگے بڑھنے سے پہلے آپ کو اپنا بیک گراڈ باتا چلوں، میں ایک دیہاتی شخص میں اسی تعلق محجرات کے ایک پسمندہ گاؤں سے ہے، میرے بزرگ دیتی اور دنیا وی ہر قسم کی تعلیم سے ہوں، میرا تعلق محجرات میں بیمار ہو گیا، مجھے تاپ چڑھتا تھا اور میں دس دن چار پائی پر گزار دینا تھا، میں ناہل تھے، میں بچپن میں بیمار ہو گیا، مجھے تاپ چڑھتا تھا اور میں دس دن چار پائی پر گزار دینا تھا، میں سال بھر کی بیماری کے بعد فتح گیا لیکن جسمانی کمزوری کا شکار ہو گیا اور میں گاؤں کے دوسرے پھوٹوں کی طرح بھاگ دوڑنیں سکتا تھا، میں دو قدم اٹھاتا تھا تو میرا سانس الٹ جاتا تھا، میں جسمانی کمزوری کے دوڑ ڈور ڈور ڈھر بھی نہیں چھا سکتا تھا، یہ ان دنوں گاؤں کے تمام بچوں کا شغل ہوتا تھا چنانچہ میرے والدین

مہربانی فرماتے تھے اور خود ہی اپنا شکر یہ ادا کرتے تھے اور ایک ہاتھ کی اس خاوات کی دوسرے ہاتھ تک کا خبر نہ ہوتی تھی۔ ہمارے درویش چیز میں سیٹ اور حالیہ مگر ان وزیر اعظم صدر صاحب کی پڑاؤ کش ہیں چنانچہ انہوں نے اس حکم کے ذریعے حق نک ادا کر دیا، انہوں نے ایک جیب سے پس نکال کر دوسرا جیب میں ڈال دیا ہے اور مجھے یقین ہے جب اس کی اطلاع صدر صاحب کو ملی ہو گی تو انہیں مگر ان وزیر اعظم کی اطاعت اور فرمانبرداری پر رٹک آیا ہو گا۔ میں نے جب یہ خبر پڑھی تو مجھے بے اختیار ہندوستان کے درویش ترین امیر المؤمنین اور نگزیب عالمگیر یاد آگئے انہوں نے 52 برس تک ہندوستان پر حکومت کی تھی اور اس حکومت کے دوران حل الہی کے صرف دو مشتعل تھے، اپنے بھائیوں کو قتل کرنا اور اس کے بعد جتنا وقت بھی جائے اس میں ٹوپیاں بینا۔ بر صیر کے نامور مراح نگار اور کالم نگار ابن انشاء نے مرحوم باادشاہ کی اس خوبی پر بڑا خوبصورت فقرہ تحریر کیا تھا، انہوں نے کہا تھا "اور نگزیب عالمگیر نے کوئی نماز چھوڑی تھی اور نہ ہی کوئی بھائی" ہمارے درویش مگر ان وزیر اعظم اور چیز میں سیٹ نے آج اور نگزیب عالمگیر کی یاد تازہ کر دی اور میرا دل چاہتا ہے پوری قوم اللہ تعالیٰ سے گزر گڑا اکر درخواست کرے یا پروردگار ہمارے سو مرد صاحب کی نگرانی کو مستقل کر دے تاکہ ان کے اس قسم کے درویشانہ احکامات کا سلسلہ جاری رہے اور ہم انہیں اور نگزیب ثانی کا لقب دے سکیں"۔

8

اں ان لگ گئے، آپ نے بھی یقیناً یہ کتاب پڑھی ہو گی، آپ میں سے بہت سے لوگ اسے باسیو گرفتاری کے لئے ہوں گے، کچھ لوگوں نے اسے دلچسپ ناول سمجھ کر پڑھا ہو گا، چند لوگوں نے تصوف کی عملی کتاب سمجھ کر اسے پڑھا ہو گا لیکن میرے لئے یہ اسلام کی پہلی کتاب تھی، یہ کتاب ایک ایسے نوجوان کیلئے تھا دعے کی دلیلت رکھتی تھی جس کا دین، جس کا مذہب پہلے لئے سے آگے نہیں بڑھ سکا ہو جسے وضو کا پورا اطريقہ نہ اتنا ہوا اور جو یونیورسٹی تک مکہ اور مدینہ کو ایک ہی شہر سمجھتا ہوا اس کتاب سے میرا مذہب کی طرف رجحان آتا ہوا اور جو یونیورسٹی تک مکہ اور مدینہ کو ایک ہی مطالعہ شروع کر دیا، اس کتاب کے ذریعے میرا قدرت اللہ اور میں نے اسلام اور تاریخ اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا، اس کتاب سے میرا قدرت اللہ اور میں نے شہاب صاحب سے بھی تعارف ہوا اور مجھے تصوف کی مختلف جھیں سمجھنے میں بھی مددی، مجھے یہ کتاب پڑھ کر علم ہوا ہر انسان کیلئے اللہ کی ذات بہت ضروری ہوتی ہے اور ہر انسان کے اندر ایک صوفی ہوتا ہے اور اسے لاغر اور یکار بوزھوں کے سوا کوئی نمازی نصیب نہیں ہوتا تھا، اگر کبھی بدستمی سے کوئی جوان اور صحت مند شخص مسجد میں داخل ہو جاتا تو امام بڑی دیرتک اسے سمجھاتا رہتا تھا "برخورد دار یہ عصر کی نماز ہے اس میں چار فرض ہوتے ہیں اور تم نے اس قطار میں کھڑے ہو کر وہ پکھو کرنا ہے جو دوسرے کریں گے"، ہمارے امام صاحب کی دینی قابلیت اور علم و فضل بھی نماز تک محدود تھا لہذا دوسرے دینی فرائض کے لئے عموماً پڑوس کے گاؤں سے علماء کرام اپورث کے جاتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارے گاؤں میں جب مرگ ہو جاتی تھی تو لا حظیں جنازہ پڑھانے کیلئے مولوی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے تھے، ایک بار مولوی صاحب نے آنے سے معدود ری کا اظہار کیا تو لا حظیں اسے اسلحے کی نوک پر گھر سے اٹھالائے تھے اور اسے لا کر جنازے کے سامنے کھڑا کر دیا تھا، مولوی نے اس زیادتی کا انتقام اس طرح لیا کہ اس نے بھی میت کی بخشش کی دعائیں کرانی تھی اور ہمارے گاؤں میں شاید ہی کوئی مرد ہو جسے اس دور میں قرآن مجید پڑھنا آتا ہو، قرآن مجید ان دنوں حلف اٹھانے، اوپنجے طاق میں رکھنے یا پھر عورتوں کے پڑھنے کے کام آتا تھا، میری تربیت اسی ماحول میں ہوئی تھی، چنانچہ مذہب کے بارے میں میرا علم پہلے لئے تک محدود تھا، انہی دنوں میرا خاندان گاؤں سے شہنشہل ہو گیا، وہاں سکول ہمارے گھر کے سامنے تھا اور والدین نے میری علمی "کار کر دگی" کی بنیاد پر مجھے اس سکول میں داخل کر دیا تھا، یوں میں گرتے پڑتے، لرزتے، ڈولتے پڑھتا چلا گیا، میں سکول سے کالج اور کالج سے یونیورسٹی آگیا لیکن جہاں تک دینی تعلیم کا تعلق تھا تو وہ پہلے لئے سے آگے نہ بڑھ سکی تھی۔

میں الکھنگری کی طرف واپس آتا ہوں، میں عرض کر رہا تھا میں نے دو دن میں "الکھنگری" پڑھ دیا، اس کتاب سے مجھے تین چیزیں ملیں، ممتاز مفتی صاحب، تصوف اور قدرت اللہ شہاب۔ اسی کتاب سے مجھے "شہاب نامہ" کا علم بھی ہوا، میں ذرا تم تھم کا طالب علم تھا، میرے پاس پیسے کی کمی نہ تھی، چنانچہ میں دوسرے ہی دن "شہاب نامہ" خرید لایا، یہ ایک مخفیم کتاب تھی، مجھے اس کے مطالعے میں

اُنکھ میں سرہلا دیا، وہ فوراً بولا "تمہاری ہاں میرے تھیس کی بیاد ہے، مسلمان ایک ایسی بدقسمت قوم ہے جس کے ہیروز کا انجام ہمیشہ برآ ہوتا ہے، تم حضرت امام حسینؑ سے پیپو سلطان تک اپنے تمام ہیروز کی اونچ کال کر دیکھ لوا اور بتاؤ ان کا انجام کیا ہوا تھا؟ حضرت امام حسینؑ کیسے شہید ہوئے تھے، حضرت خالد بن ولید کی زندگی کا آخری حصہ کیسے گزر، موسیٰ بن نصیر کا کیا بنا، طارق بن زیاد کا انجام کیا ہوا، محمد بن قاسم کے کس عالم میں دنیا سے رخصت ہوا اور سراج الدولہ اور پیپو سلطان کو کس نے کفن دیا تھا؟ یہ سرف چند مثالیں ہیں تم مسلمانوں کی تاریخ غور سے پڑھو، میراً عویٰ ہے، تمہیں اپنے تمام ہیروز اسی انجام گراف دیتے نہیں دیکھو گے، وہ خاموش ہوا، اس نے جیب میں ہاتھ دیا، میر حامیزہ سارگیریت نکالا، سگریت ہونوں کے ساتھ چپکایا، لائش جلایا، آگ کا شعلہ سگریت کے سرے کے ساتھ جوڑا، ایک لمبا شیل اور مسکرا کر میری طرف دیکھنے لگا، میں حیرت اور شرم دیگر ہا تھا، وہ آہستہ سے بولا "میں معافی چاہتا ہوں، میں نے تمہارے جذبات کی توہین کی لیکن مجھے ڈاکٹر عبدالقدیر کا انجام اچھا دکھائی نہیں دے رہا، وہ دوبارہ خاموش ہو گیا، میں بات کو آگے بڑھانے سے قبل جم سے آپ کا تعارف کرتا چلؤں، جم لوون امریکی مورخ ہے، اس نے اسلامی تاریخ میں پی اسچ ڈی کر کی ہے اور آج کل وہ بر صیر پاک و ہند کی تاریخ پر تحقیق کر رہا ہے، وہ سال کے تین، تین ماہ بھارت اور پاکستان میں گزارتا ہے اور چھ ماہ نیویارک میں، وہ پچھلے چھ برس سے پاکستان آ رہا ہے۔ وہ اس دوران نہ صرف پاکستان کی تاریخ، جغرافیہ، رسوم و روانی اور پاکستانیوں کی نفیيات کا حافظ ہو چکا ہے بلکہ وہ اس خطے کے لوگوں کو ہم سے زیادہ جانتا ہے، وہ گزشتہ روز میرے پاس آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا "ڈاکٹر عبدالقدیر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے فوراً جواب دیا "ڈاکٹر صاحب تمام پاکستانیوں کے ہیروز ہیں، اس ملک کا پچھپہ ان سے محبت کرتا ہے،" جم نے ذرا دری سوچا اور اسکے بعد پوچھا "ڈاکٹر کا مستقبل کیا ہے؟" میں نے بغیر سوچے بغیر رکے جواب دیا "ڈاکٹر صاحب انشاء اللہ رہا ہوں گے، عوام میں پہنچیں گے اور لوگ انہیں عزت کی اس کری پر بخاہیں گے جس کے وہ اہل اور حقدار ہیں،" جم نے میری بات غور سے سنی ذرا دری سوچا اور اس کے بعد نرم آواز میں بولا "میں تم سے اتفاق نہیں کرتا، میر اخیال ہے ڈاکٹر عبدالقدیر کبھی رہا نہیں ہوں گے،" میں نے اس سے اس آبزرویشن کی وضاحت چاہی تو وہ بولا "میں سمجھتا ہوں ڈاکٹر صاحب قیدی میں انتقال کر جائیں گے، تم لوگ انہیں کبھی سرک پر چلتے پھرتے، لوگوں سے ملتے، ہاتھ ملاتے، قہقهہ لگاتے اور لوگوں کو آنوجراف دیتے نہیں دیکھو گے"۔

میں نے بے چینی اور اضطراب میں پہلو بدلا، وہ دوبارہ گویا ہوا "تم مجھے ایک سوال کا جواب دو،" میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا، وہ بولا "کیا ڈاکٹر عبدالقدیر اس ملک کے ہیروز ہیں؟" میں نے

1557

جوتے

غش جوتوں اور کپڑوں سے پچانی گئی، سیاہ رنگ کے بوٹ کی آب و تاب بھی تک باقی تھی،
تمے کے ایک کونے میں مگر مجھ کی تصویر بھی موجود تھی اور بکل کی سنہری نکل بھی قائم تھی، کمپنی کا دعویٰ تھے
کہ جوتوں کی شان و شوکت تیس برس بعد بھی قائم رہی، سوئزر لینڈ کی کمپنی دنیا کے صرف ایک ہزار
خاندانوں کیلئے جوتے بناتی تھی، جوتوں کے تکوے نیوزی لینڈ کی گائے کے چڑے سے بنائے جاتے تھے
یہ سنہری چڑے اور نیلے سینگوں والی گائے ہے اور دنیا کے کسی دوسرے خطے میں گائے کی یہ قسم نہیں ملتی۔
جوتوں کی "ٹو" برازیل کے مگر مچھوں کی جلد سے بنائی جاتی ہے، جوتے کا "کو" افریقہ کے سیاہ ہاتھیوں
کے کانوں کے چڑے سے تیار کیا جاتا تھا اور جوتے کے اندر ہرن کے زم چڑے کی تھے چکائی جاتی تھی
اور یچھے رہ گیا وحاص کہ تو ان جوتوں کیلئے بلٹ پروف جیکٹ میں استعمال ہونے والے دھاگے استعمال
کے جاتے تھے۔ کمپنی کا دعویٰ تھا پچاس برس تک جوتے کی پاش خراب نہیں ہوتی جبکہ مشی میں وفن ہونے
کے ایک سو سال بعد تک جوتے کی آب و تاب برقرار رہتی ہے۔ افغانستان کا باوشاہ ظاہر شاہ اس کمپنی کا
ممبر تھا، ظاہر شاہ جلاوطن ہوا تو سردار داؤ نے اس کمپنی کی ممبر شپ لے لی اور اس کے بعد اس نے ہمیشہ
اس کمپنی کا جوتا استعمال کیا یہاں تک کہ جب 1978ء کو اسے خاندان کے ساتھ قتل کر دیا گیا اور قتل کے
بعد اس کی غش جیپ کے ساتھ باندھ کر کابل شہر میں گھسیں گئی تو اس وقت بھی اس نے ہبھی جوتا پکن رکھا
تھا۔ وہ ایک بد قسم حکمران تھا، اسے مرنے کے بعد عسل، کفن اور جنازہ نصیب نہیں ہوا تھا، لوگوں نے
دو بڑی بڑی قبریں کھودی تھیں اور اسے اس کے خاندان کے 30 افراد کے ساتھ ان میں سے کسی ایک قبر
میں دفن کر دیا تھا، اس کے خاندان کے کسی فرد کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا، وہ تیس برس تک اس قبر میں پڑا رہا
لیکن 26 جون 2008ء کو ایک اتفاقی کھدائی کے دوران یہ دونوں قبریں دریافت ہوئیں اور یوں جوتوں
کے باعث اس کی غش شاخت کر لی گئی، یہ جوتوں کے ذریعے شاخت ہونے والی دنیا کی پہلی غش تھی
اور دنیا کو پہلی بار جوتوں نے بتایا ان کا لاک جزل سردار محمد داؤ دخان تھا۔

سردار محمد داؤ دخان افغانستان کے شاہی خاندان محمد زمی سے تعلق رکھتا تھا، وہ 18 جولائی
کیا انجام ہوا؟ تم اپنی تاریخ کا کمال کر دیکھ لؤ اس ملک میں ہر ایمانداز بآصول اور جرأت مند شخص خوفناک انجام
سے دوچار ہوا جبکہ ہر بے ایمان بے اصول اور بزدل شخص اس ملک میں آخری وقت تک اقتدار اعزت
پرونوکوں سے لطف لیتا رہا، تم ملک غلام محمد سے صدر پروزہ مشرف تک اپنی ساری تاریخ کھنگال کر دیکھ لؤ
تمہیں ہر مجرم جیل سے باہر اور ہر بے گناہ اور محض قید میں نظر آئے گا، وہ سانس لینے کیلئے رکا۔

میں نے بے چینی سے ایک اور کروٹ بدی، اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکا اور ایک
لباس سنس بھر کر بولا، "تم تازہ ترین صورت حال بھی دیکھ لؤ، تم لوگ چیف جسٹس افتخار محمد چودھری کو اپنا ہیرا
بچھتے ہو، تمہارا وہ ہیر و اس وقت کہاں ہے؟ تمہارا ہیر و سڑکوں پر دھکے کھارہا ہے جبکہ وہ لوگ جنہوں نے
ملک آئیں، قانون اور حدیث کے ساتھ غداری کی وہ اقتدار کری اور عہدے کے ہڑے لوٹ رہے ہیں،
میں پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نظر بند ہیں لیکن جن لوگوں نے اس ملک کو غیر ملکی لشکروں کی چڑا و گاہ دہا
دیا، جن کی ہمراہ انہوں سے یہ ملک خود کش حملوں سے لرز رہا ہے اور جنہوں نے تمہاری مسجدوں اور مدرسوں
کو تو پول سے اڑا دیا، تمہارے نمازی ایجنیوں اور سی آئی اے کی حرast میں ہیں جبکہ تاریخ کے کرپٹ
ترین لوگ "این آزاد" کی میں سے ڈرائی کلین ہو چکے ہیں، تم ڈاکٹر عبدالقدیر کو دیکھو اور پھر اپنے کرپٹ
جرنیلوں بے ایمان افسروں اور منافق سیاستدانوں کو دیکھو اور یہ فیصلہ کرو تمہارے ملک کے اصول
تمہارے ملک کے ضابطے اور تمہارے ملک کی روایات کیا ہیں اور اسکے بعد دل پر ہاتھ رکھو اور مجھے بتاؤ
تمہارے ڈاکٹر عبدالقدیر کا کیا انجام ہو گا؟ کیا وہ نظر بندی کے عالم میں دنیا سے رخصت نہیں ہوں
گے؟" وہ خاموش ہو گیا، میری زبان بے بسی کے عالم میں میرے جزوں میں ترپتی رہی لیکن یہ ترپ کوئی
لفظ کوئی فقرہ پیدا نہ کر سکی، میں بے بسی سے اس کی طرف دیکھا رہا، وہ مسکرا یا اور اسی نرم آواز میں بولا
"آج ڈاکٹر عبدالقدیر کی نظر بندی کو ایک ہزار 5 سو 57 دن ہو چکے ہیں، تم مجھے اتنا بتاؤ کیا ایڈ مرل
منصور الحق اربوں روپے کی کرپشن کے بعد اتنے دن نظر بند رہا تھا؟ کیا جزل بھی خان ملک توڑنے کے
بعد اتنے دن نظر بند رہا تھا اور اگر کبھی جزل پروزہ مشرف ملزم یا مجرم ثابت ہوئے تو کیا وہ بھی اتنے دن
نظر بند رہیں گے؟" میں خاموش رہا، اس نے قہقہہ لگایا اور میرا گھنٹا دبا کر بولا، "تمہاری یہ خاموشی میرے
ہر سوال کا جواب ہے لہذا میرے عزیز اگر تم اور تمہاری قوم ڈاکٹر عبدالقدیر کو آزاد دیکھنا چاہتی ہے تو تمہیں
چاہئے تم ڈاکٹر کو ہیر و کی بجائے ولن ثابت کر دو، تم ان پر کرپشن اور بے ایمانی کے الزامات لگاؤ، یقین کرو تمہارا
نظام نہ صرف انہیں باعزت بری کر دے گا بلکہ انہیں اقتدار کی کسی پر بھی بخادے گا اور یاد رکھو اگر ڈاکٹر
عبدالقدیر کرپٹ شخص ہوتے تو وہ کبھی 1557 دن نظر بند نہ رہتے، وہ آج اس ملک کے حکمران ہوتے۔"

کابل کا بھر کے سیاحوں کیلئے عیاشی کا اڈہ بن گیا، اس دور میں "یورپ" کابل سے شروع ہوتا تھا، کابل کے بعد تہران عیاشی کا دوسرا اڈہ تھا، استنبول تیسرا اور اس کے بعد پورا مشرقی یورپ عیاشوں پر کھل ہوا تھا۔ سردار داؤد نے پورے ملک میں یونکڑوں کی تعداد میں عقوبات خانے بھی بنا رکھتے تھے، خپہ بن گیا، 1935ء میں وہ قندھار کا جی اوی بنا اور اسی سال اسے یقشینٹ جزل کے عہدے پر پر موت کر دیا گیا، وہ دنیا کا کم عمر ترین جزل تھا۔ 1946ء میں اسے یونیفارم کے ساتھ وزیر دفاع بنادیا گیا، وہ ہیرس برلن اور برسلو کیلئے سفیر بھی بنایا گیا اور اسی دوران ان کی قبروں کا نشان تک نہ ملا۔ جنوری 1974ء کو اس نے اور ان لوگوں کے لواحقین کو بعد ازاں ان کی قبروں کا نشان تک نہ ملا۔ ہمیشہ شہزادی نسبت کا رشتہ بھی دے دیا۔ وہ 1952ء میں شاہ کے ڈاتی اپنی کی حیثیت سے سودیت یونین کے صدر مارشل شاہ کی تدبیخ کیلئے ما سکو گیا اور یہاں سے اس کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ وہ روئی حکمرانوں اور کے جی بی کا منظور نظر ہنا اور اس نے اس کی پشت پناہی کا آغاز کر دیا۔ ستمبر 1953ء کو شاہ نے اسے افغانستان کا وزیر اعظم بنادیا، وہ دنیا کا یونیفارم میں پہلا وزیر اعظم تھا، وہ وزیر اعظم بھی تھا، وزیر دفاع بھی اور آری چیف بھی۔ اس نے وزیر اعظم کا حلف اٹھاتے ہی اپنے بھائی سردار محمد عظیم کو افغانستان کا وزیر خارجہ بنادیا اور آہستہ پورے ملک کے اختیارات اپنے قبضے میں لے لئے، وہ سودیت یونین کا فکری حلیف تھا چنانچہ اس نے روس کے کہنے پر پاکستان میں پشتونستان کی تحریک شروع کر دی، ظاہر شاہ سردار داؤد کے عزم اور طالع آزمانی کو پیچان گیا چنانچہ اس نے 3 مارچ 1963ء کو اس سے استعفی لے لیا جس کے بعد سردار داؤد نے شاہ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، شاہ کو اطلاع میں تو اس نے کیم اکتوبر 1964ء کو افغانستان کا آئین بدل دیا جس کی رو سے اب افغانستان کے شاہی خاندان کا کوئی رکن سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔ شاہ نے سردار داؤد کا راستہ روکنے کا بندوبست تو کر دیا لیکن وہ یہ بھول گیا دنیا کا مضبوط سے مضبوط ترین آئین بھی فوج کا راستہ نہیں روک سکتا چنانچہ 17 جولائی 1973ء کو ظاہر شاہ علاج کے سلسلے میں اٹلی گیا اور پیچھے سے سردار داؤد نے شاہ کا تختہ الٹ دیا اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا، اس نے 1964ء کا آئین منسوخ کیا، افغانستان کو جمهوریہ افغانستان کا نام دیا اور بیک وقت افغانستان کا صدر، وزیر اعظم اور سنشل کمیٹی کے چیئرمین کا عہدہ سنگال لیا، اس نے 28 جولائی کو پاریمیٹ بھی توڑ دی اور وہ ملک کا مطلق العنوان حکمران بن گیا۔

وہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند شخص تھا، اس نے اقتدار سنبھالتے ہی ملک میں پر دے اور داری پر پابندی لگادی، اس نے زنانہ کا الجوں اور یونیورسٹیوں میں سکرت لازمی قرار دے دی، مسجدوں پر تال لگوادیے اور ملک کے آٹھ بڑے شہروں میں شراب خانے اور ڈسکو کلب بنوائے، سردار داؤد کے

جوتا ماری کا عالمی دن

کینڈر میں 365 دن ہیں اور ان 365 دنوں میں سے 162 روز کسی نہ کسی واقعے کی خصوصی دن کہلاتے ہیں، کوئی دن ویلنگٹن ڈے کہلاتا ہے، کوئی مارزو ڈے کوئی فادرز ڈے بعد بھی مرنے نہیں دیتا۔

کوئی کرس ڈے، کوئی لیبر ڈے، کوئی میڈیا ڈے اور کوئی چالنڈ لیبر ڈے وغیرہ ایں 14 دسمبر 2008ء کو بغداد میں ایک دلچسپ واقعہ ہیش آیا اور مجھے توقع ہے اس واقعے کی مناسبت اگلے سال پوری دنیا میں 14 دسمبر منایا جائے گا اور اس کے ساتھ ہی خصوصی ایام میں شیوز ڈے یا جوتا ماری کے خصوصی دن کا اضافہ بھی ہو جائے گا۔ میں نے گزشتہ رات پوری دنیا کے ساتھ اس دن کی بنیاد پر دیکھی بغداد کے انتہائی سیکورٹی زون کے انتہائی محفوظ محل کے انتہائی "سکیور" ہال میں عراق کے دارالاًعظم نورالماکنی اور دنیا کی واحد پرپاور کے صدر جارج بش راسٹرم پر کھڑے تھے صدر بش عراق کے الوداعی دورے پر بغداد تشریف لائے تھے، ان دنوں کے سامنے عراق کے بڑے بڑے صحافی بیٹھے تھے صدر بش میڈیا سے خطاب کرتے ہیں، اس کے بعد عراقی وزیر اعظم کی طرف شفقت سے دیکھتے ہیں، ای دو ران ہال میں موجود ایک صحافی اپنا جوتا اتنا رتا ہے اور پوری قوت سے یہ جوتا صدر بش کی طرف اپہال دیتا ہے، صدر بش فوراً جھک جاتے ہیں اور جوتا ان کے دائیں کندھے کے قریب سے گزر جاتا ہے، ہال میں سرایمیکی چیل جاتی ہے، سیکورٹی گارڈز آگے بڑھتے ہیں لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے دوسرا جوتا گی ہوا میں تیرتا ہوا صدر بش کی طرف بڑھتا ہے اور ان کے سر سے ہوتا ہوا امریکی جنڈے سے جاگرا تا ہے، اس کے ساتھ ہی صحافی چلا کر کہتا ہے "کہتے یہ تمہارے لئے الوداعی بوسہ ہے، عراقی میڈیا کی طرف دیئے گئے اس اعزاز کے بعد صدر بش خجالت سے کیسروں کی طرف دیکھتے ہیں اور کھسیانی آواز میں لاتے ہیں" میرا خیال ہے یہ دس نمبر کا جوتا تھا، صدر بش پر یہ دہشت گردانہ حملہ عراق کے ایک ٹیلی ویژن چیل کے روپ میں منتظر افریدی نے کیا تھا اور اس حملے کے بعد وہ نہ صرف پوری دنیا میں مشہور ہو گیا بلکہ کیوباسے لے کر ایران تک دنیا کے 145 غریب ممالک نے اسے ہیر و کا درجہ بھی دے دیا۔ منتظر افریدی واقعی ہیر و ہے یا اس کی یہ حرکت دہشت گردی کی نئی شکل تھی اس کا جواب تو ہم وقت پر چھوڑ دیتے ہیں لیکن یہ بات طے ہے منتظر افریدی نے 14 دسمبر کو ایک نئی شاخت دے دی آج سے یہ دن جوتا ماری کا

میں نے یہ خبر پڑھی تو میں نے کافیوں کو ہاتھ لگایا اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا نظام بھی کیسا عجیب ہے وہ جب کسی ظالم سے نفرت کرتا ہے تو اس کی قبر کی بھی بخشش نہیں ہوتی اور ظالم کے مرنے کے 30 برس بعد اس کی سزا ختم نہیں ہوتی، بے شک ظالم پورے ملک کو اپنے سامنے سرگوں ہونے پر بجور کر سکتے ہیں لیکن یہ لوگ وقت کو نکلتے نہیں دے سکتے۔ یہ اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور جب اللہ کسی سے نفرت کرتا ہے وہ جو لوں کو اسکی نعش کا حوالہ اور قبر کا کتبہ بنادیتا ہے۔ وہ اسے مرنے کے بعد بھی مرنے نہیں دیتا۔

⊗ ⊗

لے گئے وہاں ایک پاکستانی گاہک نے بچ صاحب کو پہچان لیا، وہ ان کے قریب گیا، اس نے انہاں اکابر اور انہیں دے مارا یہ جوتا بھی بعد ازاں نیویارک میں فروخت ہوا، ایک دوسرے پاکستانی نے یہ بنا بھی ہزار روپے اور میں خریدا، بچ صاحب کی تصویر کے ساتھ سے فریم کروایا اور اپنے ڈائینگ روم میں لے کر بیان کے یقین ہے مختصر ارزیدی کے یہ دونوں جو تے بھی عنقریب بولی کیلئے پیش ہوں گے اور کوئی شو قین بڑا نہیں ایک دولا کھوڈا رہیں یہ تاریخی جو تے بھی خرید لے گا۔

14 دسمبر کے اس واقعے نے دنیا میں دہشت گردی کی ایک نئی تجھنیک متعارف کر دی ہے اس کے بعد اب دنیا بھر کا میڈیا بھی محفوظ ہو گیا ہے اور جو تے بھی تابکاری کی شکل اختیار کر گئے ہیں ہذا پھر اب دنیا کے تمام بڑے صدور اور وزراءً اعظم صحافیوں اور اپنے درمیان اتنا فاصلہ ضرور رکھیں گے کہ اگر صحافت کا کوئی اسامہ بن لادن ان کی طرف جوتا پہنچنکا چاہے تو وہ اس سے محظوظ رہ سکتیں۔ میرا ہدود ہے آج سے آج سے دنیا کے وی وی آئی پیزی اور صحافیوں کے درمیان باریک جال لگا دیا جائے تاکہ اگر اندھہ کوئی صحافی جوتا پہنچنے کی کوشش کرے تو اس کا جوتا صدر محترم تک پہنچنے کی بجائے جال میں ال杰ھ ہائے اور یوں یہ لوگ خفت سے فتح جائیں۔ میں پاکستانی حکومت کو بھی ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں، ہم کر دیتے ہیں اور امریکہ اگر پاکستان سے محفوظ افراد کی فہرست منگوواتا ہے تو ہم احتیاطاً تمام محفوظ کر دیتے ہیں اور امریکہ کی روایات پر دنیا میں سب سے پہلے عملدرآمد کے عادی ہیں، امریکہ اگر ایک پورٹس پر لوگوں کو گرفتار کر لیتے ہیں چنانچہ ہمیں اس ناخونکوار واقعے کے فوراً بعد پریس کانفرنسوں اور پریس بریفسنگوں کے دوران جو تے پہنچنے پر پابندی لگادی چاہئے پاکستان میں جو بھی صحافی پریس کانفرنس میں شامل ہو سب سے پہلے اس کی جوتا اتر و ای کی رسم ادا کی جائے اور اس کے بعد اسے کسی وی آئی پی کے سامنے لے جایا جائے کیونکہ پاکستان میں بے شمار طالبان صحافی بھی موجود ہیں اور یہ لوگ پندرہ پندرہ گلوکے بھی تینی انسان کی جان جاسکتی ہے۔

① ①

عالمی دن کہلانے گا۔ دنیا میں ظالم ہو یا مظلوم تمام لوگ مر جاتے ہیں لیکن جوتا ماری جیسے واقعات ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب بڑی بڑی شخصیات اس قسم کے واقعات سے یاد رکھی جاتی ہیں مثلاً آپ شاہ ایران کی مثال لے لیجئے، شاہ 1980ء میں قاہرہ میں انتقال کر گیا لیکن اس سے منسوب ایک واقعہ آج تک زندہ ہے، شاہ کے دور میں شاہی محل میں لکھاں مارنے کا ایک ملکہ ہوتا تھا، اس محلے میں ایک ہزار ملازم میں تھے، ان ملازمین کے ہاتھوں میں چار فٹ کی ایک چھڑی ہوتی تھی جس کے سرے پر کپڑے کی ایک زم گدی ہوتی تھی، یہ ملازمین شاہی محل میں گھومنے پھرتے رہتے تھے اور انہیں جہاں کہیں کوئی مکھی نظر آتی تھی وہ چھڑی کے ذریعے اس مکھی کو مارتے تھے اور اسے محل کی تھیلی میں ڈال کر کوڑا دان میں پھینک دیتے تھے، انقلاب ایران سے ایک دن پہلے کا واقعہ ہے، شاہ محل سے باہر نکل رہا تھا، راستے میں ایک مکھی مار ملازم کھڑا تھا، شاہ تھکے تھکے قدموں سے محل کے کوری ڈور میں چل رہا تھا، شاہ کے سارے محافظہ سارے سیکرٹری اور سارے ذاتی ملازم محل سے فرار ہو چکے تھے اور شاہ دنیا کی اس بے شباتی پر اپنہائی مفہوم اور اداس تھا، وہ چلتے چلتے اس مکھی مار کے قریب پہنچا تو مکھی مارنے آگے پہنچے دیکھیں باسیں دیکھا، لکھاں مارنے والی چھڑی اٹھائی، ہوا میں لہرائی اور شاہ کی گردان پر دے ماری، شاہ کے منہ سے چخ بلند ہوئی اور اس نے گھبرا کر مکھی مار کی طرف دیکھا، مکھی مارنے شاہ کی طرف خاتمت سے دیکھا اور اوپرچی آواز میں بولا "میں نے اس چھڑی سے اب تک تین سو دس لکھاں ماری ہیں، تم مجھے اس وقت مکھی نظر آ رہے ہو، کاش تم اس چھڑی کے تین سو گیارہویں شکار ہوتے" شاہ نے بے بسی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا، واپس مڑا اور چپ چاپ باہر نکل گیا، انقلاب کے بعد اس مکھی مار ملازم اور اس کی چھڑی کو تہران کے سیٹی میں لا یا گیا، سیٹی میں موجود لوگوں کو چھڑی دکھائی گئی اور اس کے بعد اعلان کیا گیا، "یہ دنیا کی واحد چھڑی ہے جس سے شاہ کی پٹائی ہوئی تھی، ہم آج یہ چھڑی نیلام کرتا چاہتے ہیں، جو جو صاحب اس تاریخی چھڑی کو خریدنا چاہے وہ بولی دے اور یہ تادر چھڑی گھر لے جائے" اس کے بعد اس چھڑی کی بولی گئی اور ایران کے ایک تاجر نے وہ چھڑی دولا کھن میں خرید لی۔ آپ کو یاد ہو گا 17 اپریل 2008ء کو سندھ آسیلی میں بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا تھا، کراچی کے ایک گستاخ شخص نے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر ارباب غلام رحیم کو آسیلی کے کوریڈور میں جوتا دے مارا تھا، یہ جوتا بھی بعد ازاں نیلامی کیلئے پیش ہوا تھا اور سانچھڑ کے ایک صاحب نے یہ جوتا میں لاکھ روپے میں خرید لیا تھا۔ جوتا کھانے کا ایک واقعہ ہمارے ماضی کے ایک چیف جسٹس کے ساتھ بھی پیش آیا تھا، یہ بچ صاحب پیسی اور پر حلف لینے کے بعد امریکہ گئے اور ان کے ایک دوست انہیں کسی اذین کیسی ریشورٹ میں کھانا کھلانے

اہوں میں مسلمان شروع کر دیا، وہ تھوڑی دیر تک نوٹ کو مسلتے رہے، اس کے بعد انہوں نے نوٹ کو سیدھا نوٹ بری طرح چھپ رکھا تھا، اس پر سلوٹیں ہی سلوٹیں تھیں، انہوں نے وہ نوٹ دوبارہ کلاس کو دکھایا۔ نوٹ میں پھا ”یہاب کتنے کا نوٹ ہے“ کلاس دوبارہ بولی ”سوروپے کا“، ماسٹر صاحب مکارے، انہوں نے ”میں پر گرایا“، اس پر پاؤں رکھا اور پاؤں کے ساتھ نوٹ کو گزٹا شروع کر دیا، وہ تھوڑی دیر بعد جھٹے نوٹ میں پر گرایا، نوٹ اب بری طرح کچلا جا پکھا تھا، اس پر مٹی اور کچھڑ کے داغ لگ چکے تھے، اس کا انہوں نے نوٹ اٹھایا، نوٹ اب جناب کا جواب وہی تھا ”جناب ایک کو ناچھٹ چکا تھا اور جوتے اور فرش کی رگڑ سے اس کا رجگ اور عبارت بھی مت چکی تھی، انہوں نے نوٹ دوبارہ کلاس کی طرف لہرایا اور پوچھا ”اب بتاؤ یہ نوٹ کتنے کا ہے“، کلاس کا جواب وہی تھا ”جناب مہنگا جوتا نہ نوے روپے میں ملتا تھا اور لوگ جو توں کی دکان پر جا کر جوتا دیکھتے تھے اور افسوس سے کہتے تھے ”اتا مہنگا تو بہ تو بہ“ میں اس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا، ہماری کلاس میں ایک عارضی ماسٹر صاحب آئے، یہ ماسٹر صاحب ”سابق استاذ“ تھے وہ بھی اسی سکول میں پڑھایا کرتے تھے لیکن پھر وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ملک سے باہر چلے گئے، وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے خوشحال ہو گئے لیکن کبھی بھی ان کے اندر کے استاد کو مرگی کا دورہ پڑھتا تو وہ بے چین ہو جاتے اور چند دنوں کیلئے سکول کی کوئی کلاس سنبھال لیتے، وہ طالب علموں کو درسی کتابیں پڑھانے کی بجائے انہیں زندگی کی کسی اندھی اور بہری صورت حال میں جا پھستا ہوں تو اس عارضی ماسٹر صاحب بولے ”ذیں اور میں جب بھی زندگی کی کسی اندھی اور بہری صورت حال میں جا پھستا ہوں تو اس عارضی ماسٹر صاحب کے دیئے ہوئے سبق میرے لئے روشنی کا کام کرتے ہیں اور میں شوول شوول کر انہار استھانش کر لیتا ہوں۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر ہمارے ملک کے تمام ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر اور کاری ملازم سیکرٹریز، برس میں، گلوکار، اداکار، صحافی اور سیاستدان سال میں ایک بخت کیلئے عارضی ماسٹر صاحب بن جائیں وہ دور دراز علاقت کے کسی ملی یا ہائی سکول میں ڈیرہ ڈال لیں اور وہ طالب علموں کو زندگی کا درس دیں، انہیں مطالعہ کرنے ”محنت کرنے“ آگے بڑھنے کا میاب ہونے اور لوگوں کے کام آنے کا سبق دیں وہ ان طالب علموں کو وہن، حب الوطنی، نیک نیتی، لا نفث شائل اور پا زینو تھینگ سکھادیں تو پورا ملک تجدیل ہو سکتا ہے، اس ملک کے بچے بچے کی سوچ کا دھارا بدل سکتا ہے، کاش ہم میں سے کوئی شخص اس نیک کام کا بیڑا اٹھائے۔ بہر حال میں موضوع کی طرف واپس آتا ہوں، ہمارے عارضی ماسٹر صاحب ایک دن ہماری کلاس میں آئے، وہ کلاس کے سامنے کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ دالا، سوروپے کا کڑکڑا تھا اور کلاس کو دکھا کر بولے ”یہ کتنے کا نوٹ ہے“، پوری کلاس گلا پھاڑ کر بولی ”سوروپے کا“، ماسٹر صاحب نے اثبات میں گردن ہلائی، نوٹ کا گولہ سا بھایا اور اس گولے کو دوںوں

سوروپے کا نوٹ

1980-81ء میں سب سے بڑا نوٹ سوروپے کا ہوتا تھا، مہنگائی اس وقت بھی تھی لیکن ضروریات زندگی کی قیمتیں سوروپے تک پہنچ کر رک جاتی تھیں۔ مجھے آج بھی یاد ہے اس وقت سب سے تھے ”اتا مہنگا تو بہ تو بہ“ میں اس وقت چھٹی جماعت میں پڑھتا تھا، ہماری کلاس میں ایک عارضی ماسٹر صاحب آئے، یہ ماسٹر صاحب ”سابق استاذ“ تھے وہ بھی اسی سکول میں پڑھایا کرتے تھے لیکن پھر وہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ملک سے باہر چلے گئے، وہاں سے واپس آئے تو انہوں نے اپنا کاروبار شروع کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے خوشحال ہو گئے لیکن کبھی بھی ان کے اندر کے استاد کو مرگی کا دورہ پڑھتا تو وہ بے چین ہو جاتے اور چند دنوں کیلئے سکول کی کوئی کلاس سنبھال لیتے، وہ طالب علموں کو درسی کتابیں پڑھانے کی بجائے انہیں زندگی کی کسی اندھی اور بہری صورت حال میں جا پھستا ہوں تو اس عارضی ماسٹر صاحب کے دیئے ہوئے سبق میرے لئے روشنی کا کام کرتے ہیں اور میں شوول شوول کر انہار استھانش کر لیتا ہوں۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر ہمارے ملک کے تمام ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر اور کاری ملازم سیکرٹریز، برس میں، گلوکار، اداکار، صحافی اور سیاستدان سال میں ایک بخت کیلئے عارضی ماسٹر صاحب بن جائیں وہ دور دراز علاقت کے کسی ملی یا ہائی سکول میں ڈیرہ ڈال لیں اور وہ طالب علموں کو زندگی کا درس دیں، انہیں مطالعہ کرنے ”محنت کرنے“ آگے بڑھنے کا میاب ہونے اور لوگوں کے کام آنے کا سبق دیں وہ ان طالب علموں کو وہن، حب الوطنی، نیک نیتی، لا نفث شائل اور پا زینو تھینگ سکھادیں تو پورا ملک تجدیل ہو سکتا ہے، اس ملک کے بچے بچے کی سوچ کا دھارا بدل سکتا ہے، کاش ہم میں سے کوئی شخص اس نیک کام کا بیڑا اٹھائے۔ بہر حال میں موضوع کی طرف واپس آتا ہوں، ہمارے عارضی ماسٹر صاحب ایک دن ہماری کلاس میں آئے، وہ کلاس کے سامنے کھڑے ہوئے، انہوں نے اپنی جیب میں ہاتھ دالا، سوروپے کا کڑکڑا تھا اور کلاس کو دکھا کر بولے ”یہ کتنے کا نوٹ ہے“، پوری کلاس گلا پھاڑ کر بولی ”سوروپے کا“، ماسٹر صاحب نے اثبات میں گردن ہلائی، نوٹ کا گولہ سا بھایا اور اس گولے کو دوںوں

اگر کوئی مسئلہ نہ ہوتی

پاکستان کی سیاست میں ہر دس پندرہ روز بعد ایک نیا سوال جنم لیتا ہے اور یہ سوال اس وقت
ہے جب تک کوئی نیا سلکیں اور مشکل سوال اس کی جگہ نہیں لے لیتا۔
15، اس سے پہلے لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے ”کیا افتخار محمد چودھری بحال ہو جائیں گے؟“
16، مدرج کے بعد لوگ پوچھ رہے ہیں ”کیا میاں تو از شریف اور آصف علی زرداری کے درمیان
مناہمت ہو جائے گی؟“ ایک سوال کا جواب مل چکا ہے اور دوسرے کے جواب کی تلاش شروع ہو
الی ہے۔ میں جب بھی کسی سے یہ سوال سنتا ہوں تو مجھے سرد جنگ کے دور کا ایک لطیفہ یاد آ جاتا ہے۔ یہ
1960ء کی دہائی میں ایجاد ہوا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں مشہور ہو گیا، گزین کے کسی
اپنے میں چار لوگ بیٹھے تھے ایک طرف امریکی صدر جان ایف کینڈی بمیٹھا تھا، اس کے سامنے سو دوست
ہمیں کا وزیر اعظم خروشچیف تھا، خروشچیف کے ساتھ اسرائیل کی آڑن لیڈی گولڈا مارٹینی تھی جبکہ کینڈی
کے ساتھ بالی وڈی کی شہرہ آفاق اداکارہ از بھیل بیٹھی تھی۔ یہ چاروں عالمی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے اس
آن گزین ایک میں داخل ہو جاتی ہے اور ڈبے میں گھپ اندھیرا چھا جاتا ہے اندھیرے میں
ہمیں کی آواز آتی ہے اور ساتھ ہی ایک زوردار تھپڑی آواز گونجتی ہے۔ میں ختم ہوتی ہے تو ڈبے کے مسافر
دیکھتے ہیں صدر کینڈی نے منہ پر ہاتھ رکھا ہوا ہے اور اس کا گال تھپڑے سرخ ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ڈبے
کے چاروں مسافر کیا سوچتے ہیں، یہ لطیفہ اس کے بارے میں ہے۔ اس لمحے صدر کینڈی سوچتا ہے
کہ تھپڑے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے از بھیل کو ”کس“ کیا، خود سائیڈ پر ہو گیا اور از بھیل
لے مجھے تھپڑے کا سرخ گال دیکھ کر سوچتی ہے جان ایف کینڈی نے اندھیرے کا
فادہ اٹھاتے ہوئے گولڈا مارٹن کو ”کس“ کیا اور گولڈا مارٹن نے اس جمارت پر اسے تھپڑے کا سرخ گال دیکھ رہی ہوتی ہے کینڈی کی سوچ رہی ہے اس نے از بھیل کو ”کس“ کیا اور دنیا کی اتنی
مشہور شخصیات کے سامنے بے عزتی کرالی جبکہ خروشچیف اس لمحے سوچتا ہے آدھے گھنٹے بعد ایک اور میں
آئے گی، ڈبے میں اندھیرا ہو گا، وہ منہ سے چونے کی نعلی آواز نکالے گا اور ایک بار بھر کینڈی کے منہ پر
تھپڑے کا سرخ گال۔

حالات کے سامنے ڈھیر ہو گئے، اگر تم نے خود ٹکست مان لی اگر تم خود وقت کی چوکھت پر لیں گے تو دوسری بات ہے ورنہ دنیا کی کوئی طاقت تمہیں تمہارے مقام، تمہاری قدر اور تمہاری قیمت سے نہیں گرا سکے گی، ”ماسٹر صاحب کا پیچھر ختم ہو گیا لیکن وہ پیچھر سائٹھ طالب علموں کو ان کی قدر و قیمت بتا گیا، سائٹھ طالب علم جان گئے وہ قدرت کے نکال سے نکلے ہوئے کرفی نوٹ ہیں اور ہر کرنی کی نوٹ پر قدرت نے ایک قدر نقش کر دی ہے اور جب تک ان کا وجود سلامت ہے ان کی قدر قائم رہے گی اور دنیا کی کوئی طاقت اس قدر میں کمی نہیں کر سکے گی۔

میں آج جب صدر پرور مشرف کو دیکھتا ہوں اور پوری دنیا کو ان سے استغفار کے مطالبے کرتے دیکھتا ہوں اور ان مطالبوں کے جواب میں صدر پرور مشرف کے اس قسم کے بیان منتدا ہوں "میں ہرگز استغفار نہیں دوں گا" میں پسپا نہیں ہوں گا "میں مقابلہ کروں گا، دغیرہ دغیرہ" تو میں بے اختیار افسوس پڑتا ہوں اور سوچتا ہوں شائد صدر پرور مشرف اپنی قدر و قیمت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار تھے وہ ایک روپے کا ایک ایسا کرنی نوٹ تھے جو خود کو ملین ڈال رکا باٹھ سمجھ دیا تھا اور کافی کافی کا ایک ایسا لکڑا تھے جو دس تو لے سونے کے ہار میں پر دیا ہوا تھا اور جب سونا ان کے وجود سے الگ ہوا اور ان کی اپنی بولی شروع ہوئی تو انہیں چہلی بار اپنی کم مائیگی کا اندازہ ہوا جب بانڈ کی مدت ایکسپریس ہو گئی اور وہ کافی کافی مخفی ایک حقیر سا لکڑا رہ گیا ایک ایسا لکڑا جس سے اب کوئی انگلی تک صاف کرنے کیلئے تیار نہیں تو اسے اس وقت اپنی اصل قیمت کا اندازہ ہوا لیکن یہ انا بھی عجیب چیز ہوتی ہے یہ وہ پتھر ہوتی ہے جو شیشوں میں رہتے رہے خود کو شیشہ سمجھ دیکھتا ہے اور یہ وہ سیاہ کالا بھنورا ہوتی ہے جو پھولوں میں رہ رہ کر خود کو خوبصورت سمجھ دیکھتا ہے لیکن جب بہار گزر جاتی ہے یا شیشے چکنا چور ہو جاتے ہیں جب عکس روٹھ جاتے ہیں اور جب خوبصوری میں پتھر جاتی ہیں تو اس وقت بھنورے کو بھنورا اور پتھر کو پتھر ہونے کا احساس ہوتا ہے لیکن اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے بھنورے کا دل ہو یا پتھر کا دماغ وہ بھی حقیقت تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور یہ بھی ہو سکتا ہے صدر پرور مشرف واقعی سوروپے کا نوٹ ہوں اور حالات کی سختیاں انہیں کچھے، مسلنے اور رگیدنے کی کوشش کر رہی ہوں مگر حقیقت کیا ہے؟ اس کا فیصلہ اب وقت نے کرنا ہے اور وقت کو وقت دینا اب صدر پرور مشرف کا کام ہے وہ اوپنجی دیواروں کے محل سے باہر آئیں اور خود کو حالات کی بھی میں گرنے دیں اگر وہ سوروپے کا اصلی نوٹ ہوئے تو دنیا کی کوئی طاقت ان کی قدر کو نہیں منا سکے گی اور اگر وہ شیشوں کے دلیں کے پتھر ہوئے تو محل کی دیواریں ان کو زیادہ دیر تک نہیں بچا پائیں گی۔ صدر مشرف کیا تھے؟ اور کیا ہیں اب اس کا فیصلہ وقت نے کرنا ہے اور وقت اب صدر مشرف سے زیادہ دور نہیں۔

اہل موجود ہے لیکن مسلم لیگ ن کے وہ تمام ارکان اس اتحاد کیلئے راضی نہیں ہیں جنہیں پاکستان مسلم لیگ اپنے پانچ سالہ دور میں سیاسی انتقام کا نشانہ بناتی رہی۔ یہ لوگ چودھری شجاعت حسین کو ساتھ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے چارہ بدنام ہو جاتا ہے اور سایی کھیل آگے بڑھتا ہے۔ پاکستان میں بھی پچھلے ایک سال سے یہی ہو رہا تھا، پاکستان ہبیزل پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کی مخالفت ذرا سی آگے بڑھتی تھی تو کوئی نہ کوئی مثل آجاتی تھی اور اس کے بعد سارے کھلاڑی ایک دوسرے کے بارے میں ٹکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس دوران دونوں پارٹیوں کے بھی خواہ آگے بڑھتے تھے اس دوران ایک بار پھر مثل آجاتی تھی اور دونوں جماعتیں دوبارہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ 16 مارچ کو تنازع کی بڑی وجہ درمیان سے نکل گئی عدالتی محاذ ہو گئی چنانچہ دونوں جماعتیں ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ اس قربت کی چار بڑی وجہات باوجود پاکستان مسلم لیگ ن کی صفوں میں ”ذینت“ نہیں ڈال سکے لہذا پنجاب سلمان تاشیر ایزدی چونی کا زور لگانے کے کی حکومت نہیں بن پا رہی۔ گورنمنٹ سلمان تاشیر نے پاکستان مسلم لیگ ق کے ساتھ مل کر حکومت بنانے کی کوشش بھی کی لیکن یہ کوشش بھی بار آور ثابت نہیں ہوئی کیونکہ ایک تو پاکستان مسلم لیگ ق کے 75 فیصد دونوں مل کر بھی فارورڈ بلاک کو واپس نہیں لاسکے اور فارورڈ بلاک کی واپسی کے بغیر پنجاب میں دونوں کی مشترک حکومت نہیں بن سکتی، ہال البتہ چودھریوں نے 25 فروری کی صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت سے اپنے زیادہ تر مسائل حل کرنے لئے ہیں، پنجاب کے بے شمار اضلاع میں چودھریوں کی سفارش پر ڈی پی اوڑی سی اوز تعینات کے گئے اور ان افراد نے چودھریوں اور ان کے دوستوں کے زیادہ تر مسائل حل کر دیے ہیں۔ دوسری پاکستان مسلم لیگ ن بھی پنجاب میں ”سولوفلامیٹ“ نہیں کر سکتی۔

اس کے پاس ارکان کی کمی ہے، اس کے پاس پاکستان مسلم لیگ ق کا فارورڈ بلاک موجود ہے لیکن یہ فارورڈ بلاک پاکستان مسلم لیگ ن کی حکومت سازی میں آئینی طور پر کوئی بڑا کردار ادا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر فارورڈ بلاک نے پاکستان مسلم لیگ ن کے امیدوار کو ووٹ دیے تو یہ لوگ ڈس کوائی فائیڈ ہو جائیں گے جس کے بعد حکومت دوبارہ ٹوٹ جائے گی۔ پاکستان مسلم لیگ ن کے پاس مسلم لیگ ق سے اتحاد نیلے پر نظر ٹانی کر لے گی اور پنجاب کی حکومت کو 24 فروری 2009ء کی پوزیشن پر بحال کر دے گی

یہ لطیفہ محض ایک لطیفہ نہیں بلکہ ایک بہت بڑا سیکی فلسفہ ہے اور آپ اگر دنیا بھر کے سائل کو اس فلسفے میں رکھ کر دیکھیں تو آپ کو محسوس ہو گا دنیا کے ہر ملک میں کوئی نہ کوئی سیاستدان کی کی مثل کافائدہ اخخار ہا ہے وہ منہ سے چومنے کی جعلی آواز لکاتا ہے اور ساتھ ہی مخالف کے منہ پر تھڑر، بھی پچھلے ایک سال سے یہی ہو رہا تھا، پاکستان ہبیزل پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کی مخالفت ذرا سی آگے بڑھتی تھی تو کوئی نہ کوئی مثل آجاتی تھی اور اس کے بعد سارے کھلاڑی ایک دوسرے کے بارے میں ٹکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے تھے۔ اس دوران دونوں پارٹیوں کے بھی خواہ آگے بڑھتے تھے اس دوران ایک بار پھر مثل آجاتی تھی اور دونوں جماعتیں دوبارہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑی ہو جاتی تھیں۔ 16 مارچ کو تنازع کی بڑی وجہ درمیان سے نکل گئی عدالتی محاذ ہو گئی چنانچہ دونوں جماعتیں ایک بار پھر ایک دوسرے کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں۔ اس قربت کی چار بڑی وجہات باوجود پاکستان مسلم لیگ ن کی صفوں میں ”ذینت“ نہیں ڈال سکے لہذا پنجاب سلمان تاشیر ایزدی چونی کا زور لگانے کے کوشش بھی کی لیکن یہ کوشش بھی بار آور ثابت نہیں ہوئی کیونکہ ایک تو پاکستان مسلم لیگ ق کے 75 فیصد ارکان پاکستان ہبیزل پارٹی کے ساتھ بیٹھنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور دوسرا چودھری پرویز الہی اور سلمان تاشیر مشرک کی حکومت نہیں بن سکتی، ہال البتہ چودھریوں نے 25 فروری کی صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حکومت سے اپنے زیادہ تر مسائل حل کرنے لئے ہیں، پنجاب کے بے شمار اضلاع میں چودھریوں کی سفارش پر ڈی پی اوڑی سی اوز تعینات کے گئے اور ان افراد نے چودھریوں اور ان کے دوستوں کے زیادہ تر مسائل حل کر دیے ہیں۔ دوسری پاکستان مسلم لیگ ن بھی پنجاب میں ”سولوفلامیٹ“ نہیں کر سکتی۔

اس کے پاس ارکان کی کمی ہے، اس کے پاس پاکستان مسلم لیگ ق کا فارورڈ بلاک موجود ہے لیکن یہ فارورڈ بلاک پاکستان مسلم لیگ ن کی حکومت سازی میں آئینی طور پر کوئی بڑا کردار ادا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر فارورڈ بلاک نے پاکستان مسلم لیگ ن کے امیدوار کو ووٹ دیے تو یہ لوگ ڈس کوائی فائیڈ ہو جائیں گے جس کے بعد حکومت دوبارہ ٹوٹ جائے گی۔ پاکستان مسلم لیگ ن کے پاس مسلم لیگ ق سے اتحاد

بد قسمت قوم

یہ سودیت یونین کے مشہور حکمران خروشیف کا واقعہ ہے جب وہ سودیت یونین کا صدر بنا تو اس نے پارلیمنٹ میں اپنے پہلے خطاب میں سابق صدر شالن اور اس کی پالیسیوں پر تنقید شروع کر دی۔ اس کا کہنا تھا شالن میں برداشت نہیں تھی وہ ایک بد بودار آمر تھا وہ خالم تھا وہ اختلاف کرنے والے باجوں تک کو دشمن سمجھ لیتا تھا اس کے خوشحالی اور معاشی استحکام کے دعوے بھی جھوٹے تھے اور سودیت یونین کو جتنا نقصان شالن نے پہنچایا اتنا ساری سرمایہ دار دنیا مل کر نہیں پہنچا سکی وغیرہ وغیرہ، خروشیف میں ان خیالات کا اطمینان کر رہا تھا تو معزز زار کان میں سے کسی نے چٹ پر کچھ لکھا اور اس تک پہنچا دیا۔ خروشیف نے ایک لمج کیلئے رک کر چٹ پر گھی لکھا تھا "آپ کو شالن کے قریب رہنے کا موقع ملا جب وہ سودیت یونین کو نقصان پہنچا رہا تھا تو آپ نے اس وقت اس کو کیوں نہیں روکا تھا" خروشیف کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے وہ چٹ ایوان کی طرف لہرائی اور چلا کر کہا "یہ کس گستاخ نے لکھا ہے، ایوان میں" میں اور اپ سائلنس، ہو گئی اور تمام ارکان بغایب جھانکنے لگے، خروشیف دوبارہ چلا یا "میں پوچھ رہا ہوں یہ گستاخ کون ہے، ایوان میں خاموشی رہی، خروشیف نے تھکہ لگایا، چٹ پھاڑی اور پر زے ہوا میں اپھال کر بولا" جب شالن سودیت یونین کو نقصان پہنچا رہا تھا تو ہم بھی ایسی ہی چیزیں لکھا کرتے تھے اور ناموش رہتے تھے۔

یہ اقتدار کی ٹریجڈی ہے، شاہوں کی قربت میں امام یوسف ہوں، نصیر الدین طوسی جزل بہید گزار کیا جائی، شیخ رشید یا پھر اعجاز الحق اختلاف رائے ہمیشہ مراج شاہ کے تابع ہوتا ہے اور بڑے سے بڑا عالم بڑے سے بڑا افلاس فریبڑے سے بڑا دانشور اور بڑے سے بڑا جریش بھی جب حلقة بگوش شاہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ اختلاف کی طاقت کھو دیتا ہے، بادشاہوں کی صحبت میں تو کلمہ حق کہنے کیلئے بھی شاہ کی اپمازت درکار ہوتی ہے لہذا جب تک اقتدار کا سورج سوانیزے پر رہتا ہے بڑے سے بڑا حق کو بھی فقط چیزیں لکھنے اور جلال شاہی کے وقت سر جھکا کر چپ چاپ بیٹھنے پر اکتفا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے اس وقت سر اٹھانے کی جرأت کی تو اس کا سر سلامت نہیں رہے گا اور اگر سرفج بھی گیا تو بھی وہ قربت

جس کے بعد چنگا ب او رو فاق میں پاکستان پبلیک پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن دوبارہ ایک دوسرے کی ساتھی بن جائیں گی۔ آج کے دن تک مستقبل کا سیاسی سیناریو اسی طرح دکھائی دے رہا ہے، اگر کل تک راستے میں کوئی نئی مثل نہ آئی اور کسی نے اندھیرے کا فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی تو معاملات اسی طرح آگے بڑھتے رہیں گے ورنہ دوسری صورت میں یہ ٹرین دوبارہ کسی ایسی پٹڑی پر چڑھ جائے گی جس کے آخر میں سر تکیں ہی سر تکیں ہوں گی۔



شہی سے ضرور ہاتھ دھو بیٹھے گا اور ظاہر ہے ایوان اقتدار سے باہر کھڑے سیاستدانوں اور دریا کے خلک کناروں پر پڑی پھٹلی میں کوئی فرق نہیں ہوتا، قربت شاہی میں زندگی بر کرنے والے لوگ اس ماحول اور اس ماحول کے پرونوکوں سے اتنے آشنا ہوتے ہیں کہ اگر انہیں کبھی بادشاہ سلامت خود بھی اختلاف رائے کا حق عنايت کر دیں تو بھی وہ چٹ لکھنے تک ہی محدود رہتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں اختلاف کا یہ حق کسی بھی وقت گستاخی میں تبدیل ہو سکتا ہے اور اقتدار کے ایوانوں میں گستاخی کی سزا موت ہوتی ہے، جسمانی یا سیاسی موت! روش خیال اور وسیع القلب بادشاہ ڈاکوؤں کے اس سردار کی طرح ہوتے ہیں جس نے ڈاکے کا ایک منصوبہ بنایا، اپنے ساتھیوں کے سامنے رکھا اور آخر میں پوچھا، اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ کھڑا ہو کر اختلاف کر لے میں بڑا بزرگ سردار ہوں، میں اختلاف رائے کو ہمیشہ پسند کرتا ہوں، سردار کا اعلان سن کر ایک نوجوان ڈاکو کھڑا ہوا اور جرأت سے بولا، یہ ایک بالکل خام منصوبہ ہے اور مجھے یقین ہے اس منصوبے کے آخر میں ہم سب پکڑے جائیں گے، سردار نے بڑے غل میں اس کی بات سنی اور جب وہ نوجوان خاموش ہوا تو سردار نے جیب سے روپورنکا لاؤ نوجوان ڈاکو کے سر کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی، نوجوان پیچے گر گیا، سردار نے روپورنکی نیلی پر پھونک ماری اور پسینہ پوچھتے ہوئے ساتھیوں کی طرف دلکھ کر بولا، "کسی اور کو اعتراض ہو تو وہ بھی کھڑا ہو جائے۔"

میں پچھلے کچھ حصے سے سابق حکومت میں شامل چند وزراء کو حق بولنے کے بیٹھے میں بہتا دیکھ رہا ہوں، اعتراض جرم کا یہ معاملہ شروع میں شیخ رشید تک محدود تھا، انہوں نے سب سے پہلے فرمایا تھا لال مسجد آپریشن اور چیف جنس کی معطلی شوکت عزیز حکومت کی سب سے بڑی غلطی تھی، پھر شیر انگلن کا ضمیر جا گا، پھر وصی ظفر بولے، اس کے بعد آفتاب احمد شیر پاؤ بولنے لگے، پھر مخدوم فیصل صالح حیات نے اعتراض شروع کر دیا، اسی دوران سید مشاہد حسین نے پھٹلی حکومت کی غلطیاں تسلیم کیں اور اب اعجاز الحکم کا فرمانا ہے کہ وہ لال مسجد آپریشن کے حوالے سے اپنے رویے پر پیشان ہیں اور معافی کے خواستگار ہیں، صدر پروین مشرف نے جون کے وسط میں میرے ساتھ ایک خصوصی ملاقات میں شوکت عزیز کی خامیوں کا اعتراف کیا، صدر صاحب کا کہنا تھا میں نے شوکت عزیز کو تین بار پاکستان بانا لیکن وہ خوف کا شکار ہیں چنانچہ انہوں نے واپس آنے سے انکار کر دیا، میں نے جب سابق حکومت کے سابق وزراء کے منہ سے یہ اعتراضی بیانات سنے تو مجھے خروشیف کا واقعہ یاد آ گیا اور میرا دل چاہا میں ان حضرات سے پوچھوں جب ۹ مارچ کو چیف جنس کو معطل کیا گیا تھا جیسا جو لاٹی میں مدرسہ حصہ اور لال مسجد پر فوج کشی کی جا رہی تھی تو اس وقت آپ لوگ کہاں تھے، آپ اس وقت کیوں نہیں بولے؟ اس وقت صدر پروین مشرف اور

چند دن انتظار کیجئے

ام کا تھا اور اس کام کے دوران دونوں میں برا اور انہ تعلقات قائم ہو گئے اور یہ تعلقات تیس برس گزرنے کے بعد آج تک برقرار ہیں، دونوں "برج" کے کھلاڑی بھی ہیں اور جب بھی ان کی ملاقات مولی ہے تو ان کا زیادہ تر وقت "برج" کھلیتے گزرتا ہے۔ 12 اکتوبر 1999ء کی شام جزل پروین مشرف نے جب میاں نواز شریف کی حکومت "روں بیک" کی اور وہ ملک کے چیف ایگزیکٹو بن گئے تو "سرے یا تیرے" دن بر گیڈر نیاز جزل پروین مشرف سے ملنے گئے اور دونوں نے اکٹھے ناشتا کیا۔ یہ معاملات میں ان کا کیا عمل دخل ہے؟ ہم جب ان سوالوں کے جواب کی تلاش میں نکلتے ہیں تو ہم بے شمار کہانیوں میں الجھ جاتے ہیں، مثلاً چہل کہانی بر گیڈر نیاز احمد کے پس منظر کے بارے میں مشہور ہے۔ بر گیڈر نیاز احمد چکوال کے گاؤں درمیال کے رہنے والے ہیں، درمیال کی آدمی آبادی قادیانی مذہب سے تعلق رکھتی ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے بر گیڈر صاحب کا تعلق بھی اسی مسک سے ہے۔ بر گیڈر صاحب آٹھری کی ایک ایسی یونٹ سے وابستہ رہے ہیں جس میں صدر پروین مشرف نے بھی اپنے کیریئر کے شروع میں کام کیا تھا۔ 1977ء میں بر گیڈر نیاز لاہور میں تینات تھے، یہ بھنوں کے خلاف تحریکوں کا دور تھا، ذوالقدر علی بھنوں نے تحریک دبانے کیلئے لاہور میں جزوی مارشل لاء لگا دیا تھا، جب اس کے باوجود "مرض"، کنزروں نہ ہوا تو بھنو صاحب نے جلوس پر براہ راست گولی چلانے کا حکم دے دیا۔ جزل ضیاء الحق اس وقت چیف آف آرمی ساف تھے اور جزل اقبال لاہور کے کور کا ٹھر۔ جزل اقبال نے وزیر اعظم کا حکم اپنے بر گیڈر ز کو بھجوادیا تھا، لہور کے تین بر گیڈر ز نے یہ بے رحمانہ حکم مانے سے انکار کر دیا۔ اس حکم عدوی پر تینوں بر گیڈر ز کو نوکری سے فارغ کر دیا گیا۔ ان بر گیڈر ز میں بر گیڈر نیاز احمد بھی شامل تھے، بھنو صاحب کے بعد جب جزل ضیاء الحق نے "نجک اوور" کیا تو انہوں نے بر گیڈر نیاز کو بلایا اور انہیں "حلفی" کی پیش سہ کی، اس ملاقات کے دوران طے ہوا فوج آئندہ بر گیڈر نیاز اور بر گیڈر اشرف کے ذریعے ہتھیار اور فوجی آلات درآمد کرے گی۔ جزل ضیاء الحق نے اپنے "فوجی رفقاء" کو اس حکم سے مطلع کر دیا جس کے بعد بر گیڈر نیاز کا نیا کیریئر شروع ہوا اور وہ آج تک اسی پیشے سے وابستہ ہیں، اس کاروبار میں بر گیڈر صاحب نے بعد ازاں اربوں روپے کمائے اور ان کا شمار فوج کے اہمی امیر رہا افسروں میں ہونے لگا۔

بر گیڈر صاحب کے بارے میں دوسری کہانی ان کے صدر پروین مشرف کے ساتھ تعلقات کے بارے میں مشہور ہے، جزل پروین مشرف نے جونیئر افسر کی حیثیت سے بر گیڈر نیاز کی رجسٹریشن میں

وہاں میں صدر اور میاں شہباز شریف کے درمیان ملاقات ہو گئی یا نہیں اور اگر یہ ملاقات ہوئی تو اس کا کیا
کام کیا جائیں یہ طے ہے محترمہ بنے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد صدر پرویز مشرف کے پاس صرف میاں
بریکنگ پیغامات کا سلسلہ شروع ہو گیا، میاں نواز شریف نے ستمبر 2007ء میں پاکستان والپی کا اعلان کیا
تو بریکنگ ریڈ نیاز ایک پاکستانی بنس میں کے ساتھ صدر پرویز مشرف کا پیغام لے کر لندن گئے، صدر کی
خواہش تھی اگر میاں نواز شریف اپنی والپی صدارتی انتخاب تک موڑ کر دیں تو حکومت ان کے راستے
میں رکاوٹ نہیں ڈالے گی لیکن میاں نواز شریف اس وقت تک اپنی والپی کا شیدول دے چکے تھے
چنانچہ انہوں نے یہ پیش کش مسترد کر دی، یوں یہ وفد ناکام واپس آگیا اور اس کے بعد میاں نواز شریف
10 ستمبر کو واپس آئے اور حکومت نے انہیں خصوصی طیارے کے ذریعے سعودی عرب بھجوادیا۔ پاکستان
کے سیاسی افق پر اس کے بعد بڑی تیزی سے تبدیلیاں آئیں اور بریکنگ ریڈ نیاز کا نام تبدیلیوں کے اس
گرد غبار میں گم ہو گیا۔

بریکنگ ریڈ نیاز گزشتہ اتوار کو ایک بار پھر سامنے آگئے جنوری کے دوسرے ہفتے میاں شہباز
شریف نے اسلام آباد میں بریکنگ ریڈ نیاز سے ملاقات کی، اس ملاقات کے بعد ان کی سعودی سفارت سے
مینگ ہوئی اور ان ملاقاتوں کے دونوں بعد میاں صاحب لندن روانہ ہو گئے، اسی دوران بریکنگ ریڈ نیاز
بھی لندن پہنچ گئے اور ان دونوں کی روائی کے بعد صدر پرویز مشرف کے یورپ کے فوروزہ دورے کا
اعلان ہو گیا۔ صدر 20 جنوری کو چھم روانہ ہوئے، وہ 21 جنوری کو فرانس، 23 جنوری کو
ڈیوس (سویٹرلینڈ) اور 26 جنوری کو برطانیہ جائیں گے، صدر کی روائی سے پہلے ہی ملک میں میاں
شہباز شریف اور صدر پرویز مشرف کی ملاقات کے امکانات پر سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں، گومیاں
شہباز شریف نے لندن میں ان افواہوں کی بھرپور تردید کر دی لیکن اس کے باوجود افواہوں اور
سرگوشیوں میں کمی نہ آئی اور لوگ لندن میں میاں شہباز شریف، بریکنگ ریڈ نیاز اور صدر پرویز مشرف کی
موجودی کو محض اتفاق ماننے پر تیار ہوئے۔ صدر نے بھی اس دوران یا اعتراف کر لیا وہ لندن میں اپنے
دوست بریکنگ ریڈ نیاز سے ملیں گے۔ اسی دوران جھرات کے دن چھوٹے میاں صاحب نے یہ بیان بھی جاری کر
دیا "اگر صدر پرویز مشرف شفاف ایکشن اور قلیک کی حمایت ختم کرنے کا اعلان کر دیں تو ان سے
مذاکرات ہو سکتے ہیں"، اسی دوران ملک میں ایک سال کیلئے قومی حکومت کے قیام کی سرگوشیاں بھی شروع
ہو گئیں اور میاں نواز شریف کی طرف سے اس کی حمایت میں بیانات بھی آنے لگے۔ ان بیانات کے بعد
سیاسی فناٹھیک ٹھاک گرم ہو گئی۔ 26 جنوری ابھی دور ہے اور ہم آج بیٹھ کر حتی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے آیا

شہباز شریف نے اسلام آباد میں بریکنگ ریڈ نیاز سے ملاقات کی، اس ملاقات کے بعد ان کی سعودی سفارت سے
مینگ ہوئی اور ان ملاقاتوں کے دونوں بعد میاں صاحب لندن روانہ ہو گئے، اسی دوران بریکنگ ریڈ نیاز
بھی لندن پہنچ گئے اور ان دونوں کی روائی کے بعد صدر پرویز مشرف کے یورپ کے فوروزہ دورے کا
اعلان ہو گیا۔ صدر 20 جنوری کو چھم روانہ ہوئے، وہ 21 جنوری کو فرانس، 23 جنوری کو
ڈیوس (سویٹرلینڈ) اور 26 جنوری کو برطانیہ جائیں گے، صدر کی روائی سے پہلے ہی ملک میں میاں
شہباز شریف اور صدر پرویز مشرف کی ملاقات کے امکانات پر سرگوشیاں شروع ہو گئی تھیں، گومیاں
شہباز شریف نے لندن میں ان افواہوں کی بھرپور تردید کر دی لیکن اس کے باوجود افواہوں اور
سرگوشیوں میں کمی نہ آئی اور لوگ لندن میں میاں شہباز شریف، بریکنگ ریڈ نیاز اور صدر پرویز مشرف کی
موجودی کو محض اتفاق ماننے پر تیار ہوئے۔ صدر نے بھی اس دوران یا اعتراف کر لیا وہ لندن میں اپنے
دوست بریکنگ ریڈ نیاز سے ملیں گے۔ اسی دوران جھرات کے دن چھوٹے میاں صاحب نے یہ بیان بھی جاری کر
دیا "اگر صدر پرویز مشرف شفاف ایکشن اور قلیک کی حمایت ختم کرنے کا اعلان کر دیں تو ان سے
مذاکرات ہو سکتے ہیں"، اسی دوران ملک میں ایک سال کیلئے قومی حکومت کے قیام کی سرگوشیاں بھی شروع
ہو گئیں اور میاں نواز شریف کی طرف سے اس کی حمایت میں بیانات بھی آنے لگے۔ ان بیانات کے بعد
سیاسی فناٹھیک ٹھاک گرم ہو گئی۔ 26 جنوری ابھی دور ہے اور ہم آج بیٹھ کر حتی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے آیا

ہماری والدہ نے ہمیں بچپن سے سکھایا تھا، انسان کو کبھی منہ سے چند ری گل نہیں نکالنی چاہیے، ”زرداری صاحب ہمیدگی سے میاں صاحب کی طرف دیکھتے رہے میاں صاحب نے بتایا“ ہم پنجابی لوگ برمی اور چند ری گل کہتے ہیں اور ہمارے خاندانوں میں صد یوں پلکہ ہزاروں سالوں سے یہ روایت چل آ رہی ہے کہ دن میں میں بے شمار قبولیت کی گھڑیاں ہوتی ہیں اور قبولیت کی گھڑی میں آپ کے منہ سے کوئی کل کل جائے تو قدرت بری بات کو قبول کر لیتی ہے اور وہ برمی بات بعد ازاں بھی ثابت ہو جاتی ہے دنیا کتاب ہے اور کتاب کے بعض واقعات مقناطیس کی طرح آپ کے دماغ میں چک جاتے ہیں، اسی قسم کا ایک واقعہ چند ماہ قبل پاکستان مسلم لیگ ن کے ایک عہدیدار نے سنایا تھا، یہ عہدیدار میاں برادران کے بہت قریب ہے اور عموماً ان کی اہم میئنگز میں بھی شریک ہوتا ہے، حکومت کے قیام کے چند دن بعد میاں نواز شریف میاں شہباز شریف اور آصف علی زردباری کی ایک مینگ تھی میئنگ کے دوران آصف علی زردباری نے میاں برادران سے کہا ”ہرشا خ پر الوبیجا ہے انجام گستان کیا ہوگا؟“ میاں صاحب میں پریشان ہوں، میں کہاں سے شروع کروں، کس چیز کو فہیک کروں، کس کو بہتر بناؤں اور کس معاطلے کو وقت پر چھوڑ دوں، ”میاں شہباز شریف نے یہ بات سنی تو وہ مسکرانے اور آصف علی زردباری سے کہا“ ”زرداری صاحب ہماری والدہ پنجابی ہیں وہ ہمیشہ پنجابی میں گفتگو کرتی ہیں اور وہ بچپن سے ہمیں ایک صحیح کرتی چلی آ رہی ہیں، آصف علی زردباری نے فوراً صوفے پر کروٹ بدی اور اپنی ”گاڈ قادر“ مسکراہٹ کے ساتھ بولے ”مینوں پنجابی آندی اے، تی پوری گل پنجابی وچ کرو،“ میاں شہباز شریف آصف علی زردباری کے منہ سے پنجابی سن کر حیران رہ گئے، ان کا خیال تھا آصف علی زردباری سندھی بلوج ہیں، محترمہ بنے نظیر بھٹو کے قریب رہے ہیں چنانچہ انہیں سندھی بلوجی اور انگریزی آتی ہوگی لیکن آصف علی زردباری نے پنجابی بول کر سب کو حیران کر دیا، ”زرداری صاحب اور میاں شہباز شریف کی فطرت میں بہت فرق ہے،“ زردباری صاحب فیصلے میں بہت وقت لگاتے ہیں، یہ وقت بعض اوقات اتنا لبا ہو جاتا ہے کہ اس کے لطف سے جو فیصلہ لکھتا ہے اس پر عملدرآمد کی نوبت ہی نہیں آتی جبکہ میاں شہباز شریف ایک عملی انسان ہیں اور یہا کثر اوقات کام پہلے شروع کر دیتے اور فیصلہ بعد میں کرتے ہیں، بہر حال دونوں کی عادت کے کچھ مثبت پہلو بھی ہیں اور کچھ منفی بھی لیکن فطرت کے اس فرق کے باوجود دونوں میں ایک قدر مشترک بھی ہے، دونوں حضرات کو زبانیں سیکھنے کا بہت شوق ہے، آصف علی زردباری بھی مختلف زبانوں کے مختلف الفاظ سیکھتے رہتے ہیں اور میاں شہباز شریف بھی انصاف درجن زبانیں روانی سے بول سکتے ہیں، ہم واپس واقعے کی طرف آتے ہیں، میاں شہباز شریف نے آصف علی زردباری کو بتایا

چند ری گل

آصف علی زردباری بڑی توجہ سے میاں صاحب کی بات سننے رہے میاں صاحب نے بتایا ”ہم اکوں نے پچھلے دور میں سیف الرحمن پر بہت اعتماد کیا تھا اور یہ ہماری بڑی غلطی تھی، سیف الرحمن میں الی صلاحیت نہیں تھی جتنی بڑی ذمہ داری ہم نے اس پر ڈال دی تھی چنانچہ جب وہ غلطیاں کرتے تھے تو میاں نواز شریف صاحب کے سامنے احتجاج کرتا تھا اور اس احتجاج کی وجہ سے میرے سیف الرحمن میں اجلاس کے ساتھ تعلقات خراب ہو گئے تھے 1999ء کے ستمبر میں وزیر اعظم ہاؤس میں ایک اجلاس تھا، اس اجلاس میں سیف الرحمن بھی شامل تھے، میری ان کے ساتھ تلخ کلامی ہو گئی، اجلاس ختم ہوا تو میں نے اس کیلئے سیف الرحمن کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن سیف الرحمن نے غصے سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے دوڑان ان کا سیکرٹری ہاتھ ملانے کیلئے میری طرف بڑھا تو خان صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے تلخیا کھینچتے ہوئے کرے سے باہر نکل گئے وہاں موجود تمام لوگ ان کے رویے پر حیران رہ گئے، مجھے یہ شرمندگی ہوئی اور میں نے شرمندگی کے اس عالم میں چودھری شاہ علی کو مخاطب کر کے کہا، ”چودھری صاحب میری بات لکھ لیں یہ شخص ہمیں چھ میئنے میں جیل تک لے جائے گا،“ بس میرے منہ سے چند ری گل نکلنے کی دریتی اور حالات خراب ہونا شروع ہو گئے، 12 اکتوبر 1999ء کے بعد جب مجھے مری سے لاذھی جیل لے جایا گیا اور وہاں میری ملاقات چودھری شاہ علی خان سے ہوئی تو میں نے انہیں وہ وقت پار کر لیا اور ان سے کہا، ”چودھری صاحب میری والدہ نے مجھے منع کیا تھا، پیٹا کبھی منہ سے چند ری گل ناں لانا گر میرے منہ سے برمی بات نکل گئی اور ہم آج جیل میں بیٹھے ہیں، کاش میں اس وقت اپنا غصہ پی کیا ہوتا،“ میاں شہباز شریف رکے انہوں نے لمبا سانس لیا اور آصف علی زردباری سے مخاطب ہو کر

چینی کے برتن

انسان نے پہلا برتن کب ہنا یا یہ برتن پتھر کا تھا، مگر یا پھر مٹی کا، تاریخ خاموش ہے۔ انسان کے برتن سازی کے آغاز ہی میں برتن سازی کا عمل شروع ہو گیا تھا، انسان نے 1999ء میں ہمارا ہوا تھا، میاں شہباز شریف کے اور دوبارہ بولے "میں دعویٰ سے کہتا ہوں یہ شخص اپ سے بے شمار اسکی غلطیاں کرائے گا جن کے نتیجے میں آپ کے وفادار ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں گے، آپ کی پارٹی آپ سے ناراض ہو جائے گی، حکمران اتحاد نوٹ جائے گا، آپ کی حکومت ختم ہو جائے گی اور ہم سب ایک بار پھر 1999ء کی پوزیشن پر آ جائیں گے، اللہ نہ کرے وہ وقت آئے لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے میری یہ چند ری گل بھی کوئی گل ضرور کھلانے گی، میاں شہباز شریف نے بات مکمل کی اور صوفی کے ساتھ پیک لگادی، آصف علی زرداری نے دور صوفی پر بیٹھے اس شخص کی طرف دیکھا، مسکرائے اور دوسری پائیں شروع کر دیں۔

مجھے یہ واقعہ میاں برادران کے قریبی دوست نے سنایا تھا، میں وچھلے مہینے میاں شہباز شریف کے ساتھ مری جا رہا تھا تو میں نے راستے میں انہیں یہ واقعہ سنایا اور ان سے اس کی تصدیق چاہی، میاں صاحب نے نہ صرف اس واقعے کی تصدیق کروی بلکہ انہوں سے کہا "میں جس بھرمان کوایک دو برس دور دیکھ رہا تھا افسوس آصف علی زرداری کے سیف الرحمن نے ہمیں اس پر چار ماہ میں پہنچا دیا، مجھے اپنی چند ری گل پر افسوس ہے لیکن کیا کیا جائے دنیا کی تمام حکومتوں اور تمام حکمرانوں کی ناکامیوں کے پیچھے ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں، میاں صاحب نے اتنا کہا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگے، گاڑی سے باہر مری کی اوپنجائی شروع ہو گئی تھی۔

(نوٹ: چند ری گل کے وہ کردار رحمان ملک تھے)

◎ ◎ ◎

اوہ صورت پھول ہنا دیا جائے وہ برتن دیر پا ثابت نہیں ہوتا۔
اگر دیکھا جائے تو سیاست اور سیاسی عمل بھی برتن سازی کی طرح ہوتا ہے، سیاستدان کا تجربہ

بولے "زرداری صاحب میں آج ایک بار پھر چند ری گل نکالنے لگا ہوں، مجھے اللہ معاف کرے گا اور اللہ کرے میری بات غلط ثابت ہو لیکن میں کوشش کے باوجود اپنے آپ کو روک نہیں پا رہا،" آصف علی زرداری آگے جھک گئے میاں شہباز شریف نے دور کونے میں بیٹھے ایک صاحب کی طرف اشارہ کیا اور بولے "مجھے یہ شخص آپ کا سیف الرحمن لگتا ہے، یقین سمجھے اس شخص اور سیف الرحمن میں کوئی فرق نہیں اور میں آج دعویٰ سے کہتا ہوں اگر یہ شخص اسی طرح آپ کا مشیر رہا تو آپ کا بھی وہی انعام ہو گا جو 1999ء میں ہمارا ہوا تھا،" میاں شہباز شریف رکے اور دوبارہ بولے "میں دعویٰ سے کہتا ہوں یہ شخص آپ سے بے شمار اسکی غلطیاں کرائے گا جن کے نتیجے میں آپ کے وفادار ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ جائیں گے، آپ کی پارٹی آپ سے ناراض ہو جائے گی، حکمران اتحاد نوٹ جائے گا، آپ کی حکومت ختم ہو جائے گی اور ہم سب ایک بار پھر 1999ء کی پوزیشن پر آ جائیں گے، اللہ نہ کرے وہ وقت آئے لیکن مجھے محسوس ہوتا ہے میری یہ چند ری گل بھی کوئی گل ضرور کھلانے گی،" میاں شہباز شریف نے بات مکمل کی اور صوفی کے ساتھ پیک لگادی، آصف علی زرداری نے دور صوفی پر بیٹھے اس شخص کی طرف دیکھا، مسکرائے اور دوسری پائیں شروع کر دیں۔

پورسلین کی وہ حرارت ہوتی ہے جو بعد ازاں ملک کو ایک خوبصورت اور مضبوط نظام دیتا ہے، ہم اس سلسلے میں بھارت کی مثال دے سکتے ہیں، 22 جولائی 2007ء کو بھارت میں 15 ویں صدر کا انتخاب، اس دن بھارتی عوام نے مہاراشٹر کی 72 سالہ خاتون پر تیحہ پاٹل کو صدر منتخب کیا، پر تیحہ پاٹل 72 سال پہلے مہاراشٹر کے شہر جل گاؤں میں پیدا ہوئیں وہ 1962ء میں 27 سال کی عمر میں سیاست میں آئیں، 1967ء میں مہاراشٹر کی ڈپٹی نصیر بیٹیں، 1972ء میں وزیر بیٹیں، 1978ء میں اپوزیشن میں چلی گئیں، 1982ء میں ایک بار پھر وزیر بیٹیں، دو سال کیلئے راجیہ سجا کی ڈپٹی چیئرمین بھی منتخب ہوئیں، 1991ء میں لوک ساجا کی کمیٹی کی چیئرمین بیٹیں، 2004ء میں راجستان کی گورنر بیٹیں اور آن 2007ء میں وہ پورے بھارت کی صدر ہیں پر تیحہ پاٹل کی ذاتی زندگی بھی بڑی متنوع اور خوبصورت تھی وہ سو ڈنٹ لائف میں کافی تھی وہ نیبل نینس کی کھلاڑی تھی اور انہیں رنگیں اور بلے گلے والی زندگی اچھی لگتی تھی، پر تیحہ نے اپنی 45 سالہ سیاسی زندگی میں سیاست کے سارے رنگ اور ساری اونچائی دیکھی چنانچہ ذرا تصور کیجئے جب وہ کوئی سیاسی فیصلہ کریں گی تو وہ فیصلہ کتنا پیچور ہو گا، اسی طرح آپ بھارتی وزیر اعظم من موہن سنگھ کو بھی لے لیجئے، من موہن سنگھ کی عمر اس وقت 75 برس ہے اور وہ 1971ء سے سیاست میں ہیں، اس دوران انہوں نے اقتدار سے اپوزیشن تک سارے سیاسی رنگ دیکھے چنانچہ آپ ان کے فیصلوں کی گہرائی ملاحظہ کر سکتے ہیں، دنیا کے تمام شعبوں اور حکوموں میں تجربہ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے لیکن سیاست وہ شعبہ ہے جس میں تجربے کے بغیر نتائج حاصل نہیں کرتی، شاید یہی وجہ ہے دنیا کے تمام سمجھدار ممالک اپنی سیاست کو ناجائز کاروڑنا ملکوں سے بچا کر رکھتے ہیں، اگر تجربے کو بنیاد بنا کر دیکھا جائے تو اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ بزرگ سیاستدان بھارت میں ہیں چنانچہ یہ ان بزرگ سیاستدانوں کی عقل مندی اور وادنی میں سب سے پہلے نظر بھنو سے میں بھارت نے کوئی کمزور اور بچکانہ سیاسی فیصلہ نہیں کیا، سیاستدانوں کی طرح سیاسی عمل اور سیاسی اداروں کی "بزرگی" بھی انتہائی ضروری ہوتی ہے، اگر کسی ملک میں سیاسی ادارے قائم ہوں اور ان اداروں کو پورسلین کی طرح پوری حرارت ملتی رہے تو ان اداروں کی بھیوں سے ایسی برتن لکلتے ہیں جو کبھی کبھی مٹی کے لونٹ ٹابت نہیں ہوتے۔

ہم اگر آج پاکستان کی سیاسی صورتحال کا جائزہ لیں تو ہمیں اپنا ملک شدید افراتغیری اور لا قانونیت کا ٹھکار دکھائی دیتا ہے، ہماری حکومت ایوان صدر اور وزیر اعظم ہاؤس میں مستحق چلی جا رہی ہے، ایسا کیوں ہے! مختلف تجربیہ نگار اس کی مختلف وجوہات پیمان کرتے ہیں لیکن تمام لوگ افغانستان، جنوبی ہندوؤں میں نواز شریف فیملی کی واپسی کا امکان بھی موجود ہے فرض کیجئے ان حالات میں ملک میں واپس آ جاتے ہیں تو تصور کیجئے حکومت کیلئے کتنے مسائل پیدا ہو جائیں گے اور ان حالات میں اگر تجربہ کارسیاستدان سامنے نہ آئے تو شاید ملک تاریخ کے نازک ترین دور میں داخل ہو جائے اور موجودہ قیادت کیلئے ملک کو سنبھالنا مشکل ہو جائے، مجھے اس وقت چین کے قدیم کمہاروں کا ایک محاورہ

ڈیڈائینڈ

”قومی حکومت کب بن رہی ہے“ اس نے سرگوہی کی میں نے جیت سے اس کی طرف
کہا وہ سفارتکاروں کی روایتی خوش دلی سے میری طرف دیکھ رہا تھا، اس کے ایک ہاتھ میں پکوڑوں کی
لائت قیمتی اور دوسرا ہاتھ میں کھانے کا کاشنا تھا، ہمارے گرد سفارت کاروں کی مختلف ٹولیاں بکھری تھیں۔

لامبے یوں سے سرگوہیوں اور قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ میرے لئے یہ سوال غیر متوقع تھا۔
یہ نوبمر کا مہینہ تھا، اسلام آباد کے سفارتی محلے میں سفارتی تقریب تھی اور میرا دوست اے
مہرے پاس چھوڑ گیا، وہ مشرق بعید کے ایک خوشحال ملک کا پریس اتاشی تھا۔ اس نے تو کیوں یونیورسٹی سے
اس کی میلیشیہ کی ذگری لی تھی اور یہ اس کے سفارتی کیرر کی چوتھی پوسٹنگ تھی، وہ مختلف موضوعات پر
محفل کرتے ہوئے اچاک میرے کان پر جھکا اور سکرا کر بولا۔ ”قومی حکومت کب بن رہی ہے“ میرے
لئے یہ سوال غیر متوقع تھا، چنانچہ میں نے فوراً جواب دیا ”شاکر بھی نہیں“ اب میرا جواب اس کیلئے
لیکر متوقع تھا، اس نے چند لمحے میری طرف غور سے دیکھا اور سفارتی احتیاط سے بولا ”ہاں شاکر بھی
نہیں“ اس کے بعد اس نے موضوع بدل دیا۔ تقریب ختم ہو گئی لیکن اس کا سوال بار بار میرے دماغ پر
دلتک دیوار ہاگر میں نے ہر بار یہ سوچ کر اسے جھک دیا۔ یہ سفارت کاروں کی تکنیک ہے، یہ لوگ غیر
روایتی سوال پوچھتے رہتے ہیں۔ یہ سوال دمبر کے دوسرے ہفتے تک غیر اہم رہا لیکن پھر سیاسی اور
سفارتی حلقوں میں ہلکی چھٹکی اطلاعات آنے لگیں، کسی نے خبر اڑائی ہڑے صاحب اور چھوٹے صاحب
کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں۔ چھوٹے صاحب افتخار محمد چودھری کی بھائی اور ستر ہوئیں ترمیم بالخصوص
58 (2B) ختم کرنا چاہتے ہیں، وہ سرکاری کاموں میں ہڑے صاحب اور ان کے دوستوں کی مداخلت کو
بھی پسند نہیں کر رہے، وہ اپنے پہلی سیکریٹری سراج علی الدین کے رویے سے بھی غیر مطمئن تھے، ان کا
ذیال تھا بے شمار احکامات ان کی اجازت کے بغیر جاری کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ خبر بھی آئی وزیر اعظم کی
میز پر چھپ ہزار لوگوں کو نوکریاں دینے کی فائل رکھی گئی تو انہوں نے فائل دیوار پر دے ماری۔ یہ اطلاع
بھی لیک ہوئی، ہلپلز پارٹی کے بعض اعلیٰ عہدیداروں کو چھوٹے صاحب کالائف شاکل پسند نہیں، ان

یاد آ رہا ہے، چینی کہار کہا کرتے تھے اگر برلن کو شروع میں پوری آگ نہ ملے تو پوری دنیا کی آگ مل کر
بھی اس کی کمی پوری نہیں کر سکتی، ہم نے پاکستان میں سیاسی عمل کو پروان نہیں چڑھنے دیا تھا، چنانچہ آج ہم
اس غلطی کا تاثران ادا کر رہے ہیں، ہم آج اس کا خیازہ بھگت رہے ہیں اور آنے والے چند دنوں میں
مزید بحکمتوں کے سیاست چینی کے برخنوں کی طرح ہوتی ہے جنہیں پکانے میں صدیاں لگ جاتی ہیں اور
جو قویں صدیوں کا یہ عمل پورا نہیں کر سکتیں ان کی بھیوں سے ہمیشہ لوٹنے لکتے ہیں، ہم نے اگر اس ملک کو
بچانا ہے تو ہمیں بھارت سیاست دنیا کے ان تمام ملکوں کے ماذلر پر عمل کرنا ہو گا جنہوں نے سیاست کی
پروردش چینی کے برخنوں کی طرح کی۔

⊗ ⊗ ⊗

اپنے مدد میں دعوت دے دی گئی۔
 یہ ساری اطلاعات یہ ساری خبریں اور یہ ساری افواہیں نظام کی جڑوں کو ہلانے کیلئے کافی
 ہیں چنانچہ اسلام آباد پھر ایک بنتے سے قومی حکومت کے بخار میں بنتا ہے اور سماجی تقریبات میں کھلے
 ہمیشہ کے نام سے ایک لیٹر ہیڈ بھی انٹرنیٹ پر جاری کردیا گیا، ملتان اور لاہور کے کمپ آفس کے بارے
 میں بھی کہانیاں بنائیں اور پھیلائی گئیں وزیر اعظم ان کہانیوں کے پیچھے چھپے ہاتھوں تک جلد ہی پہنچ گئے اور
 یوں ایوان صدر اور وزیر اعظم ہاؤس کے درمیان دوریاں مزید بڑھ گئیں۔ پھر اطلاع آئی متوعد وزراء
 اعظم کی ایک فہرست بن چکی ہے، شروع میں وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی اس فہرست میں پہلے نمبر پر تھے
 جبکہ وزیر دفاع احمد مختار اور چیئرمین اسٹبلی ڈاکٹر فہیمہ مرزا دوسرے اور تیسرا نمبر پر تھیں لیکن پھر شاہ
 محمود قریشی کا نام اس فہرست سے خارج ہو گیا اور پیچھے احمد مختار اور ڈاکٹر فہیمہ مرزا رہ گئیں۔ شاہ محمود
 قریشی کے بارے میں اطلاع آئی بڑے صاحب ان کے رویے سے مطمئن نہیں ہیں، وہ تمام سفارتی
 کامیابیوں کو اپنی کامیابی قرار دے دیتے ہیں اور ان کے ذکر کے دوران پارٹی تک کا نام نہیں لیتے۔ پھر
 اطلاع آئی پاکستان مسلم لیگ نے دونوں صاحبوں کے درمیان موجود سردہری کا فائدہ اٹھانے کا
 فیصلہ کر لیا چنانچہ اس نے وزیر اعظم کو اپنی بھرپور مدد کا یقین دلا دیا۔ وزیر اعظم کو یہ یقین دلا یا جارہا ہے اگر
 وہ 58(B) کے خاتمے کا اعلان کر دیں تو اپوزیشن جماعتیں نہ صرف ان کا محل کر ساتھ دیں گی بلکہ وہ
 ان کی حکومت بھی نہیں گرنے دیں گے۔ پھر اطلاع آئی میاں نواز شریف اور چودھری شجاعت حسین کے
 درمیان رابطہ شروع ہو گئے ہیں اور دونوں رہنماء نقشبندی مسلم لیگوں کے اتحاد کا اعلان کر دیں گے۔ پھر
 اطلاع آئی مسلم لیگ ن، مسلم لیگ ق اور اے پی ڈی ایم کی جماعتیں کوئی خفیہ ہاتھ نے اکٹھنے ہونے کا
 اشارہ کر دیا ہے۔ پھر افواہ پھیلی حکومت کے ایک وزیر کی ایک اعلیٰ عسکری شخصیت کے ساتھ جھپڑ ہو گئی
 جس کے بعد دونوں اداروں کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ پھر اطلاع آئی مبینی کے واقعات کے
 بعد حکومت کے طرز عمل سے اداروں کے درمیان کمکاش اور کھینچاتا نی میں اضافہ ہو گیا۔ پھر اطلاع آئی
 میاں نواز شریف نے غیر مقبول بیان دے کر امریکیوں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ پھر
 افواہ پھیلی چودھری شجاعت اور میاں نواز شریف کے درمیان رابطے ہیں جبکہ حکومت اور چودھری پرویز
 الہی نے ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو شروع کر دی ہے۔ پھر میاں نواز شریف نے اکشاف کر دیا کسی
 اعلیٰ شخصیت نے انہیں فرح حمید کے ایشو پر خاموش رہنے کے عوض ناہیت کے کیس سے بری کرنے کی
 پیش کش کی تھی۔ پھر میاں صاحب نے میاں اجمل قصاب کے بارے میں بیان دے کر بھارت اور
 امریکہ کے دل میں اپنے لئے ہمدردی پیدا کر لی اور پھر پاکستان ہبپڑ پارٹی کے پنجاب اسٹبلی کے ارکان کو

کہیں پاکستان بھی کینیا نہ بن جائے

عبدالسلام کا گاؤں ترکانا جمیل کے ساتھ تھا، ترکانا کینیا کی خوبصورت جمیل ہے اور پوری دنیا سے لوگ یہ جمیل و میخنے ترکانا آتے ہیں۔ عبدالسلام پانچ نسلوں سے مسلمان تھا، وہ سیاہ فام تھا اور اس کے میں سیاست کا طیہ بدلتے ہیں۔ 1990ء میں عبدالسلام کے والد نے کینیا کے آباد اجداد و صدیوں پہلے رواثت سے کینیا آئے تھے۔ ہرگار سن سے دوسری نقل مکافی کی اور وہ اپنے چھ بچوں کو ساتھ لے کر ترکانا آئے ہیں جس کی پہنچ کا کام کرتے تھے۔ عبدالسلام کے والد عبدالرحمن منڈی سے حکوم میں کافی خریدتے تھے اور عبدالسلام اور ان کے بہن بھائی کافی کے "بیزنس" کو پیس کردا نہ بنا تے تھے اور اس کے بعد انہیوں کو بولکوں میں بھر کر ان پر لیبل لگادیتے تھے اور یہ بولکوں بعد ازاں کافی ایکسپورٹ کرنے والی کمپنی کے حوالے کر دی جاتی تھیں۔ یہ خاندان کافی کے اس کاروبار سے باعزم گزارے کے مطابق رقم حاصل کر لیتا تھا لیکن پھر دسمبر 2007ء آیا اور اس خاندان کا شیرازہ بکھر گیا۔ 27 دسمبر 2007ء کو کینیا میں ایکشن ہوئے ایکشنوں میں دھاندی ہوئی اور اس دھاندی کے بعد کینیا میں فسادات پھوٹ پڑے اور عبدالسلام کا خاندان بھی ان فسادات کا شکار ہو گیا۔ عبدالسلام کا ایک بھائی سرکاری ملازم تھا، وہ انتخابات کی ڈیوٹی پر تھا اس کے پونگ ایکشن پر دھاندی ہوئی تھی اور اس دھاندی کے رد عمل میں متاثرہ امیدوار کے حامیوں نے عبدالسلام کے گھر پر دھاوا بول دیا تھا، ان لوگوں نے عبدالسلام کے والد اور سرکاری ملازم بھائی کو گولی مار دی اور ان کے گھر کو آگ لگادی۔ عبدالسلام اپنے دوسرے بہن بھائیوں کے ساتھ گھر سے بھاگ گیا، یہ لوگ ترکانا سے مہماسا آئے اور اب ہزاروں دوسرے بے گھر لوگوں کے ساتھ مہماسا کے سینڈیم میں پناہ گزیں ہیں۔ کینیا میں اس وقت تین لاکھ لوگ بے گھر ہیں، پندرہ سو لوگ مر چکے ہیں جبکہ پورے ملک کا نظام مفلوج ہو چکا ہے۔ یہ ساری خرابی ایکشن میں دھاندی کے باعث ہوئی تھی؛ اس دھاندی کی داستان بھی بہت دلچسپ تھی، کینیا معاشری لحاظ سے افریقہ کا مضبوط ترین ملک تھا، یہ ملک بڑی تیزی سے تیری دنیا سے پہلی دنیا کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن پھر 27 دسمبر 2007ء کو کینیا میں ایکشن ہوئے اس ایکشن میں کینیا کے صدر موائی کی باتی اور اپوزیشن لیڈر رائلہ اوڈھانے حصہ لیا، ایکشن کے دوران دھاندی کی ہکایات سامنے آئیں لیکن اس وقت کیونکہ "موائی کی باتی" صدارت کے عہدے پر فائز تھے چنانچہ

جس کے دوران لوچنے کی دعا کرتے ہیں اور جب لوے جسم جلنے لگتا ہے تو ہمیں جس اچھا لگنے لگتا ہے۔ کل کیا ہوتا ہے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے لیکن اتنا معلوم ہے اس کھیل کا انجام اچھا نہیں ہو گا کیونکہ ہمارے سیاستدان ملکی سیاست کو ایک ایسے راستے پر لے جا رہے ہیں جس کے آخر میں "ڈی اینڈ" کا بورا لگا ہے اور اگر سیاستدانوں نے یہ سفر ترک نہ کیا تو وہ وقت آتے دری نہ لگے گی جب حکومت دوستی میں شفت ہو جائے اور اپوزیشن لندن میں بیٹھ کر احکامات جاری کرنے لگے گی اور ملک میں فرشتوں کی حکومت ہو گی۔

کل کیا ہوتا ہے؟ یہ تو معلوم نہیں لیکن میرے ایک دوست کا دعویٰ ہے 2009ء تی میں سیاست کا طیہ بدلتے ہیں۔ یہ واپس پچھلے ٹریک پر جعلی جائے گی یا پھر یہ ایک دوسرے کیلئے کسی ایسے ٹریک پر کھڑی ہو جائے گی جس کے آخر میں "ڈی اینڈ" کا بورا لگا ہو گا۔



ہر اگن اس نشست پر مسلم لیگ ق کے سرکاری طور پر نامزد کروہ امیدوار ہیں اور انہیں پارٹی کا انتخابی اثنان سائیکل الائٹ ہو چکا ہے مگر چودھری برادران نے اپنے رشتہ دار کو آزاد امیدوار کے طور پر اپنی ہی ہمایت کے مقابل لاکھڑا کر دیا ہے اور اس امیدوار کو انتظامیہ کی مکمل حمایت حاصل ہے۔ شیر اگلن کا کہنا ہے کہ ازم کم میرے حلقوہ میں انتخاب منصافانہ آزادانہ اور شفاف نہیں ہوں گے کیونکہ انتظامی مشینری آزادانہ طور پر میرے خلاف استعمال کی جا رہی ہے اور کوئی اس قانون بھکنی کو روکنے کیلئے تیار نہیں۔ شیر اگلن کا کہنا ہے وہ مسلم لیگ ق کے لیڈر چودھری پرویز الہی سے بھی ملے تھے اور انہوں نے تمام صورتحال ان پر واضح کی تحریب سود رہا۔ ان کا کہنا ہے حمیر حیات کے والد گل حمید روکھڑی تاحال مسلم لیگ ق ضلع میانوالی کے صدر ہیں۔ شیر اگلن نے ڈپٹی اسپکٹر جزل پولیس سرگودھار بن، ڈسٹرکٹ پولیس افسرو ڈسٹرکٹ کو آرڈیننس فیشن افسرو پر منتہن علاقہ پولیس اور ایس اسچ اکوا انتخاب میں اپنے خلاف دھاندلی کے بڑے مجرم قرار دیتے ہوئے ان پر بر جمی کا اظہار کیا۔ یہ مسلم لیگ ق کی اندر وطنی صورتحال ہے، ان کے اپنے امیدواروں کے دلوں میں ایکشنوں کی شفافیت کے بارے میں ٹھکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔

یہ بات صرف ڈاکٹر شیر اگلن نیازی تک محدود نہیں بلکہ 18 فروری کے ایکشنوں میں دھاندلی کا سب سے بڑا خدشہ ناظمین کی طرف سے ہے، پاکستان کے 111 اضلاع میں سے 50 سے زائد سیاسی جماعتیں ایکشن لڑ رہی ہیں، ان پارٹیوں میں پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ ق، پاکستان مسلم لیگ ن، متحده مجلس عمل، اے این پی اور ایم کیو ایم شامل ہیں، ان میں سے چار جماعتیں بار بار اس خدمتے کا اظہار کر رہی ہیں کہ 18 فروری کے انتخابات میں دھاندلی ہو گی حکومت کی حیلہ جماعت ایم کیو ایم بھی دبے الفاظ میں اس کا اعتراف کر رہی ہے لیکن صرف پاکستان مسلم لیگ ق واحد جماعت ہے جو پھر ہتھیں میں اس وقت ایکشن میں دھاندلی کے امکانات مسترد کرتی چلی آ رہی ہے مگر جب ہم ذرا سی گھرائی میں جا کر دیکھتے ہیں تو بڑے دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں مثلاً آپ ڈاکٹر شیر اگلن نیازی کو مجھے ڈاکٹر شیر اگلن مسلم لیگ ق کے نکٹ پر میانوالی سے ایکشن لڑ رہے ہیں لیکن وہ بھی "دھاندلی دھاندلی" کے نعرے لگا رہے ہیں، شیر اگلن نیازی کا کہنا ہے ان کی پارٹی ان کے خلاف دھاندلی کر رہی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے انہوں نے نگران وزیر اعظم پنجاب کے عبوری وزیر اعلیٰ، چیف ایکشن کمشنر، اسپکٹر جزل پولیس اور ڈسٹرکٹ ریٹرننگ افسرو تحریری درخواست دی ہے، ان کے ضلع میانوالی میں تمام افسروں کی ایکشن نہیں کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ ان کا دعویٰ ہے ان کے مرکزی حریف حمیر حیات روکھڑی مسلم لیگ ق کے صدر چودھری شجاعت حسین کے بھائی اور ناظم گجرات چودھری شفاعت حسین کے برادر تھیں۔

ایکشن کمیشن نے دباؤ میں آ کر انہیں دوسرا مرتبہ صدر ڈکیسر کر دیا، اپوزیشن لیڈر اودنگا نے ان تائج اور اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جس کے بعد کینیا میں فسادات پھوٹ پڑے، "صدر" کی باقی" نے ٹیلی ویژن چننڈر یہ یو اور اخبارات پر پابندی لگادی اور پولیس کو مظاہرین پر گولی چلانے کا حکم دے دیا، پولیس نے ان احکامات پر عملدرآمد کیا، کینیا کے مختلف شہروں میں گولی چلی اور اس کے نتیجے میں 600 لوگ ہلاک اور اڑھائی لاکھ لوگ بے گھر ہو گئے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے کینیا کے بازار منڈیاں، فیکٹریاں اور شہربندی ہیں، ٹرانسپورٹ معطل ہے، سکول، کالج اور یونیورسٹیوں پر تالے پڑے ہیں اور کینیا کی کرنی بڑی تیزی سے بے تو قیر ہو رہی ہے جبکہ کینیا کی معيشت کا گراف بھی بڑی تیزی سے پچھے آ رہا ہے۔ ماہرین کا خیال ہے اگر کینیا کی معيشت کو سہارانہ ملتویہ ملک دیوالیہ ہو جائے گا۔

ہم اگر پاکستان کی موجودہ صورتحال کا جائزہ لیں تو ہمیں پاکستان اور کینیا میں زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا۔ آج پاکستان بھی کینیا کی طرح سیاست کے ایک بہت بڑے بھرائی پر کھڑا ہے، 2008ء کے انتخابات کو صرف تین دن باقی ہیں اور بے شمار عالمی مبصرین کا خیال ہے ہماری بقاء ہماری سالمیت، ہمارے امن و امان اور ہماری خوشحالی کا انحصار ان ایکشنز پر ہے لیکن حکومت اس خطے سے واقف ہونے کے باوجود اس کے مدارک پر بخیدہ نظر نہیں آ رہی۔ اس وقت پاکستان کی چھ بڑی سیاسی جماعتیں ایکشن لڑ رہی ہیں، ان پارٹیوں میں پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان مسلم لیگ ق، پاکستان مسلم لیگ ن، متحده مجلس عمل، اے این پی اور ایم کیو ایم شامل ہیں، ان میں سے چار جماعتیں بار بار اس خدمتے کا اظہار کر رہی ہیں کہ 18 فروری کے انتخابات میں دھاندلی ہو گی حکومت کی حیلہ جماعت ایم کیو ایم بھی دبے الفاظ میں اس کا اعتراف کر رہی ہے لیکن صرف پاکستان مسلم لیگ ق واحد جماعت ہے جو پھر ہتھیں میں جا کر دیکھتے ہیں تو بڑے دلچسپ حقائق سامنے آتے ہیں مثلاً آپ ڈاکٹر شیر اگلن نیازی کو مجھے ڈاکٹر شیر اگلن مسلم لیگ ق کے نکٹ پر میانوالی سے ایکشن لڑ رہے ہیں لیکن وہ بھی "دھاندلی دھاندلی" کے نعرے لگا رہے ہیں، شیر اگلن نیازی کا کہنا ہے ان کی پارٹی ان کے خلاف دھاندلی کر رہی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے انہوں نے نگران وزیر اعظم پنجاب کے عبوری وزیر اعلیٰ، چیف ایکشن کمشنر، اسپکٹر جزل پولیس اور ڈسٹرکٹ ریٹرننگ افسرو تحریری درخواست دی ہے، ان کے ضلع میانوالی میں تمام افسروں کی ایکشن نہیں کیلئے پر تگی ہوئی ہے مگر کسی نے ان کے خلاف بڑے پیمانے پر ہونے والے اس ہیر پھیر کو روکنے کیلئے کوئی اقدام نہیں کیا۔ ان کا دعویٰ ہے ان کے مرکزی حریف حمیر حیات روکھڑی مسلم لیگ ق کے صدر چودھری شجاعت حسین کے بھائی اور ناظم گجرات چودھری شفاعت حسین کے برادر تھیں۔

خاموشی

چارلس ڈیگال سیاست میں استاد کی حیثیت رکھتا تھا اور دنیا کے بے شمار حکمرانوں، سیاستدانوں اور سیاست کے طالب علموں نے ڈیگال کے خیالات سے استفادہ کیا تھا، وہ استفادہ کر رہے ہیں اور استفادہ کرتے رہیں گے، گزشتہ برس فرانس نے سو سال کی دس بہترین شخصیات کی فہرست بنائی تھی، یہ فہرست مرتب کرنے کیلئے عوامی رائے جمع کی گئی تھی اور عوام کی رائے سے جو فہرست مرتب ہوئی تھی چارلس ڈیگال کا نام اس لسٹ میں دوسرے نمبر پر تھا، پہلے نمبر پر فرانس کے مین الاقوامی شہر تیار فوج کی مصطف و کٹر ہیو گو کا نام تھا، چارلس ڈیگال فوجی تھا، اس نے دوسری جنگ عظیم کے دوران فرانسیسی فوج کی قیادت کی تھی جنگ لڑی تھی اور فرانس کو اس جنگ میں فتح یاب کرایا تھا، وہ اس کے بعد سیاست میں آیا تھا اور اس کو دنیا کی چھوٹی بڑی طاقت بنا دیا تھا، امریکی صدر رچرڈ نکسن چارلس ڈیگال سے بہت متاثر تھا، نکسن نے اپنی محرکۃ الاراء کتاب "لیڈرز" میں چارلس ڈیگال کا بڑی محبت سے ذکر کیا، رچرڈ نکسن جب صدارتی ایکشن لڑ رہا تھا تو اس نے اس وقت چارلس ڈیگال سے رابطہ کیا اور اس سے عرض کیا "کیا آپ مجھے سیاست میں کامیابی کا کوئی ایک فارمولہ بتاسکتے ہیں؟" چارلس ڈیگال مسکرا یا اور نرم آواز میں بولا "سیاست میں کامیابی کے دس فارمولے ہیں" رچرڈ نکسن نے فوراً عرض کیا "نہیں جتنا مجھے صرف ایک نہیں درکار ہے" چارلس ڈیگال نے چند لمحے سوچا اور پھر زور دے کر بولا "خاموشی، رچرڈ نکسن نے عرض کیا "جتنا مجھے سمجھنے نہیں آیا،" ڈیگال بولا "خاموشی سیاستدانوں کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے" وہ رکا اور دوبارہ بولا "دنیا میں ہر بات، ہر چیز کے دور عمل ہوتے ہیں، ہاں یا نہاں، آپ اس بات کو تعلیم کرتے ہیں یا مسترد کرتے ہیں لیکن ایک تیسرا عمل بھی ہوتا ہے اور وہ رو عمل خاموشی ہے، آپ بات سنیں اور اس بات پر کوئی رو عمل ظاہرنہ کریں،" چارلس ڈیگال نے کہا "اور ایک کامیاب، سمجھدار اور بڑے سیاستدان کو خاموشی کے آرٹ میں تاک ہونا چاہیے اسے چاہیے وہ اپنے چہرے کو پتھر بنالے اور آندھی آئے یا طوفان وہ اپنا منہ نہ کھولے،" چارلس ڈیگال کا کہنا تھا "الفاظ سیاستدانوں کی موت ہوتے ہیں اور جو لوگ سیاست میں آکر زیادہ بولتے ہیں وہ زبان سے اپنی سیاسی قبر کھودتے ہیں۔"

مجھے نہیں معلوم رچرڈ نکسن نے چارلس ڈیگال کی اس نصیحت پر کس حد تک عمل کیا لیکن مجھے
اکال سیاست میں خاموشی کا فقدان نظر آ رہا ہے، ہمارے سیاستدان گفتگو، تقریب، خطاب پر لیں کافر فرانس
اور پلے جلوسوں کو سیاست سمجھتے ہیں اور یہ کیمروں کے سامنے پہنچنے اور طویل اور لا یعنی گفتگو کا کوئی موقع
دیکھ نہیں کرتے، ان کی کوشش ہوتی ہے یہ جہاں بھی جائیں ان کے پہنچنے سے پہلے وہاں کیمروں پہنچنے
ہاں میں راستہ اور ڈاکس لگ جائیں اور صحافی کا پیاس پکڑ کر ان کے سامنے کھڑے ہوں اور اس کے بعد
ان سے دس پندرہ برس پر اپنے سوال پوچھے جائیں اور وہ ان کے پرانے جواب دینا شروع کر دیں، بسیار
گولی کے اس مقابلے کے دوران اکثر اوقات سیاستدانوں کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جو بعد
اوس سیاسی قبروں کے کتبے بنتے ہیں، یہ الفاظ نہ صرف ان لوگوں کی سیاست کو لے کر بینہ جاتے ہیں بلکہ
ان سے سیاسی بدنامی کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ان کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے،
اپ بھنو صاحب کے چند فقرے ملاحظہ کیجئے، بھنو صاحب نے لاہور میں کہا تھا "ہالد میں شراب پیتا
وہ عوام کا لہو نہیں پیتا"، "ذوالفقار علی بھنو کا وہ فقرہ جو بعد ازاں عباس اطہر صاحب کی مشہور و معروف
سری بنا "ادھر تم ادھر ہم" اور "میرے مرنے پر ہمایہ بھی روئے گا" اور "یہ کری بہت مضبوط ہے" یہ وہ
آخرے تھے جنہوں نے بھنو کی شہادت کے بعد بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا، اسی طرح جzel ضیاء الحق نے
سیاستدانوں کے بارے میں کہا تھا "یہ دم ہلاتے ہوئے میرے پیچھے آئیں گے" اور "آئیں کیا ہے کاغذ
کا ایک چیخڑا"، بھنو صاحب اور جzel صاحب کے یہ فقرے ہماری تاریخ کا حصہ بن گئے اور آج تک
لوگوں کی زبان پر ہیں اور اسی طرح 12 مئی 2007ء کو صدر پروردی مشرف نے اسلام آباد میں ریلی سے
خطاب کرتے ہوئے کراچی میں ہونے والی قتل و غارت گری کو "عوامی طاقت کا مظاہرہ" قرار دیا تھا،
جسے یقین ہے صدر پروردی مشرف کا یہ فقرہ بھی صدر کے جانے کے بعد ان کی جان نہیں چھوڑے گا۔
پاکستان پبلیز پارٹی کے شریک چیئر مین آصف علی زرداری بھی ایسے تاریخی فکر و نظر کی ملکیک
شاک لیبارٹری ہیں، ان کے بعض فکر و نظر کے جانے کے بعد ان کی جان نہیں چھوڑے گا۔
المثل کا مقام پا سکتے ہیں مثلاً انہوں نے ایک بار اعلان مری کو "سیاسی بیان" قرار دے دیا تھا، ان کے اس
اعلان سے پاکستانی سیاست اور ادب میں "سیاسی بیان" کے نام سے ایک نئی اصطلاح نے جنم لیا اور اب
جب بھی کوئی شخص اپنے معاهدے وعدے اور سمجھوتے سے مخفف ہوتا ہے تو وہ اپنے "یوڑن" کو سیاسی
بیان قرار دے دیتا ہے اور لوگ اس کی ساری "مجبوریاں" سمجھ جاتے ہیں، اسی طرح لوگ اب معاهدوں
سے پچھے ہٹنے والوں کو "سیاستدان" اور سیاستدانوں کے اعلانوں کو "سیاسی بیان" کہتے ہیں، آصف علی

میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب غلام ابن غلام ہزاروں اشراقیاں لے کر بازاروں میں نکلتے تھے لیکن اس کوئی ضرورت مند نہیں ملتا تھا، ہمیں ماننا پڑے گا انسان کی دس ہزار سالہ تاریخ کا یہ اعلان ہے معاشروں کی بھوک انصاف کے بغیر نہیں مٹائی جاسکتی اور جب تک ملک کو ایک آزاد عدالیہ نہیں ملتی اس ملت تک معاشروں میں خوشحالی نہیں آتی لیکن ہم ایسے بدقسمت لوگ ہیں جو بانس سے گنے کا کام لیتا ہا۔ تین اور گنے سے بانس کا چنانچہ ہم ادھر کے رہتے ہیں اور نہ ہی ادھر کے کاش ہمارے لیڈ رائے کی نہیں بلکہ ہم بھوکے ہیں کی آوازیں آرہی ہیں، مجھے خطرہ ہے یہ دونوں بیان آگے چل کر آصف علی کو ذرا مختلف انداز میں دوسرا بار دھرا یا انہوں نے فرمایا "عوام کے پیٹ سے افتخار چودھری کو بحال کرو کیا تھی؟" کیونکہ عوامی جذبات پار ٹیوں کیلئے خون کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمیں زردید یا معدورت بھی کرنا پڑ جائے کیونکہ عوامی جذبات پار ٹیوں کیلئے خون کی حیثیت رکھتے ہیں اور ہمیں ماننا پڑے گا افتخار چودھری اور وکلاء تحریک کے ساتھ لوگوں کے جذبات وابستہ ہیں، مجھے یقین ہے آج اگر افتخار چودھری گھر سے باہر آئیں اور عوام کو کال دیں تو لاکھوں لوگ ان کے ساتھ گھروں سے نکل آئیں گے لیکن اس کے باوجود ہم ایک لمحے کیلئے مان لیتے ہیں، محترمہ بنے نظر بھٹو نے افتخار چودھری کو چیف جسٹس بنانے کیلئے جان نہیں دی تھی اور لوگ بھی افتخار چودھری کی بجائے اپنے بھوکے پیٹوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے، محترمہ نے کس کیلئے جان دی تھی؟ یقیناً پاکستان ہبیزل پارٹی (جدید) کا جواب ہو گا "جمهوریت کیلئے" یہاں پر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، کیا آزاد عدالیہ کے بغیر کسی ملک میں جمهوریت ممکن ہے؟ یقیناً نہیں کیونکہ عدالیہ اور جمهوریت خون کے سرخ اور سفید جرثوموں کی طرح ہوتی ہیں اور جب تک جمهوریت کو عدالیہ کی سپورٹ اور عدالیہ کو جمهوریت پسند سیاستدانوں کی معاونت حاصل نہیں ہوتی، اس وقت تک ملک آگے نہیں بڑھا کرتے اور اگر محترمہ نے جمهوریت کیلئے جان دی تھی تو اس وقت تک محترمہ کی روح کو سکون نہیں ملے گا جب تک اس ملک میں عدالیہ آزاد نہیں ہوتی اور یہ بھی حقیقت ہے فی الواقع معطل جوں کی بحالی آزاد عدالیہ کی طرف پہلا قدم ہو گا اور ہم نے اگر یہ پہلا قدم نہ اٹھایا تو ہم جمهوری اور عادل معاشرے کی منزل تک نہیں پہنچ سکیں گے باقی رہ گئے بھوکے پیٹ تو یہ بھی حقیقت ہے انسان بھوکارہ سکتا ہے وہ پیاسارہ سکتا ہے اور وہ کپڑوں اور چھت کے بغیر بھی زندگی گزار سکتا ہے لیکن وہ انصاف کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، دنیا میں لوگ بھوک، پیاس اور کپڑوں کیلئے خود کشی نہیں کرتے لیکن اگر انہیں انصاف نہ ملے تو وہ پنکھوں کے ساتھ لک جاتے ہیں، اگر عدل معاشروں کیلئے زندگی نہ ہوتا تو اسلام کسی عدل پر اتنا زور نہ دیتا، اسلامی معاشرہ عدل کی ناقابل تردید مثال تھا، جب نبی رسالت نے مدینہ میں انصاف قائم کیا تھا تو اس وقت بھی لوگوں کے پاس روٹی، کپڑے اور مکان نہیں تھے لیکن جب عدل قائم ہوا تو اس معاشرے کی یہ تمام ضروریات پوری ہو گئیں اور

اگر وہ اچکزی یا اسفند یار ولی، ہماری اسمبلی شعبت نے ہمیشہ ان لوگوں کو "انٹی پاکستان" پا کر
کیا۔ اسکی نے ان لوگوں کا تاثر خراب کرنے کیلئے پہلے بھی خرچ کیا، اپنے جاسوس صحافیوں کو بھی
کیا اور جلوسوں کی مدد بھی لی چنانچہ اسمبلی شعبت کی ان کوششوں کے نتیجے میں یہ لوگ اُنک
بیان کی سڑک اور فورٹ منرو کی پہاڑیوں کے بعد انٹی وفاق اور انٹی پاکستان مشہور ہو گئے اور
بیان اور کم فہم دانشور صحافی اور لکھاری انہیں مغلتوں نظرتوں سے دیکھنے لگے لیکن ہم میں سے جب
کی لوگوں کے قریب بیٹھنے ان کی گفتگو سننے اور ان کے موقف پر غور کرنے کا موقع طات تو ہم خود کو ان
کے بیان سے نہ بچا سکے۔ محمودا چکزی، اسفند یار ولی اور عبدالمحی بلوچ کے خیالات ہماری سوچ سے
وکیتے ہیں لیکن ہمیں مانتا ہیں کہ یہ لوگ منافق اور جھوٹے نہیں یہ لوگ اپنے موقف میں کھڑے
ہیں اور شفاف ہیں اور جب بھی انہیں کوئی پلیٹ فارم ملتا ہے تو یہ ڈرے، جھجکے اور شرمائیے بغیر کھل کر
موقف کا اظہار کرتے ہیں۔ لندن کی اس اے پی سی میں بھی ان لوگوں نے یہی کیا اور اس وقت
کی زبان افضل الرحمن اور مخدوم امین فہیم اسمبلی شعبت کی زبان بول رہے تھے، اس وقت ان لوگوں نے
ہمال کی نیضیں اپنے ہاتھوں میں لے لیں۔ ان کے بعد عمران خان اس محفل کے دو لہذا تابت
کے عمران خان کا موقف اور استدلال بھی بڑا واضح اور صاف تھا۔ اے پی سی کے تیسرے دن اے
ایم بنی اور تمام سیاسی جماعتوں نے صدر پرویز مشرف کے خلاف مشترکہ جدوجہد کا اعلان کر دیا۔
جو لاٹی کے بعد اگست آیا اور اے پی ڈی ایم نے ملک میں سیاسی جدوجہد شروع کر دی، اس
دوجہد کے چار بڑے ہیر دتھے، محمودا چکزی، قاضی حسین احمد اسفند یار ولی اور عمران خان۔ یہ چاروں
اے بڑے اور ان سے جو ہو سکا ان لوگوں نے کیا۔ اسی دوران عدیہ کے مجرمان نے شدت اختیار کر لی
ہیں نواز شریف ستمبر میں پاکستان آئے اور حکومت نے انہیں واپس سعودی عرب دھکیل دیا۔ محترمہ بے
تلیگ ہٹھو پاکستان آئیں، حکومت نے ایکشن کا اعلان کیا اور اے پی ڈی ایم نے اس ایکشن کے بایکاٹ کا
امملا کیا، کاغذات جمع کرنے کی آخری تاریخ سے ایک دن پہلے میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف
پاکستان آئے اے پی ڈی ایم میں اختلافات پیدا ہوئے، اسفند یار ولی اور میاں نواز شریف نے ایکشن
کا فیصلہ کیا لیکن محمودا چکزی، قاضی حسین احمد اور عمران خان ڈالے رہے۔ خلیج بڑھی اور اسی کھینچاتا نی
کے دوران محترمہ بے نظیر بھٹو شہید ہو گئیں۔ ایکشن 40 دن آگے چلا گیا، 18 فروری 2008ء کا دن آیا
کا ایکشن ہوئے، 46 فیصد دوڑوں نے ووٹ ڈالے پاکستان پیپلز پارٹی، مسلم لیگ ن اور اے این پی
کا میاں اور اب یہ تینوں جماعتوں میں کر حکومت بناتی نظر آ رہی ہیں۔ یہاں پر ایک دلچسپ سوال

مُحَمَّدُ دا چکری اور عبد الحمی بلوچ کو
پنجاب سے ایکشن لڑائیں

7 جولائی 2007ء کو لندن میں "اے پی سی" تھی، یہ کانفرنس میاں محمد نواز شریف نے بلائی تھی اور اس میں مسلم یگ ق اور ایم کو ایم کے سوا پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے شرکت کی تھی، اس کانفرنس سے شریک جماعتوں کی قیادت نے خطاب کیا لیکن تین لیڈروں نے کمال کر دیا، ان لیڈروں میں محمود اچکزئی، اسفندیار ولی اور ڈاکٹر عبدالحی بلوچ شامل تھے، ان تینوں لیڈروں کی تقریبیں نہ صرف بھروس اور واضح تھیں بلکہ ان کے ایک ایک فقرے میں جرأت اور بہادری پائی جاتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے اسفندیار ولی نے میاں نواز شریف کو مناطق کر کے کہا تھا "آپ لندن سے پشاور آئیں، ہم دیکھتے ہیں آپ کو وہاں سے کون واپس بھجوتا ہے" اسی طرح محمود اچکزئی نے اے پی سی کی تمام پارٹیوں کو دعوت دی "آپ صدر پر وزیر مشرف کے خلاف پہلا جلسہ کوئی میں کریں" محمود اچکزئی نے دعویٰ کیا "میاں صاحب میں آپ کو یقین دلاتا ہوں میں کوئی شہر میں ایک لاکھ لوگوں کو جمع کروں گا" اس تقریب میں جب ڈاکٹر عبدالحی بلوچ کی باری آئی تو ڈاکٹر صاحب نے کمال کر دیا، انہوں نے اے پی سی کے فورم پر نہ صرف بلوچوں کا موقف پیش کیا بلکہ انہوں نے اعلان کیا "ہم اپنی محرومیوں کا مجرم ہنجاب یا سندھ کو نہیں سمجھتے، ہم اسلامی شعبت کو اپنا مجرم سمجھتے ہیں اور ہماری آپ سے درخواست ہے آپ کا تعلق ہنجاب سے ہو، سندھ سے سرحد یا پھر بلوچستان سے، آپ تمام لوگ آگے بڑھ کر ہمارا ساتھ دیں، ہم بلوچ آپ سے انصاف اور محبت کے طلب گاریں" مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ان لیڈروں کی تقریبیں ختم ہوئی تھیں تو محفل میں موجود تمام لوگ ان لیڈروں کی طرف بڑھے اور سب نے ان کے ساتھ ہاتھ ملا کر ان کی تعریف کی۔

میرے ساتھ ملک کے نامور دانشور، شاعر اور کالم نگار عطاء الحق قاسمی تھے، قاسمی صاحب کا فرمانا تھا ”آج کا میلہ قوم پرست لیڈروں نے لوٹ لیا“، قاسمی صاحب کی بات درست تھی، ڈاکٹر عبدالجمیع

وارت اعلیٰ قبول کرنی پڑے۔ مخدوم امین فہیم کے بعد ہبپنگ پارٹی تین آپشنز پر کام کرے گی پارٹی مخدوم پیدا ہوتا ہے؟ سوال یہ ہے اے این پی، مسلم لیگ ن اور پاکستان ہبپنگ پارٹی کو کامیاب کس نے کرایا؟ ہمیں 18 فروری کے فری اینڈ فیر ایکشن کا کریڈٹ تین طاقتوں کو دینا پڑے گا۔ اول معزول بج، دوم وکلاء کی تحریک اور سوم اے پی ڈی ایم۔ میں صدق دل سے سمجھتا ہوں اگر یہ تین طاقتوں صدر پر ویز مشرف کو نہ للاکارتیں تو آج ایکشن ہوتے اور نہ ہی جمہوری طاقتوں جیت کر اسلامبیوں میں پہنچتیں۔ جوں اور وکلاء کا مسئلہ تواب پارٹیٹ کی طرف جاتا نظر آتا ہے اور مجھے یقین ہے ہماری سیاسی جماعتیں معزول جوں کو بحال کرنے پر مجبور ہو جائیں گی کیونکہ اگر انہوں نے اس مسئلے پر ڈھی ماری تو عوام انہیں ڈھنڈا ماریں گے اور ان لوگوں کا حشر بھی مسلم لیگ ق جیسا ہو گا لیکن جہاں تک اے پی ڈی ایم اور اس کے لیڈروں محمودا چکزی، ڈاکٹر عبدالحی بلوچ اور عمران خان کا معاملہ ہے تو ان لوگوں کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے اے پی ڈی ایم کی قیادت ٹریپ ہوئی، تحریک ان لوگوں نے چلانی اور اس تحریک کا فائدہ مسلم لیگ ن اور ہبپنگ پارٹی نے اتحادیا اور یہ بلوچوں کے ساتھ مزید زیادتی ہے۔

بدقتی سے پاکستان ہبپنگ پارٹی کی 90 فیصد قیادت کا تعلق سندھ اور پنجاب سے ہے جبکہ مسلم لیگ ن سو نیصد پنجابی جماعت ہے اور ان ایکشنوں میں سندھی اور پنجابی سیاستدانوں کو فوائد پہنچے ہیں چنانچہ اگر ان دونوں سیاسی جماعتوں نے فوری طور پر اپنی حکمت عملی تبدیل نہ کی تو بلوچستان ہم سے مزید دور چلا جائے گا لہذا میری خواہش ہے سندھ اور پنجاب بلوچستان کے ساتھ اپنا اخلاص اور محبت ثابت کریں اور میاں نواز شریف مخفی انتخابات میں محمودا چکزی، ڈاکٹر عبدالحی بلوچ اور عمران خان کو پنجاب سے ایکشن لڑائیں اور انہیں اپنی نشتوں پر کامیاب کر کر اسلامبیوں میں لے کر آئیں۔ اسی طرح پاکستان ہبپنگ پارٹی جماعت اسلامی کے امیدواروں کو سندھ سے ایکشن لڑائے اور انہیں بھی حکومت میں شریک کرے۔ اس تھوڑی اسی قربانی سے نہ صرف پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں سیاست کے مرکزی دھارے میں داخل ہو جائیں گی بلکہ حکومت بھی "سریٹ اپوزیشن" کے خطرے سے نجیج جائے گی اور ایک ایسی قومی حکومت بھی تکمیل پا جائے گی جوں کروہ تمام مسائل حل کر سکے گی جو 60 برس سے ہماری سالمیت کو دیک کی طرح چاث رہے ہیں۔

پاکستان کی سیاست فروری کے آخری ہفتے میں پہنچ کر بری طرح الجھ چکی ہے پاکستان ہبپنگ پارٹی ابھی تک وزارت عظمی کیلئے اپنے امیدوار کا فیصلہ نہیں کر پائی، مخدوم امین فہیم جھچلے دو ماہ سے ہبپنگ پارٹی کے "وزیر اعظم" چلے آ رہے تھے لیکن اب ان کی جگہ مخدوم شاہ محمود قریشی لے چکے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے مخدوم امین فہیم چوخی بار بھی وزیر اعظم نہیں بن پائیں گے اور شامد انہیں سندھ کی

وہ نے بھی قہقہہ لگایا اور بولا "لیکن میں انہا فیصلہ نہیں بدلوں گا کیونکہ میں نے سوچ لیا ہے اگر ہم نے عزت ہی ہوتا ہے تو اس کیلئے دنیا میں میرے گھر سے بہتر کوئی جگہ نہیں، میرا دوست اٹھا، اس نے میجر کے ساتھ ہاتھ ملایا اور مجھے لے کر واقعی اپنے گھر آگیا۔

ہمارے محترم وزیرِ اعظم یوسف رضا گیلانی جب سے امریکہ کے دورے پر تکلیف ہیں اور وہاں ان کی جس طرح "آؤ بھگت" ہو رہی ہے مجھے وہ دیکھ دیکھ کر اپنایہ دوست اور ریسٹوران کا وہ ماحول یاد آتا ہے اور مجھے رہ رہ کر محسوس ہوتا ہے اگر ہمارے وزیرِ اعظم نے یہی عزت افزائی کرنا تھی تو انہیں لاہور میں میرے ایک دوست رہتے ہیں، وہ بہت خوشحال ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دھن دولت اور خوشحالی سے نواز رکھا ہے وہ بلا کے مہمان نواز اور مغلل ساز ہیں، وہ کھانا پکانے اور کھلانے کے بھی ماہر ہیں، میں ایک باراں سے ملاقات کیلئے لاہور گیا، اس دن ان کی نیکم یہاں تھیں اور خانہ امام چشمی ریسٹوران میں بھی ساتھ لیا اور ایم ایم عالم روڈ کے ایک مشہور ریسٹوران میں لے گئے، اس دن پر تھا چنانچہ انہوں نے مجھے ساتھ لیا اور دوسرے ایم ایم عالم روڈ کے ایک مشہور ریسٹوران میں بھی ریسٹوران میں بہت رش تھا، ہم دونوں نے ایک میز پسند کی اور اس پر قابض ہو گئے، ہم بڑی دری تک وہاں بیٹھے رہے لیکن آرڈر لینے کیلئے ویژنہ آیا، میرے دوست نے میز بجانا شروع کر دی مگر ریسٹوران کی انتظامیہ نے اس کا بھی کوئی توٹس نہ لیا، ہم بڑی حرمت سے دائیں باسیں اور اوپر نیچے دیکھتے رہے لیکن "کسی نے میری گل نہ سنی" یہ صورتحال دیکھ کر میرا دوست اٹھا اور شجرا کے کرے میں چلا گیا اور اس سے عرض کیا "جناب کیا آپ دومنٹ کیلئے ہماری میز پر آ سکتے ہیں،" میجر روانی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گیا، میرے دوست نے اسے میز پر بٹھایا اور نہایت عاجزی سے بولا "جناب اللہ کا بڑا کرم ہے میرا گھر بارہے، مگر میں بیوی بھی ہے اور اسے بڑا زبردست کھانا بھی پکانا آتا ہے، اللہ کی مہربانی سے میں نے مگر میں اک بھی رکھا ہوا ہے اور وہ اندرین، چائیز، لبناں اور تھائی کھانے بنانے کا ماہر ہے، میرے مگر میں آپ کے ریسٹوران کے مقابلے میں کرا کری بھی بہت اچھی ہے لیکن ہم یہ ساری سہولتیں چھوڑ کر آپ کے پاس آ گئے ذرا بتائیے بھلا کیوں؟،" میجر پریشان ہو گیا اور نیکن سے ماتھا پوچھ کر بولا "آئی ڈونٹ نوسر" میرے دوست نے قہقہہ لگایا اور نرم آواز میں بولا "بٹ آئی نوسر" ہم یہاں صرف اور صرف اس لئے آئے ہیں کہ مگر میں ہماری عزت نہیں ہے، میں وہاں سارا سارا دن پڑا رہتا ہوں لیکن میری بیوی مجھے لفت نہیں کرتی اور میرا خانہ امام بھی کھانا پکانے میں بہت ناٹم لگا رہتا ہے چنانچہ میں نے سوچا آپ کے ریسٹوران میں آ جاتا ہوں، ہمیں یہاں عزت بھی ملے گی اور کھانا بھی لیکن یہاں آ کر محسوس ہوا آپ کے ریسٹوران اور میرے مگر میں کوئی فرق نہیں لہذا میں اپنے مہمان کو واپس گھر لے جا رہا ہوں،" میجر مکرا پڑا اور عاجزی سے بولا "سرمیں آپ سے معافی چاہتا ہوں،" میرے

"سات کروڑ" دس لاکھ روپے کی بے عزتی"

دوست اور خوشحالی سے نواز رکھا ہے وہ بلا کے مہمان نواز اور مغلل ساز ہیں، وہ کھانا پکانے اور کھلانے کے بھی ماہر ہیں، میں ایک باراں سے ملاقات کیلئے لاہور گیا، اس دن ان کی نیکم یہاں تھیں اور خانہ امام چشمی ریسٹوران میں بھی ساتھ لیا اور دوسرے ایم ایم عالم روڈ کے ایک مشہور ریسٹوران میں لے گئے، اس دن دھن پسند کی اور اس پر قابض ہو گئے، ہم بڑی دری تک وہاں بیٹھے رہے لیکن آرڈر لینے کیلئے ویژنہ آیا، میرے دوست نے میز بجانا شروع کر دی مگر ریسٹوران کی انتظامیہ نے اس کا بھی کوئی توٹس نہ لیا، ہم بڑی حرمت سے دائیں باسیں اور اوپر نیچے دیکھتے رہے لیکن "کسی نے میری گل نہ سنی" یہ صورتحال دیکھ کر میرا دوست اٹھا اور شجرا کے کرے میں چلا گیا اور اس سے عرض کیا "جناب کیا آپ دومنٹ کیلئے ہماری میز پر آ سکتے ہیں،" میجر روانی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گیا، میرے دوست نے اسے میز پر بٹھایا اور نہایت عاجزی سے بولا "جناب اللہ کا بڑا کرم ہے میرا گھر بارہے، مگر میں بیوی بھی ہے اور اسے بڑا زبردست کھانا بھی پکانا آتا ہے، اللہ کی مہربانی سے میں نے مگر میں اک بھی رکھا ہوا ہے اور وہ اندرین، چائیز، لبناں اور تھائی کھانے بنانے کا ماہر ہے، میرے مگر میں آپ کے ریسٹوران کے مقابلے میں کرا کری بھی بہت اچھی ہے لیکن ہم یہ ساری سہولتیں چھوڑ کر آپ کے پاس آ گئے ذرا بتائیے بھلا کیوں؟،" میجر پریشان ہو گیا اور نیکن سے ماتھا پوچھ کر بولا "آئی ڈونٹ نوسر" میرے دوست نے قہقہہ لگایا اور نرم آواز میں بولا "بٹ آئی نوسر" ہم یہاں صرف اور صرف اس لئے آئے ہیں کہ مگر میں ہماری عزت نہیں ہے، میں وہاں سارا سارا دن پڑا رہتا ہوں لیکن میری بیوی مجھے لفت نہیں کرتی اور میرا خانہ امام بھی کھانا پکانے میں بہت ناٹم لگا رہتا ہے چنانچہ میں نے سوچا آپ کے ریسٹوران میں آ جاتا ہوں، ہمیں یہاں عزت بھی ملے گی اور کھانا بھی لیکن یہاں آ کر محسوس ہوا آپ کے ریسٹوران اور میرے مگر میں کوئی فرق نہیں لہذا میں اپنے مہمان کو واپس گھر لے جا رہا ہوں،" میجر مکرا پڑا اور عاجزی سے بولا "سرمیں آپ سے معافی چاہتا ہوں،" میرے

شی، شی آہستہ

وہ شاید بر طانوی ہائی کمیشن کا پروٹوکول افسر تھا یا پھر سیکورٹی آفیسر، میرے لئے چند لمحوں میں ادا کا نامشکل تھا لیکن اس نے خوش دلی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا "ہاؤ آر یو مسٹر شودری" میں نے اس میں سر ہلا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ سیر ہیوں پر چھتے ہوئے میں نے اس کے ساتھ ذرا سا "لک" ہونے کی کوشش کی میں نے اس کی توجہ بارش کی طرف مبذول کرائی اس نے فوراً ہونٹوں پر اگر کہر "شی، شی" کی آواز نکالی اور دھیے لجھے میں بولا "آہستہ بولیں ہمارے وزیر خارجہ مینگ کر دیں" میں گھبرا گیا سیر ہیوں کے آخری سرے پر تین بر طانوی آفیسر کھڑے تھے ان کے ہونٹوں پر اسما مسکرا ہٹتھی میں ان کے قریب پہنچا تو انہوں نے دھیے لجھے میں استقبال کیا اور ڈائنسنگ روم کا دروازہ کھول دیا اندر قطرینہ حسین اور حامد میر سر گوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے جبکہ نواب وقت کے اذاتے رہے تھے اور کوہاٹی ایزار اس نے بھی "ڈومور" کا مطالبہ کر دیا تھا اور چھپے رہ گئی ہمارے وزیر اعظم کی انگریزی تو ماشاء اللہ پوری دنیا میں اس کی دھوم مجھ پھلی ہے چنانچہ اگر اس نظر سے دیکھا جائے تو یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب تھا لیکن کیونکہ میں ایک منفی ذہن کا صاحب ہوں لہذا مجھے حکومت کی یہ کامیابی ہضم نہیں ہو رہی اور میں یہ سمجھتا ہوں اگر ہمارے محبوب وزیر اعظم امریکہ کی بجائے راولپنڈی چلے جاتے تو ان کا وفادرنہ صرف بے عزتی سے لطف اندوڑ ہو سکتا تھا بلکہ اس سے ملک کے وہ سات کروڑ دل لاکھ روپے بھی نج سکتے تھے جو ہم نے 60 رکنی ونڈی کی بے عزتی کرانے پر خرچ کر دیئے ہیں۔ جیسا یہ پاکستان کی تاریخ کی مہنگی ترین بے عزتی تھی، ہم نے اس بے عزتی کیلئے ون میلین ڈالر خرچ کئے ہیں، یہ رقم پاکستانی کرنی میں سات کروڑ دل لاکھ روپے بنتے ہیں اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک نہایت ہی کامیاب دورہ تھا۔

یہ 16 جنوری کی بھیگی شام تھی، اسلام آباد پھوار سایک اور سفارتی مطلع کو بھی اپنی پیٹ میں لئے ہوئے تھی، ڈیڑھی بینڈ دہلی کے دورے کے بعد اسلام آباد پہنچ تھے جبکہ سعودی عرب کے خفیہ ادارے کے سربراہ شہزادہ مقرن بن عبد العزیز اسلام آباد سے دہلی پہنچ گئے تھے، وہ پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ کا درجہ حرارت کم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، امریکہ نے ایک ماہ کی سفارتی جدوجہم کے بعد پاکستان کو جہادی رہنماؤں کے

فہرست بنا کی جائے تو اس لحاظ سے یہ دورہ کامیاب بھی تھا اور تاریخی بھی۔ وزیر اعظم اور ان کا وفد جب لندن پہنچا تو ماشاء اللہ بر طانوی حکومت نے وفد کو کسی قسم کی لفڑ نہیں کرائی تھی، وزیر اعظم انہوں نے واشنگٹن روانہ ہونے لگے تو بر طانوی سول ایلوی ایشن نے ان کے طیارے کو اڑنے کی اجازت نہیں دی تھی جس کی وجہ سے ونڈ کی گئی ہتھیں بیٹھرداڑ پورٹ پر خوار ہوتا تھا، وزیر اعظم واشنگٹن پہنچنے تو اڑ پورٹ سے چلا کر چھوڑتے تک لے جایا گیا، اس دوران وفد کے باقی ارکان کو طیارے سے اتنے نہیں دیا گیا، وزیر اعظم چلے گئے تو وفد کے باقی لوگ ایسکریپشن کیلئے آنکھ گھنٹے تک اڑ پورٹ پر خوار ہوتے رہے تھے کیونکہ ایسکریپشن کا صرف ایک نمائندہ لیب ٹاپ لے کر بیٹھا تھا جو وفد کی انتری کر رہا تھا اور وزیر اعظم کو صرف اسٹاف سیکرٹری رچڈ ڈاؤچر نے رسیسو کیا تھا، صدر بیش کے ساتھ ملاقات کے بعد بھی میڈیا کو وزیر اعظم سے سوال جواب کی اجازت نہیں دی گئی تھی، پاکستان ایمیڈیا کے عشاہیے میں شرکت کیلئے بھی وفد کو گلی میں قطار میں کھڑا کر دیا گیا تھا اور تمام مندویں کو اس وقت تک سفارت ہمانے میں داخلے کی اجازت نہیں دی گئی تھی جب تک کتنے سو نگہ کران کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی تصدیق نہیں کر دی۔ دورے کے دوران صدر جارج بیش مناسب موقعوں پر آنکھ مار کر ہماری درخواستوں کا مذاق بھی اڑاتے رہے تھے اور کوہاٹی ایزار اس نے بھی "ڈومور" کا مطالبہ کر دیا تھا اور چھپے رہ گئی ہمارے وزیر اعظم کی انگریزی تو ماشاء اللہ پوری دنیا میں اس کی دھوم مجھ پھلی ہے چنانچہ اگر اس نظر سے دیکھا جائے تو یہ دورہ ہر لحاظ سے کامیاب تھا لیکن کیونکہ میں ایک منفی ذہن کا صاحب ہوں لہذا مجھے حکومت کی یہ کامیابی ہضم نہیں ہو رہی اور میں یہ سمجھتا ہوں اگر ہمارے محبوب وزیر اعظم امریکہ کی بجائے راولپنڈی چلے جاتے تو ان کا وفادرنہ صرف بے عزتی سے لطف اندوڑ ہو سکتا تھا بلکہ اس سے ملک کے وہ سات کروڑ دل لاکھ روپے بھی نج سکتے تھے جو ہم نے 60 رکنی ونڈی کی بے عزتی کرانے پر خرچ کر دیئے ہیں۔ جیسا یہ پاکستان کی تاریخ کی مہنگی ترین بے عزتی تھی، ہم نے اس بے عزتی کیلئے ون میلین ڈالر خرچ کئے ہیں، یہ رقم پاکستانی کرنی میں سات کروڑ دل لاکھ روپے بنتے ہیں اور اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ایک نہایت ہی کامیاب دورہ تھا۔

اگرے ساتھ ہاتھ ملایا اور گفتگو شروع کر دی۔ ان کا پہلا فقرہ تھا ”پاکستان کے مستقبل کا احصار مبینی جملوں کی طالع تحقیقات پر ہے وہ اس کے بعد پاک بھارت ڈائیالگ پرتفصیل سے روشنی ڈالنے لگے۔ ان کا دوسرا فقرہ پاکستان کے دو نارکت ہونے چاہئیں، پاکستان فوری طور پر بھارت کو مطلوب تمام لوگ پکڑئے اُسی مددات میں پیش کرے اور جرم کی نوعیت کے مطابق انہیں سزا دے اور دوم پاکستان ملک سے بھاری پھر کے خاتمے کیلئے جامع لائج عمل شروع کرے، اگر پاکستان نے ایسا نہ کیا تو اس کی مشکلات میں پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا اس مرحلے پر ڈیوڈ ملی بینڈ اور شہزادہ مقربن آگے بڑھے، پاکستان میں جماعت اسلامی ہو، مسلم لیگ ق، مسلم لیگ ن، تحریک انصاف یا پھر پاکستان پیپلز پارٹی تمام سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں کے سعودی شاہی خاندان کے ساتھ برادرانہ تعلقات ہیں چنانچہ اس مرحلے پر شہزادہ مقربن پاکستان آئے اور انہوں نے پاکستان کے تمام بڑے لیڈر گروں کو 13 جنوری کو سعودی عرب کے سفیر علی سعید عواد اسیری کے گھر کھانے کی دعوت دی، اس دعوت میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی، چیزیں بینٹ محمد میاں نواز شریف، میاں شہباز شریف، قاضی حسین احمد، امین فہیم چودھری شجاعت حسین، عمران خان، مولانا فضل الرحمن، مشیر داخلہ الرحمن ملک اور ڈاکٹر فاروق ستار سمیت تمام اہم شخصیات نے شرکت کی، شہزادہ مقربن نے انہیں حالات کی نزاکت سمجھائی اور ان سے مبینی جملوں پر شفاف تحقیقات اور کھلے مقدمے کے سلسلے میں حکومت سے تعاون کی اور ظاہر ہے تمام رہنماؤں نے یہ درخواست منظور کر لی، جس کے بعد شہزادہ مقربن بھارتی زعماء کو اعتماد میں لینے کیلئے ولی روانہ ہو گئے۔ اس دوران ڈیوڈ ملی بینڈ کے نماکرات کے نتیجے میں 15 جنوری کو بھارتی وزیر خارجہ پر نائب مکھرجی نے اعلان کر دیا ”اگر پاکستان دہشت گروں کے خلاف شفاف تحقیقات اور مقدمات شروع کرتا ہے تو بھارت کو کوئی اعتراض نہیں“، جس کے بعد ڈیوڈ ملی بینڈ بھارت کا پیغام لے کر پاکستان آگئے۔ 16 جنوری کو ڈیوڈ ملی بینڈ نے میاں نواز شریف سے ملاقات کی، اس ملاقات کے بعد میاں صاحب نے پرنس کانفرنس بلائی اور اس میں مطالبه کیا حکومت مبینی کے مجرموں کے خلاف شفاف تحقیقات کرے اور اگر کوئی شخص مجرم پایا جائے تو اسے قانون کے مطابق سزا دی جائے، میاں صاحب کا یہ بیان شہزادہ مقربن اور ڈیوڈ ملی بینڈ کی کامیاب سفارت کاری کا نتیجہ تھا اور یہ اس حقیقت کی غمازوی کرتا تھا کہ اگر مستقبل میں حافظ سعید احمد، مولانا مسعود اظہر، ذکی الرحمن لکھوی اور ان کے ساتھیوں کو وعدالت و میں پیش کیا جاتا ہے تو اپوزیشن حکومت کو پریشان نہیں کرے گی۔ ان حالات میں برطانوی ہائی کمیشن نے ہم پانچ لوگوں کو ڈیوڈ ملی بینڈ کے ساتھ مطاقت کی دعوت دی اور ہم ہائی کمیشن کی ایکسی کے ڈرائیکٹر روم میں بینٹھ کر برطانوی وزیر خارجہ کا انتظار کر رہے تھے۔

ڈیوڈ ملی بینڈ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے ڈرائیکٹر روم میں داخل ہوئے، انہوں نے برفنگ ختم ہوئی، ڈیوڈ ملی بینڈ صوفے سے اٹھئے، انہوں نے کوٹ کا بٹن بند کیا، بوٹ کی

اوپن ٹرائل، پر قائل کر لیا تھا لیکن اب دو بڑے مسئلے درپیش تھے، پاکستانی حکومت کا خیال تھا حکومت جہادی رہنماؤں کے خلاف تحقیق اور مقدمہ شروع کرے گی تو اپوزیشن جماعتیں جہادی رہنماؤں کی حمایت کر کے حکومت پر سیاسی دباؤ ڈالیں گی۔ دوسرا بھارت ملزموں کو حوالے کرنے کے موقف پیچھے نہیں ہٹ رہا تھا اس مرحلے پر ڈیوڈ ملی بینڈ اور شہزادہ مقربن آگے بڑھے، پاکستان میں جماعت اسلامی ہو، مسلم لیگ ق، مسلم لیگ ن، تحریک انصاف یا پھر پاکستان پیپلز پارٹی تمام سیاسی جماعتوں اور سیاسی رہنماؤں کے سعودی شاہی خاندان کے ساتھ برادرانہ تعلقات ہیں چنانچہ اس مرحلے پر شہزادہ مقربن پاکستان آئے اور انہوں نے پاکستان کے تمام بڑے لیڈر گروں کو 13 جنوری کو سعودی عرب کے سفیر علی سعید عواد اسیری کے گھر کھانے کی دعوت دی، اس دعوت میں وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی، چیزیں بینٹ محمد میاں نواز شریف، میاں شہباز شریف، قاضی حسین احمد، امین فہیم چودھری شجاعت حسین، عمران خان، مولانا فضل الرحمن، مشیر داخلہ الرحمن ملک اور ڈاکٹر فاروق ستار سمیت تمام اہم شخصیات نے شرکت کی، شہزادہ مقربن نے انہیں حالات کی نزاکت سمجھائی اور ان سے مبینی جملوں پر شفاف تحقیقات اور کھلے مقدمے کے سلسلے میں حکومت سے تعاون کی اور ظاہر ہے تمام رہنماؤں نے یہ درخواست منظور کر لی، جس کے بعد شہزادہ مقربن بھارتی زعماء کو اعتماد میں لینے کیلئے ولی روانہ ہو گئے۔ اس دوران ڈیوڈ ملی بینڈ کے نماکرات کے نتیجے میں 15 جنوری کو بھارتی وزیر خارجہ پر نائب مکھرجی نے اعلان کر دیا ”اگر پاکستان دہشت گروں کے خلاف شفاف تحقیقات اور مقدمات شروع کرتا ہے تو بھارت کو کوئی اعتراض نہیں“، جس کے بعد ڈیوڈ ملی بینڈ بھارت کا پیغام لے کر پاکستان آگئے۔ 16 جنوری کو ڈیوڈ ملی بینڈ نے میاں نواز شریف سے ملاقات کی، اس ملاقات کے بعد میاں صاحب نے پرنس کانفرنس بلائی اور اس میں مطالبه کیا حکومت مبینی کے مجرموں کے خلاف شفاف تحقیقات کرے اور اگر کوئی شخص مجرم پایا جائے تو اسے قانون کے مطابق سزا دی جائے، میاں صاحب کا یہ بیان شہزادہ مقربن اور ڈیوڈ ملی بینڈ کی کامیاب سفارت کاری کا نتیجہ تھا اور یہ اس حقیقت کی غمازوی کرتا تھا کہ اگر مستقبل میں حافظ سعید احمد، مولانا مسعود اظہر، ذکی الرحمن لکھوی اور ان کے ساتھیوں کو وعدالت و میں پیش کیا جاتا ہے تو اپوزیشن حکومت کو پریشان نہیں کرے گی۔ ان حالات میں برطانوی ہائی کمیشن نے ہم پانچ لوگوں کو ڈیوڈ ملی بینڈ کے ساتھ مطاقت کی دعوت دی اور ہم ہائی کمیشن کی ایکسی کے ڈرائیکٹر روم میں بینٹھ کر برطانوی وزیر خارجہ کا انتظار کر رہے تھے۔

ڈیوڈ ملی بینڈ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے ڈرائیکٹر روم میں داخل ہوئے، انہوں نے

پینٹا لیس منٹ

23 مئی کو بھتے کادن تھا اور وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی شیخ زید بن سلطان انہیاں ہبھتال میں میڈیکل اینڈ ڈینٹل کالج کا سینگ بنیاد رکھنے کیلئے لا ہور تشریف لے گئے تھے، وزیر اعظم جب ہبھتال پہنچا تو لا ہور کی ٹرینیک پولیس نے سید یوسف رضا گیلانی کی حفاظت کیلئے ٹرینیک بند کر دی جس کے نتیجے میں فیروز پور روڈ وحدت روڈ نیو کمپس، شاہراہ قائد اعظم، کینال روڈ اور جیل روڈ پر گاڑیوں کی میلوں لمبیں اسداریں لگ گئیں، اس دوران میں نواز شریف بھی اپنی فیملی کے ساتھ رائے ونڈ سے لکھے، وہ اپنے کسی دوست کے پاس ڈینپس جارہے تھے میاں نواز شریف کا قافلہ نیو کمپس پہنچا تو وہ بھی ٹرینیک میں پھنس گئے، میاں نواز شریف پینٹا لیس منٹ تک ٹرینیک میں پھنسنے رہے میاں صاحب کو ان پینٹا لیس منٹوں میں کوفت بھی ہوئی اور ٹینشن بھی لیکن مجھے یقین ہے میاں صاحب کی ٹینشن اس طالب علم کی ٹینشن سے کہیں کم ہو گی جس نے کمرہ امتحان میں پہنچنا تھا مگر وہ ٹرینیک میں پھنس گیا اور وزیر اعظم صاحب اور گورنر ساحب کے پراؤکوں کی وجہ سے وہ اس امتحان سے محروم رہ گیا جس کی فیس کی ادائیگی کیلئے اس کی ماں نے بے شمار گروں میں برتنا مانجھے تھے اور اس کے والد نے بیٹے کے اس امتحان کے ساتھ اپنی زندگی کی تمام امیدیں وابستہ کر کھی تھیں۔ میاں صاحب کی ٹینشن ان لوحقیں کی ٹینشن سے بھی کہیں کم ہو گی جن کا والد والدہ بھائی یا بہن چنان ہبھتال کی اس ایبویں میں لیٹھی ہو گی جو اس ٹرینیک میں موجود تھی اور یہ ایبویں پینٹا لیس منٹ تک مسلسل گریہ وزاری کرتی رہی تھی لیکن وزیر اعظم کے پراؤکوں کا دل نہیں بیجا۔ میاں نواز شریف کی ٹینشن ان مسافروں کی پریشانی کے مقابلے میں بھی کہیں کم ہو گی جنہوں نے ایک پورٹ پہنچنا تھا، جن کے ویزے ختم ہونے والے تھے یا جنہوں نے ایک طویل جدو جہد کے بعد جہاز کی میں حاصل کی تھیں یا جنہوں نے لمبی بنس ڈیل کیلئے اسلام آباد یا کراچی جانا تھا یا پھر جنہوں نے اپنے پیاروں کے جہازوں میں شرکت کیلئے جہاز پکڑنا تھا۔ میاں نواز شریف کی ٹینشن ان والدین کی پریشانی سے بھی کم ہو گی جنہوں نے اپنی بیٹیوں کو کالج یونیورسٹی یا یونیورسٹی سٹر سے لیتا تھا اور وہ یہ سوچ کر ہار بار گھری دیکھتے تھے کہ ان کی بیٹی سڑک پر کھڑی ہو گی اور ساتھ ہی ان کے منہ سے اس سُم کے خلاف ایک دل دوز بد دعا نکلتی تھی۔ میاں صاحب کی ٹینشن ان لوگوں کی ٹینشن کے مقابلے میں بھی کم ہو گی جنہیں

ایڑھیاں بجا کیں، گرم جوٹی سے ہمارے ساتھ ہاتھ ملایا اور ہمیں رخصت کر دیا، باہر اسی طرح وہندہ ہبھوار اور اندر ہیرا تھا، ہم لوگ ہائی کمیشن کی عمارت سے نکل آئے، ہم سوچ رہے تھے مشکل حالات کا ایک اور ریلا ہمارے دروازے پر دستک دے رہا ہے اور صوبہ سرحد کی بدامنی، لا قانونیت اور قتل و غارت گری کا عفریت تیزی سے پنجاب، سندھ اور آزاد کشمیر کی طرف بڑھ رہا ہے اور اگر حکومت نے اس معاملے کو داشتمانی سے بیٹھل نہ کیا تو پورے پاکستان کو فاتا بنتے دیر نہیں لگے گی، ہم ایک ایسے مقام پر آگئے ہیں جہاں ذرا سی بے اختیاری ہمیں تاریخ کے پوسیدہ اور اراق میں جذب کردے گی لیکن یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا ہماری قیادت کو بھی حالات کی نزاکت کا اندازہ ہے؟ کیا ہماری قیادت ملک کو ان حالات سے بحفاظت نکالنے کی الیت رکھتی ہے، اس سوال پر پہنچ کر بے اختیار میرے منہ سے "شی، شی، آہستہ" کی آواز نکلتی ہے اور میں دائیں پائیں اور اوپر پیچے دیکھ کر خاموش ہو جاتا ہوں۔



زیر و پوائنٹ 5☆..... 141

بادل کیا ہو رہے ہیں اور جس ملک کو آج افغانستان تک دھمکی دے دیتا ہے تھیں اس ملک کے وزیر اعظم اور گورنر نیکس میں گازیوں کے قافلوں میں سفر کرتے ہیں اور ان کے اعزاز میں لا ہور کی ٹرینک اس منشوں تک بند رہتی ہے۔ کیا یہ شاہانہ طرز عمل اس ملک کے حکمرانوں کو زیب دیتا ہے؟ کیا قوم کو خداک اور اقتدار کے اس فخش اور نگئے استعمال پر خاموش رہنا چاہیے یہ آج کا انتہائی اہم سوال ہے؟ اسے صدر ہمارے وزیر اعظم ہمارے گورنر ہمارے وزراء علی اور ہمارے وقاری وزراء کو سرکاری طالے سے پرونوکوں اور سیکورٹی کیوں فراہم کی جاتی ہے؟ کیا یہ ملک اس لئے بنا تھا کہ حکمرانوں کی بھروسے اور ان کی اتنا کو گئے کارس پلانے کیلئے سرکوں پر روشن کر پینٹا لیس پینٹا لیس منت ٹرینک سے بھی کہیں کم ہو گی جنہوں نے سائیکل اور موڑ سائیکل پر کھلے آسمان تلے بیٹھ کر یہ پینٹا لیس موڑ گزار دیے ہوں گے کیونکہ وقت لمبا یا مختصر نہیں ہوتا انسان کی پوزیشن اسے مختصر یا مباہناتی ہے جنت میں بیٹھنے کے لئے دس صد یا دس سیکنڈ ہوتی ہیں جبکہ جلتے ہوئے تو یہ پر بیٹھنے شخص کیلئے دس سیکنڈ دس صد یوں کے برابر ہوتے ہیں اور ان پینٹا لیس منشوں کے دوران لا ہور کی سات سرکوں پر کھڑے 90 فیصد لوگ اس وقت جلتے ہوئے تو یہ پر بیٹھنے تھے اور ان کے ہونوں سے وزیر اعظم کیلئے زندہ باد کے جونٹر نکل رہے تھے، ہم ان کا صرف تصور کر سکتے ہیں انہیں دہرانہیں سکتے۔

میاں نواز شریف کی پینٹا لیس منت کی یہ کوفت قدرت کی طرف سے ایک اشارہ تھا، قدرت اس کوفت کے ذریعے انہیں یہ بتانا چاہتی تھی جب کوئی شخص کسی وی وی آئی پی روٹ میں پھنستا ہے تو اس کی نفیاتی، وہنی روحانی اور جسمانی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ اس کے دل میں وی وی آئی پی حضرات کا کتنا احترام باقی رہ جاتا ہے اور وہ ان تیس چالیس یا پینٹا لیس منشوں کے دوران اپنی وی وی آئی پی کلاس کے بارے میں کیا سوچتا ہے؟ قدرت ان پینٹا لیس منشوں کے ذریعے میاں صاحب کو یہ سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ جب اقتدار میں آئیں تو وہ کسی شخص کو سرکر پر انتظار نہ کرائیں وہ اپنی اتنا کی تسلیم کیلئے خلق خدا کی بد دعا نہیں اور وہ عوام کو پرونوکوں ناکوں اور روشن کی ذلت سے رہائی دے دیں۔ یہ پینٹا لیس منت میاں صاحب کو یہ سمجھانا چاہتے تھے وہ پرونوکوں اس ملک کے لوگوں پر کتنا برا ظلم ہے جس کے 2 کروڑ 25 لاکھ بے روزگار نوجوان ڈگریاں لے کر سرکوں پر دھکے کھارے ہے ہیں؛ جو ملک غیروں کی بھیک پر چل رہا ہے، جو ملک مہماں کیپوں میں انتہائی خوفناک زندگی گزار رہے ہیں؛ جو ملک غیروں کی بھیک پر چل رہا ہے، جو ملک کبھی بھارت اور جمیں سے آگے ہوتا تھا لیکن آج جمیں دنیا کے 8 بڑے ممالک اور بھارت جی 20 میں شامل ہو چکا ہے جبکہ ہمارے صدر افغانستان کے صدر حامد کرزی اور ایران کے صدر محمود احمدی نژاد کے

قدرت نے میاں نواز شریف کو یہ سمجھانے کیلئے 45 منت ٹرینک میں پھنسائے رکھا تاکہ جب میاں صاحب صدر یا وزیر اعظم نہیں تو یہ کم از کم اس پرونوکوں پر باندی ضرور لگا دیں یا کم از کم یہ میاں ضرور ترک کر دیں۔

وہ بے چاندی کی پلیٹ میں کھانا کھاتا ہے جس نے مٹی کے ٹوٹے پیالوں میں رات کی بچی دال کھائی ہو اور ملٹس اور کنواب کی رضاۓ یوں تک بھی وہی شخص پہنچتا ہے جس نے نگے وجود پر خراتوں کی سخندہ کی اور ایک ایسا بازار ہے جس میں سونے کا ججع لے کر پیدا ہوئے یوں کے منہ تک بک جاتے ہیں اور راہے کو کفن تک خیرات کے نصیب ہوتے ہیں اور جنہی شہزادوں کو پیدائش پر ہاتھیوں کی سلامی ملتی ہے بعد ازاں زندگی کے پاؤں تلے کچلے جاتے ہیں چنانچہ بھوک اور ترقی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

میں معافی چاہتا ہوں، میرا فلسفہ ذرا سا طویل ہو گیا لیکن جب کل ارکان پارلیمنٹ کو بند کرے میں بریفنگ دی جا رہی تھی تو میں سوچ رہا تھا ہم نے آج تک تاریخ سے کچھ نہیں سیکھا، ہم آج اسی اپنے ماضی پر شرمندہ نہیں ہیں، ہم آج بھی اپنی غلطیوں کی اصلاح کیلئے تیار نہیں، ہم آج بھی اپنی آزادیوں کو گلوکوز لگا رہے ہیں، ہم آج بھی آگ کے جلے پر برف رکھ رہے ہیں اور ہم آج بھی گندے ہیں اور پر فیوم چھڑک کر خود کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ میں نے پچھلی سطروں میں عرض کیا تھا تو میں جب کل اپنی غلطیوں اور اپنے ماضی پر شرمندہ نہیں ہوتیں یا جب تک خود سے معافی نہیں مانگتیں اس وقت تک ان کی پتکی اور بلوغت کی عمر شروع نہیں ہوتی لہذا ہمیں "ان کیسرہ بریفنگ" کے ساتھ ساتھ آج تسلیم کرنا پڑے گا ہماری ماضی کی پالیسیاں غلط تھیں، ہم نے فوج کو سیاست میں دھکیل کر غلطی کی تھی، جرنیلوں کی دیاں استری کرنے والے تمام سیاستدان غلط تھے وہ تمام قانون دان، وکیل اور جج بھی غلط تھے انہوں نے فوجی آمردوں کو آئین کی چھتری فراہم کی تھی، وہ فوجی آمر جو اقتدار کی چند سانوں کیلئے اس ملک کو غیردوں کے پاس گروئی رکھتے رہے وہ بھی غلط تھے اور جس شخص نے ہمیں پارامداد کا سکھوں دنیا کے دروازے پر رکھا تھا وہ بھی ہمارا شمن تھا۔ ہمیں ماننا چاہئے ہم نے امریکہ کی جھوٹی میں بیٹھ کر غلطی کی تھی، ہم نے اپنی غیر جانبداری کی قیمت وصول کر کے غلطی کی تھی اور ہم نے بھیک کی عادت ڈال کر غلطی کی۔ ہم قوم کو غلط وعدوں، جھوٹے نعروں کا دو دھپاٹے رہے ہم نے عوام کو جمہوریت کا غلط رخ دکھایا تھا، راضی نہ کرے۔ مورخین کا متفق فیصلہ ہے وہ قومیں بہت جلد تاریخ کے قبرستان تک پہنچ جاتی ہیں جو اپنی غلطیوں کی اصلاح نہیں کرتیں، جو اپنی غلطی پر شرمندہ نہیں ہوتیں اور جو ہستی کو آئی ایم سوری نہیں بولتیں۔ یہ دس ہزار سال کی تاریخ کا پہلا سبق ہے جبکہ دوسرا سبق ہے آج تک دنیا میں کسی قوم نے ترقی نہیں کی جس نے پہیٹ پر پتھرنہ باندھے ہوں اور جس نے بھوک کا امتحان پاس نہ کیا ہو۔ ترقی اور خوشحالی ایسی فصلیں ہیں جو ہمیشہ خود انحصاری کے کھیتوں میں پرداں چڑھتی ہیں اور خود انحصاری قوموں کے بھوکے پیٹوں میں پیدا ہوتی ہے۔ عام زندگی بھی اسی اصول پر استوار ہے۔ دنیا میں صرف وہی شخص

آج ہمالیہ رو رہا ہے

دنیا کی کوئی قوم اور کوئی انسان اس وقت تک پختہ ہوتا ہے اور نہ ہی بالغ جب تک وہ اپنی غلطیوں سے سبق نہیں سکتا۔ آپ کو دنیا کی نوے فیصلہ ترقی یافتہ قوموں اور 95 فیصد کامیاب لوگوں میں عاجزی نظر آئے گی۔ آپ دنیا بھر کی اخلاقیات کی شرح نکال لیں آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے، ہم آج قوم جس کے شہری غفلت پر مذدرت اور غلطی پر معافی مانگنے کے عادی ہیں وہ قومیں ترقی کے سینیڈ پر سب سے آگے ہیں اور ہر وہ قوم جو غلطی پر "ڈٹ" جاتی ہے یا جو معافی مانگنے اپنی اصلاح کرنے اور شرمندہ ہونے میں سمجھوئی سے کام لیتی ہے وہ ترقی کے عمل میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے ہے۔ آپ روزمرہ کی زندگی میں بھی ہر اس شخص کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ مطمئن، مسرور اور ترقی یافتہ پائیں گے جو آئی ایم سوری میں معافی چاہتا ہوں یا اس آپ سے مذدرت خواہ ہوں جیسے الغاظ کو معمول بنایتا ہے، جو تھینک یو شکریہ اور مہربانی کہتے ہوئے نہیں تھکتا اور آپ ہر اس شخص کو بیزار، محروم، چڑچڑا اور تنگدست پائیں گے جو دوسروں کا شکریہ ادا کرنے یا غلطی پر مذدرت کرنے میں بخل سے کام لیتا ہے۔ آپ کو اگر بھی فرصت ملے تو آپ اسلام کی روزمرہ اخلاقیات کا مطالعہ کیجئے گا، آپ یہ جان کر حیران رہ جائیں گے اسلام نے شکریہ اور مذدرت پر اتنا زور دیا ہے کہ یہ دلنش اسلامی اخلاقیات میں قانون کا درجہ پاتے نظر آتے ہیں۔ اسلام میں یہ فرمایا گیا تھا جو شخص اپنے حسن کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا اور وہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے جس سے اس کا مسلمان بھائی ناراض ہوا اور وہ اسے راضی نہ کرے۔ مورخین کا متفق فیصلہ ہے وہ قومیں بہت جلد تاریخ کے قبرستان تک پہنچ جاتی ہیں جو اپنی غلطیوں کی اصلاح نہیں کرتیں، جو اپنی غلطی پر شرمندہ نہیں ہوتیں اور جو ہستی کو آئی ایم سوری نہیں بولتیں۔ یہ دس ہزار سال کی تاریخ کا پہلا سبق ہے جبکہ دوسرا سبق ہے آج تک دنیا میں کسی قوم نے ترقی نہیں کی جس نے پہیٹ پر پتھرنہ باندھے ہوں اور جس نے بھوک کا امتحان پاس نہ کیا ہو۔ ترقی اور خوشحالی ایسی فصلیں ہیں جو ہمیشہ خود انحصاری کے کھیتوں میں پرداں چڑھتی ہیں اور خود انحصاری قوموں کے بھوکے پیٹوں میں پیدا ہوتی ہے۔ عام زندگی بھی اسی اصول پر استوار ہے۔ دنیا میں صرف وہی شخص

تاریخ کو آج بھٹو صاحب کے الفاظ کا مفہوم سمجھا آیا، بھٹو مر جنم دیکھ رہے تھے ہماری عالمی طاقتون
کی راستے کی آخری رکاوٹ ہے وہ جانتے تھے ان کے قتل کے بعد اس خطے میں ایک ایسی جگہ لٹی
ہے گی جس کے آخر میں ہماری کی ہر چوتی، ہڑھلوان اور ہروادی آنکھ بن جائے گی اور اس آنکھ سے
اُن کے آنسو ٹکپیں گے۔ آج مار گئے سے لے کر کوہ سفید تک اور کوہ سیمان سے لے کرست کے برف
اُنہوں تک پاکستان کا ہر پہاڑ رو رہا ہے۔ آج گردھی خدا بخش میں لے کر او جڑی کھپ تک نشیں پھی
اُن اُس ملک کا ہر شہری اندر سے رنجی ہے۔ اگر ہم نے اب بھی بھٹو کا پیغام نہ سمجھا، بھٹو کی پارٹی نے
اپنے شہید قائد کے فلسفے پر عمل نہ کیا تو پورا ہماریہ خون کے سمندر میں ڈوب جائے گا، یہ پر اُس ملک قبرستان
اُن جائے گا۔ میری اُس ملک کے حکمرانوں سے درخواست ہے وہ روتے ہوئے ہماری کی طرف دیکھیں
اُن کے بعد اپنے گریبان میں جھانکیں اور ایک آن کیسرہ بریلنگ کیلئے ایوانوں سے باہر آئیں کیونکہ
اُنہوں نے اگر اس بار بھی وقت کی آواز نہ سنی تو وقت انہیں رومند کر گزر جائے گا اور ان کی واسitan تک
استانوں سے مت جائے گی۔

⊗ ⊗

نماز، داڑھی اور روزے کو جرم بنادیا، ہم 1980ء میں ذاتی مفاد کیلئے افغانستان میں خون اور بارود کا کھیل
کھیلتے رہے، ہم نے 2001ء میں ایک بار پھر ذاتی مفاد کیلئے بر اور فروشی کا بازار گرم کیا اور ہم کشمیر پر
61 برس تک قوم کو دھوکہ دیتے رہے۔ ہمیں ماننا پڑے گا، ہم لوگوں نے آج تک اس ملک میں کوئی مستقل
پالیسی نہیں بننے دی، ہم ہر دور میں اپنے دوستوں، عزیزوں اور رشتے داروں کو نوازتے رہے، ہم نے اس
ملک میں میراث قائم نہیں ہونے دیا، ہم نے اس ملک کے لوگوں سے بجلی، گیس اور پانی چھین لیا اور ہم
نے عوام کو روشنی، روشنی کا محتاج بنادیا۔ ہمیں ماننا چاہئے ہم آج بھی نعشوں کے ذمہ پر بیٹھ کر مفاد کا کھیل
کھیل رہے ہیں، پاکستان پہلیز پارٹی مسلم لیگ ن کو دھوکہ دے رہی ہے اور پاکستان مسلم لیگ ن کی
قیادت پاکستان پہلیز پارٹی کی ناکامی کا انتظار کر رہی ہے۔ پاکستان مسلم لیگ ق جزل اشراق پروین
کیانی کی طرف لچائی نظروں سے دیکھ رہی ہے، اے این پی نے صوبہ سرحد میں اقتدار کے عوض اپنی زبان
اپنے الفاظ اور اپنی اقدار بیج دی ہیں۔ جمیعت علماء اسلام اس سیاسی بحران سے زیادہ سے زیادہ تسل
ٹکانے میں مصروف ہے اور ایم کیو ایم سیاسی فائدوں کی فصل کرنے کی منتظر ہے۔ ہمیں ماننا پڑے گا
پاکستان کی کوئی سیاسی جماعت اُس ملک اور اُس ملک کے عوام سے مغلظ نہیں اور ہمیں ماننا پڑے گا یہ ملک
اس وقت ایسے تاشاہیوں میں گھر چکا ہے جو اپنا ہی گھر جلا کرتا یاں پہیٹ رہے ہیں۔ یقین سمجھ جب
تک ہم سب اپنی غلطیاں تسلیم نہیں کریں گے، ہم ان غلطیوں پر شرمندہ نہیں ہوں گے اور ہم گزگز اکر قوم
اور اللہ سے معافی نہیں مانگیں گے اس وقت تک اصلاح احوال کی دلیل پر ہمارا قدم نہیں پڑے گا۔ یقین
سمجھنے اس ملک کو ایسی "آن کیسرہ" بریلنگ کی ضرورت ہے جس میں پوری قوم سیاستدانوں کے سامنے
اور سیاستدان پوری قوم کے سامنے کھڑے ہو کر بچ کا سامنا کریں، معافی مانگیں اور اس معافی کے بعد
پہیٹ پر پھر باندھنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ یہ حقیقت ہے، ہم جب امریکہ کو "نو" کہیں گے تو ہماری
زندگیاں مشکل ہو جائیں گی، ہماری امداد بند ہو جائے گی اور ہم ایک بارڈیفائل کر جائیں گے لیکن یہ وہ
مرحلہ ہے جس سے آج تک دنیا کی ہر قوم گزری ہے، ہم کو بھی اس مرحلے سے کبھی نہ کبھی گزرناؤ پڑے گا،
اگر ہم نے بھوک اور دیوالیہ پن کا سامنا نہ کیا تو ہم بہت جلد تاریخ کے قبرستان میں جاسوئیں گے اور
ہماری ہڈیاں تک کیڑے کھا جائیں گے۔

"ذوالفقار علی بھٹو نے جیل میں کہا تھا" اگر مجھے قتل کیا گیا تو ہماری رونے گا، جزل ضیاء الحق نے
بھٹو صاحب کی اس فریاد کو مذاق سمجھا اور انہوں نے بھٹو کو چھانسی چڑھا دیا، تاریخ نے اس وقت ہماری کی
طرف دیکھا تو ہماری کی آنکھیں خشک تھیں لیکن آج پاکستان کی ساری پہاڑیاں خون کے آنسو رور رہی

اس کی امامت میں کر رہے ہیں، ان کا چپڑا اسی نہیں جھکنے، زمین پر ماتھا لٹکنے اور دوبارہ کھڑا ہو جانے کا حکم اسے رہا ہے اور وہ اس کی ہر آواز پر عملدرآمد کر رہے ہیں اور پھر سلام پھیرنے کا وقت آگیا اور جو نبی و سری بار السلام علیکم ورحمة اللہ کی آواز آئی، مفتون یوں نے باسیں جانب سر پھیرا اور سارا مجعع اس ڈپلن آزاد ہو گیا، امام چند سیکنڈ میں چپڑا اسی بن گیا، کلرک، کلرک، ڈی آرڈی آرڈر اسیورڈ رائیور ایڈیشن، الیٹل جوانکٹ جوانکٹ، ڈپٹی ڈپٹی اسٹنٹ سیکرٹری اسٹنٹ سیکرٹری، سیشن آفیسر، سیشن آفیسر اور ہماری باتیں جاری تھیں، فون بھی آرہے تھے اور سیکرٹری صاحب فائلوں پر دستخط بھی کر رہے تھے، اس افراتفری کے دوران اذان کی آواز گوئی، ہم سب خاموش ہو گئے، اذان ختم ہوئی تو سیکرٹری صاحب نے کافی کالم بسا گھونٹ بھرا جوتے اور موزے اتارے، شرت کے کف اوپر چڑھائے، ۱۰ ہماری طرف دیکھ کر بولے "آپ لوگ کپ لگائیں میں وضو کر کے آتا ہوں،" ہم دونوں نے بھی آخری گھونٹ لئے اور عرض کیا "ہم بھی وضو کرنا چاہتے ہیں،" ہم تینوں باری باری سیکرٹری کے عسل خانے میں گئے، وضو کیا اور نماز کیلئے باہر آگئے۔

ہم لوگوں نے جوتے پہنے اور واپس 22 ویں گرینڈ میں آگئے تھیک آدھ گھنٹے بعد سیکرٹری صاحب نے سمجھنی بجائی اور چند لمحے پہلے جو شخص ہمارا امام تھا وہ ساچا اور اذان دینے والا ڈر اسیور کے پاس بیٹھ گئے، امامت کی جگہ پر سیکرٹری کا پاریش چپڑا اسی بیٹھا تھا، پہلی صفائی میں دوسرے چپڑا اسی ڈر اسیور بیرے کلرک اور ڈی آرڈی تھے، دوسری اور تیسری صفائی میں جو نیز اور سینز آفیسر تھے جبکہ چوتھی صفائی میں ہم تینوں بیٹھے تھے، سیکرٹری کے دائیں بازو پر ایک مغلوک الحال بوڑھا بیٹھا تھا اس کے جسم پر کپڑوں کی جگہ چیتھرے لئک کھڑا تھا، صرف چند لمحوں میں اتنی بڑی تبدیلی! میرا دماغ اس تبدیلی کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔ ہم باہر لٹکے تو میں نے اپنے دوست سے کہا "یار اللہ تعالیٰ ہر روز پانچ بار نماں یاد دلاتا ہے تم ایک ہو، چپڑا اسی اور سیکرٹری میں وہ افضل ہے جس کے اعمال اچھے ہیں، اللہ کی بارگاہ میں وہ زیادہ معتبر، وہ زیادہ بلند ہے جس کی جیبن پر زیادہ سجدے، جس کی گردان میں زیادہ عاجزی اور جس کے دامن میں زیادہ نیکیاں ہوں گی، ہم دن میں پانچ بار چپڑا سیوں، کلرکوں اور ڈر اسیوروں کے ساتھ اس اللہ کی بارگاہ میں کھڑے بھی ہوتے ہیں، ہم دو چار بجتوں تک اللہ کا یہ حکم بھی مانتے ہیں لیکن جو نہیں نیت کی مدت فرم ہوتی ہے اور ہمیں آنکھیں گھمانے، چلنے پھرنے اور بولنے چالنے کی آزادی ملتی ہے تو ہم فوراً اللہ کا یہ حکم فرم اموش کر دیتے ہیں، ہم صاحبوں اور محتاجوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور ہم افسروں اور ماتھوں میں بٹ جاتے ہیں، دنیا میں اس سے بڑی تکری اور عملی منافقت کیا ہوگی، ہم دن میں پانچ بار مساوات کا عہد کریں، اللہ تعالیٰ کو مساوات کی پرکشیں بھی کر کے دکھائیں لیکن سلام پھیرتے ہی ہماری گردنوں کا سریا واپس آ جائے، ہم اس عہد سے پھر جائیں، میرے دوست نے ہاں میں گردان ہلا دی، میں نے عرض کیا

اللہ کو دھوکہ دینے والے

سیکرٹری صاحب کے دفتر کے سامنے مخفی بھی تھیں، ہم آخری صفائی میں نماز یوں کے جو توں کے پاس بیٹھ گئے، امامت کی جگہ پر سیکرٹری کا پاریش چپڑا اسی بیٹھا تھا، پہلی صفائی میں دوسرے چپڑا اسی ڈر اسیور بیرے کلرک اور ڈی آرڈی تھے، دوسری اور تیسری صفائی میں جو نیز اور سینز آفیسر تھے جبکہ چوتھی صفائی میں ہم تینوں بیٹھے تھے، سیکرٹری کے دائیں بازو پر ایک مغلوک الحال بوڑھا بیٹھا تھا اس کے جسم پر کپڑوں کی جگہ چیتھرے لئک رہے تھے اور اس کے بدن سے پینے کی بہکی بہکی یواٹھرہی تھی، تیکری کی آواز آپ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، ہمارا اور سیکرٹری صاحب کا امام دوسرے گرینڈ کا ایک چپڑا اسی تھا جبکہ تین، چار، پانچ اور گیارہ گرینڈ کے میسیوں لکر بیرے ڈر اسیور اور نائب قاصد ہمارے آگے کھڑے تھے، اس وقت ہم سب ایک تھے، ایک سے محتاج ایک سے منگتے اور ایک سے مجبور۔ سیکرٹری صاحب کی گردان بھی جھکی ہوئی تھی، ایڈیشن سیکرٹری، جوانکٹ سیکرٹریوں، ڈپٹی سیکرٹریوں اور سیشن افسروں کا سینڈ بھی اندر کو دبا اور گرونیں نیچے گری ہوئی تھیں، چپڑا اسی اور صاحب، سیکرٹری اور وہ مغلوک الحال بوڑھا جس کے جسم پر کپڑوں کی جگہ چیتھرے لئک رہے تھے اور جس کے بدن سے پینے کی بہکی بہکی بوٹھھرہی تھی، امیر اور غریب محتاج اور غنی کی تفریق ختم ہو چکی تھی، نماز ہوتی رہی، ہم سب اللہ اکبر کی آواز پر ہاتھ باندھتے اور کھولتے رہے، رکوع سے بجدے اور بجدے سے واپس قیام میں آتے رہے، اس دوران کسی صاحب نے ایک لمحے کیلئے نہ سوچا وہ یہ سب کچھ

انجام

میرے منہ سے خوشی سے ”زمدہ بادخان صاحب“ نکلا اور میں نے اخبار لپیٹ کر میز پر رکھ دیئے۔ میں نے ابھی پوری طرح تائیں سید ہی نہیں کی تھیں کہ پروفیسر عبدالقلیل تشریف لے آئے اور ہرے پاس بیٹھ گئے، میں پروفیسر عبدالقلیل کا تعارف چند سطر میں بعد کراؤں گا۔ سروست میں آپ کو اس کی ابتدائی گفتگو میں شامل کرنا چاہتا ہوں، پروفیسر عبدالقلیل نے بیٹھتے ہی مجھ سے خوشی کی وجہ پوچھی، میں نے سرت سے تھنٹاتی آواز میں بتایا ”کل امریکہ کے نائب وزیر خارجہ جان نیگر و پونٹے اور ان کے استفت سیکرٹری رچرڈ باؤچ پشاور کے دورے پر تھے، ان دونوں نے پشاور کے شاہی مہمان خانے میں اے این پی کے راہنمہ اسفند یار ولی اور متوجہ وزیر اعلیٰ امیر حیدر ہوتی سے ملاقات کرنا تھی، امیر حیدر ہوتی اور اسفند یار ولی وقت مقررہ پر شاہی مہمان خانے پہنچ گئے لیکن مہمانوں سے قبل امریکی قونصل خانے کا سیکورٹی عملہ وہاں پہنچا، اس نے جگہ کا جائزہ لیا اور شاہی مہمان خانے کو غیر محفوظ قرار دے دیا جس کے بعد قونصل خانے کے عملہ نے امیر حیدر ہوتی اور اسفند یار ولی سے درخواست کی وہ جان نیگر و پونٹے اور رچرڈ باؤچ سے ملاقات کیلئے قونصل خانے تشریف لے آئیں لیکن اسفند یار ولی نے قونصل خانے جا کر امریکی نائب وزیر خارجہ سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا، وہ شاہی مہمان خانے سے نکلے، گاڑی میں بیٹھے اور گھر چلے گئے، میں نے عبدالقلیل کو بتایا ”میں اسفند یار ولی اور امیر حیدر ہوتی کی اس جرأت رہدا نہ پر خوش ہو رہا ہوں، اللہ کا کرم ہے پاکستان میں بھی کوئی ایسا سیاستدان موجود ہے جو امریکیوں کو ناہ کہ سکتا ہے، ہماری تاریخ میں تو ایسے ایسے واقعات بھی موجود ہیں جب امریکی آقاوں نے پاکستانی نلاموں کو نہ کر کر بلایا اور بلا کر بھول گئے لیکن ہمارے سیاستدان آخری سائنس تک پل پر بیٹھے رہے۔ مثلاً صدر بش 4 مارچ 2006ء کو پاکستان کے دورے پر آیا تو اس نے ہمارے ائر پورٹ پر امارے صدر اور وزیر اعظم سے ملاقات سے انکار کر دیا، ہمارے وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری بیش کے استقبال کیلئے اسلام آباد ائر پورٹ پر بہنچ تپہلے ان کی جامہ تلاشی لی گئی، پھر انہیں کتوں کے سامنے پیش کیا، کتوں نے انہیں اچھی طرح سوچکر کیسٹر کر دیا لیکن اس کے باوجود امریکی سیکورٹی نے انہیں صدر بش

”میں سمجھتا ہوں جو قوم دن میں پانچ بار اللہ سے وعدہ کرتی ہوا اور پھر پانچ بار ہی یہ وعدہ توڑ دیتی ہو وہ قوم اللہ کی زمین پر ذیل و خوار نہیں ہو گی تو کیا ہو گی؟ ذرا سوچوئی اسرائیل نے ایک وعدہ توڑا تھا انہیں اللہ کی زمین پر آج تک پناہ نہیں ملی اور ہم روز پانچ بار (نفعہ باللہ) اللہ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، ہم اس سے عہد ٹکنی کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس سے یہ توقع کرتے ہیں ہمارے لئے آسان سے فرشتے اتریں گے اور ہم پورے کرہ ارض پر غالب آ جائیں گے، اس سے بڑی بے دوقینی کیا ہو گی؟“۔



تک جانے، ان سے ہاتھ ملانے اور انہیں پاکستان میں دیل کم کرنے کی اجازت نہ دی، صدر بیش پاکستان تشریف لائے لیکن انہوں نے قیام امریکی سفارتخانے میں کیا اور اگلے دن اسلام آباد کے چند بھوکے ساتھ کر کر کھیل کر واپس چلے گئے۔ بل کنٹشن 18 فروری 2006ء کو پاکستان کے دورے پر آئے تھے ان کی تشریف آوری سے پہلے امریکی سیکورٹی ایجنسیوں نے پورا اسلام آباد اپنے قبضے میں لے لیا تھا، امریکیوں نے سڑکوں کا نظام تک بدل دیا تھا، صدر کنٹشن کی تشریف آوری کی وجہ سے ہماری سڑکوں کی دائیں جانب بائیں ہو گئی تھی اور بائیں دائیں۔ صدر کنٹشن نے بھی اپنے پاکستانی ملاقاتیوں کی فہرست خود تیار کی تھی اور وہ پاکستانی ملی ویژن کے ذریعے پاکستانی قوم سے خطاب کر کے واپس چلے گئے تھے جبکہ پچھلے 60 برسوں میں بالعموم اور ”وارآن میرز“ کے سات برسوں میں بالخصوص امریکہ کے سفروں تائب وزیروں اور استنشت میکریوں نے پاکستان کی جس مقدر ہستی سے چاہا اپنی ٹرم اینڈ کنڈیشن پر مطالبات کی اور مطالبات کی فہرست اس کے ہاتھ میں تھا کہ چنانچہ اس ماحول روایت اور پھر میں کسی سیاستدان کا توصل خانے میں جانے سے انکار اور تائب وزیر خارجہ سے ملاقات نہ کرنے کی گستاخی بڑی بات ہے اور میں اسفندیار ولی کی اس جرأت پر خوش ہوں۔

میں جب اسفندیار ولی کی تعریف کر رہا تھا تو پروفیسر عبدالقلیل بوریت سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا، میں جوں ہی چپ ہوا وہ تھپہ لگا کر بولا ”تم اسفندیار ولی کو چھوڑ اور فوری طور پر میری بات سنو“ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، وہ ذرا سا آگے جھکا اور رازدارانہ لبجے میں بولا ”کیا تم ہبھائی کر کے یوسف رضا گیلانی کے حق میں ایک کالم لکھ سکتے ہو؟“ مجھے جھکا لگا اور میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا، پروفیسر عبدالقلیل پچاس، پھین سال کا ایک ”میڈیا ایڈ وائز“ ہے اور اس کا کام حکومت کی حمایت میں کالم لکھنا اور لکھوانا ہے، وہ وزارت اطلاعات کا ”خادم“ ہے، وہ آج سے بارہ برس قبل میاں نواز شریف کے قریب تھا اور ان کی حمایت میں اخبارات میں فرضی ناموں اور بھی اصلی نام سے مفہامیں لکھا کرتا تھا، وہ کالم لگاروں سے رابطہ کر کے انہیں میاں صاحب کی حمایت میں کالم لکھنے کی ترغیب بھی دیتا تھا، میاں نواز شریف کے بعد پروفیسر صاحب مسلم لیگ ق کی جیب میں چلے گئے وہ وہاں سے میر ظفر اللہ جمالی کے پاس گئے اور ان کیلئے یہ خدمات سراجیم دیتے رہے، میر ظفر اللہ جمالی کے بعد شوکت عزیز کی باری آئی اور پروفیسر صاحب ان کی خدمت میں جلت گئے، اس دور میں ایک ایسا وقت بھی آیا جب شوکت عزیز اور چودھریوں میں اختلافات پیدا ہو گئے، اس وقت پروفیسر صاحب دونوں کی خدمت کر رہے تھے وہ ایک ہاتھ سے شوکت عزیز کی حمایت میں مضمون لکھتے تھے اور دوسرے ہاتھ سے اس خوبصورتی سے

مجھے نہیں معلوم یہ کیا گور کھدھندا ہے لیکن ایک بات طے ہے انسان اپنی محبت بندہ اپنے دوستوں اور حکمران اپنے ماتحت افردوں اور ایڈ وائز سے پچانا جاتا ہے، 11 فروری 1990ء میں بہ نیشن منڈیلا آزاد ہوا اور اس نے ساؤ تھا افریقہ کی عنان اقتدار سنجالی تھی تو اس وقت کسی نے طائفی کی سابق وزیر اعظم مار گریٹ تھپرے اس تبدیلی کے بارے میں پوچھا تھا، مار گریٹ تھپرے نے کہا تھا ”ہمیں ابھی چند ماہ انتظار کرنا چاہیے، ہمیں دیکھنا چاہیے نہیں منڈیلا کس کو اپنا وزیر ایڈ وائز اور سیدھی بنتے ہیں،“ مار گریٹ تھپرے نے کہا تھا ”کسی حکمران کا عملہ بنیادی طور پر اس کی ذہنیت، اس کے کردار اور اس کے کیلیہ کا اظہار ہوتا ہے، اگر کسی حکمران کے گرد جواری جمع ہو جائیں تو اس کا مطلب ہو گا وہ حکمران جواری ہے اور اگر کسی حکمران کے ساتھ کر پٹ اور بے ایمان لوگ نظر آئیں تو اس کے معانی میں بڑا وزن تھا، یہ حقیقت ہے اہل لوگوں کے ماتحت اہل اور بے ایمان حکمرانوں کے ایڈ وائز بے ایمان ہوتے ہیں، محمد شاہ رحیملا کی مثال لے لجھے، اس کے دور میں سات ممالک کی طوائفیں، تائیکیں اور

بس قومی مفاذ کال دیں

آپ کو یاد ہو گا جزل ریٹائرڈ پرویز مشرف اپنے دور میں ایک بار بھارتی وزیرِ اعظم اُل بھاری واچائی کے گھنٹوں پر جھک گئے تھے اور انہوں نے مذاکرات، تعلقات اور ورنگ ریلیشن شپ کیلئے بھارت کی تمام شرائط مان لی تھیں۔ اس دور میں بھی وزارت اطلاعات نے حکومت کے تمام جائز اور ناجائز کاموں کی حصی فیش کیلئے مفاسدین ٹکاروں اور کالم نویسوں کا ایک خفیہ سکواؤ بنا کر کھاتھا۔ یہ سکواؤ جزل صاحب کی ہر سیاسی حفاظت کو ”اسلامی“ شکل دینے کی کوشش کرتا تھا، جزل صاحب کی بھارت کے سامنے اس غلری پسپائی کو اس خفیہ سکواؤ نے ”صلح حدیبیہ“ قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا جزل ریٹائرڈ پرویز مشرف سیدزادے ہیں چنانچہ انہوں نے بھارت کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا کر حدیبیہ کے معابرے کی یاددازہ کروی۔ ان حضرات کا کہنا تھا پاکستان آج اسی صورتحال سے گزر رہا ہے جس میں چودہ سو سال پہلے مدینہ منورہ کی ریاست جبتا تھی چنانچہ جزل پرویز مشرف نے بھارت کو مذاکرات کی دعوت دے کر وقت حاصل کر لیا۔ ہم اب رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تیاری کریں گے اپنے آپ کو مضبوط بنائیں گے اور پھر فتح مکہ کی طرف بڑھیں گے، وغیرہ، وغیرہ۔ جزل مشرف کے قلمی سپاہی جب اس قسم کے مفاسدین لکھ رہے تھے تو میں نے جزل صاحب کے ایک مشیر سے عرض کیا ”مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آیا حکمرانوں کا اسلام صرف صلح حدیبیہ سے کیوں شروع ہوتا ہے اور اسی پر آکر کیوں فتح ہو جاتا ہے؟“ انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا، میں نے عرض کیا ”جناب ہم کیوں بھول جاتے ہیں، حدیبیہ سے پہلے غزوہ خندق بھی تھا، احمد اور بدر کے میدان بھی تھے۔ بے سروسامانی پیش پر دو دو پھر، ایک ایک پھر اور چار چار مسافر، دو دوھ کا ایک پیالہ، دو بھوریں اور اڑاتا لیس، اڑاتا لیس گھنٹوں کا دن بھی تھا، صحرائی تھی ریت اور احد احد کی آوازیں بھی تھیں، اونٹ کی او جڑی میں گم جدے اور سر پر کافروں کی چینگی گندگی بھی تھی، راستے میں بچپے کا نہ بھی تھے اور اپنوں کے بر سائے کوٹے بھی تھے۔ کیا یہ اسلام نہیں تھا؟ کیا یہ سنت نہیں تھی اور حکمرانوں کو یہ سنت اور یہ اسلام کیوں دکھائی نہیں دیتا؟“ جزل صاحب کے مشیر خاموش رہے، میں نے عرض کیا ”جناب یہ ہماری بدستی ہے کہ ہم اسلام کے وسیع دستروں سے

سازندے دہلی میں جمع ہو گئے تھے اور یہ لوگ اس وقت تک دربار میں ”ان“ رہے تھے جب تک محمد ریگیلا بادشاہ رہا تھا، اس زمانے میں بادشاہ کا چیف ایڈوائز رائیک خوجہ سرا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں جلال الدین محمد اکبر کے ایڈوائز روزنگن کھلاتے تھے اور تاریخ آج تک ان کی ذہانت اور فطانت کی گواہ دیتی ہے۔ یوسف رضا گیلانی آٹھ برس کی طویل اور صبر آزماء مریت کے بعد ایوان اقتدار میں داخل ہوئے ہیں انہوں نے ایک نئے اور جمہوری پاکستان کے نمائندے بن کر وزارتِ عظمیٰ کا حلف اٹھایا، چنانچہ اس وقت ان پر بھارتی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ سوال یہ ہے کیا وہ یہ ذمہ داریاں بھاسکریں گے؟ اس بات کا فیصلہ ان کے ایڈوائز راوراحت افسروں کو دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے۔ اگر انہوں نے اپنے پاکستان کے ایماندار ترین اور قابل ترین افسروں کا انتخاب کیا تو یہ حکومت مستقبل کے تمام چیزیں پر پوری اترے گی بصورت دیگر چھ ماہ بعد لوگ صدر مشرف کو یاد کرنا شروع کر دیں گے۔ آج یوسف رضا گیلانی کی وزارتِ عظمیٰ کا چوتھا دن ہے لیکن بدستی سے انہوں نے چھٹے تین دنوں میں جن افسروں اور ایڈوائزروں کا انتخاب کیا، یوروو کریمی اور معاشرے میں ان کی شہرت اچھی نہیں چنانچہ اگر وزیرِ اعظم ہاؤس میں ان جیسے لوگوں کی آمد کا یہ سلسلہ جاری رہا تو ہم آج کے روز ہی اس حکومت کے انجام کا اعلان کر سکتے ہیں اور یہ انجام اچھا نہیں ہو گا۔



اُس ملکی مفاد آئینی ذمہ داری اور عوام کا پر زور مطالبہ ثابت ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اس قدر تھوڑا بھل
ہوا رکھنی ہے کہ جوں ہی کسی وزیر، مشیر یا سفیر کی زبان سے عوامی مفاد کا لفظ لکھتا ہے تو لوگ فوراً بھجھ
ہاتھ لے ہیں اس کا مطلب سفیر، مشیر یا وزیر کا ذاتی مفاد ہے۔ آپ حکومت کے تازہ ترین فیصلے ہی کو لے
لیں، ذاتی کابینہ نے گزشتہ روز 15 اپریل کو گھریاں ایک گھنٹہ آجے کرنے کا فیصلہ کیا یہ فیصلہ متوقع تھا
کہ لوگ جب سردیوں میں گھریاں ایک گھنٹہ پہچھے کی گئی تھیں تو ظاہر ہے اب ان گھریوں نے آجے بھی
اُنکے میشن کیش ووٹ اور ووٹر کی لشیں کہاں تھیں۔ ہماری حالت یہ ہے اس ملک میں جب بھی کوئی زور آؤ
دوست مند یا با اختیار شخص دوسری شادی کرنے لگتا ہے تو وہ اسے سنت رسول ﷺ کی طبقہ کر دیتا ہے اور کوئی
اس سے نہیں پوچھتا جتنا بیدرست ہے اسلام میں دوسری تیسری اور چوتھی شادی کی گنجائش موجود ہے
یہ بھی تھیک ہے اسلام میں ایکش کیش نہیں تھا اور نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ بھی کیا تھا
اور آپ ﷺ نے صلح نامہ حدیبیہ بھی فرمایا تھا لیکن نعوذ باللہ کیا سنت کا سلسلہ یہاں پر آ کر کے گیا تھا اور
نعمود باللہ نعوذ باللہ کیا اسلام دوسری تیسری اور چوتھی شادی کے بعد ختم ہو جاتا ہے؟ نہیں ہوتا! یہ تو اسلام کا
اعشاریہ صفر، صفر، صفر اور صفر ایک بھی نہیں ہے۔ اسلام اور سنت ان کے علاوہ ہیں لیکن ہم صرف اپنی
مرضی کا اسلام پسند کر لیتے ہیں، جزل صاحب کے مشیر نے قہقہہ لگایا اور سگریٹ کا کش لے کر بولے
”میں صدر کو اچھی طرح جانتا ہوں، وہ ان چیزوں پر یقین نہیں کرتے، یہ تو آپ کے بھائی بند ہیں جو جزل
صاحب کے لبرل خیالات کو اسلام کے سانچے میں ڈھالتے رہتے ہیں، جزل صاحب تو یہ بھی بھول چکے
تھے کہ یہ سید ہیں، یہ تو شیخ رشید اور آپ کے صحافی دوست ہیں جنہوں نے انہیں بڑی مشکل سے یاد کرایا کہ
یہ ہمارے سیدزادے ہیں اور اسلام میں ان کا برا مقام ہے، اس کے ساتھ ہی انہوں نے قہقہہ لگایا اور
ہماری ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔

یہ صرف جزل رئیس اور پریمیر مشرف کی تھنیک نہیں تھی بلکہ پاکستان کی تمام حکومتیں اور حکمران
اپنے ہر فیصلے کو اسلام کے ذریعے جسمی فائی کرتے ہیں یا پھر نظریہ پاکستان، ملکی مفاد آئین اور عوامی
مطلوبے کے ذریعے۔ یہ کھلیل پاکستان میں اتنی بارکھلیا اور دہرا یا گیا ہے کہ اب جب بھی کوئی سیاستدان یا
حکمران اسلام، قرآن، حدیث یا سنت کا نام لیتا ہے یادو نظریہ پاکستان، ملکی مفاد آئین اور عوامی مطالبے
کا ذکر کرتا ہے تو لوگوں کی ہمیں نکل جاتی ہے۔ قوم آج تک جس طرح حکمرانوں کے اسلام کا یقین نہیں کر
سکی بالکل اسی طرح یہ وسیع تر ملکی مفاد آئینی ذمہ داری اور عوامی مطالبے کا فیصلہ بھی نہیں کر سکی لیکن قوم
اس فیصلے پر پہنچ چکی ہے کہ حکمران کلاس کا ہر وہ فیصلہ جس کا برآہ راست فائدہ ان لوگوں کو پہنچتا ہے وہ

دوفٹ کا شیشہ

شہر سے نکلتے ہی مظہر بدل گیا، دور دور تک ہر یا لی تھی سیدھے تو سیلے پودے اساطیری اوروں کی طرح سینہ تان کر کھڑے تھے ہوا کی رومی کنیزیں ان کے درنیاز پر دستک دیتیں تو خوشی کی ابھری دوستک بہتی چلی جاتی، ان اساطیری سرداروں اور ان رومی کنیزوں سے ذرا پرے سونے کا دادہ اور رہا تھا، سبک منہری ذرے اڑتے اور پورے ماحول کا پی آغوش میں لے لیتے تھے چند جھوٹ کیلئے اساطیری سردار منہرے ہو جاتے، پھر رومی کنیزیں آگے بڑھتیں، سرداروں کے بدن سے ہولے ہوئے ابھرے دھیرے دھیرے بہتی آب جو جس میں سورج کی شوخ کرنیں اور درختوں کی زم شاخیں دونوں پل وقت اپنا آپ تلاش کرتی تھیں، میں نے ڈرائیور کو "اے سی" حیز کرنے کی ہدایت کی، اس نے ڈیش پر انکلی رکھی اور ٹھنڈی رنگ ہوا کے جھوٹکوں میں اضافہ ہو گیا، باہر کا ماحول مزید خوبصورت ہو گیا، میں نے اس کے سیاہ شیشوں سے باہر جھاٹکتے ہوئے سوچا، میں کتنا خوش نصیب ہوں، میں ایسی جنت میں رہ رہاں ہوں، جس میں حسن ہی حسن ہے، اسن ہی امن اور خوشی ہی خوشی ہے، میں نے گھرے اطمینان سے بھر جسرا لی اور اپنے ساتھی کو کہنی مار کر جگایا، اس نے بھی باہر جھاٹک کر دیکھا، جہاں زمین اور آسمان کے اوپر ملتے تھے وہاں لالی کی ایک طویل لکیر پچھی تھی، یوں محسوس ہوتا تھا شدت جذبات نے دصل کی ایک فدید خواہش نے زمین اور آسمان کے درمیان آگ بھر دی ہے اور ان دونوں میں سے ابھی کوئی چند ملی میل آگے بڑھے گا اور ایک دھماکہ ہو گا، آگ کا ایک شعلہ مشرق سے مغرب تک دوڑے گا اور پھر گلاب میں کر پورے کرہ ارض پر ٹوٹ برے گا، میرے ساتھی کے مذہ سے بے اختیاری میں "ہاؤ، لکھا اور وہ لاری کے خنک شٹے پر جھک گیا، میں نے بھی آگے جھک کر اپنی ناک شٹے سے چپکا دی۔

ہم باہر کے نظاروں میں محو تھے کہ اچاکٹ لٹک کی آواز آئی اور گاڑی کی رفتار کم ہونے لگی، میں اور میرا ساتھی چلا یا، گاڑی نے دو تین جھٹکے کھائے، اے سی بندہ ہوا اور گاڑی سڑک کے کارے کھڑی ہو گئی، "سرابجن میں کوئی گڑ بڑ ہے؟ آپ بیٹھیں میں دیکھتا ہوں،" ڈرائیور نیچے اتر ابونٹ

دہشت گردی ختم نہیں ہوتی بالکل اسی طرح صرف گھڑیاں آگے پیچھے کرنے سے لوڈ شیڈ میں ختم نہیں ہو گی۔ آپ سال میں دو کی بجائے چار بار گھڑیاں آگے پیچھے کریں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن خدا کا کام اس کی اتنی بجودی جسمی فکیشن نہ دیں۔ اس پر مکمل مفاد، عوامی مطالیہ اور آئینی ذمہ داری کا ترقی کا نتیجہ لگا نہیں، اسلام کو اسلام رہنے دیں اور قومی مفاد کو قومی مفاد۔ آپ بس گھڑیوں کے ساتھ کھلیتے رہیں، آپ سے کوئی نہیں پوچھتے گا کیونکہ جس ملک میں جزل پروین مشرف پانچ دس ہزار لوگ مردا کر دھننا تا پھر رہا ہے اس میں آپ کو گھڑیوں کو آگے پیچھے کرنے سے کون روک سکتا ہے۔ بس اس سے قومی مفاد کو نکال دیں، ہاتھ سب خیریت ہے۔



کے پیوست ہوتوں میں گلب بھر دیئے تھے اور دور دور تک تاحد نظر ہر یالی ہی ہر یالی تھی، شٹے سے باہر ایک بار پھر جنت بحی تھی، میں نے اطمینان سے لبریز جھر جھری لی اور سوچا "اللہ کا میرے اوپر کتنا احسان ہے میں اس جنت میں رہ رہا ہوں" میں نے نائی کی نات کسی اور ان تمام لوگوں پر سوسو حرف بھیجنے لگا جو دن رات حالات کا روتا رو تر رہتے ہیں، جو گرمی بدبو خشک سالی دھول بدانی اور سہولتوں کی کمی یا باریا جاؤ را اسی طرح بونٹ کے پیچھے گم تھا، میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا، ہوا کا ایک گرم سلگتا ہوا بدبو دار چھیڑا آیا، ہم دونوں کے منہ پر برسا اور گاڑی کے اندر چکرانے لگا، میں نے جنگ مار کر کھڑکی بند کر دی اندر کے جس میں اضافہ ہو گیا، ہم دونوں ہاتھوں سے پنچھا جھلنے لگے میرے ہاتھوں میں اخبار تھا اور میرے ساتھی کے ہاتھوں میں ڈاڑی، ہم پنچھا جھلتے رہے، جھلتے رہے لیکن جوں جوں ہمارے ہاتھ چلتے گاڑی کے جس میں اضافہ ہوتا جاتا، میں نے اپنے ساتھی سے کہا "لو جس سے بہتر ہوتی ہے، آؤ وہاں باہر درخت کے نیچے بیٹھ جاتے ہیں" میرا ساتھی بھی شاید بھی سورج رہا تھا، اس نے فوراً دروازہ کھولا اور نیچے کو دیکھا، میں بھی اس کی تقلید میں باہر آ گیا، باہر شدید گرمی تھی اور چہار سو شمشان گھاث جیسی بدبو پھیلی تھی، ڈرائیور نے سراخا کر ہماری طرف دیکھا اور معدورت خواہاں لبھے میں بولا "سر گاڑی گرم ہے، ہمیں کچھ دیر کنا پڑے گا" ہمارے پاس ڈرائیور کی بات مانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، ہم نے اپنی اپنی نائیاں اور کوت گاڑی میں پھیکنے اور بھاگ کر درخت کے نیچے کھڑے ہو گئے، ہم نے آگے پیچھے دیکھا، ماحول بدل چکا تھا، ہم کالا شاہ کا کوئی مضافات میں تھے، یکمیکل فیکٹریوں کے بدبو دار دھوئیں نے پوری فضا کو یغمال بنار کھا تھا، ہم چلتی گاڑی سے جنمیں اساطیری سردار بکھر رہے تھے وہ بدبو دار پانیوں کے سر کنڈے تھے، ہم جن کو روئی کنیزیں خیال کر رہے تھے وہ فیکٹریوں کی چینیوں سے لکھا دھوال تھا اور رہا سونے کا برادہ تو وہ گرم دھول تھی جو دور بے آب و گیا، کھیتوں سے اڑتی، بگولے بختی اور سامنہ ستر کلو میٹر کی رفتار سے راستے میں کھڑی ہر چیز سے الجھتی اور لڑتی اور مارتی دھماڑتی دور کہیں افق میں گم ہو جاتی تھی اور ہاں وہ آب جو، میں نے جھک کر دیکھا اور گھبرا کر ناک پر رومال رکھ لیا، وہ آب گندہ نالا تھا جو دو تین شہروں کی گندگی لے کر راوی کی طرف بہر رہا تھا، میں نے اوپر دیکھا وہاں جہاں زمین اور آسان ہم آغوش ہو رہے تھے، وہاں دور دور تک آگ پچھی تھی، مجھے محسوس ہوا، میں جسے جنت بکھر رہا تھا وہ دراصل دوزخ تھا۔

ہم ایک گھنٹے بعد روانہ ہوئے، گاڑی ٹھیک ہو چکی تھی، میں نے ڈرائیور کو "اے سی" تیز کرنے کا کہا، کار سیدھا کر کے نائی لگائی، کوت میں بازو و پھسائے اور مھنڈی نخ ہوا کالمبا سانس لے کر کھڑکی پر جھک گیا، باہر ایک بار پھر ہوا کی روئی کنیزیں اساطیری سرداروں کا سنبھرا پن دھورہ تھیں، سورج کی کر نیں اور درختوں کی نرم شاخیں آب جو میں اپنا وجہ تلاش کر رہی تھیں، جذبات کی شدت نے زمین اور آسان

دولاف لائیں پھی ہیں

آر تھر کا تعلق ہاورڈ یونیورسٹی کے ساتھ ہے، وہ ایکسویں صدی کی زوال پر میتھتوں پر
مرچ کر رہا ہے، وہ چند دن قبل پاکستان آیا اور دو ہفتے کراچی، لاہور اور اسلام آباد گزار کر واپس امریکہ
لے لیا۔ اسلام آباد میں میرے ایک دوست نے اس کے ساتھ میری ملاقات کرائی، میں نے آر تھر سے
پاکستان کے مستقبل کے بارے میں پوچھا، اس کا جواب تھا "پاکستان کے لوگ بہت شاندار ہیں لیکن ان
حالات بہت بڑے ہیں" میں نے پوچھا "حالات سے تمہاری کیا مراد ہے" وہ بولتا "حالات عمومی
ہے کہتے ہیں بد قسمتی سے پاکستان کی سرحدوں کے اندر اور باہر اس ملک کے بارے میں رائے منفی ہو
گی ہے اور میرے مطابق یہ قوموں کے زوال کی نشانی ہے" میں نے دکھی لجھ میں پوچھا
"کیا ہم زوال کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں" اس نے فوراً نفی میں سرہلا یا اور بولا "نہیں ابھی دو چانس باقی
ہیں ایک سیاستدان اور دوسرے عوام" میں خاموشی سے منتار ہا، وہ بولا "میری رسماں کے مطابق
قدرت کسی قوم کو تباہ کرنے سے قبل اس کے سیاستدانوں کو اپنے اختلافات ختم کرنے مل بیٹھنے اور اخلاص
کے ساتھ کوشش کا آخری موقع ضرور دیتی ہے، اگر سیاستدان یہ موقع ضائع کر دیں تو قدرت اس کے
بعد عوام کے سرہانے ڈھول بجااتی ہے تاکہ عوام اپنیں اور ملک کو بچانے کی کوشش کریں اگر عوام بھی
قدرت کو مانیں کر دیں تو پھر وہ ملک تباہ ہو جاتا ہے چنانچہ آپ لوگوں کے پاس ابھی دولاف لائیں
ہو جو دیں" میں نے آر تھر سے پوچھا "قدرت ایسا کیوں کرتی ہے" اس نے تھوڑی دیر سوچا اور اس کے
بعد بولا "مجھے اس کی وجہ معلوم نہیں لیکن میں نے دس ہزار سال کی تاریخ میں قدرت کو دنیا کی تمام قوموں
کو یہ چانس دیتے دیکھا، آئی ڈونٹ تو قدرت ایسا کیوں کرتی ہے؟ لیکن کرتی ضرور ہے؟"

آر تھر کے پاس اس "کیوں" کا کوئی جواب نہیں تھا لیکن اسلام میں اس کا جواب موجود ہے
اور میں اس جواب پر آنے سے پہلے آپ کو ایک چھوٹا سا واقعہ سناؤں گا۔ کسی شہر میں سیلا ب آیا اور ایک
صاحب سیلا ب میں پھنس گئے، ریسکوپ کا ایک درکشتی لے کر ان کی مدد کیلئے پہنچا لیکن صاحب نے یہ کہہ
درکشتی میں سوار ہونے سے انکا رکر دیا کہ میرا اورث اللہ ہے وہ میری مد فرمائے گا، تم واپس چلے جاؤ۔

صرے گھوں ہوتے ہیں یہ دوفٹ کا شیشہ ہے جو عوام کو کہتا ہے اگر تمہیں آنہیں ملتا تو تم کیک کھا لوت
پانی کی جگہ منزل والوں کیوں نہیں پیتے اور تم گھروں میں جزیرے کیوں نہیں لگایتے؟" وہ رکا، اس نے سانس
لیا اور روئی ہوئی آواز میں بولا "اور جب تک حکران 42 ذگری سینٹی گرینڈ میں بینہ کر پالیساں نہیں
ہنا کیس گے جب تک یہ لوگ دوفٹ شنے کی یہ دیوار نہیں ہتنا کیس گے اس وقت تک اس ملک کے مسئلے حل
نہیں ہوں گے اس وقت تک یہ ملک ترقی نہیں کرے گا، وہ خاموش ہو گیا" میں نے مکرا کراس کی طرف
دیکھا اور بڑے پیارے اسے مشورہ دیا "تم ناٹی لگا و اور کوٹ پہن لو تمہارے سارے مسئلے حل ہو جائیں
گے" اس نے نفرت سے میری طرف دیکھا، رُخ پھیرا اور باہر دیکھنے لگا۔

⊗ ⊗ ⊗

میں کہ ہم تم پر کیسے ایمان لاتے، ہم تک تمہارا پیغام ہی نہیں پہنچا تھا۔ آپ اسی طرح پوری دنیا کا ریسکیو کی ایک اور کشتی ان کی مدد کیلئے پہنچی لیکن انہوں نے اسے بھی واپس بھجوادیا۔ تیرے دن وہ گرتک پانی میں ڈوب گئے ریسکیو کا ایک ہیلی کا پڑان کی مدد کیلئے پہنچا، پائلٹ نے رسے نیچے پھینکا اور سے کہا آپ رسہ پکڑ لیں، میں آپ کو اور کھنچ لوں گا لیکن ان صاحب نے جواب دیا "میراوارث اللہ وہ مجھے بچائے گا، آپ اپنا پڑول ضائع نہ کریں" پائلٹ نے انہیں بہت سمجھایا لیکن وہ صاحب نہ ما

لبذا مجبوراً ہیلی کا پڑواپس چلا گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سیالب کا ایک اور وہ صاحب پانی میں ڈوب گئے وہ مرنے کے بعد اللہ کے پاس حاضر ہوئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ٹکوہ کیا "یا پورا" میں تم پر ایمان رکھتا تھا، میں تمہیں مانے والا تھا اور مجھے یقین تھا، تم مجھے بچالو گے لہذا میں نے کوئی دنیا کی سیلہ قول نہیں کیا لیکن تم نے مجھے سیالب کے حوالے کر دیا، تم نے میری مدد نہیں کی "اللہ تعالیٰ نے فرما دیا" تاکہ ہم کل اللہ تعالیٰ کو یہ نہ کہہ سکیں کہ یا پور دگارتمن نے ہمیں کمزور بے وسیلہ اور غریب بنایا ہے کیوں؟ تاکہ ہم کل اللہ تعالیٰ کو یہ نہ کہہ سکیں کہ یا پور دگارتمن نے ہمیں کمزور بے وسیلہ اور غریب بنایا ہے اسی اپنے بندوں کو بچانے کیلئے دنیا میں خود نہیں آیا کرتا، میں وسیلے بھجوایا کرتا ہوں، میں نے تمہارے پاس بھی وسیلے بھجوائے تھے لیکن تم نے میری بھجوائی مدد قول نہ کی، اے نادان انسان تم سیالب سے نہیں بے وقوفی، ضد اور ہست دھری سے مرے ہو، میں اب آر تھر کے "کیوں" کی طرف آتا ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھجوائی جانے والی کشتی اور ہیلی کا پڑ کوار دو اور شام کم عربی میں اتمام جحت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام انسانوں کو ان کے جرام اور ان کے گناہوں کی سزا دینے سے قبل انہیں منجھلنے، معافی مانگنے توبہ کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے تاکہ وہ لوگ کل کو یہ ٹکوہ نہ کر سکیں کہ یا اللہ تم نے میں منجھلنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ترقی کرنے کے موقع بھی دیتا ہے تاکہ وہ بھی کل کو یہ نہ کہہ سکیں کہ یا پور دگارتمن نے ہمیں خوشحال ہونے ترقی کرنے اور امیر بننے کا موقع نہیں دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے ہر انسان کو محنت، رزق، سکون، طمینان، انصاف، علم، بیکنا لو جی اور کام کرنے کا بھی پورا پورا موقع دینتا ہے تاکہ یہ لوگ بھی اللہ سے ٹکوہ نہ کر سکیں کہ تم نے ہمیں دنیا میں محروم رکھا تھا، ہم تیرے احکامات پر کیے عمل کرتے۔ اللہ تعالیٰ پوری زندگی انسان کو راست پر آنے، اللہ پر ایمان لانے اور نیکی کرنے کے چانس بھی دیتا ہے، جب انسان یہ سارے موقع ضائع کر دیتا ہے تو قدرت کی اتمام جحت ہو جاتی ہے اور اس کے بعد اللہ انسانوں کا محاسنہ شروع کر دیتا ہے، پھر اللہ کی پکڑ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ اصول انسانوں کے ساتھ ساتھ قوموں پر بھی اپنائی ہوتا ہے دنیا میں کوئی ایسا خطہ نہیں، کوئی ایسا علاقہ، ملک اور معاشرہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام نہ بھیجا ہوتا کہ یہ اتمام جحت بھی ہو جائے اور قیامت کے دن یہ لوگ بھی یہ

ہم تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو ہمیں معلوم ہو گا دنیا میں انسان اور قوموں کا سب سے بڑا شمن وہ اس ملک کا اللہ ہی حافظ۔

پیشگش

یہ 25 فروری کا دن تھا سہ پہر کے پونے تین بجے تھے اور راولپنڈی کا مال روڈ تھا پاک فوج امیر طب کے سربراہ اپنے گن میں کے ساتھ دفتر سے نکلے وہ چھٹی کے بعد گھر جا رہے تھے ان کی گاڑی میں پر نادرا سو فٹ ستر کے قریب پکنی تو سگنل بند ہو گیا گاڑی سگنل پر رک گئی سگنل کی روایات کے مطابق بے شمار بھکاریوں نے گاڑیوں کا گھیرا دکر لیا ان میں سے ایک بھکاری ان کی گاڑی کی طرف بڑھا ان کی گاڑی کے قریب آیا اس نے دونوں ہاتھ بلند کئے زور دار نعرہ لگایا اور خود کو دھماکے سے اڑا دیا دھماکے کے نتیجے میں پاک فوج کے سرجن جزل موقع پر شہید ہو گئے جبکہ ان کے ساتھ 8 دیگر افراد بھی لقماں جل بن گئے۔ 25 فروری کے اس خودکش حملے میں شہید ہونے والے اس جزل کا نام مجرم جزل مشاہد بیک تھا۔

جزل مشتاق بیک سرجن جزل آف پاکستان تھے وہ ماہر امراض چشم تھے وہ اب تک 16 ہزار کے قریب اگوں کو بینائی کی نعمت لوٹا چکے تھے وہ حافظ قرآن تھے باریش تھے، صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے اور زادتی زندگی میں انتہائی سادہ، مہربان اور خلیق تھے ان کے دوست انہیں فرشتہ سمجھتے اور کہتے تھے وہ ہمیشہ مسکراتے رہتے اور کبھی کسی نے انہیں ناراض ہوتے یا کسی کوڑا نئے نہیں دیکھا تھا۔ دنیا میں بے شمار ڈاکٹروں کو مسیحہ کہا اور لہاسیا یا لیکن مسیحائی کی اصل تعریف پر جزل مشتاق بیک جیسے لوگ ہی پورے اترتے ہیں۔ جزل مشتاق بیک کی شہادت پر ایک ریاضت ڈاکٹر افرانے برداخوبصورت تبرہ کیا تھا، اس نے کہا تھا ہماری فوج میں جزل مشتاق بیک جیسے جرنیل زیادہ ہیں لیکن جزل مشتاق جیسے کم۔ اس نے کہا تھا جزل بیک جیسے جرنیلوں نے جہاں پاکستانی فوج کے امتح کو شدید نقصان پہنچایا وہاں جزل مشتاق جیسے لوگ اس امتح کو ٹھیک کرنے کی سعی کرتے رہتے تھے مگر افسوس اب فوج میں جزل مشتاق بھی موجود نہیں! اب ہمارے امتح کو کون سہارا دے گا؟ میں نے جب جزل مشتاق بیک کے بارے میں یہ سارے حقائق پڑھئے میں نے ان کے

ذاتی دوستوں سے رابطہ کیا اور ان سے جزل مشاق کے بارے میں پوچھا اور جب مجھے معلوم ہوا وہ حقیقت
ایک فرشتہ صفت انسان تھے اور وہ دفتر میں کام کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ آواز میں تلاوت کرتے رہتے تھے تو
میں نے اپنے ایک دوست سے پوچھا "آخرتنے شاندار انسان کا کیا قصور تھا، قدرت جزل پروینز
مشرف کی غلطیوں کی سزا جزل مشاق بیک جیسے لوگوں کو کیوں دے رہی ہے؟" میرے دوست فکری اور

خود ہوتے ہیں، ایک انسان جتنا نقصان اپنے آپ کو پہنچا سکتا ہے اتنا نقصان اسے دنیا کا کوئی انسان نہیں دے سکتا اور تو میں جتنا اپنے آپ کو بر باد کر سکتی ہیں اتنا انہیں کوئی دوسرا ملک، کوئی دوسری انہیں کر سکتی اور آج ہم مسائل کے جن ڈھیروں پر بیٹھے ہیں یہ سارے کے سارے ہم نے خود اکھنے تھے، ہم نے اب ان ڈھیروں کو صاف بھی خود کرنا ہے، ایک چینی کہاوت ہے ”محملی ہمیشہ اپنے مرے کا شروع ہوتی ہے“ اور سیاستدان قوموں کا سر ہوتے ہیں چنانچہ معاشرے اپنے حکرانوں، اپنے لیڈرزوں اور اپنے سیاستدانوں کے ہاتھوں گمرا شروع ہوتے ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے ملک بنانے کیلئے تو شاہ بے شمار لیڈرزوں کی ضرورت ہوتی ہو لیکن اسے بچانے کیلئے صرف ایک لیڈر رچانے ہوتا ہے اور ہم ایک اسکی بد قسمت قوم ہیں جس کے پاس حکمران تو بے شمار ہیں لیکن لیڈر کوئی نہیں، ہم ایسے بد قسمت لوگ ہیں جن کا سرگل چکا ہے لیکن ان کے وحہ کو اس خرابی کا علم تک نہیں اور ہم ایسے بد نصیب لوگ ہیں جن حکمران جن کے سردوں کے سودے کر رہے ہیں اور ہم خواب غفلت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔

رودھانی طور پر ایک مضبوط شخص ہیں اور ان کی رائے میں ہمیشہ وزن ہوتا ہے۔ انہوں نے ذرا سارے جواب دیا ”جزل مشاق بیگ کی شہادت بنیادی طور پر قدرت کی ناراضی کا اظہار ہے، یہ قدرت کا رہ سکنل ہے“ میں نے حیران ہو کر پوچھا ”یہ قدرت کا رہ سکنل کیا ہوتا ہے؟“ میرے دوست بولے ”بھی اس کی وضاحت کیلئے تاریخ میں جانا پڑے گا، تم فرعون کی مثال لے لوزا نیمیس دوم وہ فرعون تھا جس نے حضرت موسیٰ کی موجودگی میں خدا کی دعویٰ کیا تھا اور بعد ازاں حضرت موسیٰ کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے نیل میں ڈوب مرا تھا، یہ فرعون بڑا زیرک، سمجھدار، وژنری اور مضبوط تھا، اس کی اصلاحات مصري سلطنت کا نقش بدل دیا تھا، تاریخ آج تک اس فرعون کی عقلمندی اور روشنی کی تعریف کرتی ہے۔ ہم جب قدیم تاریخ اور آسمانی صحائف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے اس فرعون کی عقلمندی اس کے مشوروں میں پوشیدہ تھی، اس نے دنیا بھر سے ہجن کرذ ہین اور بردبار لوگ اپنے گرد جمع کر کرکے تھے لیکن پھر یہ فرعون تکبر کا شکار ہوا اور اس تکبر کی وجہ سے قدرت اس سے ناراض ہو گئی اور اس نے ایک ایک کر کے اس کے مشوروں پس بلانا شروع کر دیئے، یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ کے ساتھ فرعون کا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کے تمام مشیر ختم ہو چکے تھے اور ان کی جگہ موقع پرست، حریص اور کم فہم لوگ لے چکے تھے، اسکا نتیجہ یہ لکلا جب فرعون تکبر کے عالم میں نبی اسرائیل کے پیچھے بھاگا تو اسے روکنے، سمجھانے اور ٹھنڈا کرنے والا کوئی شخص نہیں تھا اور یوں فرعون نیل میں ڈوب کر مر گیا، ”میں خاموشی اور سختار ہا، میرے دوست بولے“ قدرت کا نظام بڑا لچک ہے، وہ جب کسی سے خوش ہوتی ہے تو اسکے ارد گرد اچھے نیک اور سمجھدار لوگوں کی تعداد بڑھاتی ہے اور جب وہ کسی سے خنا ہوتی ہے تو وہ نیک، سمجھدار اور ڈین لوگوں کو اس سے دور ہٹانے لگتی ہے اور یوں وہ شخص برے اور کم فہم لوگوں میں گھیرتا چلا جاتا ہے اور یہ کم فہم لوگ اسے فرعون کے انجام سے دوچار کر دیتے ہیں، ”میں خاموشی سے سختار ہا۔“

میرے وہ دوست بولے ”قدرت کا یہ اصول صرف باادشا ہوں تک مدد و نہیں بلکہ ادارے اور ملک بھی اس اصول کے تحت چل رہے ہیں، اللہ تعالیٰ جن اداروں اور ملکوں کو پسند کرتا ہے وہ ان میں اچھے لوگوں کی تعداد بڑھاتی ہے لیکن وہ جن ملکوں اور اداروں سے ناراض ہوتا ہے وہ ان سے جزل مشاق بیگ جیسے لوگوں کو واپس بلانا شروع کر دیتا ہے، وہ رک کر بولے ”تم امریکہ کو دیکھ لواں وقت دنیا میں چیزیں کے سب سے زیادہ ادارے امریکہ میں ہیں، امریکی ادارے ہر سال 350 بلین ڈالر کی چیزیں کرتے ہیں، دنیا کی سب سے بڑی چیزیں آر گنائزیشن امریکہ میں ہے اور دنیا کے سب سے بڑے محنت بزنس میں بلکی اس اور وارن بفت بھی امریکی ہیں، دنیا میں سب سے زیادہ سامنہ دان پروفسرز اور ڈین لوگ بھی امریکہ میں ہیں، دنیا کی تیس بڑی یونیورسٹیاں اور تعلیمی ادارے بھی امریکہ میں

کی دو ہزار پانچ سو لیکٹریں کمپنیوں کا تعلق بھی امریکہ سے ہے۔ یہ حقائق کیا ثابت کرتے جواب دیا ”جزل مشاق بیگ کی شہادت بنیادی طور پر قدرت کی ناراضی کا اظہار ہے، یہ قدرت کا رہ سکنل ہے“ میں نے حیران ہو کر پوچھا ”یہ قدرت کا رہ سکنل کیا ہوتا ہے؟“ میرے دوست بولے ”بھی اس کی وضاحت کیلئے تاریخ میں جانا پڑے گا، تم فرعون کی مثال لے لوزا نیمیس دوم وہ فرعون تھا جس نے حضرت موسیٰ کی موجودگی میں خدا کی دعویٰ کیا تھا اور بعد ازاں حضرت موسیٰ کا پیچھا کرتے ہوئے دریائے نیل میں ڈوب مرا تھا، یہ فرعون بڑا زیرک، سمجھدار، وژنری اور مضبوط تھا، اس کی اصلاحات مصري سلطنت کا نقش بدل دیا تھا، تاریخ آج تک اس فرعون کی عقلمندی اور روشنی کی تعریف کرتی ہے۔ ہم جب قدیم تاریخ اور آسمانی صحائف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے اس فرعون کی عقلمندی اس کے مشوروں میں پوشیدہ تھی، اس نے دنیا بھر سے ہجن کرذ ہین اور بردبار لوگ اپنے گرد جمع کر کرکے تھے لیکن پھر یہ فرعون تکبر کا شکار ہوا اور اس تکبر کی وجہ سے قدرت اس سے ناراض ہو گئی اور اس نے ایک ایک کر کے اس کے مشوروں پس بلانا شروع کر دیئے، یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ کے ساتھ فرعون کا مقابلہ شروع ہوا تو فرعون کے تمام مشیر ختم ہو چکے تھے اور ان کی جگہ موقع پرست، حریص اور کم فہم لوگ لے چکے تھے، اسکا نتیجہ یہ لکلا جب فرعون تکبر کے عالم میں نبی اسرائیل کے پیچھے بھاگا تو اسے روکنے، سمجھانے اور ٹھنڈا کرنے والا کوئی شخص نہیں تھا اور یوں فرعون نیل میں ڈوب کر مر گیا، ”میں خاموشی سے سختار ہا، میرے دوست بولے“ قدرت کا نظام بڑا لچک ہے، وہ جب کسی سے خوش ہوتی ہے تو اسکے ارد گرد اچھے نیک اور سمجھدار لوگوں کی تعداد بڑھاتی ہے اور جب وہ کسی سے خنا ہوتی ہے تو وہ نیک، سمجھدار اور ڈین لوگوں کو اس سے دور ہٹانے لگتی ہے اور یوں وہ شخص برے اور کم فہم لوگوں میں گھیرتا چلا جاتا ہے اور یہ کم فہم لوگ اسے فرعون کے انجام سے دوچار کر دیتے ہیں، ”میں خاموشی سے سختار ہا۔“

صلی نہیں اور غلطی سے انہیں بھجوادی گئی تھی۔ میں نے پوچھا ”اور چھ ماہ بعد جب وہ دوبارہ آپ کے ساتھ آتی ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟“ وہ بس کر بولے ”میں اسے لاءِ فشری بھجوادیتا ہوں اور وہاں سے وہ بھی دا پس نہیں آتی۔“

ہم اپنے دفتری نظام کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس میں چند بڑے فارموں کے دکھائی دیں گے
اکمل میں جب بھی کوئی حکومت آتی ہے تو ہمارے پیور و کریٹس حکومت کو "ری سر کچر گنگ" کا مشورہ
ہے ہیں، حکومت اس مشورے کے چند میں آ جاتی ہے جس کے بعد پرانی وزارتیں کو چھوٹے
کاہلے نکلوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، مختلف ذیپارٹمنٹس کے اندر موجود مکملوں کے نام بدلتے جاتے ہیں،
ایک مکملے کو دوسرے مکملے میں ضم کر دیا جاتا ہے، وزارت کو ڈویژن ڈویژن کو کارپوریشن کارپوریشن کو
انصاری اور اتحاری کو بورڈ کی شکل دے دی جاتی ہے، اکھاڑ پچاڑ کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہوتا ہے کہ حکومت
تم ہو جاتی ہے، نئی حکومت آتی ہے تو پیور و کریٹس اس حکومت کو بھی "ری سر کچر گنگ" کا مشورہ دے دیتے
ہیں چنانچہ نئی حکومت پہلے کو اٹا گھما نا شروع کر دیتی ہے، بورڈ اتحاری بننے ہیں، اتحاری کارپوریشن
کارپوریشن ڈویژن اور ڈویژن دوبارہ وزارت بن جاتی ہے اور اکثر اوقات پانچ چھوٹے ساٹھ برس سے جاری ہے چنانچہ
دوسرے میں ضم ہو کر ایک نئی وزارت بھی بن جاتی ہے اور یہ کھیل پچھلے ساٹھ برس سے جاری ہے چنانچہ
ہم سفر تو بے تھاشا کر رہے ہیں لیکن منزل سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ اس اکھاڑ پچاڑ کا تازہ
ترین واقعہ دیکھ لجئے، 1981ء تک سیلز نیکس اکٹم نیکس کے مکملے کے پاس تھا، سیلز نیکس کی کارکردگی ٹھیک نہیں
قہی، حکومت نے ریسرچ کرائی تو پتہ چلا ملائشیا اور بھارت میں بھی یہی صورت حال تھی چنانچہ انہوں نے
سیلز نیکس کے مکملے کو کشم کے ساتھ ختم کر دیا جس کے نتیجے میں وہاں حالات بہتر ہو گئے لہذا حکومت نے
"ری سر کچر گنگ" کی اور سیلز نیکس کا مکملے کشم ذیپارٹمنٹ کے حوالے کر دیا یہ تجزیہ کا میاب ہو گیا چنانچہ
حکومت کو کھربوں روپے کا فائدہ ہوا لیکن اب 2009ء میں اچاکٹ شوکت ترین صاحب نے ایک بار
پھر ری سر کچر گنگ کا فیصلہ کیا اور انہوں نے فیڈرل پیور و آف ریونیو کو سیلز نیکس کا مکملہ دوبارہ اکٹم نیکس کے
حوالے کرنے کا حکم دے دیا۔ اس حکم کے بعد اب ایک نیا ذیپارٹمنٹ بنایا جائے گا جس کا نام آئی آر
ایس یعنی انٹر ریونیو سروس ہو گا اور سیلز نیکس اور اکٹم نیکس دونوں مکملے اس سروس کے تحت کام کریں گے۔
"خفیہ" معلومات کے مطابق اس حکم کی وجہ آئی ایم ایف بنا۔ شوکت ترین صاحب کا خیال ہے آسٹریلیا
اور نیوزی لینڈ میں سیلز نیکس اور اکٹم نیکس کے مکملے اکٹھا کام کرتے ہیں لہذا ہمیں اس معاملے میں آسٹریلیا
ماڈل کو فالو کرنا چاہئے لیکن یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کیا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ دنیا میں ترقی کرنے

ری سٹر کچرگ

محمد اظہار الحق ملک کے نامور بیور و کریٹ، شاعر، ادیب اور کالم نگار ہیں، وہ سرکاری ملازم سے رہنما تھے ہو چکے ہیں اور اب بڑی حد تک شریفانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے برسوں پہلے فیڈرل سینکڑی کا سچا داقعہ سنایا تھا، ملک میں مارشل لاءِ لگا تھا اور ایک وزارت "مال غینمت" میں کمی خاطر سروس جرنیل کو مل گئی تھی؛ جزل صاحب نے سینکڑی کو کوئی کام کہا، سینکڑی نے اس کے جواب میں صفحوں کی سری بھجوادی بجزل صاحب سینکڑی کی انگریزی سے بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے سینکڑی کو بلا کر کہا۔ "جناب آپ نے سری کی ہٹکل میں ایک اعلیٰ ادبی شہزادہ پارہ تخلیق کیا ہے لیکن مجھے اس کی بھر بالکل نہیں آئی، میں نے اسے تین بار پڑھا، مگر مجھے ہرگز پتہ نہیں چلا۔ آپ اس میں کہنا کیا چاہتے ہیں؟ آپ کی سری بیک وقت ہاں بھی ہے اور نہیں بھی؛ آخر آپ اس میں کہنا کیا چاہتے ہیں؟" سینکڑی یہ سن کر مسکرا اور عاجزی سے بولا۔ "جناب میں اسی بات کی تنوہ ایسا ہوں، مجھے میری سروس نے چالیس سال میں سیل سکھایا ہے کہ انگریزی شاندار لکھوں لیکن مفہوم گول کر دو، تمہاری بات کی سمجھ کسی کو نہیں آئی چاہئے۔" میں اکثر سوچتا ہوں، ہمارا بیور و کریٹ سسٹم کا میدی ہے یا اڑی بجڑی! میں نے بارہا سینکڑی بیور و کریٹ سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر مجھے آج تک کوئی اس کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا۔ ہمارے ملک میں جب ایک درخواست سینکڑی تک پہنچتے پہنچتے دس کلوگرام کی فائل بن جاتی ہے اور فائل کے ہر صفحے پر خوبصورت انگریزی میں لمبے چوڑے ریمارکس لکھتے جاتے ہیں لیکن یہ فائل آخری دربار تک پہنچ کر بھی منظوری سے محروم رہتی ہے تو اس وقت یہ نظام کا میدی لگتا ہے لیکن جب اس تاخیر کے متأخر پر غور کرتے ہیں تو یہ ملک دنیا میں میختنگ کی ناکامی کی سب سے بڑی مثال دکھائی دیتا ہے اور اس بڑی بجڑی پر آنسو نکل آتے ہیں۔ میرے ایک دوست سینکڑی ہیں، میں نے بھی انہیں کام کرتے نہیں دیکھا، مجھے ان کی میز پر کبھی کوئی فائل بھی دکھائی نہیں دی۔ میں نے ان سے ایک بار اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے مسکرا کر جواب دیا، میں اپنے پاس آنے والی ہر فائل کو فناں ڈیپارٹمنٹ بھجوادیتا ہوں، فناں کے لوگ فائل کی نوعیت دیکھے بغیر اس پر کارروائی شروع کر دیتے ہیں اور چھ ماہ بعد انہیں معلوم ہوتا ہے یہ فائل ان سے

اگلی "ریورس" ہو رہا ہے۔
میں قطعاً نہیں کہتا پروری مشرف کے تمام اقدامات نیک نتیجی پر منی تھے اور ان کو نیوٹن کے
وقایت پسند ملک ہیں، آپ کو دنیا کی کسی مارکیٹ میں میدان آسٹریلیا یا میڈان نیوزی لینڈ معاشری طور پر
دیتا جبکہ اس کے مقابلے میں بھارت اور مالاکشیا "گرونگ اکانو میز" ہیں، یہ دونوں ممالک نبی منڈیوں اور
مارکیٹوں کی طرف بڑھ رہے ہیں چنانچہ سوال یہ ہے: میں ترقی کرنے والے ممالک کی تقلید کرنی چاہئے یا
پھر معاشری طور پر نجد ممالک کی بیرونی؟ یہ سوال ہے جس کے جواب میں سارے جواب چھپے ہیں۔
ہماری روپری سڑک پر گرفتاری صرف سیلز نیکس تک محدود نہیں بلکہ حکومت نے وزارتیوں، ڈویژنوں اور
اتخاڑیوں کے بجٹ روک دیئے ہیں جس کے نتیجے میں تمام سرکاری مکھموں کے کام رک چکے ہیں اور
سرکاری ملازمین سارا سارا دن دفتروں میں بکھیاں مارتے رہتے ہیں، پاکستان کی کسی وزارت میں اس
وقت کوئی کام نہیں ہو رہا، صدر پروری مشرف کے دور میں حکومت نے ہائراجکوکیشن کمیشن بنایا تھا، یہ ایک
اچھا تجربہ تھا اس سے ملک میں اعلیٰ تعلیم کا گراف بلند ہو رہا تھا، ہمارے سینکڑوں طالب علم دنیا کی بڑی
بڑی یونیورسٹیوں میں پی اچ ڈی کر رہے تھے اور دنیا کی مشہور یونیورسٹیاں پاکستان میں کیپس کھول
رہی تھیں لیکن حکومت نے اس کمیشن کے فنڈز روک دیئے چنانچہ گزشتہ روز کمیشن نے دیوالیہ ہونے کا
اعلان کر دیا اور تمام یونیورسٹیوں کو لکھ کر بھیج دیا وہ اپنے پرائیلیس چلانے کیلئے مختیز حضرات سے رابطہ
کریں اور صدقے اور خیرات کا بندوبست کریں۔ ہائراجکوکیشن کمیشن کے فنڈز رکنے سے ہمارے
سینکڑوں بلکہ ہزاروں طالب علموں کی پی اچ ڈی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ این سی اچ ڈی (نیشنل کمیشن فار
ہیومن ڈولپمنٹ) بھی پروری مشرف کے دور میں بنایا تھا، اس ادارے میں ایک لاکھ کے قریب لوگ ملازم
تھے اور یہ ادارہ تحصیل سطح پر فلاج و بہبود کے کام کر رہا تھا، یہ ادارہ بھی "روپری سڑک پر گرفتاری"
کے مخصوصے بند ہو گئے، سائبھر ستر ہزار لوگ بے روزگار ہوئے اور آج اس ادارے کے سینئریز میں
لوگوں نے گدھے اور بھیسیں باندھ رکھی ہیں۔ پروری مشرف کے دور میں اختیارات کی ٹھنڈی سطح تک منتقل کا
سلسلہ شروع ہوا تھا، حکومت نے اس کام کیلئے نیشنل ری کنسٹرکشن پیورو کے نام سے ایک ادارہ بنایا تھا،
اس ادارے نے کمشزا درڈی پی کمشزا انسٹیوٹ توڑا ناظمین آئے اور حکومتی اختیارات اور فنڈز ناظمین
کو منتقل ہو گئے لیکن موجودہ حکومت نے اس کی دوبارہ روپری سڑک پر گرفتاری شروع کر دی، پنجاب حکومت کی
مہربانی سے کمشزا حضرات واپس آگئے ہیں اور ناظمین عضو معطل ہو کر رہ گئے، آج یہ ناظمین پنجاب میں
جلوس نکال رہے ہیں۔ اسی قسم کی صورت حال پولیس ریفارمز کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔ صدر مشرف کے
دور میں پولیس ایکٹ 2002 آیا جس کے ذریعے جیسے تیسے پولیس کا ایک نیا سشم سامنے آیا تھا آج

والی میشتوں میں شمار ہوتے ہیں؟ اس کا جواب "نہ" ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ معاشری طور پر
قیامت پسند ملک ہیں، آپ کو دنیا کی کسی مارکیٹ میں میدان آسٹریلیا یا میڈان نیوزی لینڈ وکھائی نہیں
دیتا جبکہ اس کے مقابلے میں بھارت اور مالاکشیا "گرونگ اکانو میز" ہیں، یہ دونوں ممالک نبی منڈیوں اور
مارکیٹوں کی طرف بڑھ رہے ہیں چنانچہ سوال یہ ہے: میں ترقی کرنے والے ممالک کی تقلید کرنی چاہئے یا
پھر معاشری طور پر نجد ممالک کی بیرونی؟ یہ سوال ہے جس کے جواب میں سارے جواب چھپے ہیں۔
ہماری روپری سڑک پر گرفتاری صرف سیلز نیکس تک محدود نہیں بلکہ حکومت نے وزارتیوں، ڈویژنوں اور
اتخاڑیوں کے بجٹ روک دیئے ہیں جس کے نتیجے میں تمام سرکاری مکھموں کے کام رک چکے ہیں اور
سرکاری ملازمین سارا سارا دن دفتروں میں بکھیاں مارتے رہتے ہیں، پاکستان کی کسی وزارت میں اس
وقت کوئی کام نہیں ہو رہا، صدر پروری مشرف کے دور میں حکومت نے ہائراجکوکیشن کمیشن بنایا تھا، یہ ایک
اچھا تجربہ تھا اس سے ملک میں اعلیٰ تعلیم کا گراف بلند ہو رہا تھا، ہمارے سینکڑوں طالب علم دنیا کی بڑی
بڑی یونیورسٹیوں میں پی اچ ڈی کر رہے تھے اور دنیا کی مشہور یونیورسٹیاں پاکستان میں کیپس کھول
رہی تھیں لیکن حکومت نے اس کمیشن کے فنڈز روک دیئے چنانچہ گزشتہ روز کمیشن نے دیوالیہ ہونے کا
اعلان کر دیا اور تمام یونیورسٹیوں کو لکھ کر بھیج دیا وہ اپنے پرائیلیس چلانے کیلئے مختیز حضرات سے رابطہ
کریں اور صدقے اور خیرات کا بندوبست کریں۔ ہائراجکوکیشن کمیشن کے فنڈز رکنے سے ہمارے
سینکڑوں بلکہ ہزاروں طالب علموں کی پی اچ ڈی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ این سی اچ ڈی (نیشنل کمیشن فار
ہیومن ڈولپمنٹ) بھی پروری مشرف کے دور میں بنایا تھا، اس ادارے میں ایک لاکھ کے قریب لوگ ملازم
تھے اور یہ ادارہ تحصیل سطح پر فلاج و بہبود کے کام کر رہا تھا، یہ ادارہ بھی "روپری سڑک پر گرفتاری"
کے مخصوصے بند ہو گئے، سائبھر ستر ہزار لوگ بے روزگار ہوئے اور آج اس ادارے کے سینئریز میں
لوگوں نے گدھے اور بھیسیں باندھ رکھی ہیں۔ پروری مشرف کے دور میں اختیارات کی ٹھنڈی سطح تک منتقل کا
سلسلہ شروع ہوا تھا، حکومت نے اس کام کیلئے نیشنل ری کنسٹرکشن پیورو کے نام سے ایک ادارہ بنایا تھا،
اس ادارے نے کمشزا درڈی پی کمشزا انسٹیوٹ توڑا ناظمین آئے اور حکومتی اختیارات اور فنڈز ناظمین
کو منتقل ہو گئے لیکن موجودہ حکومت نے اس کی دوبارہ روپری سڑک پر گرفتاری شروع کر دی، پنجاب حکومت کی
مہربانی سے کمشزا حضرات واپس آگئے ہیں اور ناظمین عضو معطل ہو کر رہ گئے، آج یہ ناظمین پنجاب میں
جلوس نکال رہے ہیں۔ اسی قسم کی صورت حال پولیس ریفارمز کے ساتھ پیش آ رہی ہے۔ صدر مشرف کے
دور میں پولیس ایکٹ 2002 آیا جس کے ذریعے جیسے تیسے پولیس کا ایک نیا سشم سامنے آیا تھا آج

ایک "ہیلپر" رکھ لیا چنانچہ آج سکندر اور اس کا ہیلپر دونوں خوش و خرم زندگی گزار رہے ہیں لیکن اس کا میابی کے باوجود ابھی جناب شوکت عزیز کا خواب مکمل نہیں ہوا ہے، شوکت عزیز کا اس وقت پورا ہو گا جب سکندر بھکاریوں کی بیشن اور بلیتی بیشن کمپنی بنالے گا چنانچہ ہمارے سابقہ علم کی خواہش ہے جلد سے جلد ایکشن ہوں، نئی اسلامیاں بنیں اور وہ ایک بار پھر ٹریکل ڈاؤن کے امر میں مصروف ہو جائیں۔ میرا خیال ہے اگر محترم شوکت عزیز کی یہ خواہش پوری ہو گئی تو وہ دوبارہ اس میں آگئے تو یہ پاکستان کو سکندر رجیسے و تر زی، مختی اور کامیاب بنس میں کی پوری کھیپ دے کر پنڈی بھیاں کا سکندر بھیک مانگنے کا "کاروبار" کرتا تھا، وہ پیدائشی معذور تھا، وہ ریڑھی، لیٹ جاتا تھا، اپنے ہاتھوں سے ریڑھی گھینٹا تھا اور صد الگاتا جاتا تھا اور شام تک اپنے اہل خانہ کیلئے ہاں نفقہ جمع کر لیتا تھا، یہ سلسلہ کمی بر سوں تک جاری رہا یہاں تک کہ 2007ء کا اکتوبر آگیا اور حکومت ہونے سے پہلے وزیر اعظم شوکت عزیز کی معاشی اصلاحات ٹریکل ڈاؤن ہوتے ہوئے سکندر تک گئیں اور اس نے اپنے لئے ملازم رکھ لیا، یہ ملازم صح سے شام تک سکندر فقیر کی ریڑھی کھینچتا ہے اور سکندر اس خدمت کے عوض اسے اپنی کمائی سے سورپے دے دیتا ہے، اس نے "معاشی اسٹیجنٹ" کے بعد سکندر اور اس کا ملازم دونوں خوش ہیں، سکندر اب اپنے کاروبار کو آگے بڑھانے کی مخصوصہ بندی کر رہا ہے، اس کا خیال ہے اگر اسے دس بیس معذور مل جائیں تو وہ ان سب کو ریڑھیوں میں بٹھائے گا، ان ریڑھیوں کو گھینٹے کیلئے اتنے ہی نوجوان بھرتی کرے گا اور یوں اس کی پرائیوریتی میں چالیس لوگوں کے باعزت روزگار کا ذریعہ بن جائے گی، سکندر آج کل اس مخصوصے پر "ورکنگ" کر رہا ہے مجھے یقین ہے اگر وہ اس مخصوصے پر اسی محنت اور جانشناختی سے کام کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب اس کی کمپنی ملک کے معاشی افت پر جلوہ گر ہو جائے گی اور وہ پاکستان کی میکیت میں بڑا ہم کروادا کرے گا۔

ٹریکل ڈاؤن

پنڈی بھیاں کا سکندر بھیک مانگنے کا "کاروبار" کرتا تھا، وہ پیدائشی معذور تھا، وہ ریڑھی، لیٹ جاتا تھا، اپنے ہاتھوں سے ریڑھی گھینٹا تھا اور صد الگاتا جاتا تھا اور شام تک اپنے اہل خانہ کیلئے ہاں نفقہ جمع کر لیتا تھا، یہ سلسلہ کمی بر سوں تک جاری رہا یہاں تک کہ 2007ء کا اکتوبر آگیا اور حکومت ہونے سے پہلے وزیر اعظم شوکت عزیز کی معاشی اصلاحات ٹریکل ڈاؤن ہوتے ہوئے سکندر تک گئیں اور اس نے اپنے لئے ملازم رکھ لیا، یہ ملازم صح سے شام تک سکندر فقیر کی ریڑھی کھینچتا ہے اور سکندر اس خدمت کے عوض اسے اپنی کمائی سے سورپے دے دیتا ہے، اس نے "معاشی اسٹیجنٹ" کے بعد سکندر اور اس کا ملازم دونوں خوش ہیں، سکندر اب اپنے کاروبار کو آگے بڑھانے کی مخصوصہ بندی کر رہا ہے، اس کا خیال ہے اگر اسے دس بیس معذور مل جائیں تو وہ ان سب کو ریڑھیوں میں بٹھائے گا، ان ریڑھیوں کو گھینٹے کیلئے اتنے ہی نوجوان بھرتی کرے گا اور یوں اس کی پرائیوریتی میں چالیس لوگوں کے باعزت روزگار کا ذریعہ بن جائے گی، سکندر آج کل اس مخصوصے پر "ورکنگ" کر رہا ہے مجھے یقین ہے اگر وہ اس مخصوصے پر اسی محنت اور جانشناختی سے کام کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب اس کی کمپنی ملک کے معاشی افت پر جلوہ گر ہو جائے گی اور وہ پاکستان کی میکیت میں بڑا ہم کروادا کرے گا۔

پنڈی بھیاں کا سکندر اور اس کا ملازم ہمارے سابقہ وزیر اعظم جناب شوکت عزیز کی معاشی اصلاحات کی شاندار مثال ہیں، شوکت عزیز آٹھ برس تک اس ملک کے سیاہ و سفید کے مالک رہے ہیں، ان آٹھ برسوں میں جب بھی ملک میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری، مہنگائی اور کساد بازاری کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جاتی تھی تو وہ فرماتے تھے، ہم جب اقتدار میں آئے تھے تو پاکستان ڈیفارٹ کے قریب تھا لیکن آج پاکستان کے تمام بازاروں، منڈیوں اور کارخانوں میں رونق لگی ہے، ہماری یہ معاشی سرگرمیاں بہت جلد "ٹریکل ڈاؤن" ہوں گی اور ان کے ثمرات عام آدمی تک پہنچیں گے، جناب شوکت عزیز وحدتے کے پکے نکلے چنانچہ انہوں نے حکومت کے خاتمے سے پہلے اکانومی ٹریکل ڈاؤن کر دی۔ ان کی میکیت کے ثمرات پنڈی بھیاں تک پہنچے اور سکندر نے بھیک مانگنے کیلئے سورپے

لیں کیلئے کوئی مناسب مقام تلاش کر رہے ہوں گے۔

جناب شوکت عزیز ذہانت اور وجاهت کا ایک عظیم مجزہ ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں ہندسوں کو اسے پیچھے کرنے کی عظیم صلاحیت سے نواز اتحاہ الہذا جناب شوکت عزیز کے دوسریں پاکستان میں امراء کی

اک اسی کھیپ تیار ہوئی جس نے ڈاکے اور ان غواصوں کو باقاعدہ روزگار کی شکل دے دی، جو یہ بھول گئے معیشت کے جس درخت کو لاءِ اینڈ آرڈر کی کھادنے ملے اس کی شاخوں پر پھل نہیں لگتے لہذا آج پاکستان میں معیشت کے درختوں کے سارے پتے جھبڑ کچے ہیں، ساری شاخیں نہ ملے ہو چکی ہیں اور اس درخت پر کے تک گھونسلے بنانے کیلئے تیار نہیں ہیں، ہمارے محبوب وزیرِ اعظم بھول گئے تھے جس معیشت کی ہاؤں میں انصاف کا سیمٹ اور امن و امان کی اینٹیں نہیں ہوتیں وہ معیشت ہاؤں کی گدگدی اور ہاؤں کا بوجھ تک برداشت نہیں کرتی، وہ معیشت سکندر جیسے فقیروں کو ریز عیاں کھینچنے کیلئے ہیلپر تو دے سکیوں کا بوجھ تک برداشت نہیں کرتی، وہ معیشت سکندر جیسے فقیروں کو ریز عیاں کھینچنے کیلئے ہیلپر تو دے سکتی ہے لیکن وہ سماڑھ سولہ کروڑ انسانوں کو عزت نفس اور سکون فراہم نہیں کر سکتی، وہ بھول گئے قوم کے پتے لیدروں اور کھرے محسنوں کو ریٹائرمنٹ کے بعد بلٹ پروف گاڑیوں اور سیکورٹی کی ضرورت نہیں ہیں لیکن اس کی دعا تھیں ان لیدروں کی ڈھال اور عوام کی محبت ان کا قلعہ ہوتی ہیں لہذا آج ہمارے وزیرِ اعظم مختار مشوکت عزیز کا فلسفہ تو عوام تک ٹریکل ڈاؤن ہو گیا لیکن عوام کی محبت ہمارے محبوب سابق وزیرِ اعظم مختار مشوکت عزیز کا فلسفہ تو عوام تک ٹریکل ڈاؤن ہو سکی، وہ آج وزارتی کا لوٹی میں بیٹھ کر آنے والے کل کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔

⊗ ⊗ ⊗

ایک اسی کھیپ تیار ہوئی جس نے سرمایہ کاری کے بغیر اربوں روپے کمائے یہ ارب پتی دنیا کے اہل دلچسپ لوگ تھے ان لوگوں کے گھر اور بچے دوہی لندن اور شیخاڑ میں تھے یہ لوگ سعودی عرب، عرب امارات اور یورپ کے فرضی تاجریوں کو اپنے ساتھ ملاتے تھے، کہنی رجڑ کرتے تھے پاکستان میں کرائے پر دفتر لیتے تھے، کرائے کا شاف رکھتے تھے، تمام اخبارات اور ٹیلی ویژن چنلز پر بڑے ہے اشہارات دیتے تھے اور کروڑوں اربوں روپے سیمٹ کروالیں چلے جاتے تھے یہ ارب پتی پاکستان بینکوں سے اربوں روپے قرض بھی لیتے تھے، نج کاری کے نام پر پاکستان کے "ڈیڈ منسوبے" اسی خریدتے تھے اور اس ہیر پھیر میں اربوں روپے کما کروالیں چلے جاتے تھے، آپ پاکستان کے تمام تاریخیں ارب پتیوں کے پروفائل کا کر دیکھ لیں آپ کو ان ارب پتیوں کا کوئی بچہ اس وقت پاکستان میں نہیں ملے گا، یہ سب لوگ اور ان کے خاندان دوہی اور یورپ میں مزے لوٹ رہے ہیں اور پاکستان میں ان کے صرف دفتر ہیں اور وہ بھی کرائے کے ہمارے محبوب وزیرِ اعظم اپنی وزارت عظمی کے آخری "میں وزیرِ اعظم یکٹریٹ کے لانوں میں مختلف ترقیاتی منصوبوں کا افتتاح بھی کرتے تھے، گیس بھارہ کا میں لگتی تھی لیکن اس کی تختی کی نقاب کشائی وزیرِ اعظم یکٹریٹ میں ہوتی تھی اور پل جھنگ میں بنا تھا لیکن اس کا سنگ بنیاد وزیرِ اعظم ہاؤس میں رکھا جاتا تھا، آپ اس وقت وزیرِ اعظم ہاؤس یا وزیرِ اعظم یکٹریٹ میں جا کر دیکھ لیں آپ کو اس کے لان تختیوں کے قبرستان نظر آئیں گے، افسوس ہمارے وزیرِ اعظم اپنی معاشی اصلاحات کی یہ نشانیاں پیچھے چھوڑ کر چلے گئے، کاش وہ انہیں بھی ساتھ لے جاتے ہا کہ کل کلاں وہ تختیوں کو بطور سند پیش کر سکتے۔

ہمارے محبوب وزیرِ اعظم کا پس منظر بنا کری تھا، وہ پوری زندگی بینکوں میں کام کرتے رہے چنانچہ انہوں نے اس ملک کو وہی کچھ ٹریکل ڈاؤن کیا جو ایک بینکار کر سکتا تھا، ایک بینکار اور معیشت دان میں بڑا فرق ہوتا ہے، بینکار اکاؤنٹ پر توجہ دیتا ہے جبکہ معیشت دان معیشت پر، ایک سچا معیشت دان جانتا ہے دنیا میں لاءِ اینڈ آرڈر اور انصاف معیشت کی بنیاد ہوتا ہے اور جس ملک میں عدالتی نظام مضبوط نہ ہوا اور جس میں لاءِ اینڈ آرڈر نہ ہوا س ملک میں سونے کے پہاڑ بھی لوگوں کو خوشحالی نہیں دے سکتے، سچے معیشت دان جانتے ہیں اگر ملک میں امن ہو تو لوگ پیاز کے ساتھ سوکھی روٹی کھا کر بھی خوش رہ سکتے ہیں، وہ جانتے ہیں جس ملک میں حکومت باضیمر اور ایماندار جوں کے دروازے پر پولیس بھادے اس ملک میں ترقی اور خوشحالی نہیں آ سکتی جبکہ اس کے مقابلے میں بینکار کو اپنے منافع سے غرض ہوتی ہے وہ منافع سیئتا ہے اور چلا جاتا ہے، ہمارے محبوب وزیرِ اعظم دنیا کے پہلے لیدر تھے جنہوں نے ملک کا لاءِ اینڈ

مسافر لندن کے اندر گراڈ سسٹم میں سفر کرتے ہیں جبکہ دیک اینڈ پر ان مسافروں کی تعداد 34 ہالی ہے، حکومت اس سسٹم کے ذریعے 5 بلین پاؤند سالانہ کمائی ہے، حکومت نے 2003ء میں گراڈ کوبوس کے نظام سے مسلک کر دیا اور اسے "ٹرانسپورٹ فار لندن" یعنی لی ایف ایل کا نام دیا، اس نے نظام کے تحت اب لندن کے مسافر چار سے پانچ پاؤند کا ملک لے کر چوبیس گھنٹے تک کام، اور مسافر بسوں کی سہولت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان کو اس ملک کے بعد کسی دوسرے ملک کی درودت نہیں رہتی اور وہ ثبو کے کسی بھی روٹ اور لندن کی کسی بھی بس میں سوار ہو سکتے ہیں، اندر گراڈ سسٹم رات بارہ بجے بند ہو جاتا ہے لیکن بیس 24 گھنٹے چلتی رہتی ہیں چنانچہ لندن میں کسی مسافر اکثر میں وقت نہیں ہوتی، یہ ٹرانسپورٹ سسٹم اتنا خوبصورت آرام دہ اور وقت کا پابند ہے کہ لندن کے ہمدردوں اسے ذاتی سواری پر فویت دیتے ہیں، لندن کے لوگوں کا خیال ہے اگر قہپ نے وقت پر بیٹھا ہے تو آپ کو دلا کھ پاؤند کی ذاتی گاڑی کی بجائے چار پاؤند کے ملک پر انحصار کرنا چاہیے پیرس میں اس سسٹم "میٹرو" کہلاتا ہے اور یہ لندن کے اندر گراڈ سسٹم کے مقابلے میں کئی گناہ خوبصورت آرام دہ اور سکر فارہ ہے، پیرس کا میٹرو سسٹم 1900ء میں بناتا اور دوسری جنگ عظیم کے دوران اس میں بڑے کالے پرتو سیچ ہوئی تھی، پیرس کا میٹرو سسٹم 16 لائنوں، 298 شیشنوں اور 382 شاپس پر مشتمل ہے، اس کی لمبائی 213 کلومیٹر ہے اور اس پر 45 لاکھ لوگ روزانہ جبکہ ایک ارب 3 کروڑ 65 لاکھ مسافر سالانہ سفر کرتے ہیں، دنیا کا سب سے بڑا اندر گراڈ میشن بھی پیرس میں ہے، فرانس کی حکومت نے پہلے سال میٹرو کی لائین نمبر 14 پر آٹو ینک ٹرین شروع کی، یہ ٹرین ڈرائیور کے بغیر چلتی ہے اور مکمل طور پر اتو ینک ہے، حکومت اگلے سال تک سارے میٹرو سسٹم کو آٹو ینک کرنے کا منصوبہ بنارہی ہے، یہ نظام امریکہ میں بھی موجود ہے، امریکہ میں اسے "سب وے" کہا جاتا ہے اور یہ سب وے امریکہ کے 12 بڑے شہروں میں قائم ہے جبکہ ان میں نیویارک، فلاڈلفیا اور بوشن کے سب وے زیادہ مشہور ہیں، امریکہ کی نیزی اور یورپ کے علاوہ ٹرانسپورٹ کا یہ نظام جاپان، چین اور روس میں بھی موجود ہے اور کروڑوں لوگوں نے خالی کان کے اندر ریل کی پڑی بچھائی، اس پڑی پر ذبے لگائے اور کان کے اندر نیز سرگن بنا کر کوئلہ کا لانا شروع کر دیا، اس سارے عمل کے دوران کسی گورے کے دماغ میں آیا اگر کان کے اندر ریل کا نظام چل سکتا ہے تو یہ سسٹم شہروں کے پیچے کیوں کام نہیں کر سکتا، یہ آئیڈیا حکومت تک پہنچا، حکومت نے لندن شہر کے پیچے سرگن بنائیں اور ان سرگنوں میں ریل کا سسٹم شروع کر دیا یوں لندن کا اندر گراڈ سسٹم شروع ہو گیا، یہ سسٹم 1863ء میں شروع ہوا تھا اور آج تک چل رہا ہے، لندن شہر کے پیچے اس وقت ریل کی 408 کلومیٹر لمبی پڑی بچھی ہے اور یہ پڑی 275 ریلوے شیشنوں کے ساتھ مسلک ہے، اس اندر گراڈ کے افتتاح کے دن 40 ہزار مسافروں نے اس پر سفر کیا تھا لیکن آج روزانہ پاکستان کے شہری جب ملک سے باہر جاتے ہیں اور وہاں کے میٹرو اندر گراڈ زیادہ سب

ٹرانسپورٹ سسٹم

میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سارے سکے نکال کر سامنے رکھ دیئے، میاں شہباز شریف نے دو پاؤند کا سکہ اٹھایا، میں میں سکہ ڈالا، میں سے نکلتا لکلا اور ہم بس میں سوار ہو گئے، یہ لندن کی آسکفورد سٹریٹ تھی اور ہم کھانا کھانے کیلئے انجویر سٹریٹ جا رہے تھے، یہ بس انتہائی کشادہ آرام دہ اور صاف ستری تھی، میں نے شہباز شریف سے پوچھا "میاں صاحب کیا پاکستان میں اسی بیس نہیں شروع ہو سکتیں؟" انہوں نے توب کر جواب دیا "اگر 12 اکتوبر نہ آتا تو اب تک چل چکی ہوتیں،" میں نے اگلے سوال کیلئے منہ کھولا لیکن ہمارا شاپ آ گیا۔

لندن کی سرکاری ٹرانسپورٹ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلا حصہ اندر گراڈ یا زیر زمین ریلوے سسٹم کہلاتا ہے، لندن کے لوگ اسے "ثبو" بھی کہتے ہیں، یہ ثبو سسٹم زمین کے اندر قائم ہے اور سارا شہر اس کے اوپر آباد ہے، یہ سسٹم بھی ایک انتہائی دلچسپ کہانی ہے، انیسویں صدی میں برطانیہ کے ایک کاروباری خاندان نے کوئلے کی کامی خریدیں اور کوئلے کی سپاٹی شروع کر دی، ان لوگوں نے ایک کان خالی کی توپہماڑ کے اندر مہیب سرگن بن گئی، اس دوران ایک نئی کان دریافت ہو گئی، یہ کان اس خالی کان کی بغل میں تھی، گوروں نے سوچا دوسری کان کوئنے سرے سے کھونے کی بجائے کیوں نہ ہم خالی کان کے اندر سے ایک سرگن بنائیں اور اس نئی کان کا کوئلہ پرانی کان کے ذریعے باہر نکال لیں، ان لوگوں نے خالی کان کے اندر ریل کی پڑی بچھائی، اس پڑی پر ذبے لگائے اور کان کے اندر نیز سرگن بنا کر کوئلہ کا لانا شروع کر دیا، اس سارے عمل کے دوران کسی گورے کے دماغ میں آیا اگر کان کے اندر ریل کا نظام چل سکتا ہے تو یہ سسٹم شہروں کے پیچے کیوں کام نہیں کر سکتا، یہ آئیڈیا حکومت تک پہنچا، حکومت نے لندن شہر کے پیچے سرگن بنائیں اور ان سرگنوں میں ریل کا سسٹم شروع کر دیا یوں لندن کا اندر گراڈ سسٹم شروع ہو گیا، یہ سسٹم 1863ء میں شروع ہوا تھا اور آج تک چل رہا ہے، لندن شہر کے پیچے اس وقت ریل کی 408 کلومیٹر لمبی پڑی بچھی ہے اور یہ پڑی 275 ریلوے شیشنوں کے ساتھ مسلک ہے، اس اندر گراڈ کے افتتاح کے دن 40 ہزار مسافروں نے اس پر سفر کیا تھا لیکن آج روزانہ

وے سشم میں سفر کرتے ہیں یا یہ لوگ ان کی بسوں اور یگیسیوں میں بیٹھتے ہیں تو انہیں اپنی پسمندی حکومتی وزن پر افسوس ہوتا ہے، آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی اسلام آباد دنیا کا چوتھا دارالحکومت جس میں پبلک ٹرانسپورٹ سشم موجود نہیں جبکہ پاکستان کے کسی بھی شہر میں یورپ جیسی ٹرانسپورٹ دستیاب نہیں، آج سے میں برس پہلے پاکستان کے تین بڑے شہروں میں "والو" بسیں چلتی تھیں، اضلاعی اور صوبائی سطح پر گورنمنٹ کی بس سروں موجود تھی اسے عرف عام میں "بھیٹی ایس" کہا جاتا تھا لیکن بدقتی سے یہ نظام بھی دم توڑ گیا اور سرکاری اہلکاروں نے ان بسوں کو نکلوئے نکلوئے کر کے کہاڑیوں کے ہاتھوں بچ دیا، راولپنڈی میں 2000ء میں "واران" کے نام سے ایک پرائیوریٹ بس سروں شروع ہوئی تھی لیکن اسے بھی سیاست کھاگئی اور یوں راولپنڈی اسلام آباد کے لاکھوں مسافروں کیوں تک مدد، ہو کرہ گئے، اگر ہم ٹرانسپورٹ کے مسئلے کو قوی سلسلہ پر دیکھیں تو ہمیں پورا ملک پبلک ٹرانسپورٹ کے شدید بحران کا شکار نظر آئے گا، پاکستان میں ایک اندازے کے مطابق روزانہ اڑھائی کروڑ لوگ اندر رون اور بیرون شہر سفر کرتے ہیں اور ان میں سے صرف دس فیصد لوگ ذاتی سواری کے مالک ہیں لہذا آپ ذرا لصورت بچھے باقی لوگ کیسے سفر کرتے ہوں گے اور دوران سفران کی کیا حالت ہوتی ہو گی، پاکستان کی بسیں ویگنیں اور یگیان بھی سفر کے قابل نہیں ہیں، ان کی نشستیں انتہائی خستہ ہیں، شیشے ٹوٹے ہوتے ہیں اور پوری بس پوری ویگن میں خاک اڑ رہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ مسافر بھی اوپر تلے ٹھوٹ دیے جاتے ہیں چنانچہ جب مسافر پرائیوریٹ ٹرانسپورٹ سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے کپڑے پھٹ پھٹ کر ہوتے ہیں اور بال بکھرے ہوتے ہیں لہذا وہ اس طبقے میں دفتر نہیں جاسکتے، یہ ٹرانسپورٹ سشم وقت کا پابند بھی نہیں، ٹرانسپورٹ کے مالکان کی ضابطہ اخلاق کے پابند نہیں ہیں، ان کی اپنی ہی نائگنگ ہوتی ہے اور جب تک ان کی بس یا ویگن پائیں تو تک مجرم نہیں جاتی یہ لوگ گاڑی کو حرکت نہیں دیتے اور اگر بس چل پڑے تو بھی یہ لوگ دس قدم پر نئے مسافر کیلئے گاڑی روک دیتے ہیں چنانچہ وقت کا پابند شخص یا ایر جسٹی میں سفر کرنے والا کوئی مسافر بسوں اور یگیوں پر سفر نہیں کرتا لہذا پبلک ٹرانسپورٹ سشم ملکوں کی ترقی اور شہریوں کی عزت فس کیلئے انتہائی ضروری ہوتا ہے، یہ پبلک ٹرانسپورٹ، بس سروں اڈر گراؤنڈر میل سشم یا مانور میل صرف عام شہریوں کیلئے سہولت نہیں ہوتی، یہ ملک کا پڑوں اور ڈریزل کا خرچ بھی بچاتی ہے، اس کی وجہ سے ملک پلوٹن سے بھی بچ جاتا ہے اور لوگوں کی نفیات پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے چنانچہ تمام ممالک اس پر نہ صرف سوچ بچا کر رہے ہیں بلکہ عملی اقدامات بھی کر رہے ہیں، ہم لوگ اس معاملے میں برطانیہ سے ڈیڑھ سو سال جبکہ فرانس سے 107 سال پہلے ہیں لیکن اس کے باوجود ابھی وقت ہمارے ہاتھ سے

وے سشم میں سفر کرتے ہیں یا یہ لوگ ان کی بسوں اور یگیسیوں میں بیٹھتے ہیں تو انہیں اپنی پسمندی حکومتی وزن پر افسوس ہوتا ہے، آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی اسلام آباد دنیا کا چوتھا دارالحکومت جس میں پبلک ٹرانسپورٹ سشم موجود نہیں جبکہ پاکستان کے کسی بھی شہر میں یورپ جیسی ٹرانسپورٹ دستیاب نہیں، آج سے میں برس پہلے پاکستان کے تین بڑے شہروں میں "والو" بسیں چلتی تھیں، اضلاعی اور صوبائی سطح پر گورنمنٹ کی بس سروں موجود تھی اسے عرف عام میں "بھیٹی ایس" کہا جاتا تھا لیکن بدقتی سے یہ نظام بھی دم توڑ گیا اور سرکاری اہلکاروں نے ان بسوں کو نکلوئے نکلوئے کر کے کہاڑیوں کے ہاتھوں بچ دیا، راولپنڈی میں 2000ء میں "واران" کے نام سے ایک پرائیوریٹ بس سروں شروع ہو کرہ گئے، اگر ہم ٹرانسپورٹ کے مسئلے کو قوی سلسلہ پر دیکھیں تو ہمیں پورا ملک پبلک ٹرانسپورٹ کے شدید بحران کا شکار نظر آئے گا، پاکستان میں ایک اندازے کے مطابق روزانہ اڑھائی کروڑ لوگ اندر رون اور بیرون شہر سفر کرتے ہیں اور ان میں سے صرف دس فیصد لوگ ذاتی سواری کے مالک ہیں لہذا آپ ذرا لصورت بچھے باقی لوگ کیسے سفر کرتے ہوں گے اور دوران سفران کی کیا حالت ہوتی ہو گی، پاکستان کی بسیں ویگنیں اور یگیان بھی سفر کے قابل نہیں ہیں، ان کی نشستیں انتہائی خستہ ہیں، شیشے ٹوٹے ہوتے ہیں اور پوری بس پوری ویگن میں خاک اڑ رہی ہوتی ہے، اس کے علاوہ مسافر بھی اوپر تلے ٹھوٹ دیے جاتے ہیں چنانچہ جب مسافر پرائیوریٹ ٹرانسپورٹ سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے کپڑے پھٹ پھٹ کر ہوتے ہیں اور بال بکھرے ہوتے ہیں لہذا وہ اس طبقے میں دفتر نہیں جاسکتے، یہ ٹرانسپورٹ سشم وقت کا پابند بھی نہیں، ٹرانسپورٹ کے مالکان کی ضابطہ اخلاق کے پابند نہیں ہیں، ان کی اپنی ہی نائگنگ ہوتی ہے اور جب تک ان کی بس یا ویگن پائیں تو تک مجرم نہیں جاتی یہ لوگ گاڑی کو حرکت نہیں دیتے اور اگر بس چل پڑے تو بھی یہ لوگ دس قدم پر نئے مسافر کیلئے گاڑی روک دیتے ہیں چنانچہ وقت کا پابند شخص یا ایر جسٹی میں سفر کرنے والا کوئی مسافر بسوں اور یگیوں پر سفر نہیں کرتا لہذا پبلک ٹرانسپورٹ سشم ملکوں کی ترقی اور شہریوں کی عزت فس کیلئے انتہائی ضروری ہوتا ہے، یہ پبلک ٹرانسپورٹ، بس سروں اڈر گراؤنڈر میل سشم یا مانور میل صرف عام شہریوں کیلئے سہولت نہیں ہوتی، یہ ملک کا پڑوں اور ڈریزل کا خرچ بھی بچاتی ہے، اس کی وجہ سے ملک پلوٹن سے بھی بچ جاتا ہے اور لوگوں کی نفیات پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے چنانچہ تمام ممالک اس پر نہ صرف سوچ بچا کر رہے ہیں بلکہ عملی اقدامات بھی کر رہے ہیں، ہم لوگ اس معاملے میں برطانیہ سے ڈیڑھ سو سال جبکہ فرانس سے 107 سال پہلے ہیں لیکن اس کے باوجود ابھی وقت ہمارے ہاتھ سے

لے ماری سے پوچھا، ”جناب وہ وقت کب آئے گا؟“ انہوں نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بڑی سے بولے ”ہمارے اقدامات چند ماہ میں تریکل ڈاؤن ہو جائیں گے اور اس کے بعد عوام کو ہری اون پر یقین آجائے گا،“ وہ رکے اور بڑے یقین سے دبارہ بولے ”جادید صاحب! آپ لوگ ہیں گے جو ہمارے جانے کے بعد ہمارے حق میں لکھیں گے، جو ہمارے دور کو پاکستان کا شاندار ترین ہیں گے“ میں نے فوراً کلمہ حق کہنے کی ٹھانی لیکن اس وقت جابر سلطان سامنے بیٹھا تھا اور اس کے پس سے پوری کتاباتھ تھا چنانچہ میں نے بھی اپنے ایمان کو ”تریکل ڈاؤن“ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

میں نے کل کے اخبار میں ایک چھوٹی سی خبر پڑھی اور مجھے اس ملاقات کی ساری جزئیات یاد کیں۔ خبر میں انکشاف تھا مतحت میں شوکت عزیز ایک لمبے عرصے کیلئے ملک سے باہر چلے گئے ہیں اور فشر ہائل میں موجود ان کا گھر گجران وزیر اعظم محمد میاس سورو کے حوالے کر دیا گیا ہے، مجھے نہیں معلوم یہ خبر ہائل تک درست ہے اور کیا واقعی شوکت عزیز مکمل طور پر مایوس ہو کر باہر چلے گئے ہیں یا وہ کمک لینے والے طالیہ اور امریکہ گئے ہیں اور واپسی پر ان کی جیب میں نیا تقریب نامہ ہو گا اور وہ اپنے فلسفے اور ملک کو زیور تریکل ڈاؤن کرنے کیلئے واپس آئیں گے لیکن جہاں تک ان کی آئندہ برس کی کارکردگی کا ملک میں یہ ماننا پڑے گا، ان کی معاشی اصلاحات کا پھل اب عوام کے سامنے آچکا ہے اور عوام اس ملک میں کوئی دیکھ کر دھاڑیں مار رہے ہیں۔ آپ زیادہ دور نہ جائیں، آپ صرف آئے، بھلی پڑوں اور بھت گردی کو لے لیجئے، محترم شوکت عزیز نے آئے، بھلی پڑوں اور وہشت گردی کو جس طرح ”تریکل ڈاؤن“ کیا تھا، وہ آج پاکستان کے ایک ایک بچے کے چہرے پر لکھا ہے۔ آپ صرف آئے کوہی لے پاکستان میں پنجاب اور سندھ دو صوبوں میں گندم کاشت ہوتی ہے اور ہر سال سندھ اور پنجاب میں بیک سے قرض لے کر کسانوں سے گندم خریدتا ہے، یہ گندم بعد ازاں فلور ملوں کو فروخت کی جاتی ہے اور ان سے حاصل ہونے والی رقم پینکوں کو واپس کر دی جاتی ہے۔ حکومت نے 2006ء میں اعلیٰ امن کا ”یقین،“ تھا، وہ اپنے غلط کے صحیح ہونے کے یقین سے لہاپ بھرے تھے اور جس وقت ہائل اعلان کیا، مارچ اپریل میں ”بپر کراپ،“ آئے گی اور پاکستان کے پاس اس سال 23 ملین ٹن گندم پوری دنیا ان کی معاشی پالیسیوں پر انگلیاں اٹھا رہی تھی محتزم وزیر اعظم شوکت عزیز اس وقت بھی اپنے موقف پر ”ڈلے“ رہے تھے، مجھے ان کی اس خوبی کا انداز اچھی ملاقات میں ہوا تھا، شوکت عزیز نے اس ملاقات میں بڑی دل پذیر باتیں کیں اور ان باتوں کے دوران ہمارے ہر دل عزیز وزیر اعظم نے بڑے دعوے سے فرمایا ”میں نے ملکی معیشت کو اس سطح تک پہنچا دیا ہے، میرے بعد لوگ مجھے یاد کریں گے“

واہ شوکت عزیز صاحب واہ

یہ سردیوں اور گرمیوں کے درمیان کا موسم اور 2007ء کا سال تھا، وزیر اعظم شوکت عزیز اسے چار صحافیوں کو وزیر اعظم ہاؤس میں گپ شپ کی دعوت دی، میں بھی ان صحافیوں میں شامل تھا، لوگ وزیر اعظم ہاؤس کی خوبصورت اور آرام دہ سڑکی میں بیٹھے گئے اور وزیر اعظم شوکت عزیز اسے خوبصورت اور دھمکے انداز سے اپنی ”فتحات“ گوانے لگے، میری ان کے ساتھ چوتھی ملاقات تھی، چار ملاقاتوں میں مجھے ان کی چار خوبیوں کا انداز ہوا، اول، شوکت عزیز کی یادداشت بڑی شاندار تھی، باخصوص صحافیوں کے بارے میں مکمل معلومات رکھتے تھے اور ملاقات کے دوران ”معلومات“ کا ۲۷ دیتے تھے، میں ان کے ساتھ ہبھلی مرتبہ یار محمد رند کے ساتھ ملا تھا اور اس کے بعد جب میری ان دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے یار محمد رند کا ذکر بھی کیا، دوسرا وہ پاکستان میں اقتدار کے اصل ماذدے، واقف تھے، وہ فوج کو سیلوٹ کرتے تھے، صحافیوں کو تھکی دیتے تھے، یکریوں کو خوش رکھتے تھے، بُرلی مینوں کو کھل کر کمانے کا موقع دیتے تھے، غیر ملکی سرمایہ کاروں کو گلے ملتے تھے اور لوگوں کو حیران کر کے کیلئے الفاظ کی جادوگری کرتے تھے، چنانچہ وہ کامیاب جاری ہے تھے۔ ان کی تیری خوبی ان کی ”عاجزی اور افساری،“ تھی وہ کسی مضبوط اور طاقتور شخص کو ”نا،“ نہیں کرتے تھے، ان کی عاجزی اور افساری کا یہ عالم تھا، انہوں نے وزیر اعظم کا یہ زید پیدا اور سخت تک دوسروں کو دے رکھتے تھے، بعض اوقات ان کے نام سے بڑے بڑے حکم جاری ہو جاتے تھے اور انہیں ان احکامات کے بارے میں دوسرے دن اخبارات سے معلوم ہوتا تھا لیکن انہوں نے کبھی اختیارات کے اس تجاوز پر احتیاج نہیں کیا تھا اور ان کی چوتھی خوبی ان کا ”یقین،“ تھا، وہ اپنے غلط کے صحیح ہونے کے یقین سے لہاپ بھرے تھے اور جس وقت پوری دنیا ان کی معاشی پالیسیوں پر انگلیاں اٹھا رہی تھی محتزم وزیر اعظم شوکت عزیز اس وقت بھی اپنے موقف پر ”ڈلے“ رہے تھے، مجھے ان کی اس خوبی کا انداز اچھی ملاقات میں ہوا تھا، شوکت عزیز نے اس ملاقات میں بڑی دل پذیر باتیں کیں اور ان باتوں کے دوران ہمارے ہر دل عزیز وزیر اعظم نے بڑے دعوے سے فرمایا ”میں نے ملکی معیشت کو اس سطح تک پہنچا دیا ہے، میرے بعد لوگ مجھے یاد کریں گے“

2007ء میں دہشت گردی کے ایک ہزار 5 سوتین واقعات ٹریکل ڈاؤن ہوئے اور ان میں 3 ہزار 48 لوگ جاں بحق اور 5 ہزار 4 سو 54 رخی ہوئے۔ ملک میں 9 مارچ 2007ء سے عدالتی نظام مددوں ہے، گیس کی قیمتوں میں اضافہ ہو چکا ہے، محترمہ بنیت نے نظیر بھنو جسی عالمی لیڈر شہید ہو چکی ہیں، مددوں میں پنجاب کے خلاف نفرت آسمان کو چھوڑ رہی ہے، ایکشی ملتوی ہوتے نظر آ رہے ہیں اور امریکہ کی کال فورسز کسی بھی وقت پاکستان میں داخل ہو سکتی ہیں لہذا میں جب بھی ملک کے حالات دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار شوکت عزیز کا دھوئی یاد آ جاتا ہے اور میں سوچتا ہوں، انہوں نے واقعی درست فرمایا تھا "پیرے بعد لوگ مجھے یاد کریں گے" جناب (ر) وزیر اعظم شوکت عزیز کا فرمانا درست تھا، ان کی ایساں ٹریکل ڈاؤن ہو چکی ہیں اور اس وقت تک ٹریکل ڈاؤن ہوتی رہیں گی جب تک ملک میں کوئی اسرائیل شوکت عزیز نہیں آتا اور وہ مریض کے منہ سے آ کیجئن کام اسک الگ نہیں کرتا۔ وہ شوکت عزیز ہے۔

⊗ ⊗ ⊗

قیمت چار سو اچار سوڑا رفیٰ شن ہو گئی اور پنجاب کے بعض کار میگر محسوس کرنے لگے اگر انہوں نے 2 اکتوبر 2007ء کا یہ سنہری موقع ان کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ ان کار میگروں نے وزیر اسلام پنجاب سے رابطہ کیا اور چودھری پروین الہی یہ فائل لے کر اسلام آباد پہنچ گئے، حکومت نے یہ معاملہ اقتصادی کمیٹی کے سامنے رکھا اور اس کی اجازت سے گندم برآمد کرنے کا سکلن دے دیا، حکومت نے پرائیوریٹ کمپنیوں سے ٹینڈر طلب کئے، کمپنیاں شارت لست تھیں اور ان کمپنیوں کو گندم ایکسپورٹ کر لی اجازت دے دی چنانچہ ان کمپنیوں نے گندم بھارت، کینیا، متحدة عرب امارات اور روانڈا کو فروخت کر دی، حکومت ان کمپنیوں کے ذریعے پانچ لاکھن گندم بیچنا چاہتی تھی لیکن چار لاکھن کی ایکسپورٹ کے بعد ملک میں آئے کا بحران پیدا ہو گیا اور حکومت پر بیشان ہو گئی، اسی دوران فصل کئی تو پتہ چلا، پاکستان میں اس سال بمشکل ساز ہے 21 میں شن گندم پیدا ہوئی ہے اور "بپر کراپ" کا تجھیشہ غلط تھا، حکومت کی یہ پالیسی آئے والے چند ماہ میں "ٹریکل ڈاؤن" ہوئی، وزیر اعظم شوکت عزیز گارڈ آف آئر لے کر اقتدار سے فارغ ہوئے، سر دیاں شروع ہوئیں اور پورا ملک آٹا، آٹا پاکارنے لگا، آج پاکستان میں آئے کی قیمت 50 روپے فی کلو تک پہنچ چکی ہے جبکہ ملک کے چھوٹے بڑے 116 شہروں میں آئے کیلئے قطاریں گئی ہیں اور لوگ مٹھی بھر آئے کیلئے ایک دوسرے سے دست دگر بیان ہو رہے ہیں، اس وقت تک 22 مقامات پر آئے کیلئے لاغی چارچ ہو چکا ہے جبکہ 18 لوگ "شہید آٹا" ہو چکے ہیں۔ حکومت نے پچھلے دنوں گندم کے اس بحران سے فائدہ اٹھانے والے لوگوں کی فہرست ہنائی تو پتہ چلا، دولت کی اس گنگا سے منہ دھونے والوں میں مسلم لیگ ق کے پچاس ارکان بھی شامل ہیں جبکہ اس وقت تک ذخیرہ اندوزوں کے گوداموں میں پندرہ لاکھن گندم موجود ہے اور ان ذخیرہ اندوزوں نے پیشوں سے باقاعدہ قرضہ لے کر گندم خریدی تھی، یہ تمام کے تمام لوگ بڑی مچھلیاں ہیں اور بحران حکومت کے پاس ان کے سائز کا کوئی جاں موجود نہیں۔ حکومت گندم کے بحران سے نکلنے کیلئے 10 لاکھن گندم درآمد کر رہی ہے، حکومت نے یہ گندم عالمی مارکیٹ سے ساڑھے پانچ سوڑا رفیٰ شن میں خریدی اور اسے آئے کے اس بحران سے نکلنے کیلئے عوام کو 18 سے 20 ارب روپے کی سہیڈی دینا پڑے گی جبکہ محترم شوکت عزیز کے "ٹریکل ڈاؤن" کی وجہ سے ملک کے 70 بنس میں نے دو ماہ میں 25 ارب روپے کمائے۔

پاکستان کی صورتحال تھی جبکہ اس وقت پورا ملک اندھیرے میں ڈوبا ہے، لوڈ شیڈنگ سے 42 ہزار چھوٹی بڑی قیکشیاں بند ہو چکی ہیں جس کے نتیجے میں 30 لاکھ دہاڑی دار مزدور بے روزگار ہو چکے ہیں، ملک میں سات دنوں کیلئے مٹی کا تیل، 13 دن کا پڑول اور 20 دن کا ڈیزل بچا ہے جبکہ

کے ارادے اور بھتی کے فیصلے سے نواز رکھا تھا، وہ دل میں جو مخان لیتا تھا وہ اسے کر گز رکھا تھا، اردو شیر نے دوسرے دن جنتریاں بنانے والوں کو بلوایا اور دربار میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیا "ہم حکم ایران کے کیلئے رکوئین سو سال پیچے کر دیا جائے" بادشاہ کا حکم تھا چنانچہ تاریخ کوئین سو سال پیش کیا، ایران کے بھتی کے فیصلے سے وقت کے فرشتے مخالفت کھا جائیں گے اور یوں آتش دھیل دیا گیا، بادشاہ کا خیال تھا اس اقدام سے وقت کے فرشتے مخالفت کھا جائیں گے اور اس کی وجہ نے اس کا سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا، اردو شیر بابکان یہ بندوبہت کر کے فوت ہو گیا اور اس کی وجہ نے جنین کا نجومی بادشاہ کے دربار میں پیش ہو گیا، بادشاہ علم نجوم کے خلاف تھا، اس کا خیال ستارہ شناسی ڈھونگ اور فریب ہے اور نجومی لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں لیکن وزیر عظیم کا اصرار تھا، نجومی بادشاہ عظیم کو حیران کر دے گا، آپ ایک بار اسے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت دے دیں بادشاہ نے ناچار اجازت دے دی یوں جنین کا نجومی دربار میں پیش ہو گیا، بادشاہ نے اس سے پوچھا "میرا نام کیا ہے؟" نجومی نے ادب سے عرض کیا "حضور دنیا آپ کو اردو شیر بابکان کے نام سے جانتی ہے" بادشاہ نے قہقہہ لگایا اور مذاق اڑانے والے بجھ میں کہا "میں اپنا اصل نام جانتا چاہتا ہوں" نجومی نے حساب لگایا اور عرض کیا "حضور آپ وہ نام جانتا چاہتے ہیں جو آپ کی والدہ ماجدہ نے جھویز کیا تھا یا وہ جس سے آپ کے والد آپ کو پکارتے تھے یا پھر وہ جو آپ کی رضائی والدہ نے رکھا تھا" بادشاہ تھوڑا سا پریشان ہوا اور غور سے نجومی کی شکل دیکھنے لگا، نجومی نے جختی منگوانی، اس پر تینوں نام لکھے اور بادشاہ سلامت کو پیش کر دیئے، بادشاہ نام پڑھ کر پریشان ہو گیا، اس کے بعد بادشاہ نجومی سے پوچھتا رہا اور نجومی جواب دیتا رہا "نجومی کا ہر جواب درست تھا یہاں تک کہ بادشاہ نجومی کے فن کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا، سوال وجواب کا یہ سلسلہ رات تک جاری رہا، رات جب بادشاہ تھک گیا تو اس نے نجومی سے آخری سوال پوچھا، اس نے نجومی سے پوچھا "ہم آتش پرست ہیں، ہم آگ کو اپنا خدا مانتے ہیں، تم بتاؤ ہمارا نہ ہب کب تک زندہ رہے گا" نجومی نے زمین پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچیں اور ذرا سا سوچ کر بولا "بادشاہ سلامت آپ کا نہ ہب ڈیڑھ سو سال قائم رہے گا" آج سے تھیک ایک سو پچاس برس بعد ایک قوم ایران آئے گی، ایران فتح کرے گی اور آپ کا آتش کدہ ہمیشہ کیلئے بجاوے گی، بادشاہ نے نجومی کو آرام کرنے کی اجازت دے دی، شاہی چراغ بجھایا اور بستر شاہی پر دراز ہو گیا، بادشاہ نے جوں ہی آنکھیں بند کیں، اسے اپنے مرحوم والد یاد آگئے، بادشاہ کے والد نے اسے وصیت کی تھی "ہمارا نہ ہب دنیا کے آخری کوئے اور آخري سانس تک پہنچنا چاہیے" بادشاہ انھوں بیٹھا اور اس نے باقی رات ڈیڑھ سو سال کے اندر یوں میں کاشت دی، یہ ایران کا مشہور بادشاہ اردو شیر بابکان کے بارے میں کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے

وقت نہیں رکتا

31 میں اور یکم جون کی درمیانی رات گھری میرے سامنے میز پر پڑی تھی، میلی ویلن پر بار بار اعلان ہو رہا تھا "عوام گھریاں ایک ایک گھنٹہ آگے کر لیں" میں نے گھری اٹھائی اور بارہ بجے کو ایک بجے میں تبدیل کرنے لگا لیکن میں اس وقت اردو شیر بابکان تاریخ کے صفات سے نکلا اور اس نے آکر میری کلائی پکڑ لی، اس کا کہنا تھا وقت کو آگے اور پیچھے کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دس گلولوہ اور دس کلو یا اور غور سے نجومی کی شکل دیکھنے لگا، نجومی نے جختی منگوانی، اس پر تینوں نام لکھے اور بادشاہ سلامت کو پیش کر دیئے، بادشاہ نام پڑھ کر پریشان ہو گیا، اس کے بعد بادشاہ نجومی سے پوچھتا رہا اور نجومی جواب دیتا رہا "نجومی کا ہر جواب درست تھا یہاں تک کہ بادشاہ نجومی کے فن کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا، سوال وجواب کا یہ سلسلہ رات تک جاری رہا، رات جب بادشاہ تھک گیا تو اس نے نجومی سے آخری سوال پوچھا، اس نے نجومی سے پوچھا "ہم آتش پرست ہیں، ہم آگ کو اپنا خدا مانتے ہیں، تم بتاؤ ہمارا نہ ہب کب تک زندہ رہے گا" نجومی نے زمین پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچیں اور ذرا سا سوچ کر بولا "بادشاہ سلامت آپ کا نہ ہب ڈیڑھ سو سال قائم رہے گا" آج سے تھیک ایک سو پچاس برس بعد ایک قوم ایران آئے گی، ایران فتح کرے گی اور آپ کا آتش کدہ ہمیشہ کیلئے بجاوے گی، بادشاہ نے نجومی کو آرام کرنے کی اجازت دے دی، شاہی چراغ بجھایا اور بستر شاہی پر دراز ہو گیا، بادشاہ نے جوں ہی آنکھیں بند کیں، اسے اپنے مرحوم والد یاد آگئے، بادشاہ کے والد نے اسے وصیت کی تھی "ہمارا نہ ہب دنیا کے آخری کوئے اور آخري سانس تک پہنچنا چاہیے" بادشاہ انھوں بیٹھا اور اس نے باقی رات ڈیڑھ سو سال کے اندر یوں میں کاشت دی، یہ ایران کا مشہور بادشاہ اردو شیر بابکان کے بارے میں کہا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے

اگر ان ہمارے بلب روشن نہیں ہوں گے، ہمارے پچھے نہیں چلیں گے چنانچہ ہمیں بھل کیلئے بھل کا عرض کیا۔ ”ایک ہزار 36 برس“ پادشاہ نے اطمینان کا سانس لیا اور عائدین سلطنت کو حکم دیا۔ ”آن ہمارے کرنا پڑے گا، ہمیں ذمہ بہانے پڑیں گے، ہمیں نئے بھل گھر لگانا پڑیں گے اور جب تک ہم یہ ایران کے کیلندر کو ایک ہزار 36 سال آگے کر دیا جائے،“ یہ بھی پادشاہ کا حکم تھا چنانچہ ایک ہفتہ میں ایران کی ساری جنتریاں اور کیلندر جمع کے گئے، انہیں سربراہ اگ لگادی گئی اور عوام کو نئے کیلندر تھما دیئے گئے۔ یوں تاریخ کا گیپ ختم ہو گیا شہنشاہیت کے اڑھائی ہزار سال پورے ہو گئے اور پادشاہ نے 112 کا تاریخ 1971ء کو جشن منایا لیکن کیلندر کی یہ تبدیلی شاہ کے مسائل ختم نہ کر سکی، عوام کے دلوں میں سراہاں نفرت کا رخ نہ موزوں کی، ایران میں انقلاب آیا اور محض آٹھ برسوں بعد کیلندر دوبارہ اصل پوزیشن پر بحال ہو گیا۔

شہنشاہی وقت کے قدم کے ساتھ قدم ملا کر چلتی ہیں، جو وقت کی دوست بن جاتی ہیں یا پھر وقت کو اپنا لیتی ہیں اور گھریوں اور کیلندروں سے دشمنی کرنے والی قومیں وقت کی دھول میں گم ہو جاتی ہیں، دوست بنا لیتی ہیں اور گھریوں اور کیلندروں سے بچتا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وقت کو دھوکہ دیتے کا سلسلہ بند کرنا اور ہم اگر وقت کی دھول میں گم ہونے سے بچتا چاہتے ہیں تو ہمیں بھی وقت کو دھوکہ دیتے کا سلسلہ بند کرنا اور ہم اگر وقت کے ساتھ ساتھ بھاگنا ہو گا، ورنہ وقت کا ریا یا ہمیں اپنے ساتھ بھالے جائے گا اور ہم اگر وقت کے جو ہر میں کائی بن کر تیرتے رہیں گے ایک ایسی کائی جو صرف کھیاں اور پھر پیدا کر سکتی ہے۔

⊗ ⊗ ⊗

وزیر و پوائنٹ 5 سال میں کتنے سال باقی ہیں، وزیر و پوائنٹ 5 نے ڈرتے اس سے سیاستدان اور تمام عائدین واقف تھے، ایک دن وزیر اعظم عباس ہویدا اور مجلس شوریٰ کے صدر مہندس ریاضی پادشاہ کے پاس بیٹھے تھے، شاہ نے گھری دیکھی اور وزیر اعظم سے وقت پوچھا، وزیر اعظم نے عرض کیا، ”حضور شام کے چھ بجے ہیں،“ شاہ نے جیران ہو کر دوبارہ اپنی گھری دیکھی اور مجلس شوریٰ کے صدر سے بھی وقت پوچھا، مہندس ریاض نے فوراً عرض کیا، ”حضور چھ بجے ہیں،“ شاہ نے خنگی سے اپنی گھری اتاری اور غصے سے بولے ”میری گھری ایک گھنٹہ پیچھے ہے،“ یہ سننے کی دیر تھی، وزیر اعظم اپنی نشست سے اٹھا، بھاگ کر شاہ کے پاس پہنچا، اس کے ہاتھ سے گھری اچک لی اور ادب سے عرض کیا ”میں قربان جاؤں، آپ کے غلام یہ مرداشت نہیں کر سکتے کہ حضور گھری درست کرنے کی زحمت گوارہ کریں، آپ اپنی گھری کو ایسے ہی رہنے دیں، ہم ساڑھے تین کروڑ لوگ اپنی گھریاں ایک ایک گھنٹہ پیچھے کر لیتے ہیں،“ شاہ نے خوشی سے وزیر اعظم کو تھکی دی، وزیر اعظم محل سے باہر آیا اور اس نے پورے ملک کی گھریاں ایک گھنٹہ پیچھے کر دیں۔

یہ عباس ہویدا وہی وزیر اعظم تھا جسے انقلاب کے بعد 17 اپریل 1979ء کو لاکھوں لوگوں کے سامنے سربراہی دے دی گئی تھی اور اس وقت ایران کی کوئی کلائی اور اس کلائی پر بندھی کوئی گھری اس کی پھانسی کی گھری کو نہیں تھی اور یہ گھری آج تک جیج جیج کر کہہ رہی ہے، حکمران گھری کو ایک گھنٹہ آگے کر دیں، کیلندر کو تین سو سال پیچھے لے جائیں یا ایک ہزار 36 سال آگے لیکن بدستی کی گھریاں نہیں ملتیں، وقت کے داغ نہیں دھلتے اور مسائل کے انبار ختم نہیں ہوتے، مسئلے صرف اور صرف مسئلے حل کرنے سے ختم ہوتے ہیں، اس ملک میں اگر لوڈ شیڈنگ ہے تو ہم خواہ اپنی گھریاں دس دس گھنٹے پیچھے کر

اُس کیلئے ہمیں اس کردار کے کی زندگی میں جھانکنا پڑے گا جسے تاریخ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کا نام دیا تھا، یہ کرنل سے تعلق رکھتے تھے یہ عراق میں پیدا ہوئے تھے اور جوانی میں مصر اور فلسطین میں بزرگ ہوئے۔ انہوں نے پوری زندگی صلیبی جنگیں لڑیں اور ان جنگوں میں عیسائیوں کو بڑھاتا کلستیں دیں، سلطان صلاح الدین ایوبی نے فلسطین فتح کر کے 90 برس بعد قبلہ اول میں اور یہودیوں سے واپس لیا، سلطان صلاح الدین ایوبی شاندار ایڈمشیریہ اور عادل حکمران تھے جس کے دور میں یہودیوں اور عیسائیوں کو بے شمار مراعات دیں جن کے باعث یہ لوگ ان کے اہل نے اپنے دور میں یہودیوں اور عیسائیوں کو بے شمار مراعات دیں جن کے باعث یہ لوگ ان کے اہل ایں گئے وہ درویش صفت انسان اور کھلے ہاتھ اور کھلے دل کے حکمران تھے آپ ان کی سادگی اور ایک اندازہ صرف اس بات سے لگا جبکہ کہ 55 سال کی عمر میں جب ان کا انتقال ہوا تو وہ صرف یہیں کیا تھا۔ ایک تھا جس کے نتیجے میں نہ صرف یورپ کے بادشاہ اور امراء سلطان کی تعریف پر مجبور ہو گئے بلکہ ایک ملک میاں نواز شریف کی سیاست کا دار و مداراب بڑی حد تک اس انکو اری پر استوار ہے کیونکہ میاں صاحب نے پچھلے تین برسوں سے مسلسل النصاف اور عدالت کا جھنڈا اٹھا کر کھاتھا وہ مسلسل فرماتے آ رہے تھے جس ملک میں النصاف نہ ہو وہ ملک نہیں چل سکتے اور اگر ہم نے ملک میں النصاف قائم نہ کیا تو پنجاب میں بھی سوات جیسے حالات پیدا ہو جائیں گے وغیرہ وغیرہ چنانچہ حاجی پرویز خان 29 اپریل کے بعد میاں نواز شریف کے قول اور فعل کے درمیان کھڑے ہو گئے ہیں اور پوری قوم اب میاں صاحب کی طرف دیکھ رہی ہے، لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں وہ میاں نواز شریف جس نے سابق چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر کی صاحبزادی کے اضافی نمبروں پر زمین آسمان ایک کر دیتے تھے وہ اپنے ایم این اے کی "تقلیمی بے ایمانی" پر اب کیا ایکشن لیتے ہیں؟ اگر میاں صاحب اپنے ایم این اے کو پارٹی، قومی اسٹبلی کی رکنیت اور سیاست سے بے دخل کر دیتے ہیں تو شاید انہیں این اے 55 سے بھی ہاتھ دھوتا پڑ جائے اور اگر یہ این اے 55 اور حاجی پرویز خان کو بچا لیتے ہیں تو شاید میاں صاحب اپنے ان تمام اخلاقی دعوؤں سے محروم ہو جائیں جو انہوں نے پچھلے آٹھ برسوں میں "اجیو" کے تھے، بہر حال میاں نواز شریف کی سیاست اب ایک فیصلے پر کھڑی ہے۔

حاجی پرویز خان کے اس ایشونکا دنیا کے ایک پرانے لیکن حقیقی فلسفے سے بڑا گہر اتعلق ہے یہ

عدل بھی مومن کی کھوئی ہوئی میراث ہے

بادشاہ اور ہماری جھولیاں بھی غیروں کے سامنے کھکھلیں گئی ہیں۔
میں واپس ایم این اے حاجی پرویز خان کی طرف آتا ہوں یہ بندیوں طور پر حاجی پرویز خان
باشہ اور عوام دنوں کو برابر کر دیا جبکہ ہم نے یورپی اقوام کا وہ نظام اپنے ممالک میں نافذ کر دیا جس میں
بالائی طبقہ قانون سے مکمل طور پر آزاد تھا اور عام شہری قانون کا سب سے بڑا شکار تھا جنچہ یہ نتیجہ لکھا آئا
یورپی اقوام وہاں ہیں جہاں کبھی ہم ہوتے تھے اور ہم آج وہاں ہیں جہاں کبھی یورپی اقوام ذلیل
پسمندگی اور خرابی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

⊗ ⊗ ⊗

تب دیلی آئی، یورپی اقوام نے مسلمانوں کا نظام عدل لے لیا، انہوں نے قانون اور عدالت کے سامنے
باشہ اور عوام دنوں کو برابر کر دیا جبکہ ہم نے یورپی اقوام کا وہ نظام اپنے ممالک میں نافذ کر دیا جس میں
بالائی طبقہ قانون سے مکمل طور پر آزاد تھا اور عام شہری قانون کا سب سے بڑا شکار تھا جنچہ یہ نتیجہ لکھا آئا
یورپی اقوام وہاں ہیں جہاں کبھی ہم ہوتے تھے اور ہم آج وہاں ہیں جہاں کبھی یورپی اقوام ذلیل
پسمندگی اور خرابی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

آپ اس فلسفے کو سامنے رکھ کر پوری دنیا پر نظر دوزائیں آپ کو اس وقت دنیا دو حصوں میں
 تقسیم نظر آئے گی؛ وہ ملک جن میں قانون کے سامنے باشہ اور عوام شہری برابر ہیں اور وہ ملک جن میں
بالائی طبقے کے لوگ قانون سے بالاتر ہیں جبکہ عام شہری انصاف کے کثیرے میں کھڑے ہیں، آپ
دیکھ کر حیران رہ جائیں گے پہلی قسم کے ممالک ترقی یافتہ ہیں جبکہ دوسرا قسم کے تمام ممالک پسمند
اقوام میں شمار ہوتے ہیں، آپ اب دوسرا قسم کے تمام ممالک کی فہرست بنائیں تو آپ یہ جان کر مزید
حیران ہوں گے کہ 95 فیصد اسلامی ممالک دوسرا قسم کی فہرست میں آتے ہیں، کیوں؟ اس کیوں کا
جواب صرف انصاف ہے، اسلامی دنیا اور ہم مسلمان بے انصاف، ظالم اور بے ایمان لوگ ہیں
ہم دوہرے معیار کے منافق لوگ ہیں، ہم میں شاہ عبداللہ، شیخ محمد بن راشد المکتوم، بشار الاسد، سلطان محمد
اور آصف علی زرداری کیلئے الگ قانون ہے جبکہ عامز یہ بکرا اور صدیق کیلئے دوسرا قانون، ہمارے ملک
میں سیاستدان اربوں کھربوں روپے کی کرپشن کے بعد این آزاد کے شیپوں سے نہاد ہو کر پاک صاف ہو
جائتے ہیں جبکہ تنوروں سے روٹی چراتے، سائکل کی چین اتارنے اور بیک کی بندیاں پر گرفتار ہونے والے
سینکڑوں ہزاروں لوگ پانچ پانچ سال جیل میں گزار دیتے ہیں، اس ملک میں ہر ایم این اے کے داسن
پر کرپشن، لوث کھسٹ اور ظلم کے سو سود ہے ہیں لیکن قانون اور انصاف کو اس کے دروازے پر دستک
تک کی جرأت نہیں ہوتی جبکہ سینکڑوں لوگ واڑھی رکھنے اور نماز پڑھنے کے جرم میں برسوں سے گھروں
سے غائب ہیں اور ان لوگوں کے لا حقین کی چینیں بھی انصاف اور قانون کی وہیں تک پار نہیں کر پا رہیں
آپ پاکستان کی 62 سال کی تاریخ انھا کر دیکھ لیں، اس ملک میں آج تک حاجی پرویز خان جیسے کسی
سیاستدان کو سزا نہیں ہوئی، اگر کوئی سیاستدان جیل بھی گیا تو نہ صرف اس کے سارے مقدے ختم ہو گئے
بلکہ وہ بعد ازاں صدارت وزارت عظیمی اور وزارت کے عہدوں پر بھی منعکن ہوا، اس کے مقابلے میں اس
ملک کا جو بھی عام شخص بے گناہی کے جرم میں کسی تھا نے، عدالت یا جیل پنچ گیا وہ دوبارہ زندگی میں کبھی
نارمل نہ ہو سکا، یہ ہے ہمارا انصاف کا ستم چنانچہ ہم آج جاؤروں سے بدترین زندگی بھی گزار رہے ہیں

اور حاجی صاحب یہ غلطی کرتے ہوئے یہ بھول گئے انسان جوں جوں اوپر جاتا ہے اسے اتنی ہی
اک اصطیاط کی ضرورت ہوتی ہے ترقی ریت کا وہ محل ہوتی ہے جسے غلطی کی ایک پھونک دوبارہ ریت
اوں میں تبدیل کر دیتی ہے، میرے ایک بزرگ دوست اکثر کہا کرتے ہیں میں نے زندگی میں
لوگوں کو اوپر جاتے اور پھر وہاں کوئی ایک غلطی کرتے دیکھا اور اسکے بعد انہیں دوبارہ گلی محلوں میں
پایا، میرے اس بزرگ دوست کی بات سو فیصد درست ہے کیونکہ انسان جوں جوں اوپر جاتا ہے
اس غلطیوں کی مختلاش کم سے کم ہوتی چلی جاتی ہے، عروج تاش کے پتوں کا وہ مینار ہوتا ہے جس پر
اللاد پڑ رکھنے کی دری ہوتی ہے اور یہ سارا مینار اپنے ہی قدموں پر آگرتا ہے، یہ کیس ثابت کرتا ہے
اور کے ایوانوں میں چکنچنے والے تمام لوگوں کو ہر ڈالی فیصلے سے پہلے اپنے آپ سے دو سوال ضرور
چاہیں ایک کیا مجھے اسکی واقعی ضرورت ہے دو اگر یہ بات لوگوں کے نوٹس میں آگئی تو اس سے

حاجی پرویز خان کیس کا دوسرا پہلو ہمارا اخلاقی زوال ہے میاں نواز شریف نے جب حاجی خان کے خلاف تحقیقات کیلئے کمیٹی بنائی اور اس کمیٹی نے تحقیقات شروع کیں تو راولپنڈی کے تعلیمی پولیس اور نیکھن ٹیم کے تمام ارکان نے حلف اٹھانے کے باوجود غلط بیانی اور جھوٹ کا سہارا لیا، ان تمام لوگوں کے بیانات ایک دوسرے سے فہیں ملتے تھے کیوں؟ اس کی وجہ بولی مافیا ہے یہ بنیادی طور پر ایک مافیا کے دو گروپوں کے درمیان لڑائی تھی ایک گروپ نے حاجی پرویز خان کیلئے نقل کا بندوبست کیا تھا دوسرے گروپ نے پہلے مافیا کو ٹکست دینے کیلئے بلاں جاوید کو پکڑنے کا فیصلہ کر لیا، حاجی صاحب کیس میں کاغذی کارروائی پوری نہیں کی گئی تھی چنانچہ جب تحقیقات شروع ہوئیں تو تمام گروپوں نے بہت بولنا شروع کر دیا جس کے باعث سینیٹر پرویز رشید شاہد خاقان عباسی اور نزہت صادق پر مشتمل ٹیم اکٹیوز ہو گئی اور اس سے حاجی پرویز خان بے گناہ محسوس ہونے لگے لیکن بعد ازاں ٹیم نے آزاد بیوں سے تحقیقات کا فیصلہ کیا، ٹیم نے راولپنڈی کے ایم ایس ایف کے لڑکوں سے آف دی ریکارڈ معلومات لیں، شاہد خاقان عباسی نے ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ کا بندوبست کیا، بلاں جاوید سے اپنی نگرانی میں لکھوایا گیا، ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ نے تصدیق کی پرچے کی رائٹنگ اور بلاں جاوید کی رائٹنگ کیساں ہیں، پولیس کے الکاروں سے بھی آف دی ریکارڈ معلومات لی گئیں اور بیوں حاجی پرویز خان کا جرم ثابت ہو گیا، میاں نواز شریف اس معااملے میں سخت واقع ہوئے ہیں، میاں صاحب نے 1999ء میں بھل چوری کے الزام میں بیگم عابدہ حسین کے خلاف پرچہ درج کر دیا تھا، میاں صاحب کے ایک ساتھی جزل ریٹائرمنٹ سکندر خدمت کمیشن کے چیئرمین تھے، جزل صاحب نے اپنی پوزیشن کا ناجائز فائدہ

بولي مافيا

حاجی پروین خان کس کے تین پہلو ہیں، ایک پہلو حاجی پروین خان ہیں، حاجی صاحب پاکستان مسلم لیگ ن کے پرانے درکر ہیں، حاجی صاحب نے اپنی زندگی کا آغازگی محلے سے کیا یہ پار کے انہائی غریب، محنتی اور مخلص کارکن ہیں، یہ مسلم لیگ کیلئے نفرے لگاتے تھے، تنگی ترشی میں زندگی گزارتے تھے اور وفتر کے چوبارے پر ہی سوچاتے تھے انہوں نے راولپنڈی سے کونسل کا ایکشن بھی لیکن ہمارے 2008ء میں ایکشن ہوئے اور جاوید ہاشمی این اے 55 سے پاکستان مسلم لیگ ن کے امیدوار بنے تو حاجی صاحب نے ہاشمی صاحب کے پوسٹر لگائے تھے، حاجی صاحب کا بیک گراڈٹ "ہمبل" تھا، تعلیم کم تھی اور ایکسپوٹر بھی نہ ہونے کے برابر تھا، 2008ء کے ضمنی الیکشنز کے دوران پارلیٹک دینے کا وقت آیا تو چودھری نثار علی خان نے حاجی صاحب کی سفارش کی اور یوں حاجی پروین خان این اے 55 سے ایم این اے منتخب ہو گئے، میں یہاں آپکو انسان کی فطرت کا ایک دلچسپ پہلو ہتا چلوں، ہم میں سے 90 فیصد لوگوں کے 90 فیصد فیصلوں کی کوئی خاص وجہ نہیں ہوتی، ہم سب کی طبیعت میں ایک عجیب سی حرمت پائی جاتی ہے، ہم بلا ضرورت اور بلا وجہ چیزوں پر تقاضہ کرتے چلتے جاتے ہیں میرے ایک دوست نے 14 گھن بنا رکھے ہیں، میں ان سے اکثر اتنے گھروں کی وجہ پر چھتا ہوں یہاں ہم بھئے آج تک اسکی کوئی مضبوط دلیل نہیں دے سکے، ہم سب کے گھروں میں کاٹھ کپڑا کا ایک کمرہ ضرور ہوتا ہے، ہم اس میں گھر کی تمام نوٹی پھوٹی چیزیں ڈال دیتے ہیں اور یہ چیزیں کئی برسوں تک وہاں پڑی رہتی ہیں، ہم کاٹھ کپڑا کا یہ کمرہ کیوں بناتے ہیں یہ کمرہ ہماری اس نفیاتی بیماری کا ثبوت ہے، ہم بنیادی طور پر حریص واقع ہوئے ہیں چنانچہ، ہم اپنی نوٹی پھوٹی چیزیں بھی چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوتے، حاجی صاحب بھی ہم جیسے 90 فیصد لوگوں میں سے ایک ہیں چنانچہ انہوں نے ایم این اے بننے کے بعد ایف اے کریکا منصوبہ بنایا جبکہ انہیں اسکی قطعاً کوئی ضرورت نہیں تھی، صدر آصف علی زرداری کی مہربانی سے بی اے کی شرط ختم ہو چکی تھی اور اب کوئی بھی شخص کسی ڈگری کے بغیر پارلیمنٹ میں جاسکتا تھا مگر میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے 90 فیصد لوگوں کے 90 فیصد فیصلوں کی کوئی وجہ نہیں ہوتی چنانچہ حاجی صاحب نے بھی بلا وجہ اور بلا ضرورت ایف اے کریکا فیصلہ کر لیا اور اپنی جگہ اپنے بھتیجے بلاں جاوید کو امتحان میں

وہ وقت تو نہیں آیا

یہ 1976ء کا سن تھا اور امریکی وزیر خارجہ ہنری کسنجر پاکستان کے دورے پر تھا، وزیر اعظم ان ان ذوالنقار علی بھٹو کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی، امریکہ چاہتا تھا ذوالنقار علی بھٹو ایسی پروگرام کر دیں، ہنری کسنجر امریکی صدر کا پیغام بھٹو کو پہنچانے آیا تھا، بھٹو صاحب نے بڑے سکون سے کسنجر لیات سنی اور اس کے بعد ہنری کسنجر سے مخاطب ہوئے ”آپ میرے دوست ہیں، آپ مشورہ دیتے ہیں کہ کتنا چاہئے،“ ہنری کسنجر ذرا سما سکرایا اور زرم آواز میں بولا ”مشرپ رائے فشنر سفارت اور اقتدار کے میں کوئی کسی کا دوست نہیں ہوتا،“ میں اس وقت محض ایک پیغام رسائیں ہوں، آپ کو اپنے کسی مشیر میں بھٹو صاحب کی طرف دیکھ کر بولا ”آپ واقعی ایک شاطر انسان ہیں،“ بھٹو صاحب نے خاموشی سے اپنے نظر میں اس پر جمادیں، ہنری کسنجر نے تھوڑی دری تو قف کیا اور اپنے لہجے میں شائشگی بھر کر بولا ”میں اپنے طور پر آپ کو مشورہ نہیں بلکہ وارنگ دینے آیا ہوں، امریکہ کو پاکستان کے ایسی پروگرام سے بے ارادہ نہ دشات لاحق ہیں لہذا آپ کے پاس میری بات ماننے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں،“ بھٹو صاحب نے سلراکر پوچھا ”فرض کرو میں انکار کر دیتا ہوں تو؟“ ہنری کسنجر کے چہرے پر سمجھی گئی، اس نے ان کی اسکوں میں آنکھیں ڈالیں اور ایک ایک لفظ چبا کر بولا ”پھر ہم تمہیں عبرناک مثال بنادیں گے،“ بھٹو صاحب کا رنگ سرخ ہو گیا، وہ کھڑے ہوئے انہوں نے ہنری کسنجر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور بولے ”پاکستان امریکی صدر کے بغیر بھی چل سکتا ہے، اب تم لوگوں کو اس خطے میں اپنے لئے نیا حلیف تلاش کرنا پڑے گا،“ بھٹو صاحب مڑے اور باہر نکل گئے۔

مجھے یہ واقعہ وزارت خارجہ کے ایک سینئر افسر نے سنایا تھا، یہ صاحب بھٹو صاحب کے بعد ہزارل ضیاء الحق کے ساتھی بنے اور ترقی کرتے کرتے ان کے قربی رفقاء میں شامل ہو گئے۔ 1987ء میں افغانستان سے روی فوجوں کا انخلاء شروع ہو گیا اور صدر جزئی ہزارل ضیاء الحق یک دم اکیلے ہو گئے، ان کی

اٹھاتے ہوئے بینک سے صنعتی قرضہ لیا تھا، میاں صاحب نے انہیں بلا کر کہا تھا "آپ کا رو بار کریں، خدمت کریں، اور انہیں اس عہدے سے ہٹا دیا، میاں صاحب نے ایک ایم این اے کو اس بنیاد پر تک دینے سے بھی انکار کر دیا تھا کہ ان کی شہرت اچھی نہیں تھی، حاجی پرویز خان کے معاملے میں حالی صاحب کے بے شمار دوستوں نے میاں صاحب سے سفارشیں کیں لیکن میاں صاحب نے انہیں استعلیٰ دینے کا حکم دے دیا لیکن حاجی صاحب کے دوستوں نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری، یہ لوگ اب چودھری عبدالشیر علی کے ذریعے اس معاملے کو ال جھانے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ معاملہ جس قدر الجھے گایا اس میں جتنی تاخیر کی جائے گی اس سے عبدالشیر علی کی شہرت کو بھی نقصان پہنچ گا اور پارٹی کا ایجنس بھی خراب ہو گا۔ حاجی پرویز خان کیس کا تیرا پہلو ہمارا نظام تعلیم ہے یہ کیس اس ناسور کی نشاندہی کرتا ہے جس نے ہمارے پورے نظام تعلیم کو اپنے پنجے میں جکڑ رکھا ہے اور یہ ناسور "نقل" ہے ہمارے تمام تعلیمی ادارے "بولٹی مافیا" کے قبضے میں ہیں، اس بولٹی مافیا کی مہربانی سے میڈیکل کالجوں اور انجینئرنگ یونیورسٹیوں کا میراث ناقابل یقین حد تک اوپر چلا گیا ہے، یہ لوگ لاکھوں روپے لیکر نالائق اور نااہل طالب علموں کو 90 فیصد تک نمبر دلا دیتے ہیں جسکے نتیجے میں نااہل طالب علم میڈیکل کالجوں اور انجینئرنگ یونیورسٹیوں میں چلے جاتے ہیں جبکہ اہل طالب علم تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، یہ نااہل طالب علم جب ڈاکٹر اور انجینئرنگ بنتے ہیں تو یہ نیکروں معصوم لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جاتی ہیں، یہ "بولٹی مافیا" پیسی ایس ایسی ایس جیسے امتحانات تک بھی پہنچ چکا ہے، یہ لوگ پرچے آؤٹ بھی کر دیتے ہیں، پرچے چیک کرنا لے لوگوں تک پہنچ جاتے ہیں اور آخری وقت پر رزلٹ میں تبدیلی بھی کر دیتے ہیں، مجھے ایک باری ایس ایس کے پرچے چیک کرنے کا اتفاق ہوا، اس دوران ایسے ایسے لوگوں کی سفارش آئی کہ میں پریشان ہو گیا، ان سفارشی حضرات میں قومی اسٹبلی کے پیکر بھی شامل تھے، انکے ایک عزیز نے سیالکوٹ سے پرچہ دیا تھا، میں نے پیکر صاحب سے مغذرات کر لی، اس پر وہ ناراض ہو گئے اور یہ ناراضگی آج تک جاری ہے، یہ ہمارے نظام تعلیم کی صورتحال ہے، حاجی پرویز اس صورتحال کے صرف ایک چاول ہیں باقی دیگر ابھی دنیا کی نظروں سے اوچھل ہے، حکومت کو چاہیے یہ فوری طور پر "بولٹی مافیا" پر توجہ دے، حکومتی اور اپوزیشن کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کھرے لوگوں کی نیمیں بنائے اور یہ لوگ پورے ملک سے اس ناسور کو اکھاڑ کر پھینک دیں، وفاقی حکومت کے پاس اگر وقت نہیں تو میاں شہباز شریف پنجاب میں بولٹی مافیا پر ضرور توجہ دیں، میاں صاحب بینیٹر پرویز رشید احسن اقبال اور شاہد خاقان عباسی جیسے لوگوں کو متحرک کریں، یہ لوگ کوئی ستم پناہ نہیں اور کم از کم پنجاب کو اس گھناؤ نے کاروبار سے ضرور پاک کر دیں، خدا کی پناہ، جس ملک میں اسلامیات کے پرچوں میں لفظ ہوتی ہو اس ملک کا کیا مستقبل ہو گا۔

یہ افرم مجھے بے شمار مرتبہ ملے اور جب بھی بھٹو صاحب اور جزل ضیاء الحق کے بارے میں
دہلوی انہوں نے کہا ”میرے دونوں بازرگانے میر امشورہ نہیں مانا لہذا دونوں افسوسناک انجام کا خیال
گے“ میں نے ان سے پوچھا تھا ”اس کی وجہ کیا تھی؟“ وہ فوراً بولے ”یہ امریکی مزاج ہے دراصل وہ کسی
کے ساتھ زیادہ درنہیں چل سکتے“ امریکہ کے ساتھ تعلقات اگر نفرت اور محبت (وہیت اینڈ لو) پرمنی ہوں تو
اپ ان کے ساتھ دریتک چل سکتے ہیں، آپ یورپ، آسٹریلیا اور لاطینی امریکہ کی طرح بھی ان کی بات
ان لیں اور بھی انہیں آنکھیں دکھادیں، آپ کا وقت بہت اچھا گزرے گا۔ ہم یہاں جاپان اور چین کی
ہال بھی دے سکتے ہیں، یہ دونوں مالک بیک وقت امریکہ کے دوست بھی ہیں اور دشمن بھی، یہ امریکہ
کے ساتھ تجارت بھی کرتے ہیں اور اسے آنکھیں بھی دکھاتے ہیں چنانچہ امریکہ کا ان کے ساتھ کوئی الیتو
لہن جیکہ ان کے مقابلے میں ہم لوگ امریکہ کے ساتھ ہمیشہ فرمانبرداری تک چلے جاتے ہیں، ہم امریکہ
کی محبت میں اپنا آئین اور اپنا قانون تک بدل دیتے ہیں جس کے بعد امریکہ کی طرف سے ”ڈومور“
کے مطالبے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر ایک ایسا وقت آتا ہے جب پاکستان کے حکر انوں کیلئے امریکی
طالبات ماننا ممکن نہیں رہتے، اس وقت ڈوالفار علی بھٹو ہو یا جزل ضیاء الحق وہ امریکہ کو اپنی قانونی اور
آنکنی بجبوریاں بیان کرتا ہے لیکن امریکہ اس کی بات کا یقین نہیں کرتا۔ امریکیوں کا خیال ہوتا ہے
پاکستان میں سب کچھ ممکن ہے اور ان کا ”دوست“ اب انہیں دھوکہ دے رہا ہے چنانچہ امریکی اپنارویہ
ہلاتے ہیں جس کے بعد پاکستانی حکمران کو وہ ساری خدمات یاد آ جاتی ہیں جو اس نے امریکیوں کیلئے
سر انجام دی تھیں، وہ بڑے زعم میں امریکیوں کو اپنی وفاداریاں یاد کرتا ہے اور امریکی کندھے اچکا کر
ہواب دیتے ہیں، ہم نے اس کے عوض تمہیں پاکستان میں حکومت کرنے کا موقع دیا تھا اور اس کے
ہواب میں پاکستانی حکمران امریکہ کو دھمکیاں دیتے لگتا ہے اور پھر ڈوالفار علی بھٹو ہو یا جزل ضیاء الحق،
ہواب اور عہدہ تباک مثال بن جاتے ہیں۔ وہ خاموش ہو گئے۔

انا کو دھچکا پہنچا اور انہوں نے پاکستان میں موجودی آئی اے کے افراد اور سفارتی عملے کوڈ ائمہ اشراف دیا۔ اس زمانے میں ایک سفارتی تقریب میں صدر کا سامنا اچانک امریکی سفیر سے ہو گیا اور جزل صاحب نے درجنوں لوگوں کے سامنے سفیر کو لٹاڑ دیا، جزل صاحب نے اسے مخاطب کر کے کہا "لوگوں کا خیال ہے ہم تمہاری مدد کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے، یاد رکھو پاکستان ایک مضبوط اور تو اتنا ملک اور اگر ہم روس کو افغانستان سے بھاگ سکتے ہیں تو ہم امریکہ سے بھی بہت سکتے ہیں، امریکی سفیر خاموش جزل ضیاء الحق نے اس کی تھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھا اور اس کا چہرہ اونچا کر کے بولے "تم اپنی حکومت بتا دینا تمہارے پاس ہماری دوستی کے سوا کوئی آپشن نہیں" سفیر نے سر ہلا کیا اور دائیں بائیں ہو گیا۔ افسر اس وقت تقریب میں موجود تھا اور اس نے یہ "ساختہ" بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، یہ افسر دوسرے دن جزل ضیاء الحق سے ملاقات کیلئے گیا اور ان سے بڑی عاجزی سے عرض کیا "سر میں دس گیارہ برس پہلے بھٹو صاحب کے ساتھ کام کرتا تھا، سر میں نے ہنری سنجرا اور ڈال فقار علی بھٹو صاحب کے درمیان مکالمہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کافیوں سے سنا تھا، بھٹو صاحب اس مکالے کے بعد بہت پر اعتماد اور ہنری سنجرا اس تھا، بھٹو صاحب نے عوام میں نکل کر بھی امریکہ کو لکارنا شروع کر دیا تھا لیکن سر پھر ایک وقت آیا، آپ نے بھٹو صاحب کو کری سے اتارا اور انہیں عدالتوں کے حوالے کر دیا اور عدالتوں پر انہیں پھانسی کی سزا دے دی اور یوں بھٹو صاحب دنیا میں حقیقتاً عبرت کی مثال بن گئے" جزل ضیاء الحق نے غصے سے اس کی طرف دیکھا، وہ افسر گھبرا گیا لیکن اس نے بات جاری رکھی اور بولا "سر آپ جب امریکی سفیر کو سر عام تازر ہے تھے تو اس وقت وہ مجھے ہنری سنجرا لگ رہا تھا، سر میں اپنے تجربے کی بیانات سمجھتا ہوں امریکہ کی دوستی میں ایک ایسا وقت ضرور آتا ہے جب امریکہ کے دوستوں کیلئے دوستی بھانا مشکل ہو جاتا ہے اور یہ دوستی جوتے میں کائنات جاتی ہے" جزل صاحب خاموش رہے وہ افسر بولا "سر میں نے واپسی پر ڈال فقار علی بھٹو صاحب کو بھی سمجھا نے کی کوشش کی تھی لیکن انہوں نے گاڑی روکا کر مجھے نیچو اتار دیا تھا، بھٹو صاحب کا خیال تھا وہ امریکیوں کو امریکیوں سے بہتر جانتے ہیں۔ سر، مجھے معلوم ہے آپ بھی میری باتوں سے خوش نہیں ہوئے اور شائد اس پار بھی میرے ساتھ وہی سلوک ہو گیا کہ میری سر میں اس نازک وقت میں آپ کو سمجھانا اپنا فرض سمجھتا ہوں، آپ مہربانی فرمائیں اور اس وقت امریکیوں سے نہ ابھیں، یہ ڈس پوزیبل ٹھگر کی اولاد ہیں، ان کی نظر میں وفا اور وفاداری بے معنی الفاظ ہیں"۔ جزل ضیاء الحق کی قوت برداشت جواب دے گئی، وہ کھڑے ہوئے اور خاموشی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا، وہ صاحب بھی اٹھے فوراً ان کے دفتر سے نکل گئے اور طویل عرصے تک دوبارہ اس دفتر میں داخل نہ ہوئے۔

بھی اسکن کی حیثیت رکھتی ہے، دنیا کے جو مالک بھلی کی کمی کا شکار ہیں وہ شدید سماجی اور معاشی مسائل میں بنتا ہے۔ ہم سب سے پہلے معاشی مسائل کا جائزہ لیتے ہیں۔ دنیا کی ساری ائمہ سری، رہائے دفاتر اور سارے بازار بھلی کے محتاج ہیں، بھلی بند ہونے سے فیکٹریوں میں کام روک جاتا ہے، اس بند ہونے سے پروڈکشن کم ہو جاتی ہے، پروڈکشن کم ہونے سے آڑ رز کی منسوخی شروع ہو جاتی ہے، اس سے ممالک کے خریدار دوسرے ممالک کا رخ کرتے ہیں یوں ایکسپورٹس روک جاتی ہیں، اس کی مقامی مارکیٹ پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، بازاروں سے اشیاء غائب ہونے لگتی ہیں، فیکٹری اکان پر معاشی دباؤ پڑتا ہے اور وہ ملازمین کی تعداد گھنادیتے ہیں جس سے بے روکاری پھیلتی ہے، یہ روزگار لوگ معاشرے میں پریشانی کا باعث بنتے ہیں، بازار میں اشیاء کم ہوتی ہیں جس سے تاجریوں کے کاروبار پر اثر پڑتا ہے، خریدار بازاروں میں آتے ہیں تو انہیں ضرورت کی اشیاء نہیں ملتیں چنانچہ وہ حکومت کو گالیاں دیتے ہوئے واپس چلے جاتے ہیں، سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر میں بھلی نہیں ہوتی تو ان کے کمپیوٹر اور مشینیں بند ہو جاتی ہیں، فونٹیٹ مشینیں، فیکس مشینیں، میکون کا کاروبار اور کشاپس اور پڑول پہیں بھلی کے قابل کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں، یہ لوگ اگر بھلی کی جگہ جزیرہ چلاتے ہیں تو یہ بند و بست کب تک ان کا ساتھ دے گا؟ اگر یہ جزیرہ اور یوپی ایس کو مستقل شکل دے دیتے ہیں تو ان کے اخراجات دو سے تین گناہوں جاتے ہیں، جس سے یہ لوگ اپنی سر و سز کے نرخ بڑھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور رخنوں میں یہ اضافہ خریدار گاہک یا کلاسٹ کیلئے قابل قبول نہیں ہوتا یوں معاشرہ کھینچاتا ہی کا فکار ہو جاتا ہے۔ اب آپ صورتحال ملاحظہ کیجئے، بھلی بند ہونے سے کارخانے بند ہوئے، کارخانوں کی بندش سے یہ رون ممالک سے سرمایہ کی تریل بند ہوئی، جس سے فارن ایکس چینج کے ذخراں کم ہو گئے۔ دو مہینوں میں کمی آئی، جس سے بازاروں میں اشیاء کی قلت پیدا ہو گئی۔ سوم، کارخانوں کے ملازمین بے روکار ہوئے۔ چھاؤنی اور غیر سرکاری دفاتر میں کام معطل ہوا، دکانیں، شوروں اور درکشاپس بند ہوئیں اور ملک کا سر و سز میکھر پینچھے گیا، دہاکے میکسون کی آمدن بند ہوئی اور یوں پورا معاشرہ معاشی بدحالی کا شکار ہو گیا۔ دوسری طرف گھروں، سکولوں اور غیر سرکاری دفتروں میں بھلی بند ہوئی، مٹی ویرین، فرنچ اور ہائیکروں بوجوں بند ہوئے، گلیوں میں اندر ہی رہو گیا اور جرام پیشہ لوگوں نے اس اندر ہیرے کا فائدہ اٹھانا شروع کر دیا چنانچہ دوسرے "ایندہ" سے بھی معاشرہ پر پیشانی، غصے اور خلجان میں بنتا ہو گیا، عوام نے یہ غصہ باہر کالا نا شروع کر دیا یوں دیہاتوں، قصبوں اور شہروں میں فسادات شروع ہو گئے، حکومت نے فسادات روکنے کی کوشش کی، جس سے عوام پھر گئے اور یوں خانہ جگلی شروع ہو گئی۔

بکری جو کھائے گی وہی لوٹائے گی

پاکستان میں بھلی کی لوڈ شیڈنگ اور مہاتما گاندھی کی بکری کا آپس میں بڑا گہر اعلق ہے۔ گاندھی جی نے آخری عمر میں کھانا پینا ترک کر دیا تھا، وہ صرف بکری کے دودھ پر زندہ تھے۔ گاندھی جی کے مریدوں نے ان کی سیوا کیلئے بکری کا مستقل انتظام کر دیا تھا، یہ بکری گاندھی جی کی بکری کھلاتی تھی اور اسے ہندوستان بھر میں وی ولی آئی کا درجہ حاصل تھا۔ گاندھی جی جہاں تشریف لے جاتے تھے یہ بکری بھی ان کے میں ڈبے لوئے اور بستر کے ساتھ دہاں جاتی تھی اور کامگر لیں کے بڑے بڑے لیدڑا سے بڑی عقیدت اور چاؤ سے نہلاتے، نہلاتے اور بہلاتے تھے۔ دنیا میں تین حلال جانوروں کا دودھ انسانی غذا کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ گائے، بھینس اور اڈنی۔ گائے کا دودھ انسانی جسم کیلئے انتہائی سودمند اور ہاضم ہوتا ہے، اس دودھ میں چربی کم ہوتی ہے لہذا یہ انسانی خون میں کلسروں کی مقدار نہیں بڑھاتا، بھینس کا دودھ گائے کے مقابلے میں گاڑھا ہوتا ہے، اسے ہضم کرنے کیلئے بھاگ دوز بھی کرنا پڑتی ہے اور اس میں کلسروں بھی زیادہ ہوتا ہے جبکہ اڈنی کا دودھ مکمل غذا ہے، اس میں وہ تمام اجزاء اور عنصر موجود ہیں جو انسانی جسم کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ غذاؤں کے ماہرین کا خیال ہے انسان کیلئے اڈنی کے دودھ کے دوپیا لے اور چار بھجوریں چوبیں مکھنے کیلئے کافی ہوتی ہیں۔ گاندھی جی کھانا پینا ترک کر چکے تھے وہ بکری کے صرف دوپیا لے پیتے تھے چنانچہ وہ کمزور ہوتے جا رہے تھے، گاندھی جی کے مریدوں نے اس کا بہت دلچسپ حل نکالا، وہ بکری کو چارے کے ساتھ ساتھ پا دام پتے، اخروٹ اور انجر کھلانے لگے، گاندھی جی کی بکری روزانہ آدھ کلوڈ رائی فروٹ کھا جاتی تھی، اس بند و بست کے نتیجے میں بکری کا دودھ گاڑھا ہو گیا اور یوں گاندھی جی صرف دوپیا لے کے دودھ ہی سے اچھے بھلے ہو گئے۔ ہندوستان میں اس سے ایک محادرے نے جنم لیا، وہ محادرہ کچھ یوں تھا "بکری جو کھائے گی وہی لوٹائے گی"۔

آپ حیران ہوں گے گاندھی جی کی بکری اور پاکستان میں لوڈ شیڈنگ میں کیا چیز مشترک ہے، یہ اشتراک میں اگلی سطروں میں آپ کو سمجھاؤں گا، سردست آپ بھلی کی اہمیت ملاحظہ کیجئے۔ بھلی آج کے

کلمہ کفایت شعاراتی کی اجیل کی جائے مجھے یقین ہے لوگ حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔ اسی اور گیس (سی این جی) کی بچت کیلئے حکومت ہنگامی پیمانے پر پیپل ٹرانسپورٹ کو بہتر بنانے پڑے معاشرے کی بیت تبدیل ہونے لگتی ہے اور ہم آج کل ایک ایسی ہی صورتحال کا شکار ہیں۔ ملک میں کل لوڈ شیڈنگ پندرہ گھنٹوں تک چلی گئی ہے جس کے نتیجے میں ہماری انڈسٹری آخری سانسیں رہی ہے، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں پارہ ہزار چھوٹی بڑی میں، کارخانے اور فیکٹریاں بند ہو چکی ہیں جن کی وجہ سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو چکے ہیں۔ کراچی، لاہور اور پشاور کے بازار سنان پڑے ہیں کراچی شہر کے کاروبار میں 60 فیصد کی آگئی ہے جبکہ آئی ٹی سے وابستہ سینکڑوں ادارے آخری ہچکیاں لے رہے ہیں، سرکاری دفاتر میں اوسطاً چار گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے دفتری اوقات اوسطاً چار گھنٹے رہ گئے ہیں، لاہور شہر میں بارہ سو بار برشاپس منڈے کا شکار ہیں، ملک بھر میں بیس ہزار سروں لیٹیشنز، درکشاپس اور فرنچائز کے کارخانے بند ہیں جبکہ تین بڑے شہروں میں پلاسٹک، جیولری اور جوتوں کے دس ہزار کارخانے بندش کے قریب ہیں۔ رہی کسی سر پڑوں کی قلت اور گیس کی لوڈ شیڈنگ نے پوری کردی ہے جس سے لوگ بچر کر سرکوں پر آ گئے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے اگر حکومت نے ہنگامی پیمانے پر بچلی کا بندوبست نہ کیا تو پاکستان میں انقلاب کا دھانہ کھل جائے گا اور یہ انقلاب محض انقلاب نہیں ہو گا یہ سول وار یا خانہ جنگی ہو گی۔

ہمیں ماننا پڑے گا انڈسٹری معاشرے کیلئے گاہنگی جی کی بکری کی حیثیت رکھتی ہے اور بچلی اس بکری کیلئے ڈرائی فروٹ۔ ہم اگر معاشرے کو صحت مند اور زندہ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں انڈسٹری کی اس بکری کو زیادہ ڈرائی فروٹ کھانا پڑے گا کیونکہ یہ بکری جو کھائے گی وہی لوٹائے گی لہذا اگر ہم نے اسے ترجیح نہ دی تو یہ معاشرے کو روزگار فراہم نہیں کر سکے گی اور یوں پورا معاشرہ نقاہت کا شکار ہو جائے گا۔ ام بہت جلد خانہ جنگی تک پہنچ جائیں گے۔

⊗ ⊗ ⊗

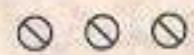
یہ ہے آج کی اصل حقیقت، ہماری دنیا میں بھلی آسیجن کی حیثیت رکھتی ہے اگر معاشرے کو آسیجن ملتی رہے تو معاشرہ مطمئن بھی رہتا ہے اور ترقی پذیر بھی لیکن جب یہ آسیجن رک جاتی ہے تو معاشرے کی بیت تبدیل ہونے لگتی ہے اور ہم آج کل ایک ایسی ہی صورتحال کا شکار ہیں۔ ملک میں بھلی کی لوڈ شیڈنگ پندرہ گھنٹوں تک چلی گئی ہے جس کے نتیجے میں ہماری انڈسٹری آخری سانسیں رہی ہے، فیصل آباد اور سیالکوٹ میں پارہ ہزار چھوٹی بڑی میں، کارخانے اور فیکٹریاں بند ہو چکی ہیں جن کی وجہ سے لاکھوں افراد بے روزگار ہو چکے ہیں۔ کراچی، لاہور اور پشاور کے بازار سنان پڑے ہیں کراچی شہر کے کاروبار میں 60 فیصد کی آگئی ہے جبکہ آئی ٹی سے وابستہ سینکڑوں ادارے آخری ہچکیاں لے رہے ہیں، سرکاری دفاتر میں اوسطاً چار گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہمارے دفتری اوقات اوسطاً چار گھنٹے رہ گئے ہیں، لاہور شہر میں بارہ سو بار برشاپس منڈے کا شکار ہیں، ملک بھر میں بیس ہزار سروں لیٹیشنز، درکشاپس اور فرنچائز کے کارخانے بند ہیں جبکہ تین بڑے شہروں میں پلاسٹک، جیولری اور جوتوں کے دس ہزار کارخانے بندش کے قریب ہیں۔ رہی کسی سر پڑوں کی قلت اور گیس کی لوڈ شیڈنگ نے پوری کردی ہے جس سے لوگ بچر کر سرکوں پر آ گئے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے اگر حکومت نے ہنگامی پیمانے پر بچلی کا بندوبست نہ کیا تو پاکستان میں انقلاب کا دھانہ کھل جائے گا اور یہ انقلاب محض انقلاب نہیں ہو گا یہ سول وار یا خانہ جنگی ہو گی۔

ہمیں تعلیم کرنا پڑے گا بچلی کی کمی مستقل مسئلہ ہے چنانچہ حکومت کو اس کا کوئی مستقل حل تلاش کرنا چاہئے۔ حکومت اس سلسلے میں تین چار بڑے اقدامات کر سکتی ہے۔ اول حکومت انڈسٹری کو بچلی کی الگ لائزنس دے دے اور ان لائزنس کو لوڈ شیڈنگ سے بہری قرار دے دے تاکہ انڈسٹری کا پہنچہ چلتا رہے، لوگوں کو روزگار ملک کو سرمایہ اور شہر یوں کو اشیاء ملتی رہیں کیونکہ اگر آپ کی جیب میں پیسے ہوں گے تو آپ انڈھیرے میں بھی گزارا کر لیں گے لیکن اگر گھر میں روٹی نہ ہو تو انڈھیرا زیادہ گہرا محسوس ہوتا ہے۔ سرد یوں میں گیس پر لوڈ بڑھ جاتا ہے چنانچہ حکومت سرد یوں کے تین ماہی این جی شیشن بند کر دیا کرے۔ یہ درست ہے کی این جی شیشن بند ہونے سے مل کلاس کیلئے سواری کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا لیکن چولہا گاڑی سے بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔ آپ گاڑی کو کفایت شعاراتی سے استعمال کر سکتے ہیں لیکن شہروں میں گیس کے بغیر چولہا جلانا اور کھانا پکانا ممکن نہیں ہوتا، اگر حکومت عوام کو مسئلہ سمجھادے تو لوگ حکومت کے ساتھ کو آپریٹ کریں گے۔ حکومت مشکل مہینوں میں تمام سرکاری عمارتوں بالخصوص سیکرٹریٹ اور ایوانوں کیلئے بچلی کا کوشہ طے کر دے، بچلی کے ہیزوں پر پابندی لگادی جائے اور اس کے بعد

وہ مشرف، یہ مشرف

یہ 5 جنوری کی تاریخ تھی اور 2002ء کا سن تھا نیپال کے دارالحکومت کھمنڈو میں گیا رہویں سارک سربراہ کانفرنس ہو رہی تھی، یہ کانفرنس برندرا انٹرنیشنل کانفرنس ہال میں منعقد ہو رہی تھی اور اس کانفرنس میں بینکلہ دیش کی وزیر اعظم یغم خالدہ ضیاء بھوٹان کے وزیر اعظم یونپو خاند و دا گنگ چک، بھارت کے وزیر اعظم اٹل بھاری واجپائی مالدیپ کے صدر ماامون عبدالقیوم نیپال کے وزیر اعظم شیر بھادر دیوبا، پاکستان کے صدر پرویز مشرف اور سری لنکا کی صدر چندریکا کماراشنگا اور دنیا بھر کے میڈیا کے نمائندے شریک تھے، یہ کانفرنس بڑے نازک حالات میں ہو رہی تھی، پاک بھارت سرحد پر پاکستان اور بھارت کی فوجیں ایک دوسرے کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر کھڑی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا کسی طرف سے ایک گولی چلنے کی دیر ہے اور پورا خط ایسی جگ کے جہنم میں اتر جائے گا چنانچہ پوری دنیا کی نظریں اس سارک کانفرنس پر گلی تھیں۔ کانفرنس کے دن صدر پرویز مشرف ڈاکس پر کھڑے ہوئے، صدر پرویز مشرف نے اس کانفرنس سے خطاب کیا، انہوں نے اٹل بھاری واجپائی کو مخاطب کیا اور مسکرا کر فرمایا "پاکستان بھارت کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے، ہال میں بیٹھے مندو بین نے تالیاں بجا کر صدر مشرف کی حوصلہ افزائی کی اور صدر پرویز مشرف دوبارہ خطاب کرنے لگے۔ جب صدر پرویز مشرف نے خطاب ختم کیا تو وہ ڈاکس سے نیچے اترے، وہ اٹل بھاری واجپائی کی طرف بڑھے اور انہوں نے واجپائی کی طرف ہاتھ بڑھادیا، ہال میں تالیوں کا شور بلند ہوا اور فوٹو گرافروں نے اس مظہر کو اپنے کیمروں میں محفوظ کر لیا بعد ازاں دنیا بھر میں صدر مشرف کے اس اقدام کو سراہا گیا اور دنیا بھر کے میڈیا نے مشرف واجپائی "بینڈھیک" کو خصوصی کو درج دی۔ یہ وہ "بینڈھیک" تھا جس کے نتیجے میں پاک بھارت جنگ کے بادل چھٹ گئے اور دونوں ملکوں نے اپنی اپنی فوجیں واپس بلا ٹیکس یورپ کے میڈیا نے اس لمحے کو امن کا بینڈھیک قرار دیا۔ ان دونوں صدر نے بے شمار غیر ملکی اخبارات اور میڈیا ویژن میٹ دوکس کو انٹرو یو ڈیجی تھا اور ان انٹرو یو ڈیجی میں انہوں نے فرمایا تھا "میرے لئے پاکستان سب سے پہلے آتا ہے اور میں پاکستان اور پاکستانی عوام کی بقاء کیلئے کسی بھی شخص سے ہاتھ ملا سکتا ہوں"۔

دوسری حلیف تلاش کر لے،" پتہ نہیں کیوں میں نے جب سے صدر کے یہ دونوں انٹرو یو ڈیجی ہے ہیں، مجھے وہ بوڑھا سفارت کاریا دا رہا ہے اور میں بار بار سوچ رہا ہوں خدا نخواست کہیں پاک امریکہ تعلقات میں ایک بار پھر وہ وقت تو نہیں آگیا جب کوئٹہ ولیز ارائس پاکستان آئے اور ہمارے ایوان اقتدار میں بیٹھ کر یہ کہ دے "آپ کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں،" میں جب بھی یہ سوچتا ہوں تو میری روح کا پاٹھ تھی ہے اور سوچتا ہوں صدر پرویز مشرف کی باری بھی آچکی ہے، اب در بذری اور جیل صدر مشرف کا مقدر بن چکی ہے۔



اُس اور اگر پاکستان کی بقاء اور ترقی کیلئے انہیں اپنے بڑے سے بڑے دشمن کے سامنے بھی جھکنا پڑا تو ایک منٹ نہیں سوچیں گے۔

مجھے کرنل صاحب کے خیالات ثابت اور اچھے لگے تھے اور میں بڑی حد تک ان کے خیالات کا قائل ہو گیا تھا لیکن پھر میاں نواز شریف اور محترمہ بنے نظر بھٹو کا معاملہ آیا اور صدر پرویز مشرف نے برداشت اور وسعت قلبی کی انہما سمجھتے ہیں، میں نے وضاحت کی درخواست کی تو وہ بولے "دنیا کے ہر فوجی کو لڑنے" مرنے اور مارنے کی ٹریننگ دی جاتی ہے، دنیا کا کوئی فوجی مذاکرات نہیں کر سکتا، وہ دشمن سے ہاتھ ملانا گناہ اور کفر سمجھتا ہے۔ پاک فوج کے جوانوں اور افراد کو بھی پہلے دن سے یہ بتایا جاتا ہے بھارت تمہارا دشمن ہے اور دشمن کے ساتھ تمہارا راویہ دشمنوں جیسا ہوتا چاہئے چنانچہ ایک ایسی فوج کے کمانڈر کا اٹل بھاری واچاری کی کری کے پاس جانا اور ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھادینا جہاد اکبر سے کم نہیں، ہم تصور کر سکتے ہیں جزل پرویز مشرف نے یہ مرحلہ کتنی مشکل اور اذیت سے طے کیا ہو گا،" میں نے کرنل صاحب سے پوچھا تھا "اس کا مطلب ہے اگر صدر مشرف صرف جرنیل یا آرمی چیف ہوتے تو وہ بھی واچاری سے ہاتھ نہ ملتے" کرنل صاحب نے فوراً ہاں میں سرہا یا اور بولے "میں آپ کو 1999ء کی مثال دیتا ہوں، 20 فروری 1999ء میں اٹل بھاری واچاری واچاری وزیر اعظم میاں نواز شریف کی دعوت پر بس کے ذریعے لا ہو رائے تھے اور اس وقت بعض اخبارات میں یہ خبر پھیلی تھی آرمی چیف جزل پرویز مشرف بھارتی وزیر اعظم کے استقبال کیلئے واہمہ بارڈر پر نہیں گئے تھے۔ لوگوں نے اس وقت ان کے رویے پر اعتراض کیا تھا لیکن میں بطور فوجی جزل پرویز مشرف کی مجبوری سمجھ سکتا ہوں، اگر اس وقت جزل مشرف داہمہ بارڈر جاتے تو انہیں پروٹوکول کی وجہ سے بھارتی وزیر اعظم کو سیلوٹ کرنا پڑتا اور پاک فوج کے چیف کیلئے یہ ایک انہما مسئلہ مرحلہ ہوتا ہے چنانچہ جزل مشرف داہمہ بارڈر نہیں گئے۔ یہ ایک جزل کارویہ تھا لیکن اس وقت وہ پاکستان کے صدر ہیں چنانچہ انہیں صدر بن کر سوچنا پڑ رہا ہے وہ جانتے ہیں اس وقت ملک کے 16 کروڑ لوگوں کا مقدمہ ران سے جڑا ہے اور اگر انہوں نے چک کا مظاہرہ نہ کیا تو اس خطے کے کروڑوں لوگوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی چنانچہ پرویز مشرف نے اپنے اندر موجود جرنیل کی اتنا اور تربیت کو کچل دیا اور اس کی جگہ صدر پاکستان کی وسعت قلبی کو بھادرا یا اور ہم یہ سمجھتے ہیں یہ ایک سیاستدان ایک چیف ایگزیکٹو اور ایک بڑے اور مضبوط ملک کے حکمران کا سیاسی رویہ ہے اور اگر ان کی جگہ کوئی بھی سیاسی حکمران ہوتا وہ یہی کرتا،" میں نے کرنل صاحب سے پوچھا تھا "صدر کے اس اقدام کا کیا نتیجہ لٹکے گا" کرنل صاحب نے فرمایا تھا "یہ ثابت ہو جائے گا صدر پرویز مشرف سب سے پہلے پاکستان کے نفرے کے ساتھ مخلص ہیں اور وہ حقیقت پاکستان کو اپنی اٹا سے بڑا سمجھتے

پر عدم اعتماد ثابت ہوئے آج 2 مارچ 2008ء ہے لیکن صدر عوام کی اس رائے کو بھی تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں پاکستان کے 16 کروڑ عوام کی خواہش ہے صدر ایوان سے لٹکیں، آصف علی زرداری، میاں محمد نواز شریف اور اس فندیار ولی سے ملاقات کریں، انہیں مبارک پا دیں کریں، انہیں حکومت بنانے کی دعوت دیں اور اگر نئی پارلیمنٹ صدر کو قبول نہ کرے تو وہ استعفی دے دیں اور باعزت طریقے سے اقتدار سے رخصت ہو جائیں، عوام کی یہ خواہش بھی سب سے پہلے پاکستان کے نفع کا حصہ ہے لیکن انہوں صدر اس خواہش کا احترام کرنے کیلئے بھی تیار نہیں ہیں، وہ عوام کے عدم اعتماد کے باوجود ابھی تک مسلم لیگ ق سے امید یں لگائے بیٹھے ہیں، لوگ جب بھی ان حقوق کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں وہ صدر پرورِ مشرف جو پاکستان کیلئے اپنے ازیٰ و شمن اٹل بھاری واچپائی کے سامنے جگ کیا تھا وہ آج اپنے پاکستانی عوام کی رائے تسلیم کرنے کیلئے کیوں تیار نہیں؟ وہ صدر جو سب سے پہلے پاکستان کو اپنا فلسفہ حیات سمجھتا تھا وہ آج پاکستان اور پاکستانی عوام کی آواز سننے کیلئے کیوں تیار نہیں؟ لوگ پوچھتے ہیں جس صدر مشرف نے 2002ء میں 60 سال کے ازیٰ و شمن سے ہاتھ ملا کر پاکستان اور بھارت کو اٹھی جگ سے بچالیا تھا وہ آج آصف علی زرداری، میاں نواز شریف اور اس فندیار ولی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا کر پاکستان کو اس خونی بحران سے کیوں نہیں بچاتے؟ صدر نے جس وسعت قلبی اور چک کا مظاہرہ واچپائی کے سامنے کیا تھا وہ اسی چک اور وسعت قلبی کا اظہار پاکستانی عوام کی رائے کے سامنے کیوں نہیں کرتے؟ میں جب بھی لوگوں کی یہ باتیں سنتا ہوں تو میں کنفیوز ہو جاتا ہوں اور مجھے سمجھنے کیسی آتی 2002ء کے صدر نٹھیک تھے یا 2008ء کے صدر مشرف وہ صدر اچھے تھے یا یہ صدر اچھے ہیں لیکن ساتھ ہی میں سوچتا ہوں صدر مشرف دنیا کے ان بد نصیب لوگوں میں شامل ہیں جنہیں عزت راس نہیں آتی، وہ ہمیشہ بے عزت ہو کر کوچہ اقتدار سے لٹکتے ہیں اور مشرف کا وہ وقت آنکھا ہے۔

صدارتی کیمپ آفس میں

میں گیٹ کے اندر داخل ہو گیا، سامنے فوج کے کمانڈوز کھڑے تھے، بیرک میں سے سیکورٹی کا کتالایا گیا، جمن کتے نے گاڑی سوچی اور مایوسی میں سر ہلا دیا، سیکورٹی آفیسر نے واٹر لیس پر کوڈ ورڈز میں کوئی پیغام دیا، دوسری طرف سے فوراً جواب آگیا، سیکورٹی آفیسر نے ہوا میں ہاتھ ہلا دیا اور بیرک رز اپر اٹھنے لگے، میں صدارتی یکمپ آفس میں داخل ہو گیا۔

میں اس عمارت میں چوتھی بار داخل ہو رہا تھا۔ میں پہلی بار یہاں آیا تھا تو یہ آری ہاؤس تھا اور اس وقت صدر پرور مشرف جزل پرور مشرف تھا اور انہوں نے چند دن پہلے آری چیف کا عہدہ سنبھالا تھا۔ میں دوسری بار آیا تو جزل پرور مشرف، صدر جزل پرور مشرف ہو چکے تھے اور اس عمارت پر صدارتی یکمپ آفس کی خدمتی لگ چکی تھی۔ تیری مرتبہ 9 مارچ کا تازہ تازہ واقعہ ہوا تھا اور صدر پرور مشرف نے واقعہ کا پس منظر بتانے کیلئے چھ صحافیوں کو یکمپ آفس بلایا تھا اور آج میں چوتھی مرتبہ اس مشرف نے واقعہ کا پس منظر بتانے کیلئے چھ صحافیوں کو یکمپ آفس کے ڈرائیور کے سامنے عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ عمارت کی آن بان اور شان وہی تھی یکمپ آفس کے ڈرائیور کے سامنے تگی چہرے والے کمانڈوز بھی اسی طرح کھڑے تھے، صدر کے دفتر کے سامنے بھی فوج کے خوبصورت جوان کھڑے تھے، عمارت کے اندر باور دی بیرے بھی اسی طرح احتیاط کے ساتھ چل رہے تھے اور صدر کے اے ڈی سی ملٹری سیکرٹری اور عملے کے دوسرے ارکان بھی سینہ تان کر کھڑے تھے لیکن اس کے باوجود اس عمارت، اس ماحول میں کسی چیز کی کمی تھی، وہاں کوئی چیز تھی جو پہلے نہیں ہوا کرتی تھی یا پھر اس بار وہاں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو پہلے ہوا کرتی تھی، وہ چیز کیا تھی؟ میں نے اس منگ اپنیست کی تلاش میں دائیں بائیں دیکھا، شاہد وہاں اعتماد کی کمی تھی، شاہد بے بیانی کے سامنے تھے یا پھر شاہد وہاں طوفان سے پہلے کی خاموشی یا بدلتے ہوئے مقدار کی چاپ تھی۔ وہاں کچھ تھا جو نہیں ہوتا چاہئے تھا۔ مجھے ڈرائیکٹ روم کے اسی صوفے پر بیٹھا دیا گیا جس پر 9 مارچ 2007ء کو چیف جنس آف پاکستان افتخار محمد چودھری بیٹھے تھے۔ میں نے بیٹھے بیٹھے سامنے صوفے کی طرف دیکھا اور مجھے وہ تاریخی تصویر یاد آگئی جس میں ٹھیک میری جگہ افتخار محمد چودھری بیٹھے تھے اور دائیں بازو کے سنگل صوفے پر صدر جزل پرور مشرف

اور پھر اس تصویر نے ایک ایسے بھر ان کو جنم دیا تھا جس کی لہریں ابھی تک اس ایوان کی دیواروں کے ساتھ مکڑا رہی ہیں۔ میں نے افسوس سے گردن ہلائی اور سوچا بعض لمحے بعض تصویریں اور بعض دھنیل کتنے خوفناک ہوتے ہیں۔ اگر 9 مارچ 2007ء کو یہ "سینگ ار سجنٹ" نہ ہوتا، اگر اس صوفے پر افغان محمد چودھری کو نہ بیٹھایا جاتا اور صدر اس صوفے پر بیٹھ کر چیف جنس کو بدلتے کافیصلہ نہ کرتے تو ان حالات کیا ہوتے؟ میں ابھی اس سوال کا جواب تلاش کر رہا تھا کہ میرے سامنے دونوں دروازے کیلئے اور مجبور جزل ریٹائرڈ راشد قریشی اندر آگئے ان کے ہاتھ پر چہرے اور آواز کی گرم جوشی تا حال قائم تھی۔ میں نے ان سے عرض کیا "جناہ میں آپ اور طارق عزیز کا دل سے احترام کرتا ہوں" انہوں نے خوشی اور حیرت کے مطابق تاثرات کے ساتھ میری طرف دیکھا، میں نے عرض کیا "اس کی وجہ آپ لوگوں کی وفاداری ہے، اس وقت جب انسان کا سایہ بھی پرایا ہو جاتا ہے آپ دونوں اس وقت بھی صدر پر وہ مشرف کے ساتھ کھڑے ہیں وفاداری اور کردار دنیا میں سب سے اہم ہوتے ہیں، انسان اور بیرونی فرق ہونا چاہئے" جزل نے قہقهہ لگایا اور کہا "ہم آخری سانس تک صدر کے ساتھ ہوں گے" دروازہ ایک بار پھر کھلا، صدر کے ایم ایس اندر داخل ہوئے اور مہذب آواز میں بتایا "صدر ملاقات کیلئے ریڈی ہیں" ہم دونوں اپنی اپنی نشتوں سے اٹھ کھڑے ہوئے باور دی دربانوں نے دروازے کھولے اور میں چند لمحے بعد صدر پر وہ مشرف کے سامنے کھڑا تھا۔

صدر تیزی سے میری طرف بڑھے اور ہاتھ ملا کر بولے "ہاؤ آر یو جاوید" میں نے کہا "سر مجھے چھوڑ دیے آپ اپنی بتائیے آپ کیسے ہیں" صدر نے قہقہہ لگایا اور جواب دیا "آئی ایم فائیں لوگوں نے میرے بارے میں غلط خبریں پھیلائی ہیں" میں صدر کے سامنے بینہ گیا، صدر نے چند لمحے سوچا اور اس کے بعد بولے "میں تمہارے پروگرام میڈیکٹا ہوں، کالمز پڑھتا ہوں، مجھے محسوس ہوتا ہے تم منفی دماغ (یکلوجو مائینڈ) شخص ہو، تمہارے پاس معلومات کی کمی ہے جس کی وجہ سے تم ادھوری تصویر پینٹ کرتے ہو" میں نے سوچا میں تمہیں بلا ذم اور تمہیں اصل حقائق بتاؤں" میں نے عرض کیا "صدر صاحب آپ نے درست فرمایا، میں واقعی ایک منفی ذہن کا شخص ہوں، صرف آپ نہیں بلکہ پاکستان پہنچ پارئی، مسلم لیگ ن اور مسلم لیگ ق کی قیادت بھی مجھے منفی سمجھتی ہے" صدر نے حیرت اور دچکپی سے میری طرف دیکھا، میں نے عرض کیا "پاکستان میں دو قسم کے صحافی ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جنہیں ساری رولنگ کلاس ثبت سمجھتی ہے لیکن عوام انہیں منفی خیال کرتے ہیں اور دوسرا قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جنہیں رولنگ ایڈیٹ منفی خیال کرتے ہیں مگر عوام ثبت سمجھتے ہیں، میرا شمار چونکہ دوسری قسم میں ہوتا ہے لہذا حکران کلاس

ہائے ہائے

یہ صدر ایوب خان کے اقتدار کے آخری دن تھے، صدر کے سیکریٹری اطلاعات اور قریبی مشیر الطاف گوہر صدر سے ملاقات کیلئے ایوان صدر گئے۔ یہ ایوان صدر اس وقت راولپنڈی میں ہوتا تھا، آج کل اس میں جب صدارتی کمپ آفس سے باہر لکھا تو گیٹ تک اداکی اور خاموشی کے ڈیگر لگتے تھے اور مجھے یوں اشارہ کر دیا۔ الطاف گوہر صدر ایوب کے سامنے بیٹھنے والوں کے درمیان بڑی دیرتک خاموشی کا وقہ رہا۔ اس دورانِ الطاف گوہر بڑے غور سے صدر کے چہرے کے اتار چڑھا دیکھتے رہے، صدر کے چہرے پر امیدی اور رکبت کے آثار تھے۔ صدر ایوب نے اچانک سراخھایا، الطاف گوہر کی طرف دیکھا اور اس لمحے میں بولے "الطاف میرا خیال ہے مجھے اب اقتدار چھوڑ دینا چاہئے"۔ الطاف گوہر کیلئے یہ بات اکشاف سے کم نہیں تھی کیونکہ آمریت کی تاریخ میں کبھی کوئی آمر خود اقتدار سے جدا نہیں ہوا، فوجی جرنیلوں اور اقتدار پر شب خون مارنے والوں کیلئے اقتدار تنخوا ہوتا ہے اور جو آمرا یک بار اس پر چڑھ جائے اس تنخوا سے اس کے بعد اس کی نفع ہی اترتی ہے۔ الطاف گوہر نے صدر سے وجہ پوچھی تو ایوب خان نے ایک عجیب وجہ بتائی، ان دونوں ملک بھر میں ایوب۔۔۔ کتا ہائے ہائے کے نفرے لگتے تھے ایک سرے سے کوئی شخص ایوب کتا کا نعرہ لگاتا تھا اور دوسری طرف سے پورا جمع ہائے ہائے کی آواز لگاتا تھا۔ ایوب خان نے بتایا، وہ صح کے وقت ایوان صدر کے لان میں آئے تو ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں باشپے میں کھیل رہی تھیں، ان بچوں نے ایک سلیق بنارکھا تھا اور جلسہ جلسہ کھیل رہے تھے، ایوب خان آہستہ چلتے ہوئے ان کے قریب کھڑے ہو گئے بچوں میں سے کسی بچے نے ایوب کتا کا نعرہ لگایا اور جواب میں تمام بچوں نے ہوا میں ہاتھ لہرا کر ہائے ہائے کی آوازیں لگانا شروع کر دیں، ایوب خان یہ دیکھ کر دیکھ رہے گئے، ان کا رنگ پیلا پڑ گیا اور وہ وہاں سے اٹھ کر یہاں آگئے اور چپ چاپ بیٹھ گئے۔ صدر ایوب خان کا کہنا تھا، "عوام کی نفرت ایوان صدر کی دیواریں عبور کر کے اندر آچکی ہے اور اب ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہائے

سے خبروں میں بہت "ان" ہیں۔ صدر کا کہنا تھا وہ جب تک یونیفارم میں رہے انہوں نے فوج کی کسی میںگ میں منہ نہیں کھولا تھا، وہ "گلو" بن کر میرے سامنے بیٹھے رہتے تھے، میں نے انہیں فیڈرل سروہز کیمیشن کا چیزر میں لگایا بعد ازاں، ہم نے چیزر میں کی مدت ملازمت میں کی کی تو وہ بھی ناراض ہو گئے۔ "صدر کا کہنا تھا" یہ سب لوگ اپنے اپنے وقت پر مجھ سے مفاد لیتے رہے تھے لیکن اب یہی لوگ ایماندار بھی بن گئے ہیں، جو اتنے مند بھی اور انقلابی بھی اور میں ان کے بیان پڑھ پڑھ کر حیران ہوتا رہتا ہوں۔"

صدر نے اس کے بعد شوکت عزیز سے لے کر اپنے آئندہ کے لائچے عمل کے بارے میں بے شمار باتیں کیں لیکن یہ تمام باتیں میں اپنے کسی آئندہ کالم پر اخخار کھتا ہوں۔ سرودست میں اتنا باتا تھا چلوں میں جب صدارتی کمپ آفس سے باہر لکھا تو گیٹ تک اداکی اور خاموشی کے ڈیگر لگتے تھے اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا درخت سوکھرہ ہے اور پرندے اڑ پکے ہیں۔

⊗ ⊗ ⊗

گروہی نے اعلان کیا "لہذا ہم نے وکلاء تحریک اور ان لیگ کے احتجاج میں شریک ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے، میں نے ملک بھر میں موجود اپنے تمام چیزوں کو ہدایت کر دی ہے وہ وکلاء تحریک اور ان لیگ کے جلوسوں میں چڑھ کر حصہ لیں"۔ میں نے جب سے گروہی کی یہ خبر پڑھی ہے مجھے اس وقت سے صدر ایوب خان یاد آ رہے ہیں اور مجھے محبوس ہو رہا ہے یہ صدر پر وزیر مشرف پر آخری ایک ہے۔ خدا کی پناہ جس شخص نے ملک کی تاریخ میں اتنا قطعی اقتدار دیکھا ہو کہ اس نے صرف ٹیلی فون پر امریکہ کو اپنی سرزین استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہو جس نے بلوچستان پر چڑھائی اور لال مسجد اور مدرسہ حضہ کو توپوں سے اڑا دینے کا حکم فرست کا ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جب انہیں وہ پتے بھی ہوادینے لگتے ہیں جن پر وہ تکمیل کئے ہوتے ہیں۔ جب انہیں ان کے قریب ترین دوست، رشتہ دار اور احباب بھی چھوڑ جاتے ہیں اور اس کے بعد احتساب کا خوفناک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بدستقی سے صدر پر وزیر مشرف بھی اس دور میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ تیزی سے اسکے ہوتے چلے جا رہے ہیں، آپ قسم کی ستم طریقی دیکھنے گزشتہ روز صدر کے ترجمان میہر جزل (ر) راشد قریشی پر بھی فانج کا ایک ہو گیا اور یوں صدر کا آخری ساتھی بھی "گراڈ" ہو گیا۔ جزل راشد قریشی پہلے ایک ماہ سے دوستی کا حق ادا کر رہے تھے وہ تمام محاذوں پر اسکی لازمی رہے تھے اور بڑی حد تک دشمنوں کا بھرپور مقابلہ بھی کر رہے تھے لیکن ان کی اچانک یہماری سے صدر کا یہ سہارا بھی چھن گیا۔ جزل راشد قریشی کے بعد اب پوری دنیا میں صرف ایک شخص بچا ہے جو صدر کی ترجیحی کر سکتا ہے اور وہ شخص ڈاکٹر شیر افغان نیازی ہیں اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر شیر افغان نیازی کو بلا مکان بولنے کا ملکہ دے رکھا ہے ڈاکٹر صاحب 24 گھنٹوں میں سے 28 گھنٹے بول سکتے ہیں اور اس دوران کی دوسرے کی بات نہیں سنتے لہذا میرا صدر صاحب کو مشورہ ہے وہ فوراً ڈاکٹر شیر افغان نیازی کو اپنا ترجمان مقرر کر دیں اور اس کے بعد مقام شاد بھیں دنیا بھر کے جنزوں ہوں گے اور ان پر ہر پانچ منٹ بعد ڈاکٹر صاحب جلوہ افروز ہوں گے اور صدر صاحب کی لئے ہے ہو جائے گی اگر صدر صاحب فوری طور پر یہ فیصلہ نہیں کرتے تو پھر میرا مشورہ ہے وہ فوراً باعزت طور پر مستعفی ہو جائیں کیونکہ جزل راشد قریشی کی یہماری کے بعد صدر صاحب پر ایک اور ایک ہونے والا ہے اور اس ایک کا نام گروہی ہے اس تاد عطا عرف گروہی خواجہ سراؤں کا چیف ہے اور اس نے گزشتہ روز صدر پر وزیر مشرف کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ گروہی نے کل یک سال میں پریس کانفرنس کی اور اس پریس کانفرنس میں اعلان کیا "گزشتہ نو برسوں میں ملک دن بدن زوال پذیری کی طرف گامزن رہا اور صدر پر وزیر مشرف کی پالیسیوں اور غلط فیصلوں کی وجہ سے ملک میں بہت باریک اور باریک آنے والے دن بہت خوفناک اور فیصلہ کن ہیں، وزیر اعظم نے فون کو صوبہ سرحد میں آپریشن کی اجازت دے دی ہے اور مجھے خطرہ ہے اس آپریشن کا آغاز کہیں

ہائے کے نظرے لگا رہی ہیں چنانچہ اب ان کا اقتدار میں رہنے کا کوئی جواہر نہیں۔ الظاف گوہر نے صدر ایوب کا تسلی دینے کی کوشش کی لیکن ایوب خان اپنا انجام جان چکے تھے چنانچہ جب تک خان نے انہیں مستعفی ہوئے آپسیں دیا تو انہوں نے چپ چاپ کاغذ پر دستخط کر دیئے جزل تک خان نے انہیں آخری سیلوٹ کیا اور اس گستاخ جنوبی (یہ اس وقت کریل تھے اور بعد ازاں صدر اسحاق خان نے انہیں صوبہ سرحد کا گورنر بنایا تھا) انہیں چپ چاپ اسلام آباد میں ان کے ذاتی مکان پر چھوڑ گئے۔ ایوب خان نے باقی زندگی اس گھر میں گزار دی۔

صدر ایوب خان کا المذاک انجام دنیا کا پہلا واقعہ نہیں تھا، دنیا کے تمام آمروں کی زندگی میں عوای نفرت کا ایسا لمحہ ضرور آتا ہے جب انہیں وہ پتے بھی ہوادینے لگتے ہیں جن پر وہ تکمیل کئے ہوتے ہیں۔ جب انہیں ان کے قریب ترین دوست، رشتہ دار اور احباب بھی چھوڑ جاتے ہیں اور اس کے بعد احتساب کا خوفناک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے اور بدستقی سے صدر پر وزیر مشرف بھی اس دور میں داخل ہو چکے ہیں اور وہ تیزی سے اسکے ہوتے چلے جا رہے ہیں، آپ قسم کی ستم طریقی دیکھنے گزشتہ روز صدر کے ترجمان میہر جزل (ر) راشد قریشی پر بھی فانج کا ایک ہو گیا اور یوں صدر کا آخری ساتھی بھی "گراڈ" ہو گیا۔ جزل راشد قریشی پہلے ایک ماہ سے دوستی کا حق ادا کر رہے تھے وہ تمام محاذوں پر اسکی لازمی رہے تھے اور بڑی حد تک دشمنوں کا بھرپور مقابلہ بھی کر رہے تھے لیکن ان کی اچانک یہماری سے صدر کا یہ سہارا بھی چھن گیا۔ جزل راشد قریشی کے بعد اب پوری دنیا میں صرف ایک شخص بچا ہے جو صدر کی ترجیحی کر سکتا ہے اور وہ شخص ڈاکٹر شیر افغان نیازی ہیں اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر شیر افغان نیازی کو بلا مکان بولنے کا ملکہ دے رکھا ہے ڈاکٹر صاحب 24 گھنٹوں میں سے 28 گھنٹے بول سکتے ہیں اور اس دوران کی دوسرے کی بات نہیں سنتے لہذا میرا صدر صاحب کو مشورہ ہے وہ فوراً ڈاکٹر شیر افغان نیازی کو اپنا ترجمان مقرر کر دیں اور اس کے بعد مقام شاد بھیں دنیا بھر کے جنزوں ہوں گے اور ان پر ہر پانچ منٹ بعد ڈاکٹر صاحب جلوہ افروز ہوں گے اور صدر صاحب کی لئے ہے ہو جائے گی اگر صدر صاحب فوری طور پر یہ فیصلہ نہیں کرتے تو پھر میرا مشورہ ہے وہ فوراً باعزت طور پر مستعفی ہو جائیں کیونکہ جزل راشد قریشی کی یہماری کے بعد صدر صاحب پر ایک اور ایک ہونے والا ہے اور اس ایک کا نام گروہی ہے اس تاد عطا عرف گروہی خواجہ سراؤں کا چیف ہے اور اس نے گزشتہ روز صدر پر وزیر مشرف کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان کر دیا ہے۔ گروہی نے کل یک سال میں پریس کانفرنس کی اور اس پریس کانفرنس میں اعلان کیا "گزشتہ نو برسوں میں ملک دن بدن زوال پذیری کی طرف گامزن رہا اور صدر پر وزیر مشرف کی پالیسیوں اور غلط فیصلوں کی وجہ سے ملک میں بہت باریک اور باریک آنے والے دن بہت خوفناک اور فیصلہ کن ہیں، وزیر اعظم نے فون کو صوبہ سرحد میں آپریشن کی اجازت دے دی ہے اور مجھے خطرہ ہے اس آپریشن کا آغاز کہیں

اسلام آباد سے نہ ہو جائے۔

تاش کے کھیل میں ایک ایسا وقت آتا ہے جس میں کھلاڑیوں نے اپنے اپنے پتے شو کرنا ہوئے۔ ہیں انہاری سیاست میں بھی ”شو“ کا وقت آچکا ہے۔ بس چند دن کی بات ہے، صدر مستعفی ہو جائیں گے، ان کا موآخذہ شروع ہو گایا پھر حکمران اتحاد نوٹ جائے گا۔ بس چند دن باقی ہیں لیکن ایک بات طے ہے صدر پر 16 مشرف صدر ایوب خان سے مختلف انسان ہیں، صدر ایوب نے ایک بار ہائے ہائے سنی تھی اور انہوں نے اقتدار چھوڑ دیا تھا لیکن صدر پر 16 کروڑ لوگوں کی ہائے ہائے سن کر بھی میدان میں ڈنے ہوئے ہیں۔ ہمیں صدر مشرف کی اس استقامت کی ضرور و ادبی تھیں چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں یہ خبر بھی دینی چاہئے کہ جانب صدر تاریخ میں آج تک کوئی ایسا حکمران زیاد و دری تک ایوان اقتدار میں نہیں پھر سکا جس کے بارے میں عوام نے ہائے ہائے کا نعرہ لگادیا ہو چنا چچے آپ بھی اب ایوان اقتدار کے چند دنوں کے مہمان ہیں۔

⊗ ⊗

موآخذہ نہیں ہو گا

”وزیر اعظم امریکہ سے بہت خوش لوئے ہیں، اس کی آنکھوں میں چک تھی جبکہ میں اس کی لیٹ منٹ پر حیران تھا، مجھے حیران ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ پاکستانی امریکی اور یورپی میڈیا بڑے تو اتر سے وزیر اعظم کے امریکی دورے کو ناکام قرار دے رہا تھا، یہ واصل اصراف غیر جانبدار میڈیا تک محدود ہوں تھا بلکہ وہ تمام صحافی بھی بے باگ دہل کلمہ حق کہہ رہے تھے جو وزیر اعظم کے خصوصی طیارے پر ان کے ساتھ امریکہ گئے تھے، لندن میں جس طرح وزیر اعظم کا سواست کیا گیا، لندن سے امریکہ روانگی کے وات جس طرح تاخیر ہوئی، واشنگٹن میں جس طرح وزیر اعظم کو ”خواز“ کر کے دیل کم کیا گیا، صدر بش کے ساتھ ملاقات کے بعد جس طرح وزیر اعظم کو میڈیا کے سامنے پیش کیا گیا اور جس طرح صدر بش نے وزیر اعظم کے خیالات پر میڈیا کو آنکھیں ماریں، وزیر اعظم کے رفتائے کار اور وفد میں شامل معززین کو جس طرح گلی میں کھڑا کر کے تلاشی کے عمل سے گزارا گیا، وزیر اعظم نے جس طرح امریکی ٹیلی ویژن پبلز کو انٹرو یو زدیے اور ان انٹرو یو ز میں جس قسم کے خیالات کا اظہار کیا، وزیر اعظم نے امریکی بنس بینوں اور سرمایہ کاروں کو جس طرح پاکستان میں سرمایہ کاری کی ترغیب دی اور انہوں نے جس طرح امریکہ میں مقیم پاکستانیوں کو پاکستان میں امن و امان، سلامتی اور جمہوریت کا پھر دیا ان تمام وارداتوں پر ایک بھی جگہ خوشی، عظمت، اطمینان اور کامیابی کی گنجائش نہیں تھی چنانچہ میں حیران تھا وزیر اعظم خوشی کیوں لوئے ہیں، میں اس کی طرف دیکھتا رہا اور وہ چمکیلی آنکھوں سے مجھے دیکھتا رہا، وہ آصف علی زرداری سے لے کر وزیر اعظم تک اور وزیر اعظم سے لے کر صدر تک اور صدر سے لے کر جی ایچ کیوتک تمام مقندر حلقوں اور مقندر ہستیوں کا منثور نظر ہے وہ چھپلے دس برسوں سے اقتدار کے ایوانوں کا اہم مہرہ چلا آرہا ہے، اس نے صدر پر 16 مشرف کی ہر نازک موقع پر مدد کی تھی وہ پہلا شخص تھا جس نے پاکستان پہلی پارٹی اور صدر پر 16 مشرف کے درمیان رابطے کرائے تھے، جس نے پاکستانی میڈیا میں آصف علی زرداری کیلئے گنجائش پیدا کی تھی اور جو بیک وقت ایوان صدر اور زرداری ہاؤس دونوں کا مشیر ہے چنانچہ اگر دیکھا جائے تو وہ خبروں کا طبع ہے وہ پہلا شخص تھا جس نے مجھے بتایا تھا مخدوم امین فہیم وزیر اعظم نہیں نہیں گے۔ میں نے اس وقت اس کی بات سے اتفاق نہیں کیا تھا کیونکہ محترمہ اس وقت تازہ تازہ شہید

ہوئی تھیں اور آصف علی زرداری نے چند دن قبل مخدوم امین فہیم کو اپنا وزیر اعظم قرار دیا تھا۔ میں نے اس خبر کا سورس اور وجہ پوچھی تو وہ نہ کہا گیا، ایکشن کے بعد اس کی بات صحیح ثابت ہوئی۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے مجھے بتایا تھا وزیر اعظم پنجاب سے ہو گا، وہ پہلا شخص تھا جس نے بتایا تھا وزیر اعظم کوئی نہ کوئی مخدوم ہو گا، جس نے بتایا تھا حکومت بج بحال نہیں کرے گی؛ جس نے بتایا تھا پاکستان ہبیپز پارٹی اور مسلم لیگ ن کا اتحاد ثبوت جائے گا، جس نے بتایا تھا آصف علی زرداری اور میاں نواز شریف کے درمیان لٹا فہیاں جنم لے رہی ہیں اور جس نے بتایا تھا امریکہ صدر پرویز مشرف کو تھا چھوڑ رہا ہے اور وہ پہلا شخص تھا جس نے مجھے بتایا تھا وکلاء کی تحریک کمزور ہو جائے گی اور جس نے مجھے اعتراض احسن کے مستقبل کے بارے میں بتایا تھا میں نے ہر بار اس کی بات سے اختلاف کیا لیکن اس کی تمام اطلاعات درست ثابت ہوئیں اور سیاست کا قافلہ اس کے بتائے راستے پر آگے بڑھتا رہا، اس نے مجھے اڑھائی برس قبل بتایا تھا آصف علی زرداری اور محترمہ بنے نظیر بھٹوانس نتیجے پر بخیج چکے ہیں پاکستان میں فوج اور امریکہ کی مخالفت کے ساتھ حکومت نہیں کی جاسکتی اور اگر کبھی آئندہ ہبیپز پارٹی کی حکومت بنی تو زرداری صاحب اور محترمہ فوج اور امریکہ کو کبھی ناراض نہیں کریں گی۔

میں آج پھر اس کے شاہزادہ رائٹر روم میں بیٹھا تھا اور اس کا کہنا تھا "وزیر اعظم امریکہ سے بہت خوش لوئے ہیں" میں نے اس سے پوچھا "اس خوشی کی وجہ" اس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور بولا "وزیر اعظم 18 جون کو شرم الشیخ گئے تھے، وہاں ان کی ملاقات صدر بیش کے ساتھ ہوئی تھی اور وزیر اعظم نے بڑی حد تک صدر بیش کو صدر پرویز مشرف کے موآخذے پر رضامند کر لیا تھا، صدر بیش نے ان سے کہا تھا جتنی جواب چند نوں میں دیں گے، میں نے پوچھا "اور اب" اس نے مسکرا کر جواب دیا "اور اب صدر بیش نے انہیں جتنی جواب دے دیا ہے" میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، وہ بولا "لیکن صدر بیش اپنے پرانے دوست کی بے عزتی نہیں چاہتے، ان کا کہنا ہے جو بھی کیا جائے تہذیب اور شائستگی کے دائرے میں رہ کر کیا جائے" میں نے پوچھا "اس کا مطلب ہے پھر موآخذہ نہیں ہو گا" اس نے ہاں میں سرہلا دیا اور فوراً بولا "ہو گا، ہو گا لیکن اس طرح نہیں ہو گا جس طرح تم لوگ تو قع کر رہے ہو" میری حیرت میں اضافہ ہو گیا، وہ بولا "تم مجھے ایک سوال کا جواب دو" میں خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگا، وہ بولا "میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری کے مذاکرات بے نتیجہ رہے، اس نے تھقہ لگایا اور کہا، لیکن ہو گا وہی جو میں نے تھہیں بتا دیا"۔

⊗ ⊗

اُون کے بعد ان کا شمار عالمی میڈیا میں سب سے زیادہ کو رنج لینے والی شخصیات میں بھی ہوا، وہ دنیا کی 20 موثر ترین شخصیات میں بھی شمار ہوتے تھے، وہ خود کو اللہ تعالیٰ کی (نحوہ باللہ) مقرب ترین "ہستی" اگی سمجھتے تھے اور وہ اس سلسلے میں یہ دلیل دیتے تھے "میں تن بار خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ چکا ہوں، میں لیک اس جگہ کھڑا ہوا ہوں جہاں حضرت بلاں نے اذان دی تھی، وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے مجھے اللہ تعالیٰ نے چار بار موت کے منہ سے بچایا لیکن آج اللہ تعالیٰ کی یہ مقرب "ہستی" اور دنیا کی میں موثر ترین شخصیات میں رہنے والا شخص دنیا کی پانچویں بڑی فوج کا کمانڈر اور دنیا کی ساتویں ایشی طاقت کا صدر امریکہ کے ایک چھوٹے سے تھینک نینک میں ملازمت کا منصب ہے، وہ شخص جس کی آمد پر بھی لوگوں نے "شاپیاں" تقسیم کی تھیں اور جس کے سات نکاتی ایجنڈے کے بارے میں میاں شہباز شریف نے کہا تھا "اگر پرویز مشرف اپنے سات نکات میں سے آدھے نکتوں پر بھی نیک نیتی سے عمل کریتا ہے تو ہم لوگ پوری زندگی جلاوطنی پر مجبور ہو جاتے، وہ شخص آج ملک اور بیرون ملک جوتوں سے بچنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آج اس کی حالت یہ ہے حکومت پاکستان اس کی جان اور آبرو کی حفاظت کیلئے اس کی رہائش گاہ کو خفیہ رکھنے پر مجبور ہے جبکہ لندن اور امریکہ میں اسے جوتوں سے بچانے کیلئے پولیس اور کمانڈوز کی مدد دیتا ہے اور وہ آج دنیا کی کسی سڑک پر نہیں نکل سکتا، دنیا میں اس سے بڑی عبرت کیا ہوگی۔

مجھے پرویز مشرف کا یہ انجام دیکھ کر ہندوستان کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر اور مسلم ہسپانوی ریاست کا آخری بادشاہ ابو عبد اللہ محمد یاد آ رہے ہیں۔ بہادر شاہ ظفر نے زندگی کی آخری گھڑیاں رنگوں میں انگریزوں کی قید میں گزاری تھیں، انگریزوں نے اس کیلئے رنگوں میں ایک ایسی "ہندوستانی چیز" تخلیق کر دی تھی جس پر بیٹھ کر بادشاہ سلامت بارشیں گناہ کرتے تھے اور اپنے ملاقاتیوں سے حرث سے کہتے تھے میں وہ بد نصیب ہوں جسے کوئے یار میں مدد فین تک کیلئے جگہ نہیں ملے گی۔ انگریزوں نے بہادر شاہ ظفر کے کچھ لباس اور جوتوں کیلئے وظیفہ مقرر کر کھا تھا، انگریز ہر کارے جب وظیفہ دینے آتے تھے تو بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے اور وہ بھیگ کر آواز میں کہتا تھا "افسوں بہادر شاہ ظفر تم پر افسوس" اللہ نے تمہیں بادشاہ بنایا تھا لیکن تم بھکاری بن گئے، بہادر شاہ ظفر کی لغش آج بھی رنگوں میں دفن ہے اور یہ تاریخ کو زبان حال سے جیخ جیخ کر بتا رہی ہے وہ بادشاہ جوانی سلطنتیں دوسروں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں وہ دنیا سے بھکاری بن کر خست ہوتے ہیں۔ ابو عبد اللہ محمد کا انجام بھی یہی ہوا تھا، اس نے الحمراء کی چاپیاں فرڑیں دیں اور ملکہ از ایلہا کے حوالے کیں، غرناطہ کے قبرستان سے اپنے آبا و اجداد کی بُدیاں نکالیں اور مرکاش کے شہر فیض آ گیا۔ اس نے زندگی کی آخری گھڑیاں فیض شہر میں بھیک مانگتے گزاری

بادشاہ سے بھکاری

وینڈی چیبر لین پاکستان میں امریکہ کی سفیر ہی ہیں، وہ 18 جولائی 2001ء سے جوں 2002ء تک سفیر ہیں اور صدر پرویز مشرف کے ساتھ ان کے "برادرانہ تعلقات" تھے، وہ آج کل امریکہ کے ایک تھنک نینک مڈل ایسٹ انٹیٹیوٹ کی سربراہ ہیں۔ یہ تھنک نینک مشرق وسطیٰ کے توانائی کے بھرائی خطے میں سودا بیت پالیسی، مشرقی وسطیٰ میں تشدد اور مذاکرات اور امریکہ کے مشرق وسطیٰ سے تعلقات جیسے ایشور پر کام کرتا ہے اور اس کا ہیئت کوارٹر واٹکن میں ہے۔ جزل (ریٹائر) پرویز مشرف آج کل امریکہ میں اپنے عاشقوں کے جوتوں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں، پانچ روز قبل وینڈی چیبر لین نے سابق صدر سے ملاقات کی اور جزل ریٹائر پرویز مشرف کو مڈل ایسٹ انٹیٹیوٹ میں ملازمت کی پیش کش کی۔ وینڈی چیبر لین کا کہنا تھا پر پرویز مشرف یہ آفر قبول کر لیں تو مڈل ایسٹ انٹیٹیوٹ میں ان کیلئے پاکستان چیز قائم کر دی جائے گی اور پرویز مشرف اس چیز پر "تشریف" رکھ کر پاکستان میں امریکی مفادات کے بارے میں ایک کتاب مزید تحریر کر سکیں گے۔ پرویز مشرف کے قریبی مادر رائع نے اس پیش کش کی تقدیم کر دی ہے اور یہ اشارے بھی دیے ہیں کہ پرویز مشرف یہ آفر قبول کر لیں گے۔

میں نے جب سے یہ اطلاع سنی ہے میں اس وقت سے دو معاملات پر حیران ہوں۔ ایک اگر مڈل ایسٹ انٹیٹیوٹ پرویز مشرف سے کتاب لکھوائے کیلئے چیری تھکیل دے رہا ہے تو پھر اسے پرویز مشرف کی چیز کے ساتھ برادرم ہمایوں گوہر کیلئے بھی ایک چھوٹی لیکن کھلی کری لگوانا پڑے گی کیونکہ پرویز مشرف کی پہلی کتاب "ان دی لائی آف فائز" عرف سب سے پہلے پاکستان کی طرح یہ کتاب بھی ہمایوں گوہر ہی کو لکھنا پڑے گی۔ آپ کو یاد ہو گا پرویز مشرف کی پہلی کتاب دنیا کی واحد تخلیق تھی جسے "مصنف" نے بھی پورا نہیں پڑھا تھا چنانچہ جب بھی صحافی پرویز مشرف کو ان کی کتاب کے کسی اقتباس کا حوالہ دیتے تو وہ کندھے اچکا کر فرماتے تھے "میں نے اگر کتاب میں یہ لکھا ہے تو میں نے لکھا ہو گا"۔ دو میں قدرت کے انتقام پر حیران ہوں، اللہ تعالیٰ نے جزل پرویز مشرف کو اسلامی دنیا کے سب سے بڑے ملک کا سربراہ بنایا تھا، وہ دنیا کی ساتویں ایشی طاقت کے صدر تھے، وہ دنیا کی پانچویں بڑی فوج کے کمانڈر بھی تھے، تاً

اُس اتفیفہ لینے کیلئے قطاروں میں کھڑے ہو کر گزار دی۔ مجھے لگتا ہے وہ وقت دور نہیں جب پرویز دے دے، اگر کوئی راجحہ راستے بڑا سکدے دیتا تھا تو وہ یہ سکہ لوٹا کر کھاتا تھا، نہیں میں کوڑی سے زیادہ کام دار نہیں ہوں، یہ ابو عبد اللہ محمد بھی مرنے کے بعد تاریخ کے قبرستان کی کسی مقام قبر میں سوچا یا انکن اس کی عبرت آج تک جاگ رہی ہے اور پرویز مشرف جیسے لوگوں کا دامن جھنک کر کہہ رہی ہے تھا، جن لوگوں کو بادشاہ بنادے انہیں اپنے آپ کو بھکاری نہیں بنانا چاہئے۔ مجھے اس لمحے شاہ ایران بھی یاد رہا ہے، شاہ ایران ایسی ہستی تھی جس نے بادشاہت کے غرور میں ایران کا کیلندرا یا ہزار سال آگے کردا تھا اور ایک بار اس کی گھڑی رک گئی تھی تو پورے ملک کی گھڑیاں ایک گھنٹہ پیچھے کر دی گئی تھیں لیکن پھر اس نے بھی امریکہ کی اسی طرح چاکری شروع کر دی جس طرح پرویز مشرف کرتے رہے تھے چنانچہ شاہ ایران جب تہران سے فرار ہوا تو اس نے اپنے سامان میں ایران کی مشی کے دوڑنے بھی رکھوادیئے لیکن پھر ایک ایسا وقت آیا جب پوری دنیا کے دروازے شاہ ایران پر بند ہو گئے، مصر کے صدر انور السادات کو اس پر رحم آیا اور اس نے اسے مرنے کیلئے بھیک میں چند گزر میں دے دی، شاہ ایران نے خیرات کی اسی زمین پر آخری بھگی لی تھی، شاہ ایران کی قبر آج بھی قاہرہ میں موجود ہے اور اس کی بے روائی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے جو حکمران اپنی مشی سے دغا کرتے ہیں انہیں پناہ کیلئے پرائی مشی کی بھیک لیتا پڑتی ہے۔

جزل پرویز مشرف کا جرم کیا تھا؟ یہ آج کے سورج کا سب سے اہم سوال ہے۔ پرویز مشرف بنیادی طور پر خواہی توقعات، لوگوں کے جذبات اور لوگوں کے نظریات کے قاتل ہیں۔ انہوں نے اپنے اقتدار کیلئے پورے ملک کو دہشت گردی کی نامہنما جنگ میں دھکیل دیا تھا، ان کی مہربانی سے پاکستان میں داڑھیاں نمازیں روزے اور بجے جرم بن گئے، انہوں نے امریکہ کو خوش کرنے کیلئے ہزاروں ماڈل کو آنسوؤں کی سزادی تھی، وہ صرف اپنے اقتدار کیلئے آئین اور انصاف سے کھلتے رہے، انہوں نے خود کو زمین پر خدا سمجھ لیا تھا چنانچہ ان کے عزم کے راستے میں جو بھی آیا انہوں نے اسے اڑا دیا خواہ وہ نواب اکبر خان بھی ہوں یا لال مسجد کے نازی ہوں یا پھر مرسرہ خصہ کی محضوم اور بے گناہ بچیاں چنانچہ قدرت نے اپنی وراثی کھینچنا شروع کی اور ایک ایسا وقت آگیا جب پاکستان کی سر زمین پرویز مشرف پر تگ ہو گئی چنانچہ آج وہ سیکورٹی کے بغیر پاکستان میں بھی کسی سڑک پر قدم نہیں رکھ سکتے اور اپنے اصلی گمراہیکہ میں بھی آزادانہ نہیں پھر سکتے۔ کل کا بادشاہ آج امریکہ میں ملازمت تلاش کر رہا ہے۔ فریڈنڈ مارکوس جزل پرویز مشرف کا نظریاتی بھائی تھا، اس کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، وہ فلپائن سے بھاگ کر امریکہ پہنچا، امریکہ نے اسے ہونولولو میں پناہ دی اور اس نے آخری عمر پناہ گزینوں کے لئے

پہلے ایک اور تاریخی فیصلہ دے گی،

شتوڈی وارسائی میلوں پر پھیلے محلات ہیں، ان محلات میں دنیا کا قبیقی ترین ماربل، لکڑی، سونا اور کپڑا استعمال کیا گیا، چوبی فرش پر تیس تیس میٹر کے قالیں، دیواروں پر سونے کی پتی کاری اور چھتوں پر بانی دیوتاؤں کی طاقت کی نقش کیری دیکھنے والوں کی ساری توجہ کھینچ لیتی ہے، محلات کا چھپ فن اور سن ذوق کی انتہا ہے، ان محلات میں گھومتے ہوئے محسوس ہوتا ہے فن کاروں نے سنگ مرمر کا ایک ایک لکڑا چھٹے کیلئے پورا پورا پہاڑ کا ناقہ اور تصویر میں ایک رنگ بھرنے کیلئے پوری پوری دھنک نچوڑ دی تھی اور ایک فٹ لکڑی حاصل کرنے کیلئے کئی کئی جنگل جزوں سے اکھاڑ دیتے تھے اور شاہی جو لاہوں نے ایک ایک تار کیلئے کئی کئی نسلوں کی قربانی دی تھی اور تباہ جا کر کہیں اس محل کی ایک دیوار ایک چھٹت ایک کھڑکی اور ایک چوکھت مکمل ہوئی تھی، میں نے زندگی میں میلوں پر پھیلے بے شمار جنگلات ڈیکھے ہیں لیکن میلوں پر پھیلنا ہوا باغ پہلی مرتبہ دیکھا تھا، اس محل کے باعث میں گھومنے کیلئے منی ڈین اور گالف کا رائٹ چلتی ہیں لیکن اس کے باوجود آپ کو صرف باغ سے گزرنے کیلئے دو گھنٹے لگ جاتے ہیں، باعث میں مصنوعی جھیلیں، وکار گاہیں اور سینکڑوں فوارے ہیں اور ایک ایک پچھے پر بے شمار اقسام کے پھول کھلے ہیں، محل کا سب سے خوبصورت مقام بادشاہ اور ملکہ کا رہائشی علاقہ ہے، اس علاقے کو نگ چیزبر اور کوئی چیزبر کہا جاتا ہے، لگنگ چیزبر میں بادشاہ کا بیدر روم کورٹ روم اور ڈرائیگ روم شامل ہے، بیدر روم نگ لوئی 14 نے 1701ء میں بنایا تھا اور اس کرے کی تین بڑی خصوصیات ہیں، اول یہ کمرہ فرش سے لے کر چھٹت تک آرٹ کا نادر نمونہ ہے، اس کرے میں کوئی ایسی جگہ نہیں جس پر کار گیروں نے اپنی کار گیروی اور فن کا اظہار نہ کیا ہو، دوم اس کرے میں بادشاہ کا شاہی بستہ اور کریاں رکھی ہیں اور یہ کریاں میز اور بستہ کا ایک ایک تار بھی اپنی جگہ نہ کا نادر نمونہ ہے اور سوم شاہی بستہ کے پاؤں کی طرف ایک قد آدم کھڑکی ہے، یہ کھڑکی سورج کے رخ ہے، لوئی 14 طاقت کے گھنڈ میں بنتا تھا، اس کا حکم تھا سورج کو روز اس کے قدموں سے طلوع ہونا چاہیے چنانچہ روز رات کے وقت اس کھڑکی کے پردے ہٹا دیتے جاتے تھے اور صبح جب بادشاہ کی آنکھ کھلتی تھی تو اسے سورج پاؤں سے طلوع ہوتا دکھائی دیتا تھا، لوئی 14 برسوں تک سورج کو مسلسل قدموں تلنے اگا تارہ لیکن 1715ء کی ایک صبح سورج بادشاہ کے حکم سے آزاد ہو گیا، اس دن سورج نکلا لیکن لوئی چودہ کی روح پر واکر چکی تھی، اس دن عوام کو معلوم ہوا بادشاہ چلے جاتے ہیں لیکن سورج باقی رہ جاتے ہیں، میں نے شاہی آرام گاہ میں کھڑے ہو کر شاہی بستہ کی طرف دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر جانکا، کھڑکی میں آج بھی سورج چک رہا تھا جبکہ شاہی آرام گاہ میں درجنوں سیاح دیواروں پر

اللہ کی بادشاہی

رانا بھگوان داس صاحب نے مکرا کر فون بند کر دیا، میں نے پوچھا "اینی گذ نیوز" وہ آہستہ سے بولے "لار جرج نخ نے جزل پر دیز مشرف کو صدارتی ایکشن لڑنے کی اجازت دے دی ہے لیکن حکومت 17 اکتوبر سے قبل متناج کا اعلان نہیں کر سکے گی، نصر بھائی نے پوچھا "یہ فیصلہ حکومت کے خلاف ہے یا حق میں" رانا بھگوان داس مکراۓ اور بڑے محتاط انداز سے جواب دیا "ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا، عدالت نے پورے دلائل نہیں سنے اور جب تک اصل فیصلہ نہیں آتا اس وقت تک کچھ نہیں کہا جا سکتا" میں نے عرض کیا "ہم ایک لمحے کیلئے فرض کرتے ہیں آپ پر یہ کورٹ کے چج نہیں ہیں، آپ صرف قانونی ماہر ہیں لہذا آپ قانونی ماہر کی حیثیت سے فیصلے کے بارے میں بتائیں،" جسٹس رانا بھگوان داس پھٹلے تین دن سے ہمارے ساتھ تھے، ہم ایک گھر میں رہ رہے تھے، سارا دن پیرس میں اکٹھے گھومتے تھے، میرے بڑے بھائی چودھری نصر اقبال اور دیرینہ دوست بہشتر شیخ ہمارے گائیڈ اور لیڈر تھے لیکن کسی بھی مرحلے پر جسٹس صاحب نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا، وہ ایک ایک لفظ سوچ کر بولتے تھے، بس وہ میرے والد صاحب کے ساتھ گپ لگاتے ہوئے ذرا ساری لیکس ہو جاتے تھے لیکن جوں ہی ہم لوگ ان کی رنچ میں آتے تھے وہ پر یہ کورٹ کے سابق اور موجودہ مقدموں پر گفتگو سے پر ہیز شروع کر دیتے تھے، جس وقت لار جرج نخ کا فیصلہ آیا تو اس وقت ہم فرانس کے پرانے بادشاہوں کے محلات شتوڈی وارسائی میں گھوم رہے تھے، یہ محلات فرانسیسی بادشاہوں نے بنوائے تھے لیکن فرانس میں انقلاب آیا، عوام وارسائی پہنچ بادشاہ ملکہ اور اس کی آل اولاد کو اٹھایا اور پیرس شہر میں لا کرموت کے گھاث اتار دیا، اس وقت سے آج تک شتوڈی وارسائی عجائب گھر اور عترت کی نشانی بن چکے ہیں اور ہر سال 6 کروڑ لوگ ان کے نظارے کیلئے آتے ہیں، رانا صاحب مکراۓ اور پھٹلے سے میری طرف دیکھ کر بولے "میں فرض نہیں کر سکتا" میں اس وقت چج ہوں اور ایک چج کو عدالتی فیصلے سے پہلے رائے زنی نہیں کرنی چاہیے، وہ رکے اور دوبارہ بولے "لیکن میرا خیال ہے ہمارے ساتھی 28 ستمبر کے فیصلے کی تلافی کا مودع بنا رہے ہیں، یہ نچ بڑا ذریعہ برداشت ہے اور انشاء اللہ عدلیہ 17 اکتوبر سے

ہوں میں بند تمام مجرموں اور ملزمین کو صدارتی ایکشن کا حصہ بنالے تاکہ ملک میں جب بھی صدارتی چڑھے ہوئے کو دیکھ رہے تھے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے میں نے رانا صاحب سے پوچھا "دنیا بھر کے بادشاہ خود کو دنیا کیلئے ناگزیر کیوں سمجھتے ہیں" رانا صاحب نے مسکرا کر جواب دیا "شاید دنیا بھر کے بادشاہ بے تووف ہوتے ہیں"۔

ہم شتوتی وار سائی سے باہر نکلے تو ہم لوگ محل کی خوبصورتی اور پاسیداری کی تعریف کر رہے تھے تمام احباب کا خیال تھا اڑھائی سو سال گزرنے کے بعد بھی محل کی شان و شوکت میں کوئی فرق نہیں ایسا محل کے فرش سے لے کر چھٹت تک ایک ایک لفٹ کی آب و تاب اسی طرح قائم اور دائم ہے اور یوں گروں ہوتا ہے بادشاہ سلامت، ملکہ عالیہ، شہزادے، شہزادیاں، وزیر مصاحب، خادم اور خادماں میں ابھی اٹھ کر باہر نکلی ہیں اور چند لمحے بعد واپس آ جائیں گی اور ان کی ایک ایک سانس قانون اور آئین کا درجہ اختیار کر جائے گی، نصر بھائی نے فوراً کہا "ان بادشاہوں نے جب یہ محل بنایا تھا تو ان کا خیال تھا ہم سدا اس کے باسی رہیں گے لیکن جب اختیار اور اقتدار رخصت ہوا تو ہوا کی طرح نکل گیا اور پچھے صرف دیواریں اور دروازے رہ گئے، ہم سب لوگ خاموش رہے، وہ بولے" بادشاہی نے جب فرانس کے بادشاہوں کا ساتھ نہیں دیا تو یہ پر دیز مشرف اور بے نظیر بھنو کیا ساتھ دے گی، وہ دوبارہ بولے "اللہ کی زمین پر صرف اللہ کی بادشاہی باقی رہے گی اور لوگی ہو یا صدر مشرف یا بش یا سب ہوا کے جھونکے ہیں یہ سب رخصت ہو جائیں گے، ہم سب شتوتی وار سائی سے باہر آ گئے۔

⊗ ⊗ ⊗

ہم لوگ شتوتی وار سائی میں گھوم رہے تھے تو پاکستان سے اطلاع آئی صدر جزل پر دیز مشرف نے ہیلپر پارٹی کی مدد حاصل کرنے کیلئے آرڈیننس جاری کر دیا ہے جس کے بعد بے نظیر بھنو سمتی بے شمار سیاستدانوں کے خلاف جاری مقدمے واپس ہو جائیں گے اور ان کے تمام جرام معاف ہو جائیں گے، ہمارے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی نے اس خبر پر بڑا خوبصورت تبصرہ کیا اس نے کہا ہے آرڈیننس صدر پر دیز مشرف اور بے نظیر بھنو دنوں کی اخلاقی لکھتے ہے دنوں نے ثابت کر دیا ہمارے ملک کی سیاست سے اخلاقیات اور عزت نفس رخصت ہو چکی ہے، میں نے اپنے ساتھی سے اتفاق کیا صدر پر دیز مشرف سیاستدانوں کے احتساب کا نزدہ لگا کر اقتدار میں آئے تھے لیکن آج وہی جزل پر دیز مشرف صدر صدارت کیلئے بے نظیر بھنو کے خلاف قائم کرپشن کے تمام مقدمات واپس لے رہے تھے انسان اسکی صدارت کا کیا کرے گا جس کے عوض انسان کو اپنے وقار اپنی عزت اور اپنے اخلاقی مرتبے سے نیچے آنا پڑے، بے نظیر بھنو اور ہیلپر پارٹی بھی 38 برس سے جمہوریت کے نزدے لگاتی آ رہی تھی لیکن آج یہی پارٹی اور یہی بے نظیر بھنو کرپشن کے مقدموں سے نکلنے اور اپنے مخداما کا دنش کی بھائی کے عوض اپنے بنیادی موقوف سے انحراف کر رہی تھی مجھے سمجھنیں آ رہی تھی اس سمجھوتے کے بعد محترمہ بے نظیر بھنو مخدوم امین فہیم رضا ربانی اور آئنہ صدر عباسی آئینے میں اپنا منہ کیسے دیکھیں گے اور یہ لوگ عوام کا سامنا کیسے کریں گے؟ اس آرڈیننس نے ثابت کر دیا جزل پر دیز مشرف ہوں یا محترمہ بے نظیر بھنو پاکستانی سیاست کا صرف ایک ہی مقصد ہے اور یہ مقصد اقتدار ہے اور اس اقتدار کیلئے ہمارے حکمران اپنے تمام دشمنوں کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتے ہیں یہ لوگ کسی بھی سڑھ پر جاسکتے ہیں ہمارے ایک ساتھی نے مجھ سے پوچھا "اگر صدر پر دیز مشرف محترمہ بے نظیر بھنو کے جرام معاف کر سکتے ہیں تو پاکستانی جیلوں میں بند 52 ہزار دوسرے مجرموں کا کیا تصور ہے" میں نے نہ کر جواب دیا "ان کے دو جرام ہیں ایک انہوں نے چھوٹا جرم کیا تھا، یہ چند ہزار اور چند لاکھ روپے کے چور اور ڈاکو ہیں اور دوسرا یہ صدارتی ایکشن میں حکومت کی مدد نہیں کر سکتے، اگر ان لوگوں نے اربوں کھربوں روپے لوٹے ہوتے تو آج انہیں مال بھی مل جاتا اور معافی بھی اور اگر یہ صدارتی ایکشن میں دوٹ دے سکتے تو حکومت ان لوگوں کو کال کوٹھریوں تک سے نکال کر پاریمیٹ لے آتی" ہمارے ساتھی نے نہ کر مشورہ دیا "حکومت کو چاہیے وہ

ایران میں داڑھی اور پردہ پر پابندی لگادی۔ اس کے دور میں کوئی باپرده عورت گھر سے نکلی تھی تو اس سر عام اس کا برقع پھاڑ دیتی تھی، شاہ ایران نے تمام زنانہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسٹ کو یونیفارم بنادیا، شراب نوشی، رقص اور زنانہ کو فیشن بنادیا، شاہ کے دور میں ایران دنیا کا واحد ملک تھا اس میں کالجوں میں شراب کی دکانیں تھیں، یونیورسٹیوں میں خواتین کی سودے بازی ہوتی تھی اور اس کرو دکار و بار کو قانونی حیثیت حاصل تھی، شاہ کے زمانے میں دہ جنیوں کے ہم جنس پرست بیٹوں نے اپنی میں شادی کی، سرکاری سطح پر نہ صرف ان کی دعوت و یمہ ہوئی بلکہ شاہ اور اس کی کابینہ نے خصوصی طور پر اس تقریب میں شرکت کی۔ شاہ نے امریکہ کی محبت میں ایران میں موجود 42 ہزار امریکیوں کو کیلئے آج دنیا بھر میں پناہ کی کوئی جگہ نہیں وہ پاکستان میں اس لئے نہیں رہ سکتے کہ وہ اس ملک میں محفوظ نہیں ہیں، ان کے گرد جوں ہی یکورٹی کا حصار ختم ہو گا وہ جوں ہی بہم پروف گاڑی سے باہر لٹھیں گے اور یکورٹی انجینیوں کے الکار دائیں ہو جائیں گے تو ہمارے محظوظ صدر (سابق) خود کش حملہ آوروں کے زمانے میں آجائیں گے، جس کے بعد حکمران اتحاد بھی عوامی دباؤ میں آ کر انہیں گرفتار کر سکتا ہے اور ان پر غداری کا مقدمہ بھی قائم ہو سکتا ہے چنانچہ پرویز مشرف کو پاکستان سوٹ نہیں کرتا، ہمارے محظوظ صدر (سابق) سعودی عرب بھی جاسکتے ہیں لیکن اس ملک میں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، ہمارے صدر روز خیالی اور اعتدال پسندی کے عادی ہیں جبکہ سعودی عرب میں اعتدال پسندی اور روز خیالی پر پابندی ہے چنانچہ وہ زیادہ دنوں تک وہاں نہیں رہ سکتے ہیں، ترکی بھی ان کی منزل ہو سکتی ہے لیکن ترکی فدائیوں سے زیادہ دور نہیں، عراق، ایران اور افغانستان سے کسی بھی وقت کوئی "بھٹکا" ہوا شخص وہاں پہنچ سکتا ہے اور صدر (سابق) کی قیمتی جان کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یورپ بھی صدر کا شہزاد ہو سکتا ہے لیکن یورپ کے لوگ سرکاری خزانے سے کسی سابق دوست کی یکورٹی کا بوجھ نہیں اٹھاتے چنانچہ یورپی ممالک پرویز مشرف کو لمبے عرصے کیلئے برداشت نہیں کریں گے اور وہ گیا صدر کا عزیز ترین دوست امریکہ اور امریکہ جس کیلئے صدر (سابق) پرویز مشرف نے اپنے ایمان تک کی قربانی دی تھی، کیا وہ امریکہ پرویز مشرف کو پناہ دے دے گا؟ کیا اس امریکہ کے پاس پرویز مشرف کیلئے محفوظ ہو گی اور یہ وہ سوال ہے جو صدر (سابق) کو تین دن سے کروٹ نہیں لینے دے رہا ہو گا، کیوں؟ کیونکہ صدر (سابق) بھی جانتے ہیں امریکہ نے آج تک اپنے کسی سابق و فادر کو پناہ نہیں دی۔

شاہ ایران کے بعد "انس ٹاسیوس" امریکہ کا دوسرا قریبی دوست تھا، وہ نکارا گواہیں امریکی ایجنت تھا، نکارا گواہیں کیوں نہیں کی جو زخم کی تحریک شروع ہوئی تو امریکہ نے انہیں ٹاسیوس کو ڈالا اور اسلحہ دے کر کیوں نہیں کی جو زخم کے خلاف کھڑا کر دیا۔ ٹاسیوس امریکہ کی جنگ کو اپنی جنگ سمجھ کر لڑتا رہا، 1979ء میں نکارا گواہیں اس کے لئے حالات مشکل ہو گئے وہ ملک سے فرار ہوا لیکن جوں ہی اس نے نکارا گواہیے باہر قدم رکھا، امریکا نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا، اس نے امریکہ آنے کی کوشش کی لیکن امریکی حکومت نے اجازت نہ دی، یوں انہیں ٹاسیوس جنگلوں اور غاروں میں چھپ کر زندگی گزارنے لگا، وہ 1980ء میں اسی پریشانی کے عالم میں انتقال کر گیا اور اس کے قریبی دوستوں نے اسے پیرا گوئے کے شہر اسٹن میں دفن کر دیا، آج لوگ اس کے نام تک سے واقف نہیں ہیں۔ چلی کا آمر جزل اگارتے اگستو پوچھ امریکہ کا تیرا دوست تھا، پوچھ نے 1973ء میں سی آئی اے کی مدد سے جزل ایلینڈ کی منتخب حکومت

آخری امید

"میں اب کہاں جاؤں گا" یہ وہ سوال ہے جو پچھلے تین دن سے صدر (سابق) پرویز مشرف کو کروٹ نہیں لینے دیتا ہو گا، نوبت تک افتخار اور اختیار کا بلا شرکت غیرے مالک و مختار رہنے والے شخص کیلئے آج دنیا بھر میں پناہ کی کوئی جگہ نہیں وہ پاکستان میں اس لئے نہیں رہ سکتے کہ وہ اس ملک میں محفوظ نہیں ہیں، ان کے گرد جوں ہی یکورٹی کا حصار ختم ہو گا وہ جوں ہی بہم پروف گاڑی سے باہر لٹھیں گے اور یکورٹی انجینیوں کے الکار دائیں ہو جائیں گے تو ہمارے محظوظ صدر (سابق) خود کش حملہ آوروں کے زمانے میں آجائیں گے، جس کے بعد حکمران اتحاد بھی عوامی دباؤ میں آ کر انہیں گرفتار کر سکتا ہے اور ان پر غداری کا مقدمہ بھی قائم ہو سکتا ہے چنانچہ پرویز مشرف کو پاکستان سوٹ نہیں کرتا، ہمارے محظوظ صدر (سابق) سعودی عرب بھی جاسکتے ہیں لیکن اس ملک میں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، ہمارے صدر روز خیالی اور اعتدال پسندی کے عادی ہیں جبکہ سعودی عرب میں اعتدال پسندی اور روز خیالی پر پابندی ہے چنانچہ وہ زیادہ دنوں تک وہاں نہیں رہ سکتے ہیں، ترکی بھی ان کی منزل ہو سکتی ہے لیکن ترکی فدائیوں سے زیادہ دور نہیں، عراق، ایران اور افغانستان سے کسی بھی وقت کوئی "بھٹکا" ہوا شخص وہاں پہنچ سکتا ہے اور صدر (سابق) کی قیمتی جان کیلئے خطرہ ثابت ہو سکتا ہے؟ یورپ بھی صدر کا شہزاد ہو سکتا ہے لیکن یورپ کے لوگ سرکاری خزانے سے کسی سابق دوست کی یکورٹی کا بوجھ نہیں اٹھاتے چنانچہ یورپی امریکہ اور امریکہ جس کیلئے صدر (سابق) پرویز مشرف کے برداشت نہیں کریں گے اور وہ گیا صدر کا عزیز ترین دوست امریکہ پرویز مشرف کو پناہ دے دے گا؟ کیا اس امریکہ کے پاس پرویز مشرف کیلئے محفوظ ہو گی اور یہ وہ سوال ہے جو صدر (سابق) کو تین دن سے کروٹ نہیں لینے دے رہا ہو گا، کیوں؟ کیونکہ صدر (سابق) بھی جانتے ہیں امریکہ نے آج تک اپنے کسی سابق و فادر کو پناہ نہیں دی۔

صدر (سابق) جانتے ہیں امریکی تاریخ کا سب سے وفادار دوست شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی تھا، یورپی پریس اسے "امریکن گورنر" کہتا تھا، وہ امریکی وفاداری میں بہت آگے چلا گیا تھا، شاہ

صدام حسین میں۔ انقلاب ایران کے بعد امریکہ نے صدام حسین کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، صدام حسین قتل کرائے امریکہ کی ناپسندیدہ تنظیموں پر پابندیاں لگائیں اور امریکہ کی خواہش پر اپنے ہزاروں سال انسانی حقوق غصب کئے یہاں تک کہ 1990ء میں عوام پنوشے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ صدام حسین 1990ء تک امریکہ کا بڑی رہی اور اس میں دس لاکھ افراد بلاک اور 20 لاکھ زخمی ہوئے۔ صدام حسین 1990ء تک امریکہ کا دشمن رہا لیکن پھر امریکہ نے تیل کے لامبے میں عراق پر حملہ کر دیا، اس جنگ میں 86 ہزار عراقي شہری کشیدے ہوئے، 2003ء میں امریکہ نے ایک بار پھر عراق پر حملہ کیا، صدام حسین گرفتار ہوا اور امریکی نارواں لوک پر امریکہ سے احتجاج کیا لیکن امریکی حکومت نے اسے جواب تک دینے کی زحمت دی۔

برطانوی حکومت نے اسے 2000ء میں چلی کے حوالے کر دیا، اس کے خلاف مقدمہ چلا، 3، 6، 2006ء کو اسے ہارت ایک ہوا اور وہ دم توڑ گیا، اس کی موت پر پورے ملک میں خوشیاں مثالوں سے گیکس جبکہ امریکی حکومت نے ایک سطر کا تعزیتی پیغام تک جاری نہ کیا۔ انگولا کا باعثی سردار "جوہس سیمونی" بھی امریکہ نواز لیڈر تھا وہ برس ہاتھ پر اپنے مخادرات کی جنگ لڑتا رہا نو ہر 1992ء میں امریکہ نے اسے کیونٹوں کے ساتھ امن معاملہ کا حکم دیا، اس نے معاملہ کے وقتوں کی میونٹوں نے "ہامبو" میں اس کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر دیا، وہ فرار ہو گیا، آج اس واقعہ کو 16 سال گزر چکے ہیں لیکن جوہس سیمونی جان بچانے کیلئے چھپتا پھر رہا ہے اور امریکی حکومت اس کا نیلی فون تک نہیں سنتی۔ جرزل نوریگا بھی پاتامہ میں امریکہ کا آئد کار تھا، اسے بھی امریکیوں نے کیونٹوں کے خلاف استعمال کیا۔ وہ 1990ء تک امریکی مخادرات کی جنگ لڑتا رہا لیکن امریکہ کی تسلی نہ ہوئی لہذا امریکہ نے پاتامہ پر حملہ کر دیا، صدر نوریگا گرفتار ہوا، امریکی ایما پر عدالت نے اسے 40 سال قید با مشقت کی سزا دی اور نوریگا گزشتہ 18 برس سے جیل میں امریکی دوستی کا خیازہ بھگت رہا ہے۔ فرڈی میڈ مارکوس 22 برس تک فلپائن میں امریکی مخادرات کی جنگ لڑتا رہا۔ اس نے فلپائن سے کیونٹوں کو ہجن چن کر ختم کر دیا لیکن 1986ء میں امریکہ ہی نے اس کی حکومت ختم کر دی، مارکوس امریکہ آگئی، امریکہ نے اسے پناہ تو دے دی لیکن اسے وہ عزت اور وہ توقیر نہ دی جس کا وہ حق دار تھا، یوں مارکوس نے باقی زندگی ہونو لوٹو کے ایک چھوٹے سے مکان میں گزاری اور امریکہ میں اسے ایک عام پناہ گزین کے برابر وظیفہ ملتا تھا، مارکوس 1999ء میں اسی بے بی کے عالم میں آجھائی ہو گیا۔ 1979ء ہی میں امریکہ نے رہوڈیشیا میں بیش پہل مژرور یو اکومونا بے اور ٹکموکے مقابلے میں کھڑا کیا، بیش امریکیوں کیلئے لڑتا رہا لیکن جب وہ لڑتے لڑتے کمزور ہو گیا تو امریکہ نے اس کی امداد سے ہاتھ ٹھیک لیا اور باقی رہ گیا صدر

آج 2007ء کا سن ہے اور جولائی کی 26 تاریخ ہے آج صدر جزل پر وزیر مشرف کو اتنا کا اقتدار سنجائے پورے سات سال نومہینے اور چودہ دن ہو چکے ہیں ان پونے آٹھ برسوں میں ام نے صدر پر وزیر مشرف کی مقبولیت کو اپرے سے بیچ آتے دیکھا مجھے آج بھی 12 اکتوبر کا دن یاد ہے اس دن لوگ ایک دوسرے کے مبارکبادیں دے رہے تھے مجھے صدر پر وزیر مشرف کا سات نکاتی ایجنڈا بھی اسے میدیا نے اس ایجنڈے کو نیا آئین قرار دیا تھا، مارچ 2007ء میں میاں شہباز شریف نے لندن میں میرے سامنے اعتراض کیا تھا "میں نے جمل میں صدر پر وزیر مشرف کا سات نکاتی ایجنڈا ساتوں میں مہربان ہوتی ہے تو اسے کیا دیتی ہے" مارگریٹ تھپر سے کسی صحافی نے پوچھا تھا "قدرت جب کسی حکمران میں بیشہ دار دوست دیتی ہے" اسی قسم کا جواب صدر رچڈ نکسن نے بھی دیا تھا، رچڈ نکسن امریکہ کی تاریخ 7 ذیلن ترین صدر تھا، نکسن کا آئی کیوں یوں 70ء کی دہائی کے تمام صدور سے زیادہ تھا اور افغانستان سے کیوبا اور پولینڈ سے سائبیریا تک دنیا کے تمام ایشور اس کی "ونگر ٹپ" پر ہوتے تھے، نکسن پر ویسٹر صدر کہلاتا تھا لیکن اس جیسیں صدر کے دور میں والٹر گریٹ سینڈل آیا اور وہ اڑھائی سال بعد فارغ ہو گیا اور کتابیں لکھنے میں مصروف ہو گیا، کسی نے نکسن سے پوچھا تھا "آپ اتنے بیشہ دار اور پڑھنے کے ساتھان تھے لیکن آپ کی حکومت اڑھائی سال بعد ختم ہو گئی، کیوں؟" رچڈ نکسن نے مکرا کر جواب دیا تھا "مشیروں کی وجہ سے" وہ رکے اور دوبارہ یوں لے "میرے مشیر ناتج پر کار، جلد باز اور کوہا، فہم تھے چنانچہ میرا اقتدار بھی گیا، عزت بھی اور ساکھ بھی" رچڈ نکسن نے اس کے بعد بڑے تاریخی الفاظ کے تھے انہوں نے کہا تھا "حکمران کسی بھی شخص کو وزیر بنادیں لیکن وہ اپنے لئے مشیروں کا انتخاب بھیشہ سوچ سمجھ کر کریں" مجھے اس وقت کنیویشن بھی یاد آ رہا ہے اور اس طبق بھی، چین کے بادشاہ اور نواب بچوں کو دانائی سکھانے کیلئے کنیویشن کے پاس بھجوایا کرتے تھے اور کنیویشن مستقبل کے بادشاہوں کو یہ مشیروں دیا کرتا تھا بھیشہ سخنہ میں مراج اور صلح جو لوگوں کو مشیر منتخب کرنا کیونکہ بادشاہوں کی بادشاہت فوجیں نہیں ان کے مشیر چلایا کرتے ہیں اور اس طور نے سکندر عظیم کو ایقونز سے رخصت کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا اگر کوئی ملک توارکو نیام سے نکالے بغیر فتح ہوتا ہو تو اس کیلئے کبھی جنگ نہ کرنا، تم میدان میں فوجی اور رخت پر دانشور نظر آتا اور یاد رکھو معاف کر دینا اور محبت سے پیش آتا بادشاہوں کی سب سے بڑی خوبی ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا کبھی کسی بے وقوف اور ناتا کام شخص کو اپنا مشیر نہ بنانا اور کبھی بے وفا کو اپنا ساتھی نہ سمجھنا، مجھے تاریخ اسلام کے مشہور بادشاہ خلیفہ ہارون الرشید کا واقعہ بھی یاد آ رہا ہے، خلیفہ کو بغداد کے مشہور درویش بہلوں دانا نے کہا تھا "جب اللہ تعالیٰ کسی بادشاہ پر خوش ہوتا ہے تو وہ اسے عقل دیتا ہے۔"

ایک مشورے کا فاصلہ

الہاتے ہیں اور اگر یومن لیتے ہیں تو امریکہ ان کا دشمن بن جائے گا، یہ سب ان کے مشروں کا کیا دھرا ہے؟
ان مشروں نے انہیں ہمیشہ غلط موقع پر غلط مشورے دیتے اور جب انہیں غلطی کا احساس ہوا تو مشروں
لے انہیں "ڈٹ" جانے کا مشورہ دیا، صدر کے سات سال اور نوماہ تو جیسے تھے گزر کئے تھے لیکن 20 جولائی
کے نیلے کے بعد محسوس ہوتا ہے حکومت کے پاس غلطی کی کوئی مبنجاش موجود نہیں، صدر کے مشیر ایک بار پھر
ان کے گرد جمع ہیں اور اگر صدر مشرف نے اس بار بھی ان کا مشورہ مان لیا تو یہ مشیر ہیں گے اور نہ ہی
حکومت، ہم نہیں یا نہ ما نیں لیکن یہ حقیقت ہے حکومت ایک مشورے کے فاصلے پر کھڑی ہے۔

⊗ ⊗ ⊗

نے چیف جسٹس کا ایشود بانے کیلئے لاں مسجد کے معاٹے کو ہوادی مدرسہ حصہ کی طالبات کو آنی ہیم،
چینی خواتین کو اغوا کرنے کی ترغیب دی اور میڈیا میں ان خبروں کو خصوصی کو رجح دلائی گئی اور حکومت
چیف جسٹس کے نیلے پر اثر انداز ہونے کیلئے لاں مسجد پر فوجی آپریشن بھی شروع کر دیا، مسجد پر گولہ ہاری
ہوئی اور اس آپریشن کے دوران شہید ہونے والے طلباء اور طالبات کی نعشیں تک غائب کر دی گئیں۔
اگر ہم ان واقعات کا غیر جانبداری سے جائزہ لیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے بعض لوگ صدر
پر وزیر مشرف سے انتہائی غیر سمجھدہ اور غیر داشمندانہ نیلے کرا رہے ہیں اور حکومت نے ان لوگوں کی
ایڈ واکس پر مسلم لیگ ق کی تھکیل سے لے کر لاں مسجد پر حملہ تک بے شمار غلط نیلے کے اور ان فیصلوں کے
نتیجے میں صدر مشرف ملک میں تباہ ہوتے چلے گئے، عربی کی کجاوت ہے غلط فیصلہ خطرناک نہیں ہوتا ہذا
اس نیلے پر ڈٹ جانا خطرناک ہوتا ہے اور اگر ہم حکومت کا ڈریک ریکارڈ دیکھیں تو محسوس ہوتا ہے
حکومت نے آج تک نہ صرف غلط نیلے کے ہیں بلکہ وہ ان غلط فیصلوں پر ڈٹ بھی گئی تھی چنانچہ آج
حال یہ ہے وہ وزراء جو وچھلے پانچ برسوں سے اقتدار کے مزے لوث رہے ہیں وہ بھی سامنے آ کر صدر
پر وزیر مشرف کو سپورٹ کرتے ہوئے گھبرا رہے ہیں، ہمارے شاندار وزیر اطلاعات و نشریات محمد علی درانی
تک خاموش رہنے کی کوشش کر رہے ہیں جبکہ شیخ رشید وزیر اطلاعات کا قلم دان چھن جانے کے باوجود
ذس انفارمیشن پھیلاتے رہتے تھے وہ بھی لاں حوالی تک مدد و دہوکرہ گئے ہیں اور انہوں نے وچھلے دو
ہفتوں میں اخبارات کو اپنی تازہ ترین تصویر نہیں بھجوائی، یہ کیوں ہے اور اس صورتحال کے اصل ذمہ دار
کون ہیں، اگر کنفوش سے مار گریت تھپڑ تک دنیا کے تمام عقل مندوں اور کامیاب حکمرانوں کو دیکھا
جائے تو اس صورتحال کے ذمہ دار صدر کے قریبی مشیر دکھائی دیتے ہیں، صدر کو بد قسمتی سے ایسے مشیر ملے
تھے جو جلد پاڑ بھی تھے، جنگجو بھی، غصیلے بھی اور منتقم مزاج بھی لہذا یہ لوگ صدر سے ایک کے بعد دوسرا
غلطی کراتے چلے گئے یہاں تک کہ حکومت تمام اطراف سے دباؤ اور بحرانوں کا فکار ہو گئی، دنیا کے تمام
حکمرانوں کو تکل مزاج اور وسیع القلب ہونا چاہیے لیکن فوجی حکمرانوں کیلئے یہ دونوں خوبیاں ناگزیر ہیں
کیونکہ وہ فوجی ہوتے ہیں اور انہوں نے پوری زندگی لڑائی، جنگ اور مار کنائی کی ٹریننگ لی ہوتی ہے
چنانچہ انہیں ہمیشہ مخدوٰے مزاج کے مشروں کا انتخاب کرنا چاہیے، سندر اعظم نے کہا تھا میں میدان
جنگ میں جرنیلوں اور دربار میں وانشو روں سے مشورے کرتا ہوں اور جب تک میں ایسا کرتا رہوں گا
میں کامیاب رہوں گا لیکن افسوس صدر نے میدان جنگ اور دربار میں تمیز نہ رکھی چنانچہ وہ بندگی میں
آگئے آج ان کے سامنے پا کتناںی عوام کھڑے ہیں اور ویچھے امریکہ، وہ آگے بڑھتے ہیں تو بھی نقصان

اہست بالا خرآپ بھی انسان ہیں) بادشاہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا تھا اور وہ اپنے حکم پر نظر ثانی کر لیتا تھا، مورخین کا متفقہ فیصلہ ہے جب تک رومنی بادشاہوں کے کندھوں پر ایسے اساتذہ کے ہاتھ آتے رہے اس وقت تک "روم ایپارٹ" قائم رہی لیکن جب انہار نی جزل لوں اور شوکت عزیزوں نے ان 11 قلیں کی جگہ لے لی تو دنیا کی یہ عظیم سلطنت اپنے ہی پاؤں میں گر کر ریزہ ریزہ ہو گئی اور آج جب روم کے شہری اپنے پرانے مکان ڈھانتے ہیں تو انہیں بنیاد سے کسی نہ کسی ناگزیر شخص کی ہڈیاں، میدیا اور وردی ٹھیک ہے اور شام تک یہ ساری اشیاء روم کے عجائب گھر میں رکھ دی جاتی ہیں۔

کل 28 نومبر 2007ء تھا اور میں میلی ویژن پر جزل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو پاکستانی فوج کی کمان حاضر رہوں جزل اشفاق پرویز کیانی کے حوالے کرتے دیکھ رہا تھا اور مجھے رہ کر روم کے سیخور ڈا آر ہے تھے جناب پرویز مشرف کیلئے یہ ایک انتہائی مشکل اور صبر آزمالحمد تھا، ان کے سامنے "کماٹ مشک" میز پر لا کر رکھی گئی لیکن انہوں نے رخ پھیر لیا، جزل ریٹائرڈ پرویز مشرف کو سنک نکالتے ہوئے بھی مشکل پیش آ رہی تھی لیکن جزل اشفاق کیانی نے آگے بڑھ کر ان کی یہ مشکل بھی آسان کر دی، جزل پرویز مشرف نے سنک نئے آرمی چیف کے حوالے کی اور دریٹک سلائی کے دستوں کو واپس جاتے دیکھتے رہے، فوج کے ساتھ اپنے آخری خطاب میں ان کی آواز رندھ گئی اور ان کی آنکھیں بھی چھلک پڑیں، سابق آرمی چیف نے انکلی سے آنکھ صاف کی اور بھرائی ہوئی آواز میں انہیں یادیں تازہ کرنے لگئے سابق آرمی چیف پرویز مشرف نے فرمایا "46 سال کے بعد فوج کو الوداع کہتے ہوئے اس بات کا دکھ ہو رہا ہے کہ کل اس فوج کی کمان میرے پاس نہیں ہو گی" سابق آرمی چیف نے فرمایا "مجھے افسوس ہے بعض عنصر اس فوج پر انگلیاں اٹھاتے ہیں یہ بھکٹے ہوئے اور ناکبح لوگ ہیں، فوج کے بغیر پاکستان کا وجہ نہیں ہو سکتا" جب سابق آرمی چیف جزل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف ان خیالات کا اظہار فرمารہے تھے تو اس وقت بے شمار "ناکبح" اور بھکٹے ہوئے لوگ "خوشیاں منار ہے تھے، راولپنڈی اور اسلام آباد کی کچھ بھری میں آتش بازی ہو رہی تھی اور دہشت گرد و کیل ایک دوسرے کو مبارک باد پیش کر رہے تھے 28 نومبر کی دوپھر جب جزل صاحب ہاکی سیڈیڈم سے لکھتے تو ان کے سینکڑوں ہزاروں منصوبے تاریخ کا حصہ بن چکے تھے اور تاریخ ایک ایسا قبرستان ہے جس میں روم کے سیخزوں سے لے کر مصر کے فرعونوں تک دنیا کے ہر ناگزیر شخص کی ہڈیاں دفن ہیں۔

مسلمانوں کی روایت ہے وہ ہمیشہ جانے والوں کی خوبیاں بیان کرتے ہیں، آئیے ہم بھی آج جزل پرویز مشرف کی خوبیاں یاد کرتے ہیں، جزل پرویز مشرف حقیقتاً ایک شاندار انسان ہیں، یہاں تھا

"فرآل یو آ رے ہیومن بینگ"

رومی سلطنت (روم ایپارٹ) دنیا کی پہلی بڑی سلطنت تھی، تاریخ میں ایک ایسا وقت بھی گزر تھا جب شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک پوری دنیا رومنی سلطنت کی بانج گزار تھی، روم کا یہ عروض صرف طاقت، فوج اور سرمائے کی بدولت نہیں تھا بلکہ رومنی علم، آرت، کلچر، سائنس، روحانیت، تعمیرات اور سیاست میں بھی پوری دنیا سے آگے تھے، روم شہر کی آبادی 103 قبل مسیح میں دس لاکھ تھی اور یہ دنیا کا پہلا شہر تھا، جس کی آبادی نے 10 لاکھ کا ہندسہ عبور کیا تھا، پہی کی رومنی سلطنت کا شہر تھا، یہ شہر حضرت واوڈ کے دور میں تعمیر ہوا تھا اور 87 قبل مسیح میں آتش فشاں کے لاوے میں دفن ہو گیا اور یہ دنیا میں عیاشوں کی پہلی جنت تھی، اس شہر میں زمانہ قبل مسیح میں شراب خانے، ریستوران، بیکریاں اور پلک پارک ہوتے تھے اور اس شہر میں مرد کو مرد اور عورت کو عورت سے شادی کی اجازت تھی اور زیبرا کراسنگ اور کریم کیک اس شہر میں ایجاد ہوئے تھے، روم شہر میں قبل مسیح میں 800 حمام تھے اور ہر حمام میں 1600 لوگ بیک وقت غسل کر سکتے تھے اور زمانہ قبل مسیح میں رومنی حکومت پورے شہر کو گرم پانی سپلائی کرتی تھی، رومنیوں نے اڑھائی سو قبل مسیح میں روم سے نیپلز اور نیپلز سے جنوبی ساحلوں تک 765 میل لمبی پکی سڑک بنائی تھی، یہ دنیا کی پہلی طویل اور پکی سڑک تھی، رومنیوں نے 72ء میں روم شہر میں عظیم الشان ایک تھیٹر بنایا تھا، یہ ایک تھیٹر کلوزیم کہلاتا تھا اور اس میں 80 ہزار تماشائی بیک وقت گلیڈی ایٹر کے مقابلے دیکھ سکتے تھے۔

عظیم رومنی سلطنت کی شان اس کے بادشاہ تھے، یہ بادشاہ سیخز رکھلاتے تھے اور ان کی عجیب روایات تھیں مثلاً رومنی بادشاہ کے ہاں جب ولی عہد پیدا ہوتا تھا تو یہ اپنی سلطنت میں سے انتہائی عالم فاضل، ذہین اور مدبر شخص کا چناؤ کرتے تھے اور اسے ولی عہد کی تربیت کی ذمہ داری سونپ دیتے تھے، یہ اتنا لیق ولی عہد کو دنیا دی اور روحانی اور عسکری علوم سکھاتا تھا اور جب ولی عہد تخت نشین ہو جاتا تھا تو یہ اتنا لیق ہمیشہ اس کے پیچھے کھڑا رہتا تھا اور جب بھی بادشاہ کے لجھ میں غرور آتا تھا یا وہ گردن تاں کر کوئی غلط حکم صادر کرتا یا پھر وہ بھی وردی کے گھنڈ میں بٹتا ہو جاتا تھا تو یہ اتنا لیق اپنا ہاتھ بادشاہ کے کندھے پر رکھتا تھا اور بادشاہ کے کان پر جھک کر نرم آواز میں کہتا تھا "سیکر آ فرآل یو آ رے ہیومن بینگ" (بادشاہ

اپ کو چند لمحے دے دیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا لیڈروں کی دوسری بڑی طاقت عوامی محبت ہوتی ہے، اور جب عوام کسی لیڈر سے محبت کرتے ہیں تو وہ اپنے لیڈر کی آواز بھرا نے نہیں دیتے اور آج صدر شرف جان جائیں گے قوموں کی اصل طاقت ان کا روں آف لاء اور آئین ہوتا ہے اور انہوں نے اس ملک میں آئین رہنے دیا تھا اور نہ ہی روں آف لاء۔

اگر آج صدر پر ویز مشرف اپنے آپ کو چند لمحے دے دیں تو انہیں معلوم ہو جائے گا، وقت ان پاکار پاکر کہہ رہا ہے ”سیکر رافرzel یو آر اے ہیو مین بیمگ“ اور دنیا کا کوئی ہیو مین بیمگ ناگزیر ہے، ہیں ہوتا، آج صدر پر ویز مشرف جان جائیں گے اقتدار اڑھائی فٹ کی چھوٹی سی چھڑی ہوتا ہے اور ہس شخص کے ہاتھ میں یہ چھڑی ہو وہی سیکر ہوتا ہے اور اس ملک کا سیکر بدلتا چکا ہے اور آج ان کے دردی پسند دوست نئے سیکر کو دس مرتبہ یونیفارم میں منتخب کرنے کی قسم کھارہ ہے ہیں، آج اگر صدر پر ویز شرف خود کو چند لمحے دے دیں تو وہ ان تمام حقائقوں کو پہچان جائیں گے جنہیں وہ وردی کے پردے میں ہیں پہچان سکتے تھے اور جنہیں وہ سیکر بن کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔

⊗ ⊗ ⊗

درجے کے معاملہ فہم اور ذہین شخص بھی ہیں پر ویز مشرف نے نائین ایلوں کے بعد جس طرح عالمی رائے کو اپنے حق میں ہموار کیا تھا، وہ جس طرح آٹھ برس تک محترمہ بنیظیر بھنو اور میاں نواز شریف جیسے کہ مشق سیاستدانوں کے ساتھ کھیلتے رہے تھے، جس طرح انہوں نے مسلم لیگ ق بنائی تھی، جس طرح انہوں نے سردار فاروق احمد لغاری، حامدناصر چٹھہ اور چودھری شجاعت حسین جیسے سیاستدانوں سے کر الٹاف بھائی اور مولا نافضل الرحمن تک کو اپنی وردی کی خاکہ پر لگائے رکھا تھا یہ ان کی معاملہ بھی ذہانت اور فطانت کی دلالت نہیں؟ اور وہ جس طرح آٹھ برس تک صدر بیش اور ثوپی بلیغہ جیسے عالی کھلاڑیوں سے کھیلتے رہے تھے اور انہوں نے جس طرح سعودی عرب سے میاں نواز شریف کواغواہ کردا ہوا تھا، کیا یہ بھی انہیں ایک شاطر کھلاڑی ثابت نہیں کرتی؟ لیکن سوال یہ ہے ایسا ذہین اور معاملہ فہم شخص مار کیسے کھا گیا؟ اس کیلئے جزل ریتاڑ پر ویز مشرف کو ایک لمحے کی تہائی چاہیے، میری صدر محترم سے درخواست ہے وہ آج ایک لمحے کیلئے تہائی میں بیٹھیں اور سوچیں وہ کون لوگ تھے جو ان کو کہتے تھے، ہم آپ کو دس بار یونیفارم میں منتخب کرائیں گے اور وہ آج کہاں ہیں؟ وہ سوچیں جب وہ فوجی کمان جزل اشفاق کیانی کے حوالے کر رہے تھے تو اس تقریب میں شوکت عزیز، چودھری شجاعت، چودھری پر ویز الہی اور سردار فاروق احمد لغاری نے شرکت کیوں نہیں کی اور یہ لوگ آج جزل اشفاق پر ویز کیانی کو مبارک باد کیوں دے رہے ہیں اور یہ پھول اور مسحائی کی تو کریاں لے کر ان کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہیں؟ صدر پر ویز مشرف ایک لمحے کیلئے سوچیں وہ کون لوگ تھے جنہوں نے چیف جسٹس اور ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کیں؟ وہ کون تھے جنہوں نے ان سے 9 مارچ کی غلطی کرائی، وہ کون لوگ تھے جنہوں نے 13 مارچ کے بعد اسلام آباد کو میدان جنگ بننے دیا، وہ کون تھا جس نے انہیں عدیہ سے سمجھوئے نہیں کرنے دیا، وہ کون تھا جس نے انہیں محترمہ بنیظیر بھنو سے ملاقات پر تیار کیا، وہ کون تھا جس نے انہیں نواز شریف کو دوسری بار جلاوطن کرنے کا مشورہ دیا تھا اور وہ کون تھا جو انہیں مارشل لاء یا ایر جنسی پلس لگانے کا مشورہ دیتا رہا تھا؟ مجھے یقین ہے اگر آج صدر اپنے آپ کو چند لمحے دے دیں تو انہیں ان چہروں تک پہنچتے درجنہیں لگے گی جنہوں نے صدر پر ویز مشرف کی ”روم ایضاڑ“ کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا تھا۔ مجھے یقین ہے اگر آج وہ اپنے آپ کو ایک لمحہ دے دیں تو آج انہیں معلوم ہو جائے گا وردیاں میڈل اور فوجیں لیڈروں کی طاقت نہیں ہوتیں، دنیا میں لیڈروں کی اصل طاقت ان کا کریکٹر ہوتا ہے۔ قائد اعظم محمد علی جناح کے پاس کوئی وردی تھی اور نہ ہی فوج لیکن ان کے پاس کریکٹر تھا اور انہوں نے کریکٹ کی اس طاقت سے دنیا کی سب سے بڑی اسلامی شیعیت بنائی تھی، اگر آج صدر مشرف

پھرے بیٹے محمد آصف علی کی عمر 13 سال تھی اور وہ پلاسٹک کی جوتیاں بنانے کے کارخانے میں کام کرتا تھا، بیٹیوں میں سے ایک بیٹی کی شادی ہو چکی تھی جبکہ دو بیٹیاں گھر بیٹھی تھیں، محمد رمضان اور بشری کی شادی 2000ء میں ہوئی جس کے بعد محمد رمضان نے ٹھوکر نیاز بیگ کے چودھری ناؤں میں دو مرلے کا مکان کرائے پر لے لیا، مکان کا کرایہ بھی کابل اور پانی کا خرچ سائز ہے تین ہزار روپے تھا، رمضان کو دیلڈنگ کے کام میں روزانہ اڑھائی سوروپے ملتے تھے وہ چودھری ناؤں سے روز بیون اپ شاپ آتا تھا اور اس سفر کے دوران اس کے ماہانہ تین سائز ہے تین ہزار روپے خرچ ہو جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے 2003ء میں انہیں بیٹے کی نعمت سے نوازا، بشری نے اس کا نام زیر رکھا، 2005ء میں ان کے ہاں سائے پیدا ہوئی، بشری نے ایک دن رمضان کو مشورہ دیا "آپ کے آنے جانے میں وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور تین سائز ہے تین ہزار روپے بھی کیوں نہ ہم بیون اپ شاپ کے قریب کوئی مکان کرائے پر لے لیں،" محمد رمضان کو جو بزرگ اچھی لگی چنانچہ محمد رمضان نے مکہ کا لوئی میں ایک کمرہ کرائے پر لے لیا، اس کرے کا کرایہ پندرہ سوروپے تھا، یہ دونوں اپنے بچوں کے ساتھ 14 مارچ 2008ء کو اس کرے میں شفت ہو گئے، بشری کے تین بڑے مسئلے تھے اول خاندانی غربت، وہ چوتھی نسل سے غریب تھی، اس کا والد غریب تھا، اس کے والد کا والد اور اس کا والد بھی غریب تھا، وہ جس خاندان میں بیانہ کر آئی تھی اس نے بھی کئی پشتتوں سے غربت کے ہوا کچھ نہیں دیکھا لے اجنبی بشری اپنے بچوں کو دیکھتی تھی تو اسے جسموں ہوتا تھا کہنے کی دستی کے پاس دوچھوٹے سے سکول بیگ پڑے تھے، لوگوں نے بیگ اٹھا کر دیکھئے، بیگوں پر تازہ بہو کے چھینٹے اور انسانی جسم کے لوحڑے چکے تھے، ایک نوجوان نے بیگ کھول کر دیکھا، بیگ سے کچی جماعت کا ایک میلا کچیلا قاعدہ لکلا، قاعدے کے پہلے صفحے پر کاربن پیسٹل سے زیر رمضان لکھا تھا، نوجوان نے دوسرا بیگ بھی کھول کر دیکھا، اس بیگ میں بھی ایک بوسیدہ قاعدہ تھا اور اس قاعدہ پر صائم کا نام لکھا تھا، نوجوان نے یہ بیگ نعشوں کی چادر میں رکھ دیئے، یہاں پہنچ کر کہانی ختم ہو گئی! یہ کہانی شروع کہاں سے ہوئی تھی؟ جی ہاں! اس کہانی کا پہلا آغاز بشری اور رمضان تھے۔

محمد عارف گھوڑے شاہ با غبان پورہ میں بہری بیچتا تھا، وہ صبح سوریے کھوتی ریڑھی پر بہری لادتا تھا اور سارا دن گلی محلوں میں ٹھاڑلو، کدو لوکی آوازیں لگاتا تھا، وہ کوٹ خواجه سعید میں دو مرلے کے مکان میں رہتا تھا، اس کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، عارف کے دونوں بیٹے "کاروبار" میں اس کا ہاتھ بٹاتے تھے، بشری، محمد عارف کی بڑی بیٹی تھی، یہ بچی آٹھ جماعت پاس تھی اور محمد عارف کے طبقے میں آٹھ جماعتیں اعلیٰ تعلیم سمجھی جاتی ہیں، محمد عارف نے 2000ء میں بشری کی شادی محمد رمضان کے ساتھ کر دی، محمد رمضان کا والد محمد عاشق دھوپی تھا، محمد عاشق کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، اس کا بڑا ابیٹا محمد رمضان دیلڈنگ کا کام کرتا تھا، دوسرے بیٹے محمد شاہن کی عمر پندرہ سال تھی، وہ نافیوں کی فیکشی میں کام کرتا تھا،

نجات

ویلڈ نگ کی دکان پر جائیں گے اور صائمہ کسی کے گھر میں جماڑو بھیرنے کی ذمہ داری سنچال لے گی اس کے پچھے بھی اپنی ماں کی طرح پر اٹھے اور وہی کا خواب دیکھتے بوڑھے ہو جائیں گے؛ بشری کو محض ہوا غربت ایک ایسا وسیع سمندر ہے جس میں وہ اور اس کا خاندان تنگ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور تنکا بھی کسی دن سمندر کی تہہ میں بیٹھ جائے گا، اس رات اس کا خاوند واپس آیا تو وہ بہت تحکما ہوا تھا، بشری نے خاوند کو کھانا کھلایا اور اس کے بعد دیر تک اس کی نالگیں دباتی رہی، وہ دونوں رات گئے تک باقی کرتے رہے، صبح دس بجے رمضان کام پر چلا گیا، بشری نے رمضان کیلئے کھانا پکایا، دونوں بچوں کو تیار کا ان کے سکول بیک لئے کرے کوتالہ لگایا اور چابی مالک مکان کے حوالے کر کے کہا، "رمضان آئے" اسے کہنا کھانا کھائے میں خالہ کے گھر جا رہی ہوں، وہ بچوں کی انگلی پکڑ کر ریلوے پھانک پر آئی، ریلوے کی پڑھی پر بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگی، اس دوران جعفر ایک پرسیون اپ چھانک کے قریب پہنچ گئی، بشری اٹھی، اس نے بچوں کے کندھوں پر سکول بیک لٹکائے، انہیں اخفاکر سینے سے لگایا اور ٹرین کے سامنے کو دیکھی، ٹرین نے ایک لمبے میں ان تینوں کے جیتوڑے اڑا دیئے، جسم توڑیک پر بکھر گئے لیکن سکول بیک کا نئے کے دستے کے قریب جاگرے رمضان نے آ کر یہ لکڑے دیکھتے تو وہ بے ہوش ہو کر گیا، لوگ اسے اخفاکر میوہ ہپتال لے گئے وہ ہوش میں آیا تو اس کے پاس بیوی اور بچوں کے جنازے تک پہنچنے کیلئے کراچی میں تھا، وہ میوہ ہپتال کے سامنے کھڑا ہو گیا، ایک رکشے والے نے ترکھایا اور اسے سیون اپ شاپ پر چھوڑ گیا۔

بشری کو خود کشی کئے ہوئے آج پانچ دن ہو چکے ہیں لیکن محمد رمضان کو اس کی خود کشی کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی، وہ اپنے رشتے داروں اور محلے والوں سے پوچھتا ہے، "بشری کو کیا غم تھا، اس کو کیا تکلیف تھی؟" لوگ یہ سن کر آنکھوں پر کپڑا کھلیتے ہیں، رمضان اور اس کے رشتے دار بہت بے وقوف ہیں، وہ یہ جانتے ہی نہیں غربت جب انتہا کو چھو لیتی ہے تو اس سے نجات کا صرف ایک ہی طریقہ پتھا ہے اور اس طریقے کا نام موت ہے اور بشری کو اس سچائی، اس حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا، بشری جان گئی تھی یہ دنیا اس کے بچوں کو تعلیم روئی اور کپڑے نہیں دے سکتی، چنانچہ اس دنیا کو چھوڑ دینے ہی میں اس کی عافیت ہے، بشری اور اس کے بچے چلے گئے لیکن ان بچوں کے سکول بیک اور مسلے کچلے قاعدے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان قاعدوں اور ان بیگوں پر خون کے چھینٹے پڑے ہیں اور یہ چھینٹے اپنا قاتل تلاش کر رہے ہیں، بشری اور اس کے بچوں کا قاتل کون ہے؟ یہ آج کے دن کا سب سے بڑا سوال ہے لیکن افسوس اس حکومت کے کسی وزیر کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔

حکومت کیا کرے

وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی اٹھنے لگے تو مر حمدہ بشری کی ساس نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور انہیں عرض کیا، "میری بھی تین بیٹیاں بن بیا ہی بیٹھی ہیں، ہم کرائے کے مکان میں رہتے ہیں، ہمارا ناہ ان روزانہ سوروپے کا تاتا ہے، ہم تیس روپے کا بھی خریدتے ہیں اور چالیس روپے کا آٹا۔ آپ بتائیں اسے کہنا کھانا کھائے میں خالہ کے گھر جا رہی ہوں، وہ بچوں کی انگلی پکڑ کر ریلوے پھانک پر آئی، ریلوے کی پڑھی پر بیٹھ کر ٹرین کا انتظار کرنے لگی، اس دوران جعفر ایک پرسیون اپ چھانک کے قریب پہنچ گئی، بشری اٹھی، اس نے بچوں کے کندھوں پر سکول بیک لٹکائے، انہیں اخفاکر سینے سے لگایا اور ٹرین کے سامنے کو دیکھی، ٹرین نے ایک لمبے میں ان تینوں کے جیتوڑے اڑا دیئے، جسم توڑیک پر بکھر گئے لیکن سکول بیک کا نئے کے دستے کے قریب جاگرے رمضان نے آ کر یہ لکڑے دیکھتے تو وہ بے ہوش ہو کر گیا، لوگ اسے اخفاکر میوہ ہپتال لے گئے وہ ہوش میں آیا تو اس کے پاس بیوی اور بچوں کے جنازے تک پہنچنے کیلئے کراچی میں تھا، وہ میوہ ہپتال کے سامنے کھڑا ہو گیا، ایک رکشے والے نے ترکھایا اور اسے سیون اپ شاپ پر چھوڑ گیا۔

پاکستان میں اس وقت محمد رمضان اور بشری جیسے 8 کروڑ لوگ ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں دنیا کے بڑے بڑے معیشت دان خط غربت سے فیچے زندگی گزارنے والی مخلوق کہتے ہیں لیکن یہ بے معلوم نہیں ہو سکی، وہ اپنے رشتے داروں اور محلے والوں سے پوچھتا ہے، "بشری کو کیا غم تھا، اس کو کیا تکلیف تھی؟" لوگ یہ سن کر آنکھوں پر کپڑا کھلیتے ہیں، رمضان اور اس کے رشتے دار بہت بے وقوف ہیں، وہ یہ جانتے ہی نہیں غربت جب انتہا کو چھو لیتی ہے تو اس سے نجات کا صرف ایک ہی طریقہ پتھا ہے اور اس طریقے کا نام موت ہے اور بشری کو اس سچائی، اس حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا، بشری جان گئی تھی یہ دنیا اس کے بچوں کو تعلیم روئی اور کپڑے نہیں دے سکتی، چنانچہ اس دنیا کو چھوڑ دینے ہی میں اس کی عافیت ہے، بشری اور اس کے بچے چلے گئے لیکن ان بچوں کے سکول بیک اور مسلے کچلے قاعدے پیچھے رہ گئے ہیں اور ان قاعدوں اور ان بیگوں پر خون کے چھینٹے پڑے ہیں اور یہ چھینٹے اپنا قاتل تلاش کر رہے ہیں، بشری اور اس کے بچوں کا قاتل کون ہے؟ یہ آج کے دن کا سب سے بڑا سوال ہے لیکن افسوس اس حکومت کے کسی وزیر کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔

کرائیں گے، یہ غربت نہ ختم ہونے والا ایک ایسا صحراء ہے جس پر ایک آدھ دن کی بارش کوئی نہ لختا ہے۔ میں کرپائے گی اس کیلئے ہمیں خوب اقدامات کرتا ہوں گے اس کیلئے ہمیں اپنی ترجیحات کو روی ہو کرنا ہو گا، ہمیں قومی سطح پر غربت کے ناسور افلاس کے کیسر اور ناداری کی "ٹی بی" کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ پھر کہیں جا کر ہمیں منزل ملے گی، ہم تمام کالم نویسوں پر یہ الزام لگایا جاتا ہے، ہم ایسے ڈاکٹر ہیں جو مردم کی تشخیص تو کر لیتے ہیں لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی علاج نہیں ہوتا، یہ الزام بڑی حد تک درست ہے بلکہ ہم ایسے سرجن ہیں جنہیں مریض کا پیٹ پھاڑتا تو آتا ہے لیکن ہم زخم کو سینے کے ماہنہ ہیں ہیں چنانچہ ہم اکثر اوقات آپریشن کے بعد مریض کو آپریشن تھیز میں چھوڑ کر فرار ہو جاتے ہیں لیکن میں آئں گے بھی دھو دینا چاہتا ہوں میں آج سے ایک ایسی بحث کا آغاز کر رہا ہوں جس میں ہم پاکستان کے بنیادی مسائل کا حل طلاش کریں گے میں اپنے تمام قارئین کو دعوت دیتا ہوں اگر ان کے پاس پاکستان سے غربت ختم کرنے کا کوئی فارمولہ موجود ہے اور وہ محدود پیانے پر یہ فارمولہ ثابت کر چکے ہیں اور اس ثابت کے ثبت مانگ برآمد ہوئے ہیں تو وہ اپنا یہ فارمولہ مجھے بھجوادیں میں ان کے فارمولے وقت فوغا اس کالم میں شائع کرتا ہوں گا، ہو سکتا ہے یہ فارمولہ ارباب اختیاراتک پہنچ جائے وہ اسے "پک" کر لیں اور یوں یہ ملک اس "ٹریک" پر آجائے جس کے آخر میں روشنی کا شت ہوتی ہے۔

میں اس بحث کا آغاز کرتا ہوں، جناب وزیر اعظم صاحب دنیا میں معیشت کے دو بڑے نظام میں ایک ویژن اکنامک سسٹم ہے اور دوسرا اسلامی نظام معیشت۔ ویژن اکنامک سسٹم میں حکومتیں ملک میں بڑے منصوبے شروع کرتی ہیں وہ موڑویز بناتی ہیں ملک میں صنعتوں اور میگا مالز کا جال بچھاتی ہیں وہ بڑے بازار اور منڈیاں بناتی ہیں، بینک اور سرمایہ کاری کے ادارے قائم کئے جاتے ہیں اور جب ان اداروں میں معاشری سرگرمیاں شروع ہوتی ہیں تو یہ سرگرمیاں پہلے ملک کے مراعات یافتہ طبقے تک پہنچتی ہیں اس کے بعد مدل کلاس کے پاس آتی ہیں اور اس کے بعد خط غربت سے نیچے زندگی گزارنے والے لوگوں تک پہنچتی ہیں۔ شوکت عزیز جیسے معیشت دان اس عمل کو "ٹریک ڈاؤن" کہتے ہیں، معیشت کا یہ نظام اس وقت دنیا کے بے شمار ممالک میں کام کر رہا ہے اور کامیاب بھی ہے، اس نظام میں بے شمار خوبیاں ہیں لیکن اس میں دو انتہائی مہلک خرابیاں بھی ہیں، اس کی پہلی خرابی ٹریکل ڈاؤن ہے، اس نظام کو ٹریکل ڈاؤن ہونے کیلئے کم از کم تیس برس درکار ہوتے ہیں اور یہ تیس برس بھی ایسے ہوں جن میں معیشت کا عمل دن رات چاری رہنے اس سسٹم میں ایک دن کا التواہ اس کے ٹریکل ڈاؤن لیفکٹ کو چھ ماہ آگے لے جاتا ہے اور اس کی دوسری خرابی اس کی مادیت پرستی ہے یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے سینے میں دل نہیں یہ لوگوں کو مشین بنادیتا ہے اور وہ کریڈٹ کارڈ، سودا اور قسطوں کے ایک

ہل میں الجھ جاتے ہیں جس سے انہیں موت کے بعد ہی رہائی ملتی ہے لہذا یہ سسٹم ہمارے جسے ملک نہیں کر سکتا، اسکی بھی دو وجہات ہیں، اول ہم مسلمان ہیں اور کوئی سودی نظام کسی مسلمان کو موت اس سلسلہ، ہم جب کلہ پڑھ لیتے ہیں تو ہم پر سودا اور سودی نظام حرام ہو جاتا ہے چنانچہ یہ معیشت ہمیں اون اور برکت نہیں دے سکتی، دنیا کی چودہ سو سال کی تاریخ میں آج تک کسی اسلامی ملک میں یہ نظام ایسا بھی نہیں ہوا کہ اسکا اور اگر کبھی کسی اسلامی ملک نے اس نظام کے تحت کامیابی حاصل بھی کی تو یہ کامیابی ایسا ہی، معیشت کا دوسرا نظام اسلامی ہے، اسلامی نظام کے قبیل بڑے اصول ہیں پہلا اصول خیرات چنانچہ یہی معیشت کا دوسرا نظام اسلامی ہے، اسلامی نظام کے قبیل بڑے اصول ہیں خرچ کر اسلام میں مال کا وہ حصہ جو مومن کی ضرورت سے زائد ہوتا ہے، اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر اسلام میں کویا ایک گھر، ایک گاڑی، کپڑوں کے چار پانچ جوڑوں اور ماہانہ خرچ کے علاوہ ہمارے پاس اداہاتا ہے کویا ایک گھر، ایک گاڑی، کپڑوں کی امانت ہے اور اگر ہم یہ مال ضرورت مندوں تک نہیں پہنچاتے تو اس کے وہ اللہ اور اس کے بندوں کی امانت ہے اور اگر ہم یہ مال ضرورت مندوں تک نہیں پہنچاتے تو اس میانہ کے مرتبہ ہوتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے مجرم ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرے گا، اس میانہ کے مجرموں کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسرا اصول، اسراف سے پرہیز ہے اسلام فضول خرچ کے کا، وہ اپنے مجرموں کے ساتھ کرتا ہے۔ اسراful اسراف سے پرہیز ہے اسلام فضول خرچ کے کا، اسراful اسراف سے پرہیز ہے اسلام و نیا کا واحد نظام ہے جو مجرموں، ناداروں، بے بسو اور بے کام تک استعمال کرنے دو سوا بیکڑاں ہے، اگر اسلامی ریاست کا حکمران دوسرا بلب روشن کر دے دوسری گاڑی استعمال کرنے دو سوا بیکڑاں ہے، ایمان بنالے یا سائھارکان کی کا بینہ بنالے تو یہ اسراف ہے اور اگر کوئی مسلمان تاجز کوئی دکاندار، کوئی رہائی کار اور کوئی بیو روکریتے اپنی آمدی کا زیادہ تر حصہ نمود و نمائش پر خرچ کر دے تو یہ بھی اسراف ہے رہائی کار اور کوئی بیو روکریتے اپنی آمدی کا زیادہ تر حصہ نمود و نمائش پر خرچ کر دے تو یہ بھی اسراف ہے اور وہ اللہ کا مجرم ہے اور اللہ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک کرے گا جو وہ امانت میں خیانت کرنے والے مسلمان کے ساتھ کرتا ہے اور اسلام کا تیسرا اصول ترجیح ہے، یہ وہ اصول ہے جس سے اسلامی معاشروں میں تبدیلی آتی ہے، اسلام و نیا کا واحد نظام ہے جو مجرموں، ناداروں، بے بسو اور بے کام تک استعمال کرنے دیتے ہیں، اسلام میں جو شخص جتنا محروم ہے اس شخص کو اتنی ہی فوقیت اور ترجیح دی جاتی ہے شاکدھی بھی ترجیح دیتا ہے، اسلام میں جو شخص جتنا محروم ہے اس شخص کے گھر جاتے تھے۔

پھر حضرت عمر اپنے کندھے پر آئے کی بوری اٹھا کر راتوں کو بھوکوں کے گھر جاتے تھے۔ اگر ہماری حکومت، اگر ہمارے وزیر اعظم اس ملک کے محمد رمضان انوں اور بشراؤں کو ترجیح اول نالیں، اگر ہم آج سے اپنی معیشت کا آغاز پاکستان کی کچی آبادیوں اور غربیوں سے شروع کریں تو یقین کہتے ہیں، معیشت کا یہ نظام اس وقت دنیا کے بے شمار ممالک میں کام کر رہا ہے اور کامیاب بھی ہے، اس نظام میں بے شمار خوبیاں ہیں لیکن اس میں دو انتہائی مہلک خرابیاں بھی ہیں، اس کی پہلی خرابی ٹریکل ڈاؤن ہے، اس نظام کو ٹریکل ڈاؤن ہونے کیلئے کم از کم تیس برس درکار ہوتے ہیں اور یہ تیس برس بھی ایسے ہوں جن میں معیشت کا عمل دن رات چاری رہنے اس سسٹم میں ایک دن کا التواہ اس کے ٹریکل ڈاؤن لیفکٹ کو چھ ماہ آگے لے جاتا ہے اور اس کی دوسری خرابی اس کی مادیت پرستی ہے یہ ایک ایسا نظام ہے جس کے سینے میں دل نہیں یہ لوگوں کو مشین بنادیتا ہے اور وہ کریڈٹ کارڈ، سودا اور قسطوں کے ایک

اس کی طرف دیکھتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے، ہم دونوں ماربل آرچ کے نیوب شیش سے باہر نکل تھے، شیش کی سیر ہیوں پر کوئی نوجوان گورا گنار کے ساتھ گانا گا رہا تھا، عمران مرزا اس کے پاس آ ہو گیا، ذرا دریتک اسے دیکھتا رہا اور اس کے بعد بولا "تم صرف بجاو، میں گاتا ہوں،" گورے نے اس کا سر ہلا کیا اور عمران مرزا نے گانا شروع کر دیا، ہمارے گھد چند لمحوں میں مجھ لگ گیا اور گورے کا ساف لکھا تھا، اب اجنبی نوجوان تم دوبارہ کب آؤ گے،" انہی ملاقاتوں کے دوران معلوم ہوا عمران مرزا کے ساتھ میری چہلی ملاقات 1998ء میں لندن میں ہوئی تھی، میں ہیقر، ایک پورٹ سے گرین سڑی پہنچا اور میں نے جوں ہی گاڑی سے باہر قدم رکھا، ایک نہایت سریلی، محبت بھری آواز میری سماحت سے مکرائی، "آپ کو لندن کی سختی ہواں میں خوش آمدید کہتا ہوں،" میں نے چچے مڑکر دیکھا، فٹ پاتھ پر درمیانے قد کا ایک خوبصورت نوجوان کھڑا تھا، اس کا جسم سرتی تھا، آنکھوں میں چمک تھی اور اس نے ہلکی ہلکی داڑھی رکھی ہوئی تھی، اس نے گرم جوشی سے میرے ساتھ ہاتھ ملایا، اس کے ہاتھ میں محبت کی گرانٹ اور جذبات کی حدت تھی، یہ میری عمران مرزا کے ساتھ چہلی ملاقات تھی، زاہد شاہ نے بتایا عمران مرزا جہلم شہر سے تعلق رکھتے ہیں، کشم میں اپنے ہیں اور گانے بجانے کے شوقیں ہیں، آئندھنوماہ پاکستان میں فوکری کرتے ہیں اور گریوں میں لندن آ جاتے ہیں، میں نے سوچا یہ لندن یا تراکشم کی برکت ہو گی لیکن آنے والے دنوں میں جب بھی میں عمران مرزا سے ملا مجھے اپنی چہلی سوچ پر شرمندگی ہوئی، اس ملاقات کے بعد عمران مرزا لندن میں میرا گائیڈ بن گیا، ہم دونوں کبھی ہائیڈ پارک نکل جاتے، کبھی میوزیم آف نچرل، ہسٹری چلے جاتے، کبھی لا بھریری، کبھی پکاڈلی سرس، کبھی میڈیم تساو میوزیم اور کبھی محلی بس پر بینچ کر پورے شہر کی سیر کرتے، میں اس دوران عمران مرزا کی شخصیت اور صلاحیتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، میں نے زندگی میں بے شمار لوگوں کے بارے میں سنا تھا فلاں کو اللہ تعالیٰ یا بھگوان نے بڑا سریلا گلا دیا تھا لیکن عمران مرزا میری زندگی کا پہلا شخص تھا اور ہے جس کے پاس میں نے ایسا گلا دیکھا، قدرت نے اس کے لگے میں وہ ساری گرایاں اور سارے پرزوے لگا دیئے تھے جو عام سطحی لوگوں کو کلائیک گائیک بناتے ہیں وہ میوزک کی تمام پاریکیاں بھی سمجھتا تھا اور اسے طلبے سے ہار موسیم تک زیادہ تر آلات موسيقی پر عبور بھی تھا، وہ چلتے چلتے کوئی راگ لگاتا تھا تو گورے رک آ جاتا اور کبھی میں اس کے پاس جہلم چلا جاتا، وہ جہلم میں بہت پاپور تھا، لوگ اس کی عزت کرتے تھے، وہ

عمران مرزا جیسے لوگ

زاہد شاہ اٹھ کر چلے گئے لیکن میرے اندر اٹھنے کی ہمت نہیں تھی، کرے میں یا سیت دکھا، افسوس کی طبی جلی کیفیت تھی، میری پلکوں پر آنسوؤں کی نمی اور حلقوں میں غم کی کڑا ہست جھی تھی، میں نے اسے پلکیں صاف کیں، کری کے ساتھ بیک لگائی اور آنکھیں بند کر لیں۔

عمران مرزا کے ساتھ میری چہلی ملاقات 1998ء میں لندن میں ہوئی تھی، میں ہیقر، ایک پورٹ سے گرین سڑی پہنچا اور میں نے جوں ہی گاڑی سے باہر قدم رکھا، ایک نہایت سریلی، محبت بھری آواز میری سماحت سے مکرائی، "آپ کو لندن کی سختی ہواں میں خوش آمدید کہتا ہوں،" میں نے چچے مڑکر دیکھا، فٹ پاتھ پر درمیانے قد کا ایک خوبصورت نوجوان کھڑا تھا، اس کا جسم سرتی تھا، آنکھوں میں چمک تھی اور اس نے ہلکی ہلکی داڑھی رکھی ہوئی تھی، اس نے گرم جوشی سے میرے ساتھ ہاتھ ملایا، اس کے ہاتھ میں محبت کی گرانٹ اور جذبات کی حدت تھی، یہ میری عمران مرزا کے ساتھ چہلی ملاقات تھی، زاہد شاہ نے بتایا عمران مرزا جہلم شہر سے تعلق رکھتے ہیں، کشم میں اپنے ہیں اور گانے بجانے کے شوقیں ہیں، آئندھنوماہ پاکستان میں فوکری کرتے ہیں اور گریوں میں لندن آ جاتے ہیں، میں نے سوچا یہ لندن یا تراکشم کی برکت ہو گی لیکن آنے والے دنوں میں جب بھی میں عمران مرزا سے ملا مجھے اپنی چہلی سوچ پر شرمندگی ہوئی، اس ملاقات کے بعد عمران مرزا لندن میں میرا گائیڈ بن گیا، ہم دونوں کبھی ہائیڈ پارک نکل جاتے، کبھی میوزیم آف نچرل، ہسٹری چلے جاتے، کبھی لا بھریری، کبھی پکاڈلی سرس، کبھی میڈیم تساو میوزیم اور کبھی محلی بس پر بینچ کر پورے شہر کی سیر کرتے، میں اس دوران عمران مرزا کی شخصیت اور صلاحیتوں سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، میں نے زندگی میں بے شمار لوگوں کے بارے میں سنا تھا فلاں کو اللہ تعالیٰ یا بھگوان نے بڑا سریلا گلا دیا تھا لیکن عمران مرزا میری زندگی کا پہلا شخص تھا اور ہے جس کے پاس میں نے ایسا گلا دیکھا، قدرت نے اس کے لگے میں وہ ساری گرایاں اور سارے پرزوے لگا دیئے تھے جو عام سطحی لوگوں کو کلائیک گائیک بناتے ہیں وہ میوزک کی تمام پاریکیاں بھی سمجھتا تھا اور اسے طلبے سے ہار موسیم تک زیادہ تر آلات موسيقی پر عبور بھی تھا، وہ چلتے چلتے کوئی راگ لگاتا تھا تو گورے رک آ جاتا اور کبھی میں اس کے پاس جہلم چلا جاتا، وہ جہلم میں بہت پاپور تھا، لوگ اس کی عزت کرتے تھے، وہ

آپ جانیں اور اللہ تعالیٰ جانے

عبدالحکیم اور نواب بی بی کا معاملہ درمیان ہی میں رہ گیا، محترمہ بن نظیر بھنوک شہادت کے بعد ان علاط میں بڑی تحریک سے تبدیلی آئی اور اس تبدیلی نے کاموں اور تجزیوں کا رخ بدلت دیا اور یوں میں عبدالحکیم اور نواب بی بی کی تکلیف کو بھوتا چلا گیا۔ عبدالحکیم کا تعلق پشاور سے ہے جبکہ نواب بی بی بی بی بی کی زندگی میں اس کا انتہائی ضروری ہوتی ہے اس کا انداز اصراف اساتذہ لگا سکتے ہیں۔ دنیا میں زندگی کیلئے تین اشیاء انتہائی ضروری ہوتی ہیں، مناسب آمدی، عزت اور سماجی رتبہ جبکہ بد قسمی سے اس کا پورا جسم بے حرکت ہو گیا تھا اور وہ پورا سال بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا تھا، اب ڈاکٹروں نے اس کے دماغ سے مٹانے تک ایک مصنوعی ہالی لگادی ہے جس کے ذریعے کینسر کا پانی لکھنا شروع ہو گیا ہے اور وہ اٹھنے پڑنے کے قابل ہو گیا ہے، میرے لئے یہ خبر ایسی دھماکے سے کم نہیں تھی، میں نے شاہ جی سے پوچھا "عمران مرزا کے علاج کی کوئی صورت موجود ہے؟" شاہ جی نے بتایا "پاکستان میں اس مرض کوئی علاج نہیں ہاں البتہ بر طائفیہ میں لیزر کے ذریعے اس کا کینسر ختم کیا جاسکتا ہے لیکن اس کیلئے 60 ہزار پاؤ نڈی کی ضرورت ہے اور عمران مرزا کا خاندان اتنی رقم کا بندوبست نہیں کر سکتا،" شاہ جی کا کہنا تھا "تم کسی سرکاری سمجھنے سے عمران مرزا کیلئے فنڈ ز کا بندوبست نہیں کر سکتے" میں نے دکھی لجھے میں جواب دیا "نہیں،" شاہ جی نے حیرت سے میری طرف دیکھا، میں نے عرض کیا "عمران مرزا کسی جرنیل، وزیر، مشیر اور کسی کرپٹ سیاستدان کا بینا نہیں چنانچہ حکومت کا کوئی مدد اس کیلئے فنڈ ز جاری نہیں کرے گا،" شاہ جی نے پوچھا "پھر ہم کیا کریں،" میں نے عرض کیا، "ہمیں بر طائفیہ میں موجود پاکستانیوں سے رابطہ کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ کرے کسی کے دل میں عمران مرزا کیلئے رحم پیدا ہو جائے اور وہ اس کے علاج کے اخراجات کا بندوبست کر دے،" شاہ جی چلے گئے لیکن میں اس دن سے سوچ رہا ہوں اس ملک میں عمران مرزا جیسے لوگ کہاں جائیں اور کیا اس ملک میں علاج معاہدے کی ساری ہوں، صرف حکمران طبقے تک مدد دہو کر نہیں رہ سکیں امیں نے سوچا کیا اس ملک میں عمران مرزا جیسے لوگوں کے پاس مرنے کے سوابھی کوئی آپشن پختا ہے، میرے پاس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا، ہو سکتا ہے آپ کے پاس موجود ہو!

اس لوئیر مڈل کا اس شہر کا ثابتی رخ نمیک کرنے کی کوشش کر رہا تھا، اس نے شہر میں میوزک کی اکیلی، رکھی تھی اور شہر کے بے شمار نوجوان اس اکیلی میں میوزک کی تربیت لیتے تھے، وہ جنم میں ہر سال ہزار اس بھی کرتا تھا، یہ سات روز کا میلہ ہوتا تھا جس میں قوی سطح کے گلوکار آتے تھے، میں نے اس میں غلام علی کو آتے اور گانے سے پہلے عمران مرزا کے گھنے چھوٹے دیکھا تھا، اس دوران اس کی دویں بھی آئیں، وہ ریڈ یونیورسٹی ویژن اور تھیز کے بے شمار پروگراموں میں بھی آیا اور اس نے سننے والوں اپنے ٹینٹ کی دھاک بھی بخداوی لیکن بد قسمی سے وہ مارکیٹ ویلیونہ بن سکا اس کا فن اور ٹینٹ ا روپی اور کشادگی نہ دے سکا اور اس کی معاشی اور سماجی چھلن قائم رہی۔

از آتی رہیں۔ نواب بی بی جوانی میں پیدا ہو گئی تھیں، انہوں نے لوگوں کے گروں میں کام کر کے اپنی دلیلیاں اور ایک بیٹا پالا، دونوں بچیاں 27 اور 29 برس کی ہو چکی ہیں اور دونوں کی شادی کی عمر گزرتی ہیں جا رہی ہے لیکن نواب بی بی کے پاس وسائل نہیں ہیں، نواب بی بی زندگی کی چکی میں پس پس کر پڑا نہش سی کی مریضہ ہو چکی ہیں، یہ خاندان کرائے کے مکان میں رہتا ہے اور اس کی واحد کفیل نواب بی بی ہیں۔ یہ خاندان نا ختم ہونے والے مصائب اور مسائل میں گھر جکہ ہے اور ان مسائل کی وجہ سے ان لوگوں کیلئے موت زندگی سے زیادہ بامعنی اور خوبصورت ہو چکی ہے یہ لوگ اس کالم کو آخری سہارا سمجھ رہے ہیں، اگر کوئی صاحب ثروت، کوئی سینہ کوئی بنس میں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کوئی امین اس خاندان کا ہاتھ پکڑ لے کوئی دردول رکھنے والا شخص نواب بی بی کا علاج کرادے، اس کی بچیوں کا جیز بنا دئے جیئے کو اُنکشن کی قیمت میں صرف چند ہزار روپے کی کراپاۓ۔ یوں ماشر صاحب کا مسئلہ جوں کا توں رہا۔ میں اپنے گی، وہ پریشان ہو گئے اور اسی پریشانی کے عالم میں انہوں نے مجھ سے رابطہ کیا، میں نے اپنے بنا نے والی کمپنی سے رابطہ کیا، کراپچی میں فارما سیوینک کے ماکان کی تنظیم کے صدر کوفون کیا اور اپنے احباب اور دوستوں سے درخواست کی لیکن مسئلہ کا کوئی حل نہ لکھا، یہ تمام احباب پوری کوشش کے باوجود اسی پریشانی میں تھا کہ 27 دسمبر کا واقعہ پیش آگیا اور معمول کی ساری چیزیں آگے پیچھے ہو گئیں۔

میں افراتفری کے اس موسم میں عبد الحليم کی تکلیف کو بھول گیا لیکن کل اچانک مجھے عبد الحليم یاد آیا اور میں نے فوراً اس کے لواحقین سے رابطہ کیا، معلوم ہوا عبد الحليم بھی تکہ پتال میں لیٹ کر میرا انتظار کر رہا ہے، میں شرمندگی اور تاسف کے شدید احساس میں غرق ہو گیا اور مجھے محسوس ہوا یہ معاشرہ کس قدر سنگدل ہے، اس ملک میں ہم عبد الحليم جیسے ہزاروں نوجوان زندگی اور موت کی لمحش میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں، ہماری حکومتیں کس قدر بے رحم ہیں، ان کے پاس صدر وزیر اعظم اور وزراء کی حفاظت کیلئے اربوں روپے ہوتے ہیں، ہماری حکومتیں صدر کیلئے جہاز، گاڑیاں اور جیبر ز خریدنے کیلئے کروڑ روپے لگادیتی ہیں لیکن ان کے پاس عبد الحليم جیسے بچوں کیلئے دوا اور داکٹرنیں ہوتے، یہ ملک ایکشن جیسی "حافت" پر 6 ارب روپے لگادیتا ہے لیکن اس کے پاس عبد الحليم کے لئے 12 لاکھ 60 ہزار روپے نہیں ہوتے اور ہم لوگ کس قدر ظالم ہیں، ہم ایکشن مہم پر داؤ دو کروڑ روپے لگادیتے ہیں لیکن ہمارے پاس عبد الحليم جیسے دوڑ کے علاج کیلئے پیسے نہیں ہوتے۔ یہ نظام یہ حکومت اور ہم سب لوگ خالماں بے جس اور سنگدل ہیں، اگر سنگدلوں کے اس ملک میں کوئی دردول رکھنے والا شخص بچا ہو تو عبد الحليم اس نیک انسان کا راستہ دیکھ رہا ہے، وہ دردول رکھنے والا شخص عبد الحليم کے لواحقین سے 291-5937291 پر رابطہ کر سکتا ہے۔ یہ بچا یہ لوگوں کو دعا کے سوا کچھ نہیں دے سکتا، ساڑھے بارہ لاکھ روپے میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور ساتھ زیادہ مہنگا نہیں۔

گوجرانوالہ کی نواب بی بی بھی عبد الحليم کی طرح ایک ضرورت مند خاتون ہیں، میں اکتوبر 2007ء سے اس خاتون کے بارے میں لکھنا چاہتا تھا لیکن سیاسی حالات اور ذاتی مصروفیات

روپے کو 8 سے ضرب دی پتہ چلا یہ 12 لاکھ 80 ہزار روپے بننے ہیں، ماشر صاحب نے اپنے سارے اثاثے جات کی مالیت معلوم کی تو پتہ چلا اگر وہ اپنی تمام جائیداد اور اٹاٹے بھی بچ دیں، وہ گھر کے سارے برتلنے سارے ٹین ڈبے تمام بکس، سارے صندوق، پورے خاندان کے کپڑے حتیٰ کہ اپنے خاندان کے سارے کبل اور رضاۓ کیا، بھی بچ دیں تو بھی ان کے پاس تین چار لاکھ روپے سے زائد رقم جمع نہیں۔

بنانے والی کمپنی سے رابطہ کیا، کراپچی میں فارما سیوینک کے ماکان کی تنظیم کے صدر کوفون کیا اور اپنے احباب اور دوستوں سے درخواست کی لیکن مسئلہ کا کوئی حل نہ لکھا، یہ تمام احباب پوری کوشش کے باوجود اسی پریشانی میں تھا کہ 27 دسمبر کا واقعہ پیش آگیا اور معمول کی ساری چیزیں آگے پیچھے ہو گئیں۔

میں افراتفری کے اس موسم میں عبد الحليم کی تکلیف کو بھول گیا لیکن کل اچانک مجھے عبد الحليم یاد آیا اور میں نے فوراً اس کے لواحقین سے رابطہ کیا، معلوم ہوا عبد الحليم بھی تکہ پتال میں لیٹ کر میرا انتظار کر رہا ہے، میں شرمندگی اور تاسف کے شدید احساس میں غرق ہو گیا اور مجھے محسوس ہوا یہ معاشرہ کس قدر سنگدل ہے، اس ملک میں ہم عبد الحليم جیسے ہزاروں نوجوان زندگی اور موت کی لمحش میں چھوڑ دیئے جاتے ہیں، ہماری حکومتیں کس قدر بے رحم ہیں، ان کے پاس صدر وزیر اعظم اور وزراء کی حفاظت کیلئے اربوں روپے ہوتے ہیں، ہماری حکومتیں صدر کیلئے جہاز، گاڑیاں اور جیبر ز خریدنے کیلئے کروڑ روپے لگادیتی ہیں لیکن ان کے پاس عبد الحليم جیسے بچوں کیلئے دوا اور داکٹرنیں ہوتے، یہ ملک ایکشن جیسی "حافت" پر 6 ارب روپے لگادیتا ہے لیکن اس کے پاس عبد الحليم کے لئے 12 لاکھ 60 ہزار روپے نہیں ہوتے اور ہم لوگ کس قدر ظالم ہیں، ہم ایکشن مہم پر داؤ دو کروڑ روپے لگادیتے ہیں لیکن ہمارے پاس عبد الحليم جیسے دوڑ کے علاج کیلئے پیسے نہیں ہوتے۔ یہ نظام یہ حکومت اور ہم سب لوگ خالماں بے جس اور سنگدل ہیں، اگر سنگدلوں کے اس ملک میں کوئی دردول رکھنے والا شخص بچا ہو تو عبد الحليم اس نیک انسان کا راستہ دیکھ رہا ہے، وہ دردول رکھنے والا شخص عبد الحليم کے لواحقین سے 291-5937291 پر رابطہ کر سکتا ہے۔ یہ بچا یہ لوگوں کو دعا کے سوا کچھ نہیں دے سکتا، ساڑھے بارہ لاکھ روپے میں اللہ تعالیٰ کا قرب اور ساتھ زیادہ مہنگا نہیں۔

عنبرین تمہارے لئے

میں نے اخبار سے تصویر کاٹی، سفید کاغذ پر لگائی اور میز پر رکھ دی۔ میری آنکھوں کے گوشوں پر گرم نمکین پانی کے قطرے تھے یہ قطرے لکیر بننا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں پکلوں پر سنبھال لیا، میں عنبرین کے دکھ کو بہنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ ہمارے آنسو جذبات کی دنیا کی ایسی پائیونک ہیں یہ جب آنکھوں سے باہر آ جاتے ہیں تو دکھ کم ہو جاتا ہے انسان کو ریلیف مل جاتا ہے اور یہ ریلیف اسے پرافٹ اینڈ لاس کی دنیا میں واپس لے جاتا ہے چنانچہ آپ اگر کسی کے دکھ کو زیادہ وقت دینا چاہتے ہیں تو اپنے آنسوؤں کو سنبھال لیں، وہ دکھ آپ کے خون کے ایک ایک قطرے کا حصہ بن جائے گا چنانچہ میں نے عنبرین کے ہسے کے آنسو روک لئے اگلے دن ممبئی میں دہشت گردی ہوئی اور عنبرین کی تصویر ممبئی کے تراشوں میں دب گئی، میں عنبرین کو بھول گیا لیکن آج صح میں نے میز سے اخبار اور تراشے ہٹائے تو اس کی تصویر ایک بار پھر میرے سامنے آ گئی۔ یہ تصویر دو تصویروں کا مجموعہ تھی، ایک بڑی تصویر تھی جس میں میز پر ایک چھوٹی سی پنجی پڑی تھی، پنجی سفید چادر میں لٹپٹی تھی، درمیانی عمر کی ایک خاتون نے پنجی کے پاؤں پکڑ رکھے تھے، خاتون کے ہونٹ کھلے تھے اور چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے، یوں محسوس ہوتا ہے خاتون دکھ اور تکلیف سے جیخ رہی ہے، پنجی کے سرہانے ایک درمیانی عمر کا مرد کھڑا تھا، مرد آسمان کی طرف منہ اٹھا کر جیخ رہا تھا، اس کا کھلا منہ ایک دہائی ایک فریاد دکھائی دے رہا تھا، اس بڑی تصویر کے اندر ایک چھوٹی سی تصویر تھی، یہ تصویر یک لوگوں اپ تھا اور اس تصویر میں ایک نہایت ہی خوبصورت پنجی سورہ تھی، تصویر کے نیچے کیپشن درج تھا "حیدر آباد کی عنبرین کے والدین اس کی لاش پر میں کر رہے ہیں"۔

حیدر آباد شہر میں 25 نومبر 2008ء کو ایک "معمولی" سا واقعہ پیش آیا، حیدر آباد کے رکشہ ڈرائیور غازی خان کی دو سال کی پنجی عنبرین کو سانس کی تکلیف ہوئی، پنجی کے ماں باپ اسے ہپتال لے گئے، ڈرائیور نے پنجی کیلئے دوائیاں لکھ کر دیں لیکن پنجی کے والدین کے پاس دواؤں کیلئے پیسے نہیں تھے چنانچہ وہ دوائیاں نہیں خرید سکئے، پنجی چار دن بیمار رہی اور بیماری کے عالم میں انتقال کر گئی۔ دنیا سے رخصت ہونے والے تمام انسانوں کو کفن اور دفن کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کیلئے بھی رقم چاہئے ہوتی ہے، عنبرین کے والدین کے پاس اگر رقم ہوتی تو وہ اسے دوائیں ہی خرید دیتے۔ ان لوگوں نے پنجی کی

حتیٰ کہ جانوروں تک ان کی ذمہ داری اور ان کے اقتدار کا امتحان ہیں، حضرت عمرؓ کی طرح دوسرے صحابہ کرام بھی اس حقیقت سے آگاہ تھے چنانچہ یہی وجہ تھی وہ اپنے پاس ضرورت کے مطابق رقم رکھتے تھے اور اپنی آمدی کا باقی حصہ ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ وہ جانتے تھے اگر انتقال کے وقت ان کے گھر میں دولت ہوئی اور اس دوران شہر میں کوئی ضرورت مند بھی موجود پایا گی تو یہ دولت ان کی ساری نیکیاں کھا جائے گی، "میرے بابے نے کہا تھا" اگر اللہ تعالیٰ کے امتحان میں پاس ہونا چاہتے ہو تو آگے پیچھے نظر کھا کر ڈالو گوں کی حاجتیں پوری کیا کرو"۔

میں آج عبدالحیم اور نواب بی بی کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، میں سمجھتا ہوں، میرا فرض ادا ہو گیا اب اس کا لمب کو پڑھنے والے جانیں یا اللہ تعالیٰ جانے۔



لاش اٹھائی اور اسے ایڈھی سینٹر لے آئے۔ یہ دونوں تصویریں ایڈھی سینٹر میں لی گئی تھیں۔ آپ اگر یہ تصور دیکھتے تو آپ کو اس مردہ بچوں کے چہرے پر اپنی زندہ بچوں کا عکس نظر آتا کیونکہ ہم سب کی بچیاں جب سوتی ہیں تو وہ عنبرین کی طرح مخصوص دکھائی دیتی ہیں لیکن ہماری بچوں اور اس بچی میں ایک فرق تھا۔ ہماری بچیاں نیند کے بعد جاگ جاتی ہیں جبکہ عنبرین کی آنکھیں ہمیشہ کیلئے بند ہو چکی ہیں۔ عنبرین کی آنکھیں اب حشر کے دن ہی کھلیں گی۔

عنبرین کی ماں اور اس کا والد ان تصویریوں میں جیخ رہے ہیں، یہ لاش اور یہ دو جنین مخفی دو چنیں اور ایک لاش نہیں ہیں، یہ اس ملک میں قانون اور انصاف کا جنائزہ ہیں۔ یہ لاش اور یہ چنیں ثابت کرتی ہیں، اس ملک میں سب کچھ ہے، اس ملک میں حکومت بھی ہے، حکومت کے پاس 61 وزراء، 1 ہزار 3 سو 92 ملکے 1 کروڑ 9 لاکھ 4 ہزار 10 سرکاری ملازمین، 5 لاکھ 20 ہزار 40 دفاتر اور 11 لاکھ سرکاری گاڑیاں بھی ہیں۔ اس ملک کا ایک آئین، تعزیرات سے بھر پور اور ساڑھے چار سو اراکین کی پارلیمنٹ بھی ہے، اس ملک میں 10 ہزار ارب پتی بھی ہیں، اس ملک میں فیکٹریاں، ملینیں اور کارخانے بھی ہیں، اس ملک میں شاپنگ سینٹر اور بازار بھی ہیں اور اس ملک میں عدالتیں اور برج بھی ہیں، اس ملک میں رحمان ملک اور شوکت ترین بھی ہیں، اس ملک میں بابراعوان (ڈاکٹر) اور فاروق اعج نائیک بھی ہیں، اس ملک کا ایک خدا، ایک رسول اور ایک مذہب بھی ہے، اس ملک میں عوام بھی ہیں اور اس ملک میں خزانے بھی ہیں لیکن اگر اس ملک میں کسی چیز کی کمی ہے تو وہ انصاف ہے، اس ملک میں انصاف نہیں۔ اس ملک میں خوف خدا کی توجیہ کی تفتیش کا کوئی ادارہ نہیں، اس ملک میں کوئی ایسا عہدیدار کوئی ایسا ادارہ، کوئی ایسا ذپارٹمنٹ اور کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس ملک کے حکمرانوں سے یہ پوچھ سکے کہ جس ملک کے سیاستدان دو سال میں سرکاری خزانے سے اڑھائی ارب روپے کی دوا آئیں کھا جاتے ہوں، اس ملک کے پاس عنبرین جیسی بچوں کے علاج کیلئے دو ہزار روپے اور اس کے کفن کیلئے ایک ہزار روپے کیوں نہیں ہیں؟ جوان سے یہ پوچھ سکے جس ملک میں ایک وزیر قوم کوچھ کروڑ روپے میں پڑتا ہے اس ملک میں عنبرین جیسی بچی کو تین گز لٹھا اور درد کی دو گولیاں کیوں نہیں ملتیں؟ جو یہ سوال کر سکے جس ملک میں پارلیمنٹ پر ایک منٹ میں 55 ہزار روپے خرچ ہوتے ہوں اس ملک میں لوگ عنبرین جیسی بچوں کی تلفیں کیلئے ایڈھی سینٹر کا رخ کیوں کرتے ہیں؟ جو یہ پوچھ سکے جس ملک میں دو دسو ڈھائی ڈھائی سو لوگوں کو مفت عمرے کرواۓ جاتے ہیں، جس میں آٹھ، آٹھارب روپے سے ریڈزون کے گردیواریں بنانے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، جس میں ایوان صدر کو زلزلے سے محفوظ بنانے اور نوڑیروں میں صدارتی یکمپ آفس کی سیکورٹی والے بنانے کیلئے کروڑوں روپے منظور کر لئے جاتے ہوں

اور جس ملک میں وزیر کی چائے کا دو دن کامل 26 ہزار روپے آتا ہواں ملک میں عنبرین جیسی بچیاں دوا اور کفن کو ترسی ہوئی دنیا سے کیوں رخصت ہو جاتی ہیں۔ کاش کوئی یہ سوال پوچھ سکتا اور جب تک اسے ان والوں کا جواب نہ ملتا وہ اس نظام کا گریبان پکڑ کر کھرا رہتا۔ ہمیں ماننا پڑے گا پاکستان میں انصاف اور اتساب کا کوئی سشم نہیں، اس ملک میں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو عنبرین جیسی بچوں کے قتل پر حکمرانوں کا گریبان پکڑ سکے، جو عنبرین جیسی لاشوں کو انصاف دے سکے۔ ہمیں ماننا پڑے گا پاکستان میں اب روٹی، کپڑے مکان اور دوا کیلئے آپ کا وزیر ہونا، مشیر ہونا اور سفیر ہونا ضروری ہے۔ آپ اگر با اختیار ہجھ کپڑے میں تو آپ کیلئے تعلیمی بورڈوں کی سکریسی برائج بھی کھل سکتی ہیں اور آپ اپنی بچوں کی مرضی کے مطابق اپنی نمبر ز بھی دلا دیتے ہیں اور انہیں میڈیکل کالجوں میں داخلے بھی اور اس کے بعد پورا نظام آپ کو تحفظ بھی فراہم کرے گا لیکن اگر آپ اس ملک کے عام شہری ہیں تو آپ کا مقدار خیرات ہے آپ اگر خیرات پر ملے گی اور کفن بھی، آپ اگر اس ملک کے عام شہری ہیں تو آپ کا مقدار خیرات ہے آپ کو کفن فراہم کر دے گا، زندگی گزارنے کیلئے تیار ہیں تو سو بسم اللہ ورنہ کسی ایڈھی سینٹر کا رخ کریں وہ آپ کو کفن فراہم کر دے گا، آپ اطمینان سے مر جائیں۔

میں نے تصویر اٹھا کر دیکھی، مجھے یوں محسوس ہوا عنبرین کی لغش مجھ سے کچھ پوچھ رہی ہے۔ عنبرین نے پوچھا، ”اکل آپ نے میرے لئے کیا کیا؟“، عنبرین میری بچی! میں تھہارے لئے صرف اتنا ہی کر سکتا ہوں کیونکہ میں بے حصی کے سندروں میں ڈوبتے ہوئے معاشرے کا ایک محتاج لکھاری ہوں، میں خانہ بھی ہیں اس ملک کا ایک خدا، ایک رسول اور ایک مذہب بھی ہیں اور اس ملک میں عوام بھی ہیں اور اس ملک میں خوف خدا اور اس خوف خدا کی توجیہ کی تفتیش کا کوئی ادارہ نہیں، اس ملک میں کوئی ایسا نہیں۔ اس ملک میں خوف خدا اور کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اس ملک کے حکمرانوں سے یہ پوچھ سکے کہ جس ملک کے سیاستدان دو سال میں سرکاری خزانے سے اڑھائی ارب روپے کی دوا آئیں کھا جاتے ہوں، اس ملک کے پاس عنبرین جیسی بچوں کے علاج کیلئے دو ہزار روپے اور اس کے کفن کیلئے ایک ہزار روپے کیوں نہیں ہیں؟ جوان سے یہ پوچھ سکے جس ملک میں ایک وزیر قوم کوچھ کروڑ روپے میں پڑتا ہے اس ملک میں عنبرین جیسی بچی کو تین گز لٹھا اور درد کی دو گولیاں کیوں نہیں ملتیں؟ جو یہ سوال کر سکے جس ملک میں پارلیمنٹ پر ایک منٹ میں 55 ہزار روپے خرچ ہوتے ہوں اس ملک میں لوگ عنبرین جیسی بچوں کی تلفیں کیلئے ایڈھی سینٹر کا رخ کیوں کرتے ہیں؟ جو یہ پوچھ سکے جس ملک میں دو دسو ڈھائی ڈھائی سو لوگوں کو مفت عمرے کرواۓ جاتے ہیں، جس میں آٹھ، آٹھارب روپے سے ریڈزون کے گردیواریں بنانے کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، جس میں ایوان صدر کو زلزلے سے محفوظ بنانے اور نوڑیروں میں صدارتی یکمپ آفس کی سیکورٹی والے بنانے کیلئے کروڑوں روپے منظور کر لئے جاتے ہوں

ہی نہیں تھی کہ یہ اپنے بچوں کو تعلیم دلا سکتا چنانچہ اس نے بھی اپنی طرح اپنے بچوں کو بچپن ہی میں پلیٹ، پتیل، کپ اور چولہے بنالیا، اس کے بچے بھی اس کے کاروبار کا حصہ بن گئے، محمد اسلم اور اس کے کنبے کا یہ سلسلہ جاری رہا لیکن کل رات محمد اسلم نے مجھے فون کیا اور اس نے مجھ سے بڑا آسان اور سیدھا سوال پوچھا "ہم لوگ کہاں جائیں؟" اور اس کے اس سیدھے ہے اور آسان سے سوال نے میری زبان کی ساری لیس کھینچ لیں، میں بے بس ہو کر لیٹ گیا۔

بکیر والا کے محمد اسلم کی کہانی اس ملک کے ان شیرہ چودہ گروہ بے بس پاکستانیوں کی داستان ہے زندگی جن کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی ہے، جن کی چادر میں چھوٹی اور پاؤں لمبے ہیں اور جنہیں اب آئیں جن بھی راشن کا رڑوں پر ملتی ہے اور جو روزانہ آسان کی طرف سراخا کر اپنے پروردگار سے پوچھتے ہیں "یا اللہ کیا تو نے ہمیں انسانیت کی تذلیل کیلئے پیدا کیا تھا؟" اور آسان یہ سوال سن کر آنکھیں موند لیتا ہے۔ محمد اسلم کے ہوٹل پر چند دن قبل چھاپ پر اور ایم اونے اسے دو ہزار روپیے جرمانہ کر دیا، محمد اسلم نے وجہ پوچھی تو اسے بتایا گیا "وزیر اعلیٰ میاں شہباز شریف نے پنجاب بھر میں روپی کی قیمت دوروپے طے کی ہے لیکن تم یہ روپی چار روپے میں فروخت کر رہے ہو یہ قانون کی خلاف ورزی ہے،" محمد اسلم نے تقبیہ لگایا اور ایم اونے عرض کیا "جذاب یہ قانون صرف ان لوگوں پر لاگو ہوتا ہے جنہیں حکومت آئے کا تحیلا اڑھائی سور روپے میں فراہم کرتی ہے، میں اپنے مارکیٹ سے چار سو بیس روپے میں اپنیں گلو آٹا خریدتا ہوں آٹا لانے اور گوندھنے والے کو تխواہ دیتا ہوں، نادبائی کو دیہاڑی دیتا ہوں، تصور میں گیس بھی استعمال ہوتی ہے اور تصور پر کام کرنے والوں کو سونھے کی بھی ضرورت ہوتی ہے یہ پکھا بجلی سے چتا ہے اور بجلی کا بل بھی آتا ہے، میں اگر ان ساری چیزوں کا حساب لگاؤں تو میں چھروپے میں بھی روپی نہیں چکتا،" اُنی ایم اونے کہا، لیکن مجھے حکم ہے روپی دوروپے میں کے گی "محمد اسلم نے عرض کیا "جذاب پھر آپ مہربانی فرمایا کہ مجھے کنٹرول رہیت پر آٹا فراہم کر دیں،" اُنی ایم اونے جواب دیا "تم درخواست لکھ کر عمل اگلی نسل پھیل کے مقابلے میں آگے بڑھتی ہے یہ ترقی بلندی کی صورت میں بھی واحد مخلوق ہے جس کی اگلی نسل پھیل کے مقابلے میں آگے بڑھتی ہے یہ ترقی بلندی کی طرف خواہ ایک ایک اچھے بھرہ رہا ہے تو ترقی کا ہوتی ہے اور پسندی کی شکل میں بھی، اگر کوئی شخص ترقی کی طرف خواہ ایک ایک اچھے بھرہ رہا ہے تو ترقی کا ہے تو ڈھلوان پر پھیلنے کا یہ سلسلہ اس کے بچوں تک دراز ہو جائے گا، عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ انتہائی نقطے تک نہیں پہنچتا، اس کے بعد یہ پلٹتا ہے اور پھر پسندی کی طرف بڑھنے لگتی اور بلندی پسندی کی طرف ہکنے لگتی ہے، عروج وزوال کا یہ کھیل دنیا کے ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں واپس محمد اسلم کی طرف آتا ہوں، زندگی کی لگام جب محمد اسلم تک پہنچی تو اس نے ترقی کی دہلیز پر ایک قدم رکھ دیا، اس نے چائے کے اس کھوکھے کو ایک چھوٹے سے ریستوران میں تبدیل کر دیا، وہ روزانہ چائے کے ساتھ تین چار سالن اور روپیاں بھی بیچنے لگا یوں اسے تھوڑی سی خوشحالی نصیب ہوئی لیکن یہ خوشحالی اتنی

"ہم لوگ کہاں جائیں؟"

بکیر والا کے محمد اسلم کا سوال بہت آسان اور سیدھا تھا "ہم لوگ کہاں جائیں؟" میں نے جواب دینے کیلئے منہ کھولا لیکن میری زبان ساکت اور لفظ مفلوج ہو گئے میں نے بولنے کیلئے حلقت رکیا میں نے منہ کے اندر زبان پھیری، میرے جبڑوں کے اندر زبان نے تبخر معدہ کے مریض مگر مجھ کی طرح کروٹ بدی لیکن آواز پیدا نہ ہوئی چنانچہ میں نے آہنگی سے فون نیچے رکھ دیا، ریسیور کے ماتحت ہمیں سے محمد اسلم کی آواز نوٹ نوٹ کر باہر آ رہی تھی اور پورے کمرے میں بھر رہی تھی لیکن میں نے کافنوں اور آنکھوں پر تکیر رکھ لیا، میں نے محمد اسلم کے سیدھے اور آسان سوال کا گھر گھونٹ دیا۔

محمد اسلم بکیر والا شہر کے ایک چھوٹے سے ہوٹل کا مالک ہے، اس کا والد چائے کا کھوکھا چلاتا تھا، محمد اسلم ۲۷ سال کی عمر میں اس کھوکھے کی چائے دانی، پتیلی اور چولہا بن گیا، اس نے سارا بچپن ساری جوانی اور اوہیز عربی کی ساری صحیحیں، ساری شامیں اسی چائے خانے میں گزاریں، اس کا والد چائے بناتے اور چائے پلاتے پلاتے فوت ہو گیا تو محمد اسلم کو ورنے میں دس بائی پندرہ فٹ کی یہ دکان، میں کپ، پانچ چائے دنیاں اور ایک چولہا ملا، اسلام نے اس وراثت کو گلے لگایا، انسان کیونکہ اللہ تعالیٰ کی واحد مخلوق ہے جس کی اگلی نسل پھیل کے مقابلے میں آگے بڑھتی ہے یہ ترقی بلندی کی صورت میں بھی ہوتی ہے اور پسندی کی شکل میں بھی، اگر کوئی شخص ترقی کی طرف خواہ ایک ایک اچھے بھرہ رہا ہے تو ترقی کا عمل اگلی نسل میں بھی جاری رہتا ہے جبکہ اس کے بر عکس اگر کسی انسان کا مقدار "ریوس میگزیز" میں چل رہا ہے تو ڈھلوان پر پھیلنے کا یہ سلسلہ اس کے بچوں تک دراز ہو جائے گا، عمل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ انتہائی نقطے تک نہیں پہنچتا، اس کے بعد یہ پلٹتا ہے اور پھر پسندی کی طرف بڑھنے لگتی اور بلندی پسندی کی طرف ہکنے لگتی ہے، عروج وزوال کا یہ کھیل دنیا کے ہر انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ میں واپس محمد اسلم کی طرف آتا ہوں، زندگی کی لگام جب محمد اسلم تک پہنچی تو اس نے ترقی کی دہلیز پر ایک قدم رکھ دیا، اس نے چائے کے اس کھوکھے کو ایک چھوٹے سے ریستوران میں تبدیل کر دیا، وہ روزانہ چائے کے ساتھ تین چار سالن اور روپیاں بھی بیچنے لگا یوں اسے تھوڑی سی خوشحالی نصیب ہوئی لیکن یہ خوشحالی اتنی

اسلام آباد میں نئے جی انج کیوں کی تعمیر رکاوی یہ جی انج کیوں 27000 کنال پر بن رہا تھا اور اس 100 ارب روپے خرچ ہونا تھے جز ل صاحب نے اچھا فیصلہ کیا کیونکہ ملک جس قسم کے حالات سے ہے اور اگر حالات کا یہ رخ اور یہ رفتار نہ تھی تو شاید ہیڈ کوارٹرز ایوان صدر وزیر اعظم ہاؤس اور ام کے درمیان فاصلہ ختم ہو جائے شاید اس پورے ملک میں سوال زیادہ ہو جائیں اور جوابوں کے بھی بجهیں کم پڑ جائیں۔

خدا کے بندوں محمد اسلام جیسے لوگوں کیلئے کبیر والا میں جواب کی گنجائش پیدا کرو کیونکہ اگر تم نے سُن کی تو محمد اسلام اپنا سوال کندھے پر اٹھا کر اسلام آباد اور لاہور آجائے گا اور اگر یہ یہاں آگئا تو اپ لوگ کہیں نہیں جائیں گے چنانچہ آپ لوگ محمد اسلام کے آنے سے پہلے پہلے "هم لوگ کہاں میں" کا جواب سوچ لو کیونکہ جب عام انسان یہ سوال پوچھتا ہے تو پھر وہ جواب کیلئے زیادہ دیر انتظار رہتا۔

⊗ ⊗ ⊗

جزیرہ لیا جزیرہ تو آگیا لیکن گیس کے بل میں اضافہ ہو گیا جس سے اس کی دکان کا بجت خراب ہے گیا وہ ابھی اس بات سے پریشان تھا کہ چند دن پہلے گیس کے مکھے کا ایک الہکار اس کے ہوٹل پر آیا اور اس سے جزیرہ کی تفصیل پوچھنے لگا اس نے وجہ پوچھی تو الہکار نے بتایا لہاہور سے حکم آیا ہے جو دکاندار گیس پر جزیرہ چلا رہے ہیں ان کی رپورٹ بنا کر صوبائی دارالحکومت بھجوائی جائے محمد اسلم پریشان ہو گیا اس کا خیال ہے حکومت اب گیس پر چلنے والے جزیرہوں کے بارے میں بھی کوئی پالیسی بنانے گی ہے محمد اسلم شوگر بلڈ پریشہ اور گردوں کا مریض ہے چنانچہ یہ جذباتی صدمے اس کیلئے ناقابل برداشت ثابت ہوئے اور وہ گھر جا کر لیٹ گیا وہ بہت ہار گیا اس نے گزشتہ رات مجھے فون کیا اور ایک سیدھا اور سادہ سوال پوچھا "هم لوگ کہاں جائیں"۔

محمد اسلام کا سوال بہت سادہ اور سیدھا ہے وہ اس وقت خود کو کمرے میں بند اسی بی محسوس کر رہا ہے جس کے باہر نکلنے کے سارے راستے مسدود ہو گئے ہیں اور وہ بے چینی سے اس چیتے کا انتظار کر رہی ہے جو کمرے میں قدم رکھے اور بی مرنے سے پہلے اس کی آنکھیں نوج لے محمد اسلام اس کیفیت کا اکیلا شکار نہیں ملک میں اس جیسے تیرہ چودہ کروڑ لوگ ہیں زندگی نے جن کا راستہ روک لیا ہے جن کے روزگار کے چھوٹے چھوٹے ذریعے بند ہو رہے ہیں جو روزانہ اس نظام کے سینکڑوں ہزاروں ظلم سنتے ہیں اور جن کی زندگی میں کوئی ایسی کھڑکی نہیں جس کے ذریعے ان کے سجن میں روشنی اور ہوا آئے اس پورے ملک میں کوئی ایسا شخص نہیں جو آگے بڑھ کر ان کا ہاتھ تھام سکے جو محمد اسلام جیسے لوگوں کے آنسو پوچھ سکے جو انہیں حوصلہ اور دلا سدے سے کے چنانچہ یہ تیرہ چودہ کروڑ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں "هم لوگ کہاں جائیں" اور یہ تاریخ کا وہ سوال ہے جو ہر انقلاب سے پہلے ہر کان پر دستک دیتا ہے انقلاب فرانس سے پہلے انقلاب روس سے قبل اور ایران میں جنم لینے والے انقلاب سے پہلے وہاں کے محمد اسلاموں نے ایک دوسرے سے بھی سوال پوچھا تھا "هم لوگ کہاں جائیں" یہ لوگ جب یہ سوال پوچھ پوچھ کر تھک گئے اور کسی نے انہیں جواب نہ دیا تو یہ اپنا سوال اٹھا کر بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑے اور پھر حکمران طبقے کا جو بھی فرداستے میں آیا یہ لوگ اسے روندتے کھلتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ یہ لوگ اور ان کا سوال بادشاہ کی گردان تک پہنچ گیا مجھے محمد اسلام کے لمحے میں بھی اسی بغاوت کی آنکھ محسوس ہوئی اور مجھے لگا جس دن کسی نے محمد اسلام جیسے لوگوں کو اسلام آباد لاہور اور کراچی کا راستہ دکھا دیا اس دن اس نظام اور اس نظام کے تمام ناجائز بچوں کو چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی آج چیف آف آرمی شاف جز ل اشغال پر دیز کیا انی نے محمد اسلام جیسے لوگوں کی اقتصادی حالت کو دیکھتے

ہم اگر نوجوان کے جذبات پر غور کریں تو اس کی بات غلط نہیں، دہشت گردی صرف بندوق کا اہم ہوتی بلکہ لوگوں کو مہنگائی کی پھانسی پر لٹکا دینا عام اور غریب شہریوں کو ناجائز منافع کی چھپری سے اس کر دینا اور رحمتوں کے مہینے کو زحمتوں میں تبدیل کر دینا بھی دہشت گردی ہے اور حکومت جس طرح اصل اور ہموں کی دہشت گردی کے خلاف نبرد آزمائے اسی پروگرام کے ساتھ سے بازاروں میں ہمیں اور ہموں اور نوجوانوں کی دہشت گردی کا بھی مقابلہ کرنا چاہیے اور یہ صدر آصف علی 40 زرداری سے عوام کا پہلا مطالبہ ہو گا۔ آپ تم ظرفی ملاحظہ تجھے پاکستان جیسے زرعی ملک میں پیارے 40 روپے کلو آلو 40 روپے کلو اور ٹماٹر 50 روپے کلو مل رہے ہیں، لوگ آئے کے تحفے کیلئے دست و گریباں ہو کا مطلب ہے پرسوں سے مہنگائی کم ہو جائے گی۔ میں نے تحقیقہ لگایا اور اس سے پوچھا، ”تمہیں اس معاملے میں کیا جلدی ہے؟“ نوجوان نے فوراً کہا ”سر مجھے بہت جلدی ہے، میں رمضان سے ایک دن پہلے بازار گیا تھا اور میں نے اس دن پہنچیں روپے درجن کیلئے اسی روپے کلو الوخربیدے تھے لیکن میں رمضان کے پہلے دن بازار گیا اور میں نے چیزوں کی قیمت پوچھی تو کیلئے سور روپے درجن ۱۰ پکے تھے، انگور دوسرو روپے اور آلو چالیس روپے کلو سروہ دن ہے اور آج کا دن ہے میرے جیسے غریب لوگوں کیلئے روزہ رکھنا اور افطار کرنا ممکن نہیں رہا،“ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا ”سر میں آپ کے توٹیں میں دن باتیں لانا چاہتا ہوں، اول حکومت پائیج،“ چھ ماہ سے یہ ڈھنڈو رہا پہیت رہی ہے شرپسند قبائلی علاقوں میں گورنمنٹ کی رٹ کو چینچ کر رہے ہیں اور ہم رٹ کی بھائی کیلئے وہاں آپریشن کر رہے ہیں، درست؟“ میں نے فوراً ہاں میں تصدیق کر دیا،“ آپ فاتا کو چھوڑیں اسلام آباد میں حکومت کی رٹ دیکھ لیں، پورے اسلام آباد میں کوئی رہیت نہیں اور اگر ہے تو کوئی وکادر اس کی پابندی نہیں کر رہا،“ حکومت فاتا میں رٹ قائم کرنے کی کوشش تو کر رہی ہے لیکن اس کی ناک کے عین نیچے کیا ہو رہا ہے اس کیلئے حکومت کے پاس کوئی وقت نہیں، حکومت قبائلی علاقوں میں دہشت گردی ختم کرنے کیلئے تو بے قرار ہے لیکن اسلام آباد میں شہریوں کے خلاف جو اقتصادی دہشت گردی ہو رہی ہے اس پر وہ مکمل طور پر خاموش ہے..... کیوں؟“

میں خاموشی سے سنتا رہا،“ وہ بولا ”اور جتاب اللہ تعالیٰ نے رمضان کو مسلمانوں کیلئے رحمتوں کا مہینہ بنایا تھا لیکن مسلمان تاجریوں نے اسے مدل کلاس، لور کلاس اور غریب مسلمانوں کیلئے رحمت بنا دیا،“ لوگ حقیقتاً پانی کا پیالہ پی کر روزہ رکھنے اور نمک چاٹ کر افطار کرنے پر مجبور ہیں،“ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں اللہ کی رحمت کو زحمت میں تبدیل کرنے والوں کا انجام کیا ہو گا؟“ وہ خاموش ہو گیا،“ میں نے اس سے پوچھا ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“ وہ فوراً بولا ”میں چاہتا ہوں صدر آصف علی زرداری پچھا اور کریں یا نہ کریں لیکن وہ کم از کم ہمیں مہنگائی کی دہشت گردی سے ضرور نجات ولادیں،“ اس نے اتنا کہا اور فون بند کر دیا۔

اپنی اور اسی وقت

روم میں روم کی طرح رہیں

اطلاعات و نشریات کی وفاqi وزیر محترمہ شیری رحمان نے گزشتہ روز اکشاف کیا، صدر آصف علی زرداری کمرشل فلاٹ پر دوہنی سے لندن گئے تھے اور صدر محترم کا یہ اقدام سادگی کی بہترین مثال ہے، شیری رحمان نے اکشاف کیا صدر اس ماہ کے آخر میں اقوام متحده کی جزاں آسمبلی کے اجلاس میں ہر کم کیلئے بھی کمرشل فلاٹ پر امریکہ جائیں گے اور ان کا وفد بھی بہت مختصر ہو گا۔ میں صدر آصف علی زرداری کے اس اقدام کی تعریف کرنا چاہتا ہوں یہ اقدام واقعی قابل تعریف اور قابل تقلید ہے۔ آپ خود سوچنے پاکستان جیسے غریب ملک جس کے سارے ہیں گیارہ کروڑ لوگ آئے پانی اور دوا کو ترس رہے ہیں، اس کی نصف سے زائد آبادی خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہی ہے اور جس میں ایک بھی ایسا علیمی ادارہ موجود نہیں جس میں حکمران طبقہ اپنے بچے داخل کر سکے۔ اس ملک کے حکمرانوں کو سادگی کفایت شعاری اور بچت کی ایسی ہی مثالیں قائم کرنی چاہیں چنانچہ قوم صدر محترم کی سادگی اور کفایت شعاری کی معترض ہے لیکن ساتھ ہی میں شیری رحمان کی توجہ و فاقی حکومت کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں کیونکہ وفاقی حکومت میں اس قسم کی کوئی کفایت شعاری سادگی اور بچت و کھانی نہیں دیتی، وزیراعظم پاکستان کے اندر اور یورپ ملک خصوصی طیاروں پر سفر کرتے ہیں، وزیراعظم کا طیارہ ملتان تک جاتا ہے تو اس کی ایک پرواز پر تین ہزار لیٹر پڑوں خرچ ہوتا ہے اور اگر یہ طیارہ ملکی سرحدوں سے باہر نکل جائے تو یہ نہ صرف لاکھ لیٹر پڑوں خرچ کر کے واپس آتا ہے بلکہ لاکھوں ڈالر زیبن الاقوامی ہوائی اڈوں کی پارک گ فیس بھی ادا کی جاتی ہے۔ وزیراعظم وزارت عظمی کا حلف اٹھانے کے بعد 18 مئی 2008ء کو سربراہی کا فرانس میں شرکت کیلئے مصر کے شہر شرم الشیخ گئے تھے، وزیراعظم خصوصی طیارے پر وہاں گئے تھے اور ان کے ساتھ اس وقت تین درجن لوگ تشریف لے گئے تھے، 19 مئی کو کافرنس ختم ہو گئی اور تمام سربراہان اپنے اپنے ملکوں کو لوٹ گئے لیکن ہمارا وفد وہاں تھہرا رہا اور وزیراعظم کا شاف قاہرہ کے سرکاری دورے کا بندوبست کرتا رہا لیکن مصری حکومت نے قاہرہ کے دورے کو سرکاری حیثیت دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ مصری پیکر کے ساتھ ملاقات کا بہانہ بنایا گیا اور وزیراعظم اپنے پورے وفد کے ساتھ شرم الشیخ سے قاہرہ تشریف لے گئے، وفد کے ارکان اہرام مصر کی سیر کرتے رہے اور شام کو دریائے نيل کے

ہو سکتا ہے آصف علی زرداری حلف لینے کے بعد دوسرے بڑے بڑے مسائل میں الجھ جائیں اور ان کے پاس مہنگائی جیسے چھوٹے مسئلے کیلئے وقت نہ بچے چنانچہ میرا خیال ہے صدر آصف علی زرداری کی فرصت سے بُل ملک کے خوشحال طبقوں کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، مہنگائی کی پیدا کردہ زحمتوں کے اس میدان جنگ میں ایک مثال عبدالستار ایڈھی اور عمران خان نے قائم کی، عبدالستار ایڈھی نے رمضان سے قبل پورے ملک سے بھیک مجع کی تھی اور وہ اب ایک بڑا لنگر شروع کر رہے ہیں جس میں غریبوں کو تین وقت کھانا مفت ملے جبکہ عمران خان نے ستی روٹی کا پراجیکٹ شروع کر دیا ہے وہ عوام کو دور و پے میں روٹی فراہم کر رہیں گے یہ دونوں بڑے منصوبے ہیں اور ظاہر ہے ایسے منصوبے صرف عمران خان اور عبدالستار ایڈھی جیسے لوگ ہی شروع کر سکتے ہیں لیکن کھاریاں جیسے چھوٹے سے قبیلے کے چند حساس اور پڑھے لکھے نوجوانوں نے بھی ایک چھوٹا سا منصوبہ شروع کیا ہے ان لوگوں نے مل ملا کر ایک فنڈ قائم کیا یہ لوگ اس فنڈ سے منڈیوں ہول سیز مار کیٹوں اور کارخانوں سے کھانے پینے کی اشیاء خریدتے ہیں، شہر میں سے بازار لگاتے ہیں اور یہ اشیاء اصل نرخ سے تیس فیصد سے داموں پنج دیتے ہیں، اس تنظیم میں وکیل پروفیسر، اکٹر، بڑیں، صحافی اور جیئنر زشامل ہیں اور یہ لوگ ان بازاروں میں خود اپنے ہاتھوں سے کام کرتے ہیں، ان لوگوں کا کہنا ہے ہر بازار میں انہیں لاکھاً یہڑا کھروپے نقشان ہوتا ہے لیکن عوام کو کھانے پینے کی ہر چیز مارکیٹ سے پچاس سے تیس فیصد سے مل جاتی ہے یہ لوگ ان بازاروں کا خسارہ چندے سے پورا کرتے ہیں، یہ ایک دلچسپ منصوبہ ہے اور اگر ملک کے تمام شہروں کے صاحبانِ ثروت پڑھے لکھے، حساس لوگ اور بڑیں میں اپنے اپنے شہر میں اسی تنظیمیں بنائیں، یہ لوگ ایسے فنڈ ز قائم کر لیں، یہ لوگ فیکٹریوں اور کمپنیوں سے براہ راست سامان خریدیں، سے بازار لگائیں اور مارکیٹ سے پچیس تیس فیصد کم نرخ پر خوردوںوں کا یہ سامان فروخت کر دیں تو اس سے غریب شہریوں کی زندگی میں سہولت بھی آجائے گی اور لوگ جان اور سائبیں کا رشتہ بھی قائم رکھ سکیں گے۔ اس ملک میں حکومت ختم ہو چکی ہے اور اگر اب اس ملک کا حساس پڑھا لکھا پا شعور اور صاحبِ ثروت طبقہ بھی باہر نہ لکھا تو یہ ملک ختم ہو جائے گا، اگر ہم اس ملک کو برے انجام سے بچانا چاہتے ہیں تو ہمیں حکومت یا ایوان صدارت کی طرف دیکھنے کی بجائے زندگی کی یہ صلیب خود اپنے کندھوں پر اٹھانا ہو گی، آصف علی زرداری صاحب کا امتحان تو کل سے شروع ہو گا لیکن اس ملک کے خوشحال طبقے امتحان کے درمیان میں پنج چھے ہیں اور اگر یہ لوگ اب بھی نہ سنبھلے تو یہ اور ان کی دولت دونوں اس ملک کے ملے تے دفن ہو جائے گی چنانچہ ابھی اور اسی وقت اٹھنے اور کچھ کرنے کا وقت ہے کیونکہ قدرت حکمرانوں کی بے حصی کی سزا تو مولوں کو پہلے اور حکمرانوں کو بعد میں دیا کرتی ہے اور اگر ہم نے ہمت نہ کی تو ہم پہلے سزا بھتیں گے اور ایوان صدر کی باری بعد میں آئے گی۔

اے گھر میں شفت ہو جانا چاہئے اور پرونو کول ختم کر دینا چاہئے، اس سے عوام پر اچھے اثرات مرتب حاصل کر سکتی ہیں، وزیر اعظم 6 جون 2008ء کو سعودی عرب کے دورے پر تشریف لے گئے تھے اس دورے پر ان کے ساتھ کتنے لوگ گئے تھے؟ اگر وفاقی وزیر اطلاعات یہ تعداد معلوم کر لیں تو ان کی حیرت کی انہائیں رہے گی، یہ سرکاری عمرہ تھا اور وفد کے تمام ارکان کی عبادت کا معاشری بوجہ اس ملک کے ان عوام نے اٹھایا تھا جو زمین آنا کی قطار میں کھڑے ہوتے ہیں اور ڈنڈے کھا کر گھروں کو لوئے ہیں۔ اس دورے کی خاص بات "دم" تھا، عمرہ اور حج کے دوران اگر حاجی صاحب سے کوئی غلطی ہو جائے یا اس کا کوئی مناسک پورا نہ ہو تو اس پر دم واجب ہو جاتا ہے اور یہ دم عموماً جانور کی قربانی ہوتا ہے، وزیر اعظم کے وفد کے زیادہ تر ارکان عمرے کے بعد اپنا "ہمیز شائل" خراب نہیں کرنا چاہئے تھے چنانچہ انہوں نے بال نہیں کٹائے تھے اور ان کا "دم" بعد ازاں پاکستانی سفارتخانے نے ادا کیا تھا، وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی 26 جولائی 2008ء کو امریکہ کے دورے پر گئے تھے، وہ اس دورے کے دوران بونگ جہاز امریکہ پر گئے تھے اور ان کے وفد میں سانحہ ستر لوگ شامل تھے، اس جہاز اور اس وفد کے اخراجات کس نے ادا کئے تھے؟ اور اس دورے کا کیا نتیجہ تھا؟ وزیر اعظم واٹ ہاؤس میں صدر بیش کے ساتھ ملاقات فرمائے تھے جبکہ اونٹریو امریکی فونج نے قبائلی علاقوں پر میزائل بر ساتا شروع کر دیئے تھے۔ آپ تحقیق کر کر دیکھ لیجئے وزیر اعظم کے اس دورے پر بھی کتنے اخراجات آئے تھے؟

یہ ہے پاکستان کے حکر انوں کی کفایت شعاری اور سادگی۔ صدر محترم نے اگر کفایت شعاری کا یہ اٹھایا ہے تو میری درخواست ہے صدر صاحب کی کفایت شعاری کا اثر باقی حکومت تک بھی جانا چاہئے، صدر صاحب کو چاہئے وہ وزیر اعظم، گورنر زر اور وزراء اعلیٰ کے سرکاری جہاز واپس لیں، وہ انہیں بیلام کریں اور اس رقم کا آنا خرید کر عوام میں تقسیم کر دیں یا پھر اعلیٰ درجے کی ایک ایسی یونیورسٹی بنادی اسرا ف کی اس گنگا میں محل کر باتھ منہ دھوتی رہی تھی، صدر پر وزیر مشرف نے پانچ برسوں میں غیر ملکی دوروں پر ڈیڑھ ارب روپے اڑادیئے تھے، حد توبہ تھی صدر مشرف نے امریکہ میں اپنی کتاب کی تقریب رونمائی پر 22 کروڑ 7 لاکھ روپے خرچ کئے تھے، 2007ء میں وہ لندن میں اپنے دوست بریگیڈر نیاز کے ساتھ برج کھیلنے کیلئے رکے اور 18 لاکھ روپے فی دن پر کرہ کرائے پر لیا، وزیر اعظم شوکت عزیز نے تو دوروں کا ریکارڈ قائم کر دیا تھا، وہ اپنے لئے "مشروبات" تک سرکاری خزانے سے خریدتے تھے، مجھے اچھی طرح یاد ہے 1998ء میں جب پاکستان نے ایئمی دھماکے کے اور پاکستان پر اقتصادی پابندیاں لگیں تو شوکت عزیز خصوصی طور پر امریکہ سے پاکستان تشریف لائے تھے، شوکت عزیز کو پاکستان لانے کا فریضہ محترم اسحاق ڈار نے ادا کیا تھا، ڈار صاحب انہیں گورنر ائیٹ بینک بنانا چاہئے تھے، شوکت عزیز نے لاہور میں میاں نواز شریف سے ملاقات کی تھی اور اس ملاقات میں وزیر اعظم کو کفایت شعاری کی تلقین کی تھی، شوکت عزیز کا فرمانا تھا وزیر اعظم کو وزیر اعظم ہاؤس اور گورنر ہاؤس بند کر دینے چاہیں،

امریکہ لاطینی امریکہ کے ممالک کو اپنی کالوں سمجھتا ہے چنانچہ برازیل سے لے کر پینڈورس تک جنوبی امریکہ کے 25 ممالک پر امریکہ کی گرفت ہے لیکن ایو و موریلیس کا شائل اور مقبولیت امریکہ کیلئے خطرے کی تھی بن گیا۔ 1970ء کی دہائی میں بولیویا کے مشرقی صوبوں میں گیس لکل آئی، 1979ء میں بولیویا اور برازیل کے درمیان پاسپ لائن بچانے کا کام شروع ہوا اور 9 فروری 1999ء میں 20 برس بعد یہ گیس پاسپ لائن مکمل ہوئی، یہ پاسپ لائن تین ہزار چار لاکرو میٹر بھی اور اس پر ایک سو چھٹیں ڈال رہا گت آئی تھی، یہ پاسپ لائن پر ایجاد ہوتی تھی اور اس کی آمدی پر سفید قام باشندوں کی اجارہ داری تھی، ایو و موریلیس صدر ہاتا تو اسے محسوس ہوا پاسپ لائن کی وجہ سے بولیویا میں بے چینی پھیل رہی ہے کیونکہ ایک صوبے کے سفید قام عوام تیزی سے امیر ہو رہے ہیں جبکہ دوسرے صوبوں کے مقامی لوگ غربت اور انناس میں وہستے چلے جا رہے ہیں چنانچہ اس نے سوچا آئین میں تبدیلی کرنی چاہئے اور تدریتی گیس کی آمدی پورے ملک پر خرچ کرنی چاہئے تاکہ بولیویا کے سارے لوگوں کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔ یہ تبدیلی امریکہ کیلئے قابل قبول نہیں تھی بولیویا میں موجود امریکی سفیر فلپ گولڈ برگ نے اپوزیشن لیڈروں سے ملاقات میں شروع کر دیں، ان ملاقاتوں کے نتیجے میں بولیویا کے مشرقی صوبوں میں ایو و بوریلیس کے خلاف ہڑتا لیں، احتجاج اور ہنگامے شروع ہو گئے، بوریلیس کی حکومت نے امریکی سفیر کی کوشش کی لیکن سفیر بازنہ آیا لہذا تمبر کے دوسرے بخت بولیویا کی وزارت خارجہ نے امریکی سفیر کو ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیا، یہ حکم دنیا کی واحد پر پا در کے منہ پر تھہر کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ ایک ایسا ملک جس کی آبادی صرف 91 لاکھ 19 ہزار ایک سو 52 ہو جس کی فوج بمشکل تریں ہزار ہو اور جس کی معیشت امریکی گلوں میں پروان چڑھ رہی ہو تو ملک امریکہ جیسی پر پا در کے سفیر کو ملک سے بے دخل کر دے، امریکہ اس حرکت کو آسانی سے ہضم نہیں کر سکتا تھا چنانچہ رعل میں امریکہ نے بھی بولیویا کے سفیر کو نکال دیا اور ساتھ ہی اسے عکین متانج کی دھمکی بھی دے دی۔ پیغمبر کی جب ویززویلا چپنی تو ویززویلا کے صدر ہو گوشاویز نے بولیویا سے اظہار تھبجتی کیلئے امریکہ کے سفیر کی وجہ سے عالمی شہرت حاصل ہوئی تھی، موریلیس پچھلے میں چھپیں برس سے نیلے اور سرخ رنگ کا ایک دھاری دار سویٹر ہکن رہا ہے اس نے اپنا سارا سیاسی سفر اس سویٹر میں طے کیا، بولیویا میں کسی شخص نے اسے کسی دوسرے لباس میں نہیں دیکھا، وہ ایک مقبول عام سیاستدان ثابت ہوا، وہ 2005ء میں 54 فیصد دوٹ لے کر بولیویا کا صدر منتخب ہوا، صدر بننے کے بعد بھی بوریلیس نے اپنا سویٹر پہننا ترک نہیں کیا، وہ اب تک بے شمار عالمی لیڈروں سے مل چکا ہے لیکن اس نے کبھی نائی اور سوٹ نہیں پہننا اور وہ صدر بخش سے لے کر نوئی بلیز تک تمام لیڈروں سے اسی سویٹر میں ملا، بوریلیس کی یہ سادگی آہستہ آہستہ فیشن کی شکل اختیار کر گئی اور بولیویا کی تمام گارمنٹس کمپنیوں نے یہ سویٹر بنانا شروع کر دیا ہے، یہ سویٹر "موریلیس سویٹر" کہلاتے ہیں۔

کاش ہم بولیویا ہوتے

ہم کب جائیں گے

12 جولائی کی رات چیف آف آرمی شاف جزل اشراق پرویز کیانی نے ملک کے چند سینئر کالم نگاروں کو ڈنرا اور گفتگو کی وحوت دی تھی، میں بھی اس گفتگو میں شریک تھا۔ جزل صاحب رات گئے تک برف کی چٹان بن کر صحافیوں کے درمیان بیٹھے رہے تھے جبکہ ملک کے سینئر ترین کالم نگار جزل صاحب کو فرق دکھائی دے گا۔ پاکستان 17 کروڑ آبادی کا ملک ہے، ہم دنیا کی پہلی اسلامی اور ساتویں ایشی طاقت ہیں، ہمارے پاس دنیا کی بہترین فوج ہے اور ہمارے پاس 14 لاکھ ریگولر اور جزوئی فوجی ہیں اور ہمارا دعویٰ ہے ہم نے سو دو سو یونین کو افغانستان میں نکست دے دی تھی اور اس نکست کے بعد سو دو سو یونین بکھرے گئے ہو گیا تھا لیکن آپ اس پاکستان کی صورتحال ملاحظہ کیجئے امریکی طیارے پندرہ دنوں سے پاکستانی حدود کی خلاف ورزی کر رہے ہیں، افغانستان سے پیری ڈیٹریارے اڑتے ہیں، پاکستانی حدود میں داخل ہوتے ہیں، گھروں پر میزائل داغتے ہیں اور اس حملے میں ہمارے دس بارہ مخصوص بے گناہ اور روزہ دار شہری شہید ہو جاتے ہیں اور ہم اس کے رد عمل میں اپنے میڈیا کو ایک کمزور سا احتجاج بھجو دیتے ہیں، یہ احتجاج عموماً اس قسم کا ہوتا ہے، ہم کسی بیرونی طاقت کو اپنی سرحدوں کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیں گے اور ہم اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں وغیرہ۔ اور اگلے ہی دن دوبارہ ہماری سرحدوں کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے اور ہم ایک بار پھر اپنی سرحدوں کی حفاظت کا نزد گا دیتے ہیں، ہماری جرأت کا یہ عالم ہے، ہم احتجاج میں بھی امریکہ کا نام نہیں لیتے۔ میں جب بولیویا، دنیز ویلا اور ہندوستان کا مقابل اپنے ملک سے کرتا ہوں تو شرم سے سر جھک جاتا ہے اور دعا نکلتی ہے کاش ہم بولیویا ہوتے، کاش ہمارے سینے میں بوریں ہو گوشاؤزی اور مینوئیل زیالیا کا دل ہوتا، کاش اللہ تعالیٰ نے ہمیں ملک کے ساتھ ساتھ جرأت، غیرت اور حوصلہ بھی دیا ہوتا۔ ہمیں ماننا پڑیا اگر قوموں میں غیرت نہ ہو تو ایتم بم بھی کسی ملک میں جرأت پیدا نہیں کر سکتا، ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا اگر انسان کے دل میں جرأت اور آنکھ میں غیرت ہو تو بولیویا، دنیز ویلا اور ہندوستان جیسے ملک اسلام، فوج اور بم کے بغیر بھی امریکہ کے سامنے کھڑے ہو سکتے ہیں اور اگر دل جرأت اور آنکھ غیرت سے محروم ہو تو ایتم بم بھی کسی قوم کسی انسان کو جرأت مند نہیں بنایا سکتا۔ کاش ہم بولیویا ہوتے یا ہمارے لیڈر موریں یا ہو گوشاؤزی ہوتے۔

ایک لاکھ فوج ہے اور امریکی اڑو سوخ کی وجہ سے اس فوج کے پاس بھی جدید اسلحہ موجود نہیں۔ ہندوستان جنوبی امریکہ کا ایک بہت ہی چھوٹا ملک ہے، اس ملک کی معیشت پھلوں بالخصوص کیلے کی برآمد پر استوار ہے اور اسی مناسبت سے یہ "بانانا ری پیک" کہلاتا ہے، اس کی آبادی 60 لاکھ 20 ہزار ہے اور اس میں پولیس ہی فوج کا کام کرتی ہے۔ دو دن قبل ہندوستان میں امریکہ کے نئے سفیر ہو گو اور یونیز نے صدر مینوئیل زیالیا کو اپنی اسناد سفارت پیش کرنا تھیں لیکن جب بولیویا کا ایشوسانے آیا تو ہندوستان کے صدر نے امریکی سفیر سے اسناد سفارت لینے سے انکار کر دیا۔ یوں بولیویا کے معاملے پر پورے جنوبی امریکہ میں بیداری کا عمل شروع ہو گیا۔

ہو جاتے ہیں اور اس بھیگنے تک موسیقی اور رقص کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ سیاحت مرکش کی سب سے بڑی اندرسترنی ہے ایک اندازے کے مطابق سیاحوں کی تین سو سے زائد فلامنڈ روزانہ یورپ، امریکہ اور مشرق بجید سے مرکش آتی ہیں اور ہزاروں لاکھوں سیاح ہفتون تک مرکش میں یوروز پاؤ نڈر اور ڈالر لٹاتے رہتے ہیں مرکش کی حکومت سیاحوں کی اہمیت سے واقف ہے چنانچہ اس ملک میں سیاحوں کو خصوصی تحفظ حاصل ہے۔ میں تین دن مرکش شی میں پھر تارہا میں نے ان تین دنوں میں نوٹ کیا آپ ہوٹل سے لے کر بینک اور بینک سے گلی محلے کے چھوٹے سے چھوٹے منی چینز کے پاس چلے جائیں آپ کو تمام جگہوں پر ڈالر پاؤ نڈر اور یوروز کا یکساں ایک چینز رہتے ہیں میکسیاں بہت ستی ہیں اور تمام چیزیں ڈرائیور غیر ملکیوں کے ساتھ بڑے احترام سے پیش آتے ہیں دکانداروں کا روایہ بھی سیاحوں کے ساتھ بڑا دوستانہ ہے مرکش میں اگر کوئی سیاح کسی دکاندار، ٹیکسی ڈرائیور یا ہوٹل کی انتظامیہ کی شکایت کر دے تو حکومت اس کا اتنا خوفناک نوش لیتی ہے کہ فراڈ کرنے والے کیلئے جان چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے پورے شہر میں امن اور سکون ہے اور سیاح رات گئے تک بلا خوف و خطرہ کوں پر پھرتے رہتے ہیں۔

میں نے سردار تنوری الیاس کو جھوٹی پنج تسلی دے دی لیکن پاکستان والوں آتے ہی میرا دل بھل ہو گیا اور مجھے محسوس ہوا ایک طرف مرکش جیسے ممالک ہیں جن میں سیاح تک محفوظ ہیں؛ جن میں حکومت سیاحوں کو گارنی دیتی ہے آپ ملک کے کسی بھی حصے میں کرنی تبدیل کرائیں آپ کے ساتھ ایک درہم کی ہیرا پھیری نہیں ہو گی؛ جن میں حکومت نے سیاحوں کو مقدس مقام دے رکھا ہے اور پورے ملک میں کسی شخص کو سیاح کی طرف نہیں آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں جبکہ دوسری طرف ہمارا ملک ہے جس میں سرمایہ کاروں کا سرمایہ اور جان دونوں غیر محفوظ ہیں۔ سوچنے کی بات ہے مرکش سیاحوں کو اتنا ہم مقام کیوں دیتا ہے؟ بات بڑی واضح ہے مرکش کی حکومت جانتی ہے جو شخص بھی مرکش کی سر زمین پر قدم رکھتا ہے وہ سرمایہ کار کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ ملک کی معیشت میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے وہ جو امام کیلئے روزی روٹی کی حیثیت رکھتا ہے چنانچہ جب تک سرمایہ کار اور اس کا اعتماد محفوظ نہیں رہے گا اس وقت تک مرکش آج نہیں بڑھے گا۔ مرکش حکومت کی یہ سوچ ہے جس کی وجہ سے یہ ملک آج سرمایہ کاروں کی جنت بنتا چلا جا رہا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ہمارے ملک میں سردار تنوری الیاس جیسے لوگ اور ان کے گھر تک محفوظ نہیں ہیں یہ لوگ دن دیہاڑے لئے جا رہے ہیں لہذا سوچنے پھر ہم پر کون اعتماد کرے گا۔ سرمایہ کاروں کے دل بڑی کے پروں سے بننے ہوتے ہیں یہ لوگ گھاس کی پتی لڑنے سے بھی گھبرا جاتے ہیں اور انہا سرمایہ سمیت کراس ملک میں جایتے ہیں جہاں گھاس نہیں آتی۔ آپ تم نظریں دیکھنے ہمارے ملک میں سردار تنوری الیاس جیسے سرمایہ کاروں کی عزت نفس اور حوصلوں کو دن ہوئے انہوں نے سیکورٹی گارڈ کو زخمی کر کے پھینکا، گھر کے افراد کو ایک کمرے میں بند کیا، ملازوں کو یوغال ہا کراڑھائی کروڑ روپے کے زیورات، نقدی اور قیمتی اشیاء جمع کیں، ان کی گھڑی بنائی اور پیدل فرار ہو گئے۔ میں نے جو نبی اسلام آباد پہنچ کر موبائل فون آن کیا تو مجھے سردار تنوری الیاس کی شلبی فون کا ل آ گئی وہ بڑی طرح گھبرائے ہوئے تھے، ان کا کہنا تھا انہیں اللہ تعالیٰ نے بے تحاشا دے رکھا ہے ان کیلئے دواڑھاں، تین کروڑ بڑی رقم نہیں لیکن اصل مسئلہ پاکستان کا ایجج ہے، سردار تنوری الیاس کا کہنا تھا اس

ہو چکی ہے لہذا ہمیں اب اس جگہ شہر آباد نہیں کرنا چاہئے۔ ماڈنے یہ مشورہ مانے سے انکار کر دیا، انہوں نے فرمایا "ہم ٹھیک اسی جگہ ایک ایسا تانگ شان آباد کریں گے جو پچھلے شہر سے زیادہ خوبصورت اور مضبوط ہوگا" ماڈکے بیٹوں نے واقعی اپنے باپ کے قول کا پاس کیا، آج تانگ شان کا شمار جنین کے چند بڑے شہروں میں ہوتا ہے، اس کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ ہے، اس میں بے شمار لفک بوس عمارتیں، نیکریاں، فارم ہاؤسز اور فلیٹس ہیں اور دنیا آج اس شہر کو جنین کا بہادر شہر (بریوٹی آف چائنا) کہتی ہے۔

تانگ شان کی تعمیر نو بیسویں صدی کا بہت بڑا مجھزہ تھا لیکن اس سے بڑا مجھزہ شہر کے متاثرین کی بھالی تھی، زلزلے کے بعد شہر میں تین قسم کے لوگ تھے، ایک وہ لوگ جو زلزلے میں انتقال کر گئے کیسے؟ ماڈزے تجک نے کہا "قوموں کو عام حالات میں اپنے پیشہ کا اندازہ نہیں ہوتا، قوموں کو عام دنوں میں اپنی خامیوں کو تاہیوں اور اپنے نظام کی کمزوریوں کا علم نہیں ہوتا لیکن جب قوموں پر کراپر آتے ہیں، جب ان پر آفتیں، مصیبتیں اور پریشانیاں اترتی ہیں تو انہیں اپنے پیشہ اور شہنشاہ کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے اور یہ اپنے نظام کی خامیوں کو تاہیوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو جاتی ہیں" ماڈزے تجک کا کہنا تھا "لیکن جو قومیں بھرناویں سے نہیں سیکھتیں، جو بھرناویں کے دروان اپنے پیشہ اور خامیوں کا اندازہ نہیں لگاتیں وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرتیں"۔

یہ چین کی سوچ اور ماڈزے تجک کا وزن تھا اور آپ کو چین کے ہر معاملے میں ماڈزے تجک کا یہ وزن اور سوچ دکھائی دے گی؛ آپ تانگ شان کے زلزلے ہی کو لے لیجئے تانگ شان (TANG SHAN) چین کا ایک تاریخی شہر ہے، یہ شہر یونگ سے 95 میل دور شامی چین میں واقع ہے، 1976ء تک اس کا شمار جنین کے چند بڑے صنعتی اور کاروباری شہروں میں ہوتا تھا لیکن پھر 28 جولائی 1976ء کو رات تین نج کر 42 منٹ پر اس شہر پر قیامت ثوٹ پڑی، صوبہ میں زلزلہ آیا، زلزلے کی مختلف لمبیں "تانگ شان" میں جمع ہوئیں اور پورا شہر زمین بوس ہو گیا، ریکٹر سکیل پر اس زلزلے کی شدت 7 اعشار یہ 8 تھی، اس زلزلے میں تانگ شان کے 6 لاکھ 55 ہزار لوگ مارے گئے جبکہ 7 لاکھ 80 ہزار شدید زخمی ہوئے، یہ چین کی ایک ہزار سالہ تاریخ کا دوسرا جگہ 20 ویں صدی کا سب سے بڑا زلزلہ تھا، اس وقت ماڈزے تجک زندہ تھے، ان کی عمر 83 سال تھی اور وہ علیل تھے لیکن اس کے باوجود وہ تانگ شان پہنچ گئے، اس وقت پوری دنیا نے چین کو امداد کی پیشہ کی لیکن ماڈزے تجک نے امداد لینے سے مغدرت کر لی۔ ان کا کہنا تھا "قدرت نے یہ آفت چین پر اتاری ہے لہذا اسے برداشت بھی صرف چین کرے گا" اس دور میں کسی نے ماڈزے تجک کو مشورہ دیا، زلزلے کے باعث تانگ شان کی زمین کمزور

کبوتر کا انڈا

کسی نے ماڈزے تجک سے پوچھا "تو میں کیسے ترقی کرتی ہیں؟" انہوں نے جواب دیا "تو میں بھرناویں، مصیبتوں، آفتوں اور پریشانیوں سے ترقی کرتی ہیں" پوچھنے والے نے پوچھا "وہ کیسے؟" ماڈزے تجک نے کہا "قوموں کو عام حالات میں اپنے پیشہ کا اندازہ نہیں ہوتا، قوموں کو عام دنوں میں اپنی خامیوں کو تاہیوں اور اپنے نظام کی کمزوریوں کا علم نہیں ہوتا لیکن جب قوموں پر کراپر آتے ہیں، جب ان پر آفتیں، مصیبتیں اور پریشانیاں اترتی ہیں تو انہیں اپنے پیشہ اور شہنشاہ کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے اور یہ اپنے نظام کی خامیوں کو تاہیوں اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو جاتی ہیں" ماڈزے تجک کا کہنا تھا "لیکن جو قومیں بھرناویں سے نہیں سیکھتیں، جو بھرناویں کے دروان اپنے پیشہ اور خامیوں کا اندازہ نہیں لگاتیں وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کرتیں"۔

آپ ملاحظہ کریجئے چین نے تانگ شان کی آفت کا مقابلہ کس جرأت، عقل مندی اور سمجھ داری سے کیا ہے جب ہم چین کی اس مثال کو اپنے حالات کے سامنے رکھ کر دیکھتے ہیں تو ہم اپنے آپ کو حوصلے، عقل اور انتظام میں کوہ ہمالیہ کے سامنے کبوتر کا انڈا محسوس کرتے ہیں، ماڈزے تجک نے تانگ شان کے متاثرین کو پورے چین کا مہماں بنادیا تھا جبکہ ہم نے سوات، لوردیا اور یونیورسٹی کے مہماںوں کو شدید زخمی ہوئے، یہ چین کی ایک ہزار سالہ تاریخ کا دوسرا جگہ 20 ویں صدی کا سب سے بڑا زلزلہ تھا، اس وقت ماڈزے تجک زندہ تھے، ان کی عمر 83 سال تھی اور وہ علیل تھے لیکن اس کے باوجود وہ تانگ شان پہنچ گئے، اس وقت پوری دنیا نے چین کو امداد کی پیشہ کی لیکن ماڈزے تجک نے امداد لینے سے مغدرت کر لی۔ ان کا کہنا تھا "قدرت نے یہ آفت چین پر اتاری ہے لہذا اسے برداشت بھی صرف چین کرے گا" اس دور میں کسی نے ماڈزے تجک کو مشورہ دیا، زلزلے کے باعث تانگ شان کی زمین کمزور

کیمپوں میں پھینک کر مہاجرین بنادیا۔ ماڈلے نگ نے متاثرین اور مہاجرین کو پورے جیمن کامہمان بنادیا تھا جبکہ ہم لوگوں نے اپنے ہی بہنوں اور بھائیوں کو مہاجر، متاثرین اور انثرنی ڈس پلیسڈ پرسنر کام نام دے دیا، ہم میں اتنی اخلاقی جرأت بھی موجود نہیں کہ ہم انہیں "مہمان" ہی قرار دے دیں اور ہم نے اس آفت کو اپنا پوششل اور اپنے سُم کی خامیاں جا چکنے کا پیمانہ بنانے کی وجہ سے بھیک مانگنے کا ذریعہ بنا لیا۔ آج ہماری پوری حکومت ان ڈس پلیسڈ پرسنر کے نام پر دنیا بھر سے بھیک مانگ رہی ہے اور اس بھیک پر فخر بھی کر رہی ہے اور خوشیاں بھی منا رہی ہے، اور کمپوں میں پڑے ہمارے مہمان بھی ہمیں بد دعا نہیں دے رہے ہیں، یہ بھرائی کیمپس اور یہ 25 لاکھ لوگ ہماری مسٹنچنٹ، ہماری بے حسی اور ہماری بے وقوفیوں کی زندہ مثال بھی ہیں، یہ ثابت کرتے ہیں، ہم میں سکھنے اور چیزوں کو بہتر انداز میں پایہ سمجھیں تک پہنچانے کی صلاحیت موجود نہیں، ہم لوگ اگر تھوڑی عقل، شرم اور غیرت کا مظاہرہ کرتے، ہم ان 25 لاکھ لوگوں کو بھیک اور امداد کا ذریعہ بنانے کی وجہ سے انہیں اپنا ذاتی مہمان بنالیتے، صدر اور وزیر اعظم اپنی ذاتی جیب سے اگر بھی میں خاندانوں کی کفالت کی ذمہ داری لے لیتے، ان کے بعد تمام وفاقی اور صوبائی وزراء و میں خاندانوں، تمام ایم این ایز، تمام سینیٹر، تمام ایم پی ایز اور تمام ناظمین پانچ پانچ خاندانوں کی ذمہ داری اٹھاتے اور اس کے بعد حکومت عوام سے اپیل کرتی اور عوام ان لوگوں کو ایک سال کیلئے اپنا مہمان بنالیتے تو یہ لوگ نہ صرف پورے ملک میں تقسیم ہو جاتے بلکہ انہیں چھٹ بھی مل جاتی، روٹی بھی، دو ابھی اور روزگار بھی اور حکومت کیلئے ڈس پلیسڈ پرسنر کی آڑ میں چھپے طالبان پر نظر رکھنا بھی آسان ہو جاتا لیکن شاید ہم اس آبرومندانہ انتظام سے بھیک مانگنے کی عیاشی سے محروم ہو جاتے، ہماری بیوروکریسی کو بھی نوٹ کمانے کا موقع نہ ملتا۔ آج حکومت نے ایک ایک کمپ میں سو سو خادم بھرتی کر رکھے ہیں، ان خادموں کو روزانہ پانچ سوروپے ادا کئے جاتے ہیں اور سینکڑوں ٹھیکے داروں کو خیثے بنانے تاریں لگانے، بھلی کے کھبلوں کا بندوبست کرنے پانی اور عارضی، ہبتال تعمیر کرنے اور خوراک کے انتظام کے ٹھیکے مل چکے ہیں، ہم اگر ان مہمانوں کو ملک میں پھیلا دیتے تو یہ ٹھیکے دار کروڑوں اربوں روپوں سے محروم رہ جاتے اور وہ سارے افسر بھی بے روزگار ہو جاتے جنہیں متاثرین کی آڑ میں نہیں گاڑیاں خریدنے اور کروڑوں روپے جیب میں ڈالنے کا موقع مل رہا ہے چنانچہ ہم نے ان کیمپس کو بھیک مانگنے اور نوٹ کمانے کا ذریعہ بنادیا اور یہ اخیال ہے جب تک ہمیں بین الاقوامی برادری سے بھیک ملتی رہے گی اور ہماری بیوروکریسی کو ان کیمپوں سے دال روٹی ملتی رہے گی یہ کیمپس بھی قائم رہیں گے اور ہماری موقع پرست بیوروکریسی ڈس پلیسڈ لوگوں کے نام پر موجود بھی اڑاٹی رہے گی۔

ہم صرف ان کیمپوں سے نوٹ نہیں کمار ہے بلکہ ہم دس، پندرہ لاکھ صحت مند مردوں کو بے کار کیا ہارہے ہیں۔ آپ کسی کمپ میں جا کر دیکھ لیں آپ کو وہاں ہے کئے مرد خوراک کی قطار میں لڑے دکھائی دیں گے، حکومت اور کچھ نہیں کر سکتی تو کم از کم ان لوگوں کو روزگار کیلئے شہروں میں اگوارے یا پھر انہیں فوج کے ساتھ آپریشن کیلئے واپس بھیج دیا جائے تاکہ یہ سوات میں امن قائم کرنے کے لئے مدد کر سکیں۔ حکومت کو چاہیے کیمپوں میں صرف خواتین بھیوں اور بوزھوں کو رکھے اور تمام صحت مند مردوں کو کسی کام پر لگا دے، انہیں کمانے اور زندگی کو دوبارہ قدموں پر کھڑا کرنے کی ہدایت کرے کیونکہ ان ایسا نہ ہو، ہم ان دس، پندرہ لاکھ کار آمد مردوں کو بھکاری بنادیں اور یہ باقی زندگی امداد کیلئے ایوان صدر کی طرف دیکھتے رہیں۔

⊗ ⊗

لے کے مریض ہیں، آپ کی والدہ جوزوں کے دائی امراض کا شکار ہیں، آپ کی بیوی ماں بننے والی آپ کے بچے زیادہ دور تک چل نہیں سکتے، اس پرستم یہ کہ تمام الٰہ خانہ نے اپنے اپنے سروں پر کبے کی انحصار کئے ہیں اور آپ کے خاندان کے چاروں اطراف گولیاں بھی تیر رہی ہیں، اس عالم میں آپ کی والدہ کو گولی لگ جاتی ہے، ان کے جسم سے خون کا فوارہ ابل پڑتا ہے، آپ اپنے سر کا بکس نیچے پھینک دیتے ہیں، آپ اپنی والدہ کو کندھے پر اٹھاتے ہیں اور دوڑ پڑتے ہیں، آپ کا خاندان آپ کا ساتھ دیتا ہے، لیکن ان کیلئے اب بکے اٹھا کر دوڑنا ممکن نہیں ہوتا چنانچہ آیک ایک کر کے آپ کے سارے بکے راستے کو دس منٹ کیلئے اپنی گاڑی سڑک کے کنارے روکنا ہوگی، آپ گاڑی روکنے سوچ آف سیجھے الٰہ پشت سیٹ کے ساتھ لگائے، آنکھیں بند سیجھے اور ایک لمحہ کیلئے سوچنے آپ ایک پر امن زندگی گزار رہے ہیں، آپ نائین ٹو فائیو نوکری کرتے ہیں، سوٹ پہن کر دفتر جاتے ہیں، آپ کے دفتر میں سرد یوں میں ہیڑ آن ہو جاتا ہے اور اپریل کے آخری ہفتے میں اے سی، آپ دن ایک بجے سے دو بجے تک لگ کرتے ہیں اور آپ پانچ بجے اس صاف ستری حالت میں گھر کیلئے نکل کر رہے ہوتے ہیں کہ آپ کے کوٹ پر ملازمت کی ایک سلوٹ تک نہیں ہوتی، آپ کے بچے کسی خوف اور کسی خطرے کے بغیر روزانہ سکول جاتے ہیں، آپ کی بیکم مارکیٹ سے بزریاں، پھل اور دالیں خریدتی ہے اور اس دوران آپ کے گھر کے سارے دروازے کھلے رہتے ہیں، آپ نے زندگی میں کبھی چوکیدار نہیں رکھا، آپ کے پاس گاڑی کی سہولت بھی موجود ہے، آپ کی جیب میں ہر وقت اتنے پیسے ہوتے ہیں کہ آپ بلا جھک ضروریات زندگی خریدتے رہتے ہیں، آپ اپنی شامیں واک کرتے ہوئے دوستوں اور فیملی فرینڈز کی غبیتیں کرتے ہوئے اور ٹیلی ویژن پر سیاہ ناک شود سیکھتے ہوئے گزارتے ہیں لیکن پھر ایک روز اس زندگی کے سارے رنگ اڑ جاتے ہیں، آپ کے چاروں طرف گولیاں چلتی ہیں، آپ کی گلی کی نکڑ پر بم پھنتے ہیں مارٹر گرتے ہیں اور آپ کے ہمسایے کے گھر میں میراں آپختا ہے، آپ کے بچوں کے سکول بند ہو جاتے ہیں، آپ کا دفتر تباہ ہو جاتا ہے، نرکیں بلاک ہو جاتی ہیں، پڑول پہپ بند ہو جاتے ہیں، شہر میں کرفیو لگ جاتا ہے، بینک رقم دینے سے انکار کر دیتے ہیں، بازاروں سے اشیاء غائب ہو جاتی ہیں، آپ کے محلے آپ کی گلی میں نعشوں کا تھنپ پھیل جاتا ہے، آپ کی بیکل بند ہو جاتی ہے، پانی کی لائین کٹ جاتی ہے اور آپ کے پورے جسم پر زندگی کی سلوٹیں ابھر آتی ہیں، آپ کو اپنے بدن سے بدبو آنے لگتی ہے، اس لمحہ آپ اپنے خاندان کو بچانے کا فیصلہ کرتے ہیں، آپ گھر کا قیمتی سامان بکبوں میں بھرتے ہیں، یہ سارے بکے خاندان کے افراد کے سروں پر رکھتے ہیں، اللہ سے زندگی کی دعا کرتے ہیں اور آپ برستے ہوں اور ہوا میں تیرتی گولیوں کے درمیان گھر سے نکل کر رہے ہیں، آپ کے والد شوگر اور بلڈ جاتا ہے اور ان کے بازو یا انگ سے گولی نکلنے کی کوشش کی جاتی ہے، گولی نکل جاتی ہے لیکن اب "پین

ڈس پلیسٹ پرسن

ڈس پلیسٹ پاکستانی پالیٹیشن

آپ ایک سیاستدان ہیں، آپ تمیں برسوں سے سیاسی خطرنگ کے اہم مہرے ہیں ملک میں امریت ہو یا جھوہریت، فوج ہو یا پارلیمنٹ سیاست آپ کو "بائی پاس" نہیں کر سکتی۔ آپ ہر عہد اور ہر حکومت میں اپنا راستہ کھال لیتے ہیں۔ آپ پاکستان کے خوشحال ترین لوگوں میں بھی شمار ہوتے ہیں۔ کراچی، لاہور، اسلام آباد اور مری میں آپ کے گھر ہیں، مٹان اور بہاؤ پور میں آپ کی زمینیں ہیں، طار اور سیالکوٹ میں آپ کی فیکشیاں ہیں، کراچی میں آپ کا ایک پورٹ اپورٹ یا ہنس ہے اور آپ مختلف ہاؤسنگ سکیموں میں بھی حصے دار ہیں۔ آپ نے احتیاطاً یورپ اور امریکہ میں بھی اپنے اکاؤنٹس کھول رکھے ہیں، آپ نے بڑے وقت کیلئے یورپ میں فلیش اور ویلے بھی خرید رکھے ہیں اور آپ کے بیچ بھی ملک سے ہزاروں میل دور دنیا کے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں، چنانچہ آپ کی زندگی اور مستقبل دونوں ہر لحاظ سے "سکیور" ہے لیکن پھر ایک دن زندگی کے ان رنگوں میں بھنگ پڑ جاتا ہے اور آپ مینگورہ یونیورسٹی اور شانگھائی کے متاثرین جیسی صورتحال کا فکار ہو جاتے ہیں، آپ کی گنجی میں بہت سا بھروسہ ہے اور آپ کے مکالمے کا ٹرانسفر مراڑ جاتا ہے، میں فون کی لائیں کثیں ہے، مگر وہ کئی شیشے ثوٹ جاتے ہیں، آپ کے محلہ کا ٹرانسفر مراڑ جاتا ہے، میں فون کی لائیں کثیں ہے، میں موبائل کا ناڈرگر جانے سے نیٹ ورک جواب دے جاتا ہے، میں اچانک بند ہو جاتے ہیں، اے ایم میٹنیں جواب دے جاتی ہیں، مارکیٹس میں کتنے پھرنے لگتے ہیں، آپ کے کریڈٹ کارڈز بند ہو جاتے ہیں اور تمام دستوں رشتے داروں اور عزیزوں سے رابطہ منقطع ہو جاتے ہیں، آپ اپنے ہی گھر کی ٹلاشی لے کر رقم جمع کرتے ہیں، سارے ڈالر، یورو، روپیال اور روپے نکالتے ہیں، رقم جوڑتے ہیں تو یہ ڈھائی تین لاکھ روپے بنتے ہیں، آپ اپنے پاپورٹ اخھاتے ہیں، اپنی بیگم کو گاڑی میں بٹھاتے ہیں اور شہر سے فرار ہونے لگتے ہیں لیکن آپ جس طرف جاتے ہیں وہاں بہت رہے ہیں، گولیاں سنارہی ہیں، مارٹر گولے آسان پر لکیر بنا رہے ہیں، تمام سڑکوں پر طبلہ اور نیشیں پڑی ہیں، عمارتیں گرچکی ہیں، دکانوں کے شرپنڈ ہیں اور گلیوں، محلوں اور بازاروں میں جنگ جاری ہے، آپ آگ اور خون کے اس دریا میں جان بچاتے ہوئے بھاگ رہے ہیں، اچانک آپ کی گاڑی میں پڑوں کے خاتمے کی ہتھیں جل پڑتی ہے، آپ پڑوں کی ٹلاش شروع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے شہر کے تمام پڑوں پھیس بند ہیں، اسی دوران آپ کی گاڑی بند ہو جاتی ہے، آپ کے سڑا، آپ کے مانٹھے سے پسند بہتا ہے اور ریڑھ کی

گلری، موجود نہیں ہیں آپ اپنی والدہ کو سہارا دے کر آپ پہنچنے تھے لے آتے ہیں لیکن آپ اپ اپ اپ والدہ کو لے کر جائیں گے کہاں؟ رات آپ کے سر پر کھڑی ہے، پیٹ روٹی مانگتا ہے، سر کو چھانے کیلئے نحکانہ چاہیے، پھوکی ایڑھیوں سے خون لکل رہا ہے اور بیوی کے جسم میں آہستہ درد بکھرے لے رہا ہے، زمین نامہ ربان ہے، آسان اجنبی ہے اور آپ اپنے ہی وطن میں مہاجر ہو چکے ہیں، آپ پر طالبانی سوچ کا الزام بھی لگ رہا ہے، لوگ آپ کی بڑھی ہوئی شیو کو ملکوں نظرؤں سے دیکھ رہے ہیں، خیر ادارے کے اہلکار بہانے سے آپ کے قریب آتے ہیں اور آپ کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں نوہ لینے کی کوشش کرتے ہیں، مجھر آپ اور آپ کے خاندان کے زخموں کو اپنا رزق بنانے لگتے ہیں، آپ کے بچے خانی دیگوں اور پانی کے نیکنگی سے نیکنے قطروں کو حضرت سے دیکھ رہے ہیں، آپ کی زندگی والدہ درد سے کراہ رہی ہے اور آپ کا والد بار بار آسان کی طرف دیکھتا ہے اور اللہ سے موت کی دعا کرتا ہے، اس لمحے آپ غلق خدا کے سامنے جھوپی پھیلانے کا فیصلہ کرتے ہیں، آپ سوچتے ہیں آپ کے کپ سے باہر لکھنی، سڑک پر کھڑے ہو جائیں اور ہر گز رتے شخص کے سامنے ہاتھ پھیلادیں۔

آپ اپنی جگہ سے اٹھتے ہیں، یہ کپ کے دروازے کی طرف بڑھتے ہیں اور اس وقت تک آپ یہ بھی فراموش کر دیتے ہیں، آپ ایم اے پاس ہیں، آپ کے پاس دس دن پہلے تک ایک باعزت نوکری نہیں، آپ روز شیو کرتے تھے، سوت پہنچتے تھے، اپنی ذاتی کار پر دفتر جاتے تھے، آپ کے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے تھے، آپ کے بچے انگریزی سکول میں پڑھتے تھے اور اسلام آباد کے ایف ایلوں سکیلر میں آپ کا ذاتی گھر ہوتا تھا، آپ گرمیوں میں یورپ اور امریکا بھی جاتے تھے، آپ کا ایک بھائی ایم این اے تھا، دوسرا ذریعہ تھا، تیسرا فوج میں بریگیڈ یئر تھا اور باقی سارے کزن یوروکریٹ تھے، آپ بھول جاتے ہیں، آپ کے خاندان نے پچاس سال تک ملک پر حکمرانی کی تھی اور ملک کے تمام وسائل آپ کی کلاس سے ہو کر لوگوں تک پہنچتے تھے اور آپ کی زکوٰۃ اور خیرات پر درجنوں خاندان پہنچتے تھے، آپ یہ ساری باتیں اپنا سارا ماضی فراموش کر دیتے ہیں، کیونکہ اس لمحے آپ صرف اور صرف ایک انسان ہوتے ہیں، ایک محروم بے بس اور مسکین انسان، آپ ایک مہاجر ہیں، ایک پناہ گزیں، ایک ڈس پلیسٹ پر سن ایک ایسا منگتا جس کے پاس اب ہاتھ پھیلانے کے سوا کوئی آپنے نہیں بچا، آپ سڑک پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور آپ اپنی طرف آنے والے پہلے انسان کی طرف ہاتھ بڑھانے لگتے ہیں، ٹھیک اس لمحے آپ کے شور میں ایک سوال ابھرتا ہے، آپ سے آپ کا باطن پوچھتا ہے "مجھے قدرت نے کس جرم کی سزا دی،" آپ اپنے اس سوال کا جواب ہی تلاش کر رہے ہوتے ہیں، کہ آپ کی زندگی کا پہلا مختبر شخص آپ کے قریب پہنچ جاتا ہے اور آپ ایک ملینیکل عمل کے تحت اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلادیتے ہیں۔ (جاری ہے)

ہڈی کے آخری سرے تک بخیج جاتا ہے، گولیاں آپ کی گاڑی سے نکرانے لگتی ہیں، آپ گاڑی کے ٹالہ پخنچ کی آواز سننے ہیں، آپ کی ونڈ سکرین دانہ دانہ ہو کر آپ کے پاؤں میں بھر جاتی ہے، آپ کی ہمپل رشتہوں کی روئی اڑاڑ کر ہوا میں بکھرتی ہے، آپ کی نیگم چیختے ہوئے آپ کو ہلاتی ہیں، آپ جھر جھری لیتے ہیں، گاڑی کا دروازہ کھولتے ہیں، نیگم کا ہاتھ پکڑتے ہیں اور سڑک پر اندر ہند بھاگ کرے ہوتے ہیں، اس عالم میں اچانک کسی طرف سے ایک گولی آتی ہے اور آپ کی نیگم کے سینے سے پار ہو جاتی ہے، ان کا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے الگ ہوتا ہے، وہ سڑک پر گر جاتی ہیں اور آپ زندگی کی دوز میں ان سے آگے نکل جاتے ہیں، آپ ان کی طرف مزکر بھی نہیں دیکھتے۔

آپ کسی نہ کسی طرح اڑ پورٹ بخیج جاتے ہیں، آپ کو معلوم ہوتا ہے تمام فلاںش بند ہیں، آپ یوں کے لوگوں سے رابطہ کرتے ہیں، آپ اپنا "شیش" بتاتے ہیں، وہ آپ سے مغدرت کر لیتے ہیں، آپ ان کی فتن کرتے ہیں، آپ ان کی بخوبی پر ہاتھ لگاتے ہیں، ان کے پاؤں پکڑتے ہیں، آپ کی گریہ وزاری پر کسی ایک شخص کو ترس آ جاتا ہے چنانچہ وہ آپ کوی ون ٹھرٹی میں سوار کر لیتا ہے، آپ بڑی مشکل سے کراچی بخیجتے ہیں، کراچی میں آپ کو معلوم ہوتا ہے آپ کے نیجراز آپ کا سارا سرمایہ لے کر ملک سے فرار ہو چکے ہیں، آپ کی پر اپرٹی پر غیر دوں کا قبضہ ہو چکا ہے اور آپ کے تمام دوست ملک سے باہر نکل ہو چکے ہیں، آپ پریشانی کے عالم میں سوچتے ہیں اب آپ کیا کریں؟ آپ بھی ملک سے فرار ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں لیکن اس وقت پڑھ چلتا ہے فلاںش بہت کم ہیں اور مسافر زیادہ۔ آپ نکل کے حصول میں مصروف ہو جاتے ہیں، آپ ان لوگوں کی فتن کرتے ہیں جن کو آپ نے زندگی میں بھی منہ نکل نہیں لگایا تھا، آپ کو لوگوں کے پاؤں تک چھوٹا پڑتے ہیں اور آخر میں خوش قسمتی سے آپ ایک نکٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، آپ کو جہاز میں سوار ہونے کیلئے چالیس گھنٹے اڑ پورٹ کے فرش پر بیٹھنا اور لینا پڑتا ہے، آپ کے کپڑے داغ دار ہو جاتے ہیں، آپ کی شیو بڑھ جاتی ہے بال بھر جاتے ہیں اور آپ کے جسم سے بدبو کے بھمکے اٹھنے لگتے ہیں لیکن آپ ان کی قطعاً پرواہ نہیں کرتے کیونکہ جب زندگی سب سے بڑی منزل بن جاتی ہے تو بدبو شیو اور داغ بہت معمولی ہو جاتے ہیں بہر حال آپ جہاز میں سوار ہونے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، آپ سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں اور جوں ہی جہاز ہوا میں بلند ہوتا ہے آپ زندگی میں پہلی بار صدق دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

آپ ایک طویل سفر کے بعد یورپ میں اترتے ہیں لیکن آپ جوں ہی امیر بیش کی قطار میں کھڑے ہوتے ہیں تو پولیس کا ایک الہکار آپ کے پاس آتا ہے اور آپ کو دوسرے مسافروں سے الگ کر لیتا ہے، آپ کو تحقیقات کیلئے کمرے میں لے جاتا ہے اور وہ لوگ مولا ناصوفی محمد، مولا نافضل اللہ اور

کیپ کا گارڈ کر خخت آواز میں چیختا ہے "مودودو"۔ (جاری ہے)

ڈس پلیسڈ اسٹمپلشمنٹ

اور اگر آپ پاکستان کی اسٹمپلشمنٹ ہیں، آپ جزل ہیں، سیکرٹری ہیں، چیئرمین ہیں، آئی ہی ہیں اور ڈائریکٹر جزل ہیں، آپ دو دوائیکڑ کے گروں میں رہتے تھے، آپ کو سرکاری گاڑیاں ملتی تھیں گاڑیوں کا پڑوں اور سرمت مفت ہوتی تھی، حکومت ٹیلی فون، گیس، خانامان مالی، چوکیدار، ڈرائیور، ڈی اے ڈی اے اور ٹیلی فون آپ پر یہ کی سہولت فراہم کرتی تھی، آپ کوئی اے اور ڈی اے بھی ملتا تھا، آپ آپ کے بھجوں اور والدین کا میڈیا یکل بھی فری تھا، آپ نے سرکاری خزانے سے تیس چالیس ٹکلوں کے دورے بھی کئے تھے، آپ کو قایوس شار میسوں اور گلبوں کی سہولت بھی حاصل تھی، آپ کی شامیں گالف کو رسرا اور راتیں پارٹیوں میں گزرتی تھیں، آپ کو ریٹارنٹ سے پہلے چار پانچ کروڑ روپے کا پلاٹ بھی مل جاتا تھا اور آپ سرکاری ٹھیکے داروں کے ذریعے اس پر محل جیسا گھر بھی بنایتے تھے، آپ کے پانچ سرکاری نظیفوں پر غیر ملکی یونیورسٹیوں میں پڑھتے تھے، آپ کے ایک ایک دستخط کی مالیت پانچ پانچ دس کروڑ روپے تھی اور آپ عمر بھراں مالیت سے دل کھول کر "استفادہ" کرتے رہے تھے، آپ کے دائیں بائیں حکومتیں تبدیل ہوتی تھیں، ایک حکمران اقتدار کے ایوان سے نکل کر جیل جاتا تھا اور دوسرا جیل سے نکل کر ایوان اقتدار میں داخل ہو جاتا تھا لیکن آپ کا پرانا اپنی جگہ قائم رہتا تھا، آپ عارضی اقتدار کے مستقل ستون تھے، آپ ملک کے حقیقتاً بادشاہ تھے، لاکھوں کروڑوں لوگوں کا مقدار آپ کی میز اور کری کے گرد گھومتا تھا، آپ کو طاقت کے اس اندر ہے ارکا ز نے فرعون بنا دیا تھا چنانچہ آپ نے سرکاری دفتروں اور سرکاری نظام کو پاگل خانے کی شکل دے دی تھی، آپ کے دفتر ایسی بھول بھلیاں بن گئے تھے جن میں جو شخص ایک بار قدم رکھ دیتا تھا وہ پوری زندگی ان بھول بھلیوں سے باہر نہیں نکل سکتا تھا، آپ کے سرکاری نظام میں داخل ہونے والا کاغذ فائل بلکہ درجنوں فائلیں بن جاتا تھا لیکن سائل کا کام نہیں ہوتا تھا، لوگوں کو پیدا کش اور انتقال کا سر ٹیکلیٹ لینے، شناختی کارڈ اور پاسپورٹ بنوانے حتیٰ کہ قبر کیلئے زمین تک الٹ کرنے کیلئے برسوں انتظار کرنا پڑتا تھا۔ آپ نے ایک ایسا نظام ترتیب دے رکھا تھا جس میں کوئی سائل اگر وقت معلوم کرنے کی درخواست دے دیتا تھا تو اسے دو دو سال تک اس کا جواب نہیں ملتا تھا اور کسی بد نصیب کو اگر کسی ہبتال سے آسی بھیجنا درکار ہوتی تھی تو اس کی درخواست بوزیر

او جاتی تھی لیکن اسے تمدن منٹ کیلئے آسی بھیجنا کام سکھیں گلتا تھا۔ آپ اس قدر طاقتور تھے کہ اگر چاہتے تو پھر اس پچھا ہزار ایکڑ زمینوں پر قبضہ کر لیتے تھے اور کوئی آپ کی طرف انگلی تک نہ اٹھا سکتا تھا۔ آپ اسی بھی وقت "قومی مفاد" کو جواز ہنا کر اقتدار پر قابض ہو سکتے تھے اور آخری سانس تک جس قاعدے، جس قانون اور آئین کی جس دفعہ سے چاہتے اپنے جو تے صاف کرتے تھے۔ آپ اس قدر طاقتور تھے کہ آپ اگر ملک بھی توڑ دیتے تو بھی آپ کو پر جم میں پیٹ کر اور گارڈ آف آزدے کر دفن کیا جاتا تھا، اور آپ پورے ملک کو برباد کر دیتے تو بھی آپ کو سلامی دے کر ایوان اقتدار سے رخصت کیا جاتا تھا اور آپ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی پورے پرونوں اور یکورٹی کے ساتھ ملک میں گھومنے تھے اور ملکی قوانین کا ماق اڑاتے تھے لیکن پھر آپ کے ساتھ بھی وہی ہوا جو میکورہ، شانگھائی، یونیورسٹری اور دیر کے لوگوں کے ساتھ ہوا، آپ کے ساتھ کیا ہوا؟

آپ کے گھر کے قریب اچانک ایک بم پھٹا، آپ کے گھر کے سارے شش ٹوٹ گئے اور آپ کی گاڑیاں جاہاں ہو گئیں، آپ گھبرا کر باہر نکلے تو آپ کے چاروں اطراف گولیاں سننا رہی تھیں، آپ نیکم صاحب، اپنی بہو اور پوتے پوتوں کے ساتھ ہمہ مفت میں چھپ گئے، آپ کے گھر کے چاروں طرف ہیلائک ہو رہی تھی، دھماکوں کی آوازیں آرہی تھیں اور آپ نیکم میں پہنچے بیٹھنے تھے، آپ کے گارڈز تو کرچا کر اور ڈرائیور بھاگ جاتے ہیں، آپ کا فرنچ آہستہ آہستہ خالی ہو جاتا ہے، آپ کی بجلی اور ٹیلی فون بند ہو جاتا ہے اور آپ بری طرح خوراک کی کمی کا شکار ہو جاتے ہیں، آپ اس وقت گھر سے نکلنے کا فیصلہ کرتے ہیں، آپ نیکم صاحب، بہو اور پوتے پوتوں کو لے کر اپنے محل سے باہر نکلتے ہیں لیکن آپ باہر کی صورت حال دیکھتے ہیں تو آپ کو بے اختیار کابل، بغداد اور بیروت یاد آ جاتے ہیں، آپ کو یاد آ جاتا ہے آپ اپنی خندی نہ سڑی میں گھوڑے کی کھال کے صوفے پر بیٹھ کر اطالبی کافی کامگ اٹھا کر جا پانی پلاز میں پر یہ مناظر دیکھا کرتے تھے اور نہیں کر سکتے تھے یہ کتنے بے وقوف لوگ ہیں، انہوں نے امریکا کو اپنادشیں بنا لیا، آپ کو اپنی جنت اجڑی ہو کی دکھائی دیتی ہے، پورے شہر میں بلکہ آؤٹ ہے، نہیں سڑکوں پر پڑی ہیں، گھروں کے دروازے کھلے ہیں، مارکیٹیں لٹی پٹی ہیں اور حشر کے اس میدان میں آپ اپنے سبھے ہوئے پوتے پوتوں کے ساتھ کسی ان دیکھی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں، زندگی کی تلاش میں پھرتے ان لمحوں کے دوران اچانک کسی طرف سے ایک گولی آتی ہے اور آپ کے پوتے کے جسم میں کم ہو جاتی ہے آپ کا پوتا دل دوز جن مارتا ہے، آپ اسے اٹھاتے ہیں اور دیوانہ وارد وڑ پڑتے ہیں، آپ کی نیکم، آپ کی بہو اور آپ کے دوسرے پوتے پوتوں بھی چیختے ہیں اور آپ کے ساتھ دوڑنے لگتے ہیں،

ڈس پلیسٹ اینکر پرسن

آپ پاکستان کے مقبول ترین اینکر پرسن ہیں، آپ کا شماران میلی ویژن اینکرز میں ہوتا ہے انہوں نے عملی زندگی کا آغاز پرنٹ میڈیا سے کیا، صحفت میں جھنڈے گاڑھے اور جب پرائیویٹ میلی ویژن چنلز شروع ہوئے تو آپ میلی ویژن سکرین پر ظاہر ہو گئے، آپ ایوان اقتدار کے "ان سائیڈز" میں آپ بڑی بڑی سیاسی جماعتوں کے بڑے بڑے قائدین کے ذاتی دوست تھے، آپ یوروکریسی کے اعلیٰ سرکل میں بھی "ان" تھے، آپ سفارتخانوں کی تمام تقریبات میں بھی دیکھے جاتے تھے، آپ خفیہ اور ظاہری اداروں کی بریلنگر بھی اٹینڈ کرتے تھے اور آپ کو واقعات کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے ہی ان کی اطلاع مل جاتی تھی چنانچہ آپ کا شو کامیاب چل رہا تھا۔ آپ کے مہمان سیاستدان آپ سے سکرین پر الجھنے سے پرہیز کرتے تھے کیونکہ آپ ان کی خامیوں اور کوتاہیوں سے بھی واقف تھے اور آپ ان کے ماضی کے بھی یعنی شاہد تھے۔ آپ کے چند لفظ ملک میں آگ لگادیتے تھے اور چند بول جلتی ہیں پر بارش ثابت ہوتے تھے، آپ کے کیسرے اور آپ کے مائیک کو ملک کا کوئی قانون، کوئی ضابطہ نہیں روک سکتا تھا، آپ جو دکھانا چاہتے تھے آپ دکھاتے تھے اور جو بولنا چاہتے تھے آپ بولتے تھے۔ آپ کنگ میر بھی تھے، آپ جس کا جھنڈا اٹھاتے تھے وہ ملک کا بادشاہ بن جاتا تھا اور جس کی یونیفارم اہم نے پر کربستہ ہو جاتے تھے وہ نیکر میں ملک سے بھاگنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ آپ نے جوں اور وکیلوں کی تحریک چلائی وہ کامیاب ہو گئی، آپ نے طالبان کو مظلوم ثابت کیا وہ ہو گئے، آپ نے طالبان کو بعد ازاں ظالم اور ان پڑھاتا بنت کیا وہ ہو گئے۔ آپ نے سوات کے امن معابرے کی تائید کی امن معابرہ سے پوری دنیا نے اپنی فلاں میں بند کر دی، آپ نے اس معابرے کے خلاف بولنا شروع کیا سوات میں ملٹری آپریشن شروع ہو گیا۔ آپ نے لبرل ازم کا جھنڈا اٹھایا ملک میں لبرل ازم کا سیالاب آگیا، آپ نے اسلامی شریعت زندہ باد کے نفرے لگائے شریعت کا سویا ہوا مطالبه جاگ گیا، آپ نے کریکر دھماکوں کو ہیڈ لائن بنایا کریکر دھماکے میدان حشر کا منظر پیش کرنے لگے اور آپ نے کوڑوں کی جعلی ویڈیو کو خبر بنایا ملک پوری دنیا میں بدنام ہو گیا۔ آپ ملک میں اس قدر مضبوط تھے کہ ملک کا کوئی قانون، کوئی ضابطہ اور کوئی اصول آپ کی آزادی کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتا تھا، آپ نے شیٹ کے اندر اپنی شیٹ قائم کر لی تھی اور آپ کی شیٹ باہر کی شیٹ سے کہیں زیادہ مضبوط تھی، آپ میلی ویژن چنلز کیلئے سونے کی کان تھے، آپ کی میز پر

اس دوران آپ کے سارے خاندان کے پاؤں سے جوتے نکل جاتے ہیں لیکن آپ لوگ اس کی پرداہ کے بغیر دوڑتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ آپ یوain کے کمپ تک پہنچ جاتے ہیں۔

آپ کمپ میں پہنچ کر اٹھیناں کا سانس لیتے ہیں لیکن آپ کا اصل امتحان بھی باقی ہے، آپ ہزاروں لوگوں کو نگلی زمین اور کھلے آسمان تلے پڑا دیکھتے ہیں، یہ تمام لوگ بیمار بھی ہیں، زخمی بھی ہیں اور بھوکے بھی ہیں، آپ خوراک کی قطار کی طرف دیکھتے ہیں، آپ ریڈ کراس کے خیڑے کی طرف دیکھتے ہیں، آپ رجسٹریشن آفس کی طرف دیکھتے ہیں، تمام خیموں کے سامنے ہزاروں لوگ کھڑے ہیں اور قطار میں جو نوٹ کی رفتار سے آگے بڑھ رہی ہیں، آپ کمپ کے انچارج کے خیڑے میں جاتے ہیں، آپ کو بتایا جاتا ہے کہ کمپ انچارج چھٹی پر ہے، تین دن بعد آئے گا، آپ کا خون کھول اٹھتا ہے لیکن آپ کو اچانک یاد آتا ہے آپ کے دفتر میں بھی جب کوئی سائل آتا تھا تو اسے بھی سہی جواب ملتا تھا "صاحب چھٹی پر ہیں" آپ ڈپٹی انچارج کے خیڑے کی طرف بڑھتے ہیں آپ کو بتایا جاتا ہے "صاحب مینگ میں ہیں، صح فارغ ہوں گے" آپ کلر کے پاس جاتے ہیں، آپ اس کو اپنا تعارف کرتے ہیں لیکن وہ بات نے بغیر آپ کو حکم دیتا ہے "آپ تحریری درخواست دے دیں میں صحح صاحب کو پہنچا دوں گا" آپ دوسرے کلر کے پاس جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے وہ چھٹی کر گیا ہے اور دوسری شفت کا کلر ابھی ڈیوٹی پر نہیں پہنچا، آپ کمپ کے کمائڈر کا نام معلوم کرتے ہیں آپ یہ جان کر خوشی سے دیوانے ہو جاتے ہیں وہ تمیں سال پہلے بوسنیا میں آپ کا کوئی رہا تھا، آپ خوشی خوشی اس کے خیڑے میں جاتے ہیں آپ بڑی مشکل سے اپنی پہچان کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں آپ اس سے درخواست کرتے ہیں وہ آپ کو کسی ایگزیکٹو یا دی آئی پیڈ کمپ میں شفت کر دے لیکن وہ آپ کو بتاتا ہے تمام کمپس میں مختلف وبا میں پھیلی ہوئی ہیں چنانچہ کسی کمپ کا پناہ گزین کسی دوسرے کمپ میں نہیں جا سکتا، آپ اس کی منت کرتے ہیں کہ وہ آپ کو ملک سے باہر بھجوادے لیکن وہ آپ کو بتاتا ہے کاٹوڈ یونکی اور برڈ فلو کے اندیشے کی وجہ سے پوری دنیا نے اپنی فلاں میں بند کر دی ہیں چنانچہ آپ اب اس کمپ کے علاوہ کہیں نہیں جا سکتے، آپ مایوس ہو کر باہر نکلتے ہیں اور چپ چاپ خوراک کی قطار میں کھڑے ہو جاتے ہیں آپ اس وقت آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور اپنے آپ سے پوچھتے ہیں "آخر مجھے کس جرم کی سزا میں" آپ ابھی جواب تلاش کر رہے ہو تے ہیں کہ آپ سے پیچھے کہرا پناہ گزین آپ کو دھکا دیتا ہے اور غصے سے چلاتا ہے اور آگے چل نا، بڑا آیا نواب، اور آپ مز کر بے بسی سے اس کی طرف دیکھتے ہیں آپ کے پیچھے ایک بد بودار بلڈی سولیں کھڑا ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

روزانہ کوئی نہ کوئی نہ کوئی نہ پیش کریں آتی تھی اور آپ اسے پائے حقارت سے مکرا دیتے تھے، اخبارات اور میلی ویژن جنلری کے مالکان بھی آپ کے سامنے بے بس تھے، وہ اگر آپ کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتے تھے تو ان کے چینل کی "ویورشپ"، کم ہو جاتی تھی اور وہ اگر آپ کو "فری ہینڈ" دیتے تھے تو حکومت ان سے ناراض ہو جاتی تھی، آپ ملک میں ہیر و کی طرح زندگی گزارتے تھے لیکن پھر ایک دن آپ کے دروازے پر بھی بڑے دن دستک دیتے ہیں، آپ گھبرا کر باہر آتے ہیں تو آپ اپنی مردک کو مینکورہ، شانگلہ، یونیورسٹی اور لورڈی بنا دیکھتے ہیں، آپ کی گلی میں بھی بم پھنتے ہیں اور آپ کے دامیں باسیں اور اوپر نیچے سے بھی گولیاں سناتی ہیں۔ آپ بحمدہ را اور "ولی انفارڈ" شخص تھے چنانچہ آپ نے اپنے پھول، اپنی بیگم اور اپنے والدین کو دو ماہ پہلے ہی ملک سے باہر منتقل کر دیا تھا اور آپ نے اپنے پاسپورٹ پر یورپ اور امریکا کے پانچ پانچ سال کے دینے لگوالئے تھے، آپ فوراً اپنا بیک اخاتے ہیں، گھر کو تلاش گاتے ہیں اور ایسپر پورٹ کی طرف بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، آپ کو راستے میں معلوم ہوتا ہے ملک کے کیوں نیکیوں کے تمام ذرائع معطل ہو چکے ہیں، سیلہاٹ کا لنک ڈاؤن ہے، کیبل کا نیٹ ورک ختم ہو چکا ہے اور میلی فون لائیں ڈیلہ ہو چکی ہیں، تمام جنلری کی شریات معطل ہیں، شہر کی ساری سڑکیں بلاک ہیں، گھیوں اور محلوں میں نیشنل بھری پڑی ہیں، گھروں کے دروازے کھلے ہیں اور دکانیں لٹ پچکی ہیں، جبکہ ساری آبادی کیپوں میں شفت ہو چکی ہے، آپ بھاگتے، دوڑتے، گرتے، پڑتے ایسپر پورٹ پہنچتے ہیں، یہ این کا آخری سی ون حصہ صحافیوں کو لے جانے کیلئے ایسپر پورٹ پر تیار کھڑا ہے، آپ چیسے تیسے جہاز میں سوار ہو جاتے ہیں، جہاز ہوائی بلند ہوتا ہے، آپ لمبی سانس لیتے ہیں اور اللہ کا لاکھلا کھشکردا کرتے ہیں۔

آپ یورپ پہنچ جاتے ہیں، آپ کوس سے پہلے کیمپ میں لے جایا جاتا ہے، حکومت کی کوشش ہوتی ہے وہ آپ کو دوسرے پناہ گزینوں کی طرح کمپ تک مدد و دردے لیکن حکومت صحافیوں کی بین الاقوامی تنظیموں سے ڈر جاتی ہے، چنانچہ آپ کو چند دن بعد چھوڑ دیا جاتا ہے، آپ اپنے خاندان کو ایک کرے کے چھوٹے سے فلیٹ میں رکھتے ہیں اور نوکری کی تلاش میں نکل کھڑے ہوتے ہیں، آپ بہت پر امید ہیں کیونکہ دنیا بھر کا میڈیا آپ کے "نیپر" لیا کرتا تھا اور یورپ کے تقریباً تمام جنلری میں آپ کے دوست موجود ہیں لیکن آپ جوں ہی یورپی جنلری سے رابطہ کرتے ہیں، آپ ان کے رویے پر جرمان رہ جاتے ہیں، یورپی جنلری آپ کے انگریزی تلفظ کو غیر معاشری قرار دے دیتے ہیں، آپ کی آئیڈی یا لوچی پر بھی ملک کیا جاتا ہے، آپ کو بتایا جاتا ہے، آپ کے طالبان سے "لنکس" تھے چنانچہ آپ کی سیکورٹی کلیئر نہیں، آپ کو شدت پسند اتھا پسند اور مذہبی جنوںی بھی قرار دیا جاتا ہے، آپ ان کو بتاتے ہیں آپ ایک لبرل اور روشن خیال صحافی ہیں۔ اس جواز پر آپ سے پوچھا جاتا ہے "کیا آپ پورک کا گوشت کھاتے

ہیں" آپ فوراً نفرت سے انکار میں سر ہلا دیتے ہیں، آپ سے پوچھا جاتا ہے "اور کیا آپ نے جن نہیں کیا؟" کیا آپ اب تک چار پانچ عمر نہیں کر چکے ہیں اور آپ کی بیگم نے اسلامیات میں ایم اے نہیں کیا اور آپ کے ایک بچے نے آدھا قرآن مجید حفظ نہیں کیا، آپ ہاں میں سر ہلا دیتے ہیں، آپ سے پوچھا جاتا ہے "آپ پھر خود کو لبرل اور روشن خیال کیے کہہ سکتے ہیں، آپ اس الزام کے جواب میں کلڑوں جواز پیش کرتے ہیں مگر آپ کا کوئی جواز تسلیم نہیں کیا جاتا، آپ انہیں بتاتے ہیں آپ پاکستان کے مقبول ترین اسکرپشن تھے، لوگ آپ کے ہاتھ چوتھے تھے وہ آپ کی یہ دلیل سکر قہقہہ لگاتے ہیں اور پہنچتے ہیں "آپ کے ہاتھ کیوں چوئے جاتے تھے، آپ بتاتے ہیں آپ مقبول تھے اسلئے۔ آپ کو بتایا جاتا ہے آپ کے ہاتھ اسلئے چوئے جاتے تھے کہ آپ شدت پسند تھے، آپ انکار کرتے ہیں لیکن آپ کا یہ انکار بھی تسلیم نہیں کیا جاتا۔

آپ کئی ماہ تک دھکے کھاتے ہیں لیکن یورپ کا کوئی ادارہ آپ کو نوکری دینے کیلئے تیار نہیں ہوتا، آپ امریکا اور میل ایسٹ جانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن کیونکہ آپ پناہ گزین ہیں اور کوئی پناہ کریں ملک نہیں چھوڑ سکتا، آپ صحافت کے علاوہ نوکری تلاش کرتے ہیں لیکن آپ کو کوئی ادارہ کلرک، آفس بوانے اور چپڑا اسی تک رکھنے کیلئے تیار نہیں ہوتا، آپ کار و بار کا منصوبہ بناتے ہیں لیکن کسی پناہ گزین کو یورپ کے کسی ملک میں کار و بار کی اجازت نہیں ہوتی لہذا آپ زوال بے بسی اور بے کسی کی ولد میں ڈوبتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کے تمام دوست، تمام ناظر، تمام قارئین اور تمام دعا گوایک ایک کر کے آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کے گھر میں فاقوں کی نوبت آ جاتی ہے، آپ کا مالک مکان آپ کو گھر خالی کرنے کا نوٹس دے دیتا ہے، آپ کے پاس اب کوئی مکان نہیں، روزگار کا کوئی ذریعہ نہیں اور آپ کسی ملک کے شہری نہیں۔ آپ فقط ایک پناہ گزین ہیں لاکھوں کروڑوں دوسرے پناہ میں گزینوں کی طرح ایک پناہ گزین چنانچہ آپ کے سامنے اب صرف ایک آپشن پیچتا ہے، آپ اپنی فیملی کے ساتھ پناہ گزین کمپ میں منتقل ہو جاتے ہیں، آپ کمپ میں داخل ہوتے ہیں اور پورے خاندان سمیت خواک کی قطار میں لگ جاتے ہیں، آپ اس لمحے آسمان کی طرف دیکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں "یا باری تعالیٰ آخر میرا کیا قصور تھا، آپ کو ابھی کوئی جواب نہیں ملتا کہ آپ کو اچاک ٹھوک گئتی ہے اور آپ اپنے آگے کھڑے پناہ گزین کے قدموں میں گرجاتے ہیں، آپ اس وقت اپنے آپ سے پوچھتے ہیں "کیا میں وہی شخص ہوں لوگ جس کے ہاتھ چوما کرتے تھے۔" (جاری ہے)

لے دیہات، قصبوں اور شہروں کے چیدہ چیدہ لوگوں کو نشانہ بنانا شروع کیا یہ لوگ اس وقت بھی خاموش رہے جب انہا پسندوں نے سرکاری دفاتر بند کر دیئے، سکولوں کو دھماکوں سے اڑا دیا، سڑکوں پر ناکے لگا ریکس وصول کرنا شروع کئے اور پورے پورے شہر کو اپنے قبضے میں کر لیا اور یہ لوگ اس وقت بھی خاموش رہے جب نامنہاد طالبان نے ان لوگوں پر اپنی مرضی کی شریعت نافذ کر دی لہذا یہ ان لوگوں کی خاموشی اور پھر تھی جس کی سزاقدرت نے انہیں دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ آج یہ لوگ کمپوں میں پڑے ہیں۔ آپ طالبان کی تعداد نکلا کر دیکھ لجھے پاکستانی اداروں کے اعداد و شمار کے مطابق یہ لوگ شروع میں سازھے تین ہزار تھے اور آج ان کی تعداد ساڑھے تیرہ ہزار ہے۔ اگر سوات کے 20 لاکھ لوگ شروع ہی میں ان تین چار ہزار لوگوں کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیتے یہ لوگ انہیں اپنے دیہات، قصبوں اور شہروں میں قبضہ نہ کرنے دیتے تو یہ آج یہوں کمپوں میں نہ پڑے ہوتے، یہ آج یہوں دوسروں کی امداد کے محتاج نہ ہوتے۔

ہم بھی اگر اس پورے ملک کو سوات، بونیر اور لوردیر بننے سے بچانا چاہتے ہیں، ہم لوگ بھی اگر ڈس پلیسڈ سیز، ڈس پلیسڈ پالی ٹیشن، ڈس پلیسڈ اسٹبلیوٹ، ڈس پلیسڈ اسٹکر پر ہم اور ڈس پلیسڈ نیشن کے انجام سے بچنا چاہتے ہیں، ہم بھی اگر کمپوں کی ذلت اور خواراک کی قطاروں میں کھڑے ہوئے کی ہزیرت سے بچنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں خاموشی توڑنا ہو گی، ہمیں معاشرے کیلئے اپنا فعال کردار ادا کرنا ہو گا۔ ہمیں حلیم کرنا ہو گا ہمارے ملک میں سماجی اور قانونی انصاف موجود ہیں چنانچہ ہماری پولیس، انتظامیہ اور جو ڈیشی کو ڈس پلیسڈ ہونے سے پہلے پہلے اپنا قبلہ درست کر لینا چاہئے۔ آج سے تمام ججو، وکلاء اور تمام پولیس اہلکار اپنی خاموشی توڑ نے کا اعلان کر دیں یہ لوگ جائز کو جائز اور ناجائز کو ناجائز کرنے کی جرأت پیدا کر لیں اور لوگوں کو فوری انصاف فراہم کریں خواہ انصاف کی فراہمی میں ان کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ ہمارے تمام سیاستدان اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں، یہ اپنے ناجائز اشاؤں سے دست بردار ہو جائیں، اگر ان میں اتنی جرأت نہیں تو یہ اپنے خزانے عوام کی دلیفیت پر لگانا شروع کر دیں، اس سے تعلیمی ادارے بنائیں، ہسپتال قائم کریں اور ایسی چھوٹی چھوٹی صنعتیں لگائیں جن کی ساری کمی دوسرے انسان کو تکلیف نہیں پہنچائی لہذا سوال پیدا ہوتا ہے قدرت نے پھر انہیں کس جرم، کس گناہ کی سزا دی؟ میں آپ کو یہ بھی عرض کرتا چلوں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اولیائے کرام اور مقرب بندوں کو تحریر پر مجبور کرتا ہے یا پھر ان لوگوں کو جنہیں سزا دینا مقصود ہو اور ظاہر ہے یہ 20 لاکھ لوگ اولیائے کرام کی جماعت نہیں ہیں لہذا پھر ان لوگوں کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟ ان لوگوں کو خاموشی کی سزا مل رہی ہے یہ لوگ اس وقت خاموش رہے تھے جب طالبان کی شکل میں ظالم ان پڑھا اور سخت گیر لوگ ان کی بستیوں میں داخل ہو رہے تھے یہ لوگ اس وقت بھی خاموش رہے تھے جب شدت پسندوں نے ان

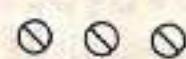
ڈس پلیسڈ نیشن

ٹوئن بی دنیا کا نامور مؤرخ تھا، اس نے تاریخ کی ایک معزکتہ آثار اکتاب تحریر کی، یہ دنیا کی قدیم قوموں کے عروج و زوال کی کہانی تھی، آپ اگر قوموں کی تخلیل اور تجزیب کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ ٹوئن بی کو ضرور پڑھیں، آپ کو انسان کی ساری معاشرتی سرشت سمجھ آجائے گی۔ ٹوئن بی نے عروج و زوال کی اس داستان کے درمیان ایک جگہ اپنے آپ سے حیرت سے پوچھا "میں جی ان ہوں جب کسی قوم پر قدرت کا عذاب نازل ہوتا ہے تو اس قوم کے اچھے نیک، سمجھدار اور پڑھنے لکھنے لوگ بھی اسی انجام کا دلکار کیوں ہو جاتے ہیں جس سے اس قوم کے برے ظالم غاصب اور بد کردار لوگ دوچار ہوتے ہیں، میں اکثر سوچتا ہوں عذاب کے دور میں قدرت اچھوں اور بروں کے ساتھ یہ کسی سلوک کیوں کرتی ہے، ٹوئن بی اس سوال کا جواب تلاش کرتا رہا لیکن وہ کسی خوب و جہتک نہ پہنچ سکا مگر ہم لوگ اگر پاکستان کے حالات کا جائزہ لیں تو ہم بڑی آسانی سے وہ وجہ معلوم کر سکتے ہیں۔ آپ بونیر، لوردیر اور سوات کے ان 20 لاکھ شہریوں کو دیکھئے جو اس چلچلاتی وحوب اور 40 سینٹی گرینڈ کی گرمی میں کمپوں میں پڑے ہیں، یہ لوگ قطار میں کھڑے ہو کر دو وقت کا کھانا وصول کر رہے ہیں، دوزخ کی طرح قیچے خیموں میں رہنے پر مجبور ہیں، پانی، دوا اور ڈاکٹر کو ترس رہے ہیں اور اپنے گھروں، محلوں اور شہروں کو یاد کر رہے ہیں۔ یہ 20 لاکھ لوگ کل تک اپنے گھر، کاروبار اور ایک خوشحال اور باعزت زندگی کے مالک تھے لیکن یہ آج دوسروں کے رحم و کرم پر پڑے ہیں۔ یہ لوگ بے گناہ بھی ہیں، معصوم بھی اور عزت دار بھی۔ ان میں سے نوے نیصد لوگ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں، یہ امانت دار بھی ہیں، راست گو بھی اور ہمدرد بھی اور انہوں نے کسی دوسرے انسان کو تکلیف نہیں پہنچائی لہذا سوال پیدا ہوتا ہے قدرت نے پھر انہیں کس جرم، کس گناہ کی سزا دی؟ میں آپ کو یہ بھی عرض کرتا چلوں اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اولیائے کرام اور مقرب بندوں کو تحریر پر مجبور کرتا ہے یا پھر ان لوگوں کو جنہیں سزا دینا مقصود ہو اور ظاہر ہے یہ 20 لاکھ لوگ اولیائے کرام کی جماعت نہیں ہیں لہذا پھر ان لوگوں کو کس جرم کی سزا مل رہی ہے؟ ان لوگوں کو خاموشی کی سزا مل رہی ہے یہ لوگ اس وقت خاموش رہے تھے جب طالبان کی شکل میں ظالم ان پڑھا اور سخت گیر لوگ ان کی بستیوں میں داخل ہو رہے تھے یہ لوگ اس وقت بھی خاموش رہے تھے جب شدت پسندوں نے ان

پر جائز نہیں ہوگا۔ ملٹری اسٹھمیشنٹ فوجی پیر کوں اور سرحدوں تک محدود رہنے کا فیصلہ کر لے فوج آج
فیصلہ کر لے وہ اس جزل کا حکم نہیں مانے گی جو اپنے اختیارات سے تجاوز کرے گا، جو اقتدار پر قابض
ہونے کی کوشش کرے گا، فوج کی قیادت پلانوں اور زرعی زمینوں سے بھی وسیع دار ہو جائے اور صرف
شہداء اور ان کے پسمندگان کو پلاٹ دیئے جائیں اور باقی میجر سے لے کر جزل تک تمام افسروں سے
یہ سہولت واپس لے لی جائے۔ سول بیورو کریکی کی مراعات بھی واپس لے لی جائیں، وزراء کی مراعات
ختم کردی جائیں اور تنخواہیں آدمی کردی جائیں، ملک میں کسی عہدیدار کو پرونوکول اور سیکورٹی فراہم نہ کی
جائے، وہ لوگ وزیر اور مشیر بنائے جائیں جو کم تنخواہ میں گزارا کر سکیں اور اپنی حفاظت خود کر سکیں۔ ملک
کے بڑے بڑے ایوان، ہاؤسز اور ہائش گاہیں میں سال کیلئے بند کردی جائیں یا انہیں پرائیویٹائز کر دیا
جائے، سیاسی جماعتوں کے اندر ایکشن کو لازمی قرار دے دیا جائے اور کوئی شخص تیسری بار پارٹی کا سربراہ
نہ بن سکے۔ ملک کے تمام بچوں کی تعلیم، تمام شہریوں کا علاج اور تمام بچوں کی شادی حکومت کی ذمہ داری
ہو۔ یہ ذمے داریاں ناظموں کو سونپ دی جائیں اور جو ناظم یہ ذمہ داری پوری نہ کر سکے اسے میں سال
کیلئے جیل میں ڈال دیا جائے۔ حکومت میٹرک کے بعد تمام نوجوانوں کو فتحی تعلیم دئے وہ نوجوان جوڑا کر،
انجینئر اور کمپیوٹر ایکسپرٹ بن سکتے ہیں ان کے علاوہ تمام بچوں کو کوئی ہنس سکھایا جائے تاکہ یہ نوجوان
اپنا رزق کما سکیں۔ حکومت ملک میں ایک کنال سے بڑا مکان بنانے پر پابندی لگادے اور کوئی شخص زندگی
میں دوسرا مکان نہ بنانا کے۔ حکومت کم آمدی کے حال لوگوں کو مکان کی سہولت فراہم کرئے، حکومت
ہنگامی طور پر پیک ٹرانسپورٹ کا بندوبست کرے اور ذاتی گاڑیوں کے رہائش کی حوصلہ شکنی کی جائے
ملک میں تقریبات کیلئے ضابطہ اخلاق طے کر دیا جائے، تمام پارٹیاں ون ڈش ہوں، مہماںوں کی تعداد
میں ہو اور کسی قسم کے اسراف کی اجازت نہ ہو۔ عدالتوں میں کوئی مقدمہ چھ ماہ سے زیادہ نہ چلے،
کسی کوئی قسم کا پروٹوکول نہ دیا جائے، کسی وزیر کی گاڑی پر جھنڈا نہ لگے، کوئی نوجوان تعلیم مکمل کرنے کے
بعد فارغ نہ رہے اور ہم سب لوگ آج سے بولنا شروع کر دیں۔ ہمیں جہاں ظلم، زیادتی اور کرپشن و کھائی
دے ہم اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو جائیں، ہم کسی کرپٹ بے ایمان اور نا اہل افسر کو پرداشت
کریں اور نہ ہی کسی بے ایمان سیاستدان کو۔ ہمیں معاشرے میں جہاں کوئی ظالم اور بے ایمان شخص نظر
آئے، ہم اس وقت تک اس کے دروازے پر بیٹھے رہیں جب تک اس کا احتساب نہیں ہوتا اور ہم حکومت
کی ہر فلٹ پالیسی پر اس وقت تک احتجاج کرتے رہیں جب تک وہ پالیسی روی ورث نہیں ہوتی۔

یقین کبھی ہم نے اگر آج یہ اقدام نہ کئے تو وہ وقت دور نہیں جب جرئت سے لے کر مج

اور وزیر سے لے کر جزل صاحب تک ہم سب لوگ ڈس پلیسڈ ہوں گے۔ ہم سب کمپیوں میں
ہوں گے، ہم سب اپنا اپنا پیالہ اور اپنی اپنی پلیٹ اٹھا کر قطار میں کھڑے ہوں گے اور لوگ دال کا
لگا دینے سے پہلے ہمیں گالی دیں گے، ہم سب ڈس پلیسڈ ہوں گے اور باقی زندگی رورو کر گزاریں
اور ہم سب سوات کے لوگوں کی طرح خاموشی کی سزا بھگتے پر مجبور ہو جائیں گے۔



ایک دارم میں منتخب کرائیں گے، آئین صدر کو دونوں عہدے رکھنے کی اجازت دیتا ہے اور صدر موجودہ ایلوں سے دوسری بار اعتماد کا ووٹ لے سکتا ہے، "غیرہ وغیرہ۔"

شانزے لیزے کی دوسری انتہا پر "آرک ڈی تری اوونف" ہے یہ بارہ دری قسم کی عمارت ہے لیکن اس کے صرف چار دروازے ہیں اور یہ پولین بوتا پارٹ کی فتوحات اور کامیابیوں کے اعتراض میں بنائی گئی تھی، اس عمارت کے صین درمیان میں ایک نامعلوم سپاہی کی یاد میں ایک مشعل روشن ہے یہ مشعل پہچلنے نوے بر سے مسلسل جل رہی ہے اور فرانس کے تمام فوجی اس مقام پر پہنچ کر سر سے ٹوپی اتارتے ہیں اور ان فوجی سپاہیوں کو سیلوٹ کرتے ہیں جنہوں نے پہلی جنگ عظیم میں اپنے وطن کیلئے قائم ہیں، شانزے لیزے کو دنیا کی پہلی فیشن سڑیت بھی کہا جاتا ہے، اس سڑک کے دونوں اطراف دنیا کے منکے تین برائذ کے شور و مزر، سبوران، کینے اور سور ہیں، یہ سڑک "پلاس دی لا کنکورڈ" سے شروع ہوتی ہیں اور ان سڑکوں میں شاہراہ جمہوریت بھی شامل ہے، تاریخ تاتا ہے اتحاد ہویں صدی کے آخر میں جب انقلاب فرانس آیا تو پیرس کے انقلابیوں نے اس مقام پر گلوٹین نصب کر دی تھی اور اس چوک میں روزانہ ڈیڑھ سو اشرافی، حکمرانوں اور سیاستدانوں کا سر قلم کیا جاتا تھا، انقلابی پیرس کے مختلف چوکوں میں کھڑے ہو جاتے تھے اور انہیں جس شخص کے ہاتھ زخم و کھاکی دیتے تھے، جس کے جسم سے عطر اور صابن کی خوبیوں آتی تھی اور جس نے نازی شیو بنائی ہوتی تھی وہ اسے روکتے تھے، سرسری عدالت میں اس کے خلاف مقدمہ چلاتے تھے اور گلوٹین کے نیچے لٹا کر اس کا سر قلم کر دیتے تھے، میں جب بھی اس چوک پر پہنچتا ہوں تو مجھے نہ جانے کیوں یہ محسوس ہوتا ہے اس آرک کے نیچے آج بھی فرانس کی اس اشرافیہ کا خون موجود ہو گا، جس نے عوام کیلئے روٹی تک نامکن بنادی تھی، جس نے فوج کو کھل کھینچنے کی اجازت دی تھی اور جس نے عوام کے احتجاج پر پابندی لگادی تھی، یہ فرانس کی تاریخ کا وہ دور تھا جس میں سارے سول حکموں کے سربراہ فوجی تھے اور بادشاہ بھاری رشوت لے کر حکومت مختلف سیاستدانوں کے حوالے کرتا رہتا تھا، بادشاہ نے پیرس کے مضافاتی علاقے وارسائی میں محلات بنانے کا فیصلہ کیا تو اس نے اپنے وزیر خزانہ کو بلایا اور حکم دیا یہ محلات تم بناؤ گے، وزیر خزانہ نے سر تعلیم خرم کیا اور عوام کا خون نچوڑ کر سرکاری دورے پر آیا تو وہ یہ ستون بھی ساتھ لے آیا اور کنگ لوکی کو تھفتہ پیش کر دیا، بادشاہ نے یہ ستون پیرس کے سب سے بڑے چوک میں لگوادیا اور اس چوک کو ستون کے حوالے سے "پلاس دی لا کنکورڈ" کا نام دے دیا، یہ ستون آج تک یہاں موجود ہے اور اس پر قدیم مصری زبان میں کھدے ہوئے وہ سارے قصیدے بھی جوں کے توں ہیں جو پانچ ہزار سال قبل کے شیر افکنوں، وصی ظفرنوں اور درانیوں نے تخلیق کئے تھے لیکن افسوس دنیا کے ماہرین سانیات آج تک کنکورڈ کی زبان "ڈی کوڈ" نہیں کر سکے مگر مجھے یقین ہے اگر کبھی دنیا کو کنکورڈ کی زبان سمجھ آگئی تو وہ کچھ اس طرح ہوگی "ہم بادشاہ کو دس بار

پاکستان انقلاب کے دہانے پر

فرانس کی پہچان پیرس ہے اور پیرس کی جان شانزے لیزے ہے، شانزے لیزے دنیا کی خوبصورت اور مہنگی ترین شاہراہ ہے، یہ سڑک سینکڑوں سال پہلے فرانسیسی بادشاہوں نے اپنی چہل قدمی کیلئے بنائی تھی، یہ سڑک فرانسیسی کار گیروں نے چھوٹے چھوٹے پتھر جوڑ کر مکمل کی تھی اور یہ پتھر آج تک قائم ہیں، شانزے لیزے کو دنیا کی پہلی فیشن سڑیت بھی کہا جاتا ہے، اس سڑک کے دونوں اطراف دنیا کے منکے تین برائذ کے شور و مزر، سبوران، کینے اور سور ہیں، یہ سڑک "پلاس دی لا کنکورڈ" سے شروع ہوتی ہے، یہ دنیا کا سب سے بڑا چوک ہے، جس کے میں درمیان میں ایک مزروٹی ستون ہے، یہ ستون ہزاروں سال پہلے مصری کار گیروں نے تراشاتھا، اس دور میں مصر میں فرعون رامسیس کی حکومت ہوتی تھی، یہ فرعون ہے، جس نے حضرت موسیٰ کے دور میں خدائی کا دعویٰ کیا، حضرت موسیٰ کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا اور وہ اور اس کی فوج دریائے نیل میں ڈوب کر مر گئی، یہ ستون تکمیل ہوا تو کار گیروں نے اس پر تیش سے فرعون رامسیس کی طاقت اختیار اور آئینی تراجمیں کھو دیں اور یہ ستون بادشاہ معظم کے حضور پیش کر دیا، فرعون سقینا راعیا کے اس تھغے پر خوش ہوا ہو گا اور اس نے یہ ستون اپنے ایوان صدر کے سامنے نصب کر دیا ہو گا لیکن وقت بدلا، فرعون پر اکتوبر کا مہینہ آیا، وہ اور اس کی سلطنت دونوں بھر گئے اور اس کا سارا اختیار ساری طاقت اور سارے ایل ایف اور ریت میں دفن ہو گئے، انیسویں صدی میں مصری صحراء میں فرعون کے آثار قدیمة دریافت ہوئے تو یہ ستون بھی کسی کو نہ کھدرے میں پڑا ہوا مل گیا، یہ ستون طویل عرصے تک مصری حکومت کی تحویل میں رہا، مصری بادشاہ محمد علی پاشا پیرس کے سرکاری دورے پر آیا تو وہ یہ ستون بھی ساتھ لے آیا اور کنگ لوکی کو تھفتہ پیش کر دیا، بادشاہ نے یہ ستون پیرس کے سب سے بڑے چوک میں لگوادیا اور اس چوک کو ستون کے حوالے سے "پلاس دی لا کنکورڈ" کا نام دے دیا، یہ ستون آج تک یہاں موجود ہے اور اس پر قدیم مصری زبان میں کھدے ہوئے وہ سارے قصیدے بھی جوں کے توں ہیں جو پانچ ہزار سال قبل کے شیر افکنوں، وصی ظفرنوں اور درانیوں نے تخلیق کئے تھے لیکن افسوس دنیا کے ماہرین سانیات آج تک کنکورڈ کی زبان "ڈی کوڈ" نہیں کر سکے مگر مجھے یقین ہے اگر کبھی دنیا کو کنکورڈ کی زبان سمجھ آگئی تو وہ کچھ اس طرح ہوگی "ہم بادشاہ کو دس بار

پاگل خانہ

میرے دوست نے بے چینی سے کروٹ بدلتی اور ذرا سی تیز آواز میں بولا۔ ”لیکن میں طارق نہ رہیں ہوں، آپ.....“ میرے دوست کی بات درمیان ہی میں رہ گئی اور ملاقاتی نے اوپنجی آواز میں پلانا شروع کر دیا۔ آپ پہلے میری پوری بات سنیں میں نے پچھلے بفتے بل جمع کر دیا تھا، یہ دیکھئے میرے پاس اس کی رسید بھی ہے، اس نے رسید ہوا میں لہرائی اور دوبارہ غصے سے بولا۔ ”لیکن اس کے باوجود آپ لوگوں نے میری بجلی کاٹ دی، میں کل سے اندر ہیرے میں بیٹھا ہوں، آپ کے دفتر سے کوئی فون نہیں اٹھاتا، مجھے بس اپنی بجلی واپس چاہیے، آپ مجھے ابھی لگوا کر دیں،“ ملاقاتی کے منہ سے جھاگ نکلنے کی اور ہم پریشانی میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، ہمارے دوست نے بڑی شاشگی سے عرض کیا۔ ”جناب میں طارق نہ رہیں ہوں اور نہ ہی یہ واپڈا کا دفتر ہے، بجلی والوں کا دفتر اگلی عمارت میں ہے، آپ غلط آگئے ہیں،“ وہ صاحب غلکے انہوں نے ایک قدم کمرے سے باہر نکال کر نام کی ختمی پڑھی دوبارہ اندر آئے اور اسی جذبے سے بولے۔ ”آپ کی بات درست ہے لیکن میری فکایت بھی غلط نہیں، آپ خود دیکھئے کیا یہ زیادتی نہیں، بجلی والے آدمی رات کو ایک ایسے شخص کی بجلی کاٹ دیں جس نے تمام میں بھر دیے تھے، آپ میرا بل دیکھنے،“ وہ بل لے کر ہمارے سروں پر آگئے اور ہم سب پریشانی میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

یہ صاحب ہم سائز ہے سولہ کروڑ پاکستانیوں کی دیگ کا ایک دانہ ہیں اور یہ بھی اسی نفیاتی اور دماغی عارضے میں جلتا ہیں جس کی اس وقت پوری قوم ٹکارے ہے، ہم اگر دماغی امراض کے تین چار لاکھ ماہرین کا بندوبست کریں اور انہیں پاکستان کے مختلف شہر، قصبوں اور دیہات میں بھجوادیں تو مجھے یقین ہے یہ ماہرین پندرہ دنوں میں پوری قوم کو پاگل قرار دے دیں، آپ کو اگر میری بات کا یقین نہیں آ رہا تو آپ اپنے سمیت تمام لوگوں کا جائزہ لے لیں، آپ کو معلوم ہو گا ہم سب بلا مکان بولنے کی عادت میں جلتا ہیں، آپ کسی کے پاس بیٹھ جائیں وہ گھنٹوں لا یعنی گھنٹوں کو تارہ ہے گا اور اپنی بات کو حرف آخر سمجھے گا، میرا زیادہ تر وقت فون سنتے گزرتا ہے، مجھے روزانہ بیسوں ایسے فون آتے ہیں جن میں دوسری

سرتاںی کا اختیار نہیں، جس وقت لوگ پیرس کی گلیوں میں آنا آٹا پاکار رہے تھے ٹھیک اس وقت فرانس کی پریمیم گورٹ نے اعلان کر دیا تھا ”بادشاہ کو زمین پر خدا کے تمام اختیارات حاصل ہیں اور دنیا کی کوئی طاقت اس سے یہ اختیارات واپس نہیں لے سکتی،“ اس حکم کے دوسرے دن بادشاہ کے ایک گماشے نے ایک مالی کو ”آرک ڈی تری اونٹ“ کے مقام پر کوڑے مارنا شروع کر دیئے، لوگوں نے روکا تو گماشے کی بھی مقام پر سزادے سکتے تھے جس کے بارے میں اندریشہ ہو یہ نقش امن کا باعث بن سکتا ہے یہ مالی شاہی گماشے کی مار برداشت نہ کر سکا اور اس نے لوگوں کے سامنے دم توڑ دیا، مجھے میں سے ایک پھر آیا اور سیدھا شاہی گماشے کے سر پر لگا، اس نے غصے سے ہجوم کو گالی دی اور پائچ منٹ بعد اس چوک میں اس گماشے کی لاش پڑی تھی یہ گماشہ اس انقلاب کا پہلا شکاری تھا، اس کی غش سے لوگوں کو معلوم ہوا ظالم بھی آخ رکار انسان ہی ہوتے ہیں اور انسانوں کی زندگی اور موت میں کوئی آہنی پرده حائل نہیں ہوتا، بس یہ معلوم ہونے کی دریخی پورے فرانس میں آگ لگ گئی اور لوگوں نے ظالموں کی غشیں بچا کر ان پر قبضہ شروع کر دیا، وہ دن ہے اور آج کا دن ہے فرانس میں اس کے بعد کسی نے ”کنکورڈ“ بننے کی کوشش نہیں کی۔

میں گزشتہ روز ”آرک ڈی تری اونٹ“ کی چھت پر کھڑا تھا، میرے قدموں میں شازے بچھی تھی، پورا ہجرس روشنیوں میں نہایا ہوا تھا، یہ فرانس کی ایک خوبصورت اور پراسرار شام تھی، افغان پاکستان میں کیا فرق ہے، مجھے محسوس ہوا پاکستان 1780ء کا فرانس ہے، وہی مسئلہ، وہی ظلم، وہی جبر، زیادہ سے زیادہ اختیارات حاصل کرنے کی وہی حرص، وہی مفاد پرست اور خوشابدی سیاستدان، قانون، آئین اور ضابطوں کی وہی بے حرمتی، انسانی جذبات اور احساسات سے کھیلنے کے وہی مشاغل، وہی تکبر اور بادشاہ پرستی کی وہی بدعت، وہی بے خوفی، وہی سُنگدی، وہی ہٹ دھرمی اور خود کو تا گزیر اور ضروری سمجھنے کی وہی ضد، وہی نوگز کی انا، اللہ کے قرب کے وہی دعوے اور خود کو عقل کل تسلیم کرنے کی وہی کوششیں، عوام کا وہی اضطراب، وہی بے چینی، وہی غصہ اور وہی شدت ملک کی وہی مہنگائی، وہی بے روزگاری اور آئنے کی وہی تکلت، میڈیا پر وہی ڈنڈے بازی اور فوج کا وہی کھلم کھلا استعمال، نظام کی وہی ٹکست وریخت، عدالتوں پر وہی عدم اعتماد، سیاستدانوں کی وہی بندرا باشت، وہی ڈیلیں اور وہی سمجھوتے اور بادشاہوں کے وہی مصاحب اور ان کی وہی چچپگیری، مجھے محسوس ہوا 1780ء کے فرانس اور 2007ء کے پاکستان میں کوئی فرق نہیں، بس ماچس کی ایک تیلی گرنے، ایک غش کے ترپنے اور ایک پھر اٹھنے کی دیر ہے اور عوام ساری حدیں پار کر جائیں گے، مجھے پیرس کی اس شام نے تباہ پاکستان خونی انقلاب کے دہانے پر کھڑا ہے۔

صاحب کے پاس لکھوانے کی کوشش کرتے ہیں۔
پاگل پن کی تیسری علامت شک ہوتی ہے پاگل لوگ بے شمار تم کے ٹکوک و شبہات کا شکار ہوتے ہیں، وہ اپنے والد سے لے کر بچے تک کو اپنادمن سمجھتے ہیں اور اگر کسی سال ان کی بیری پر بیرون لگیں تو اس میں بھی یہودی سازش جلاش کر لیتے ہیں، ہمارے معاشرے کی اکثریت میں پاگل پن کی یہ علامت دکھائی دیتی ہے، آپ کسی شخص کے پاس بیٹھ جائیں وہ آپ کو ہمایے سے صدر بخش تک ٹکوک و شبہات کا شکار دکھائی دے گا، مجھے آج تک کوئی ایسا قاری، کوئی ایسا سامع اور کوئی ایسا ناظر نہیں ملا جس نے کسی صحافی پر یہ الزام نہ لگایا ہو، فلاں نے یہ کالم یہ پروگرام یا یہ تقریر فلاں سے پہنچے لے کر کی تھی اور یہ پروگرام فلاں کی پانر شپ سے چل رہا ہے، لوگ اب ٹکوک و شبہات میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں کہ انہیں اپنے وضویک پر اعتبار نہیں رہتا، میریض ذاکر، موکل و مکمل، گاہک دکاندار، شاگرد استاذ، قاری، مصنف اور حدیہ ہے، نمازی امام پر شک کر رہا ہے، میں اکثر دیکھتا ہوں میرے قاری میترے کا مولوں کی تعریف کرتے ہیں لیکن جوں ہی میں ان کے خیال یا توقع سے ایک آدھ سطر آگے بیچھے ہوتا ہوں تو وہ مجھے پر نورا "بک گیا، ذرگیا اور مل گیا"، قسم کا فتویٰ لگادیتے ہیں اور پاگل پن کی چوتھی نشانی غصہ ہوتا ہے پاگل بھی اختلاف رائے برداشت نہیں کرتا، پاگلوں کے ذاکر اکثر لواحقین کو مشورہ دیتے ہیں آپ اس سے بھی اختلاف نہ کریں یہ دن کورات کہے تو آپ فوراً تسلیم کر لیں ورنہ "یہ فلمبر اپ" ہو جائے گا اور آپ کو اس سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے، ہم میں سے 98 فیصد لوگ اب اسی صورتحال کا شکار ہیں، ہم اختلاف برداشت نہیں کرتے، ہم سب یہ سمجھتے ہیں ہمارا نظر یہ ہمارا فرقہ، ہمارا نکتہ نظر اور ہمارا خیال درست ہے اور باقی سب بکواس باطل اور غداری ہے، ہم سب یہ سمجھتے ہیں ہماری اعتدال پسندی اصل ہے اور دوسروں کی نقل، ہماری روشن خیالی پچی ہے اور دوسروں کی جھوٹی اور آئینے ہے جسے ہم آئینے سمجھتے ہیں اور قانون وہ ہو گا جسے ہم قانون کہیں گے اور دوسرے تمام لوگ جھوٹے، فراڈ اور غدار ہیں، ہم لوگ بد قسمی سے اختلاف رائے کو فوراً جنگ کی شکل دے دیتے ہیں اور پاگل پن کی پانچویں نشانی خودکلامی ہوتی ہے پاگل اپنے ساتھ باتیں کرتے رہتے ہیں اور آپ کو اس ملک میں ہر دوسراف人性 خودکلامی کی عادت میں جتنا ملے گا اور پاگل پن کی آخری نشانی طاقت اور دولت کی بے تحاشہ خواہش ہوتی ہے پاگل کا غذہ کے ہر ٹکڑے کو نوٹ سمجھ لیتا ہے اور وہ چادر کی بکل مار کر خود کو اچانک سکندر اعظم اور ہتلر سمجھنے لگتا ہے، آپ اپنے اردوگرد دیکھ لیجئے آپ کو ملک کا ہر شخص دولت جمع کرتا اور خود کو ہتلر اور سکندر اعظم سمجھتا دکھائی دے گا، آپ چڑھا کے روئے کے خلاف مولوی سے شکایت کرتے ہیں اور مولوی صاحب کی کم علمی کی ایف آئی آرڈر اکفر

طرف موجود حضرات بآ آواز بلند یہ اعلان کرتے ہیں "آپ میری بات نہیں" اور اس کے بعد بلا تکان بولتے چلتے جاتے ہیں اور ان کا اصرار ہوتا ہے میں ان کی بات کو (نحوہ باللہ) قرآن مجید یاحد یہ تسلیم کر لون، اگر میں اس دوران اختلاف کی جرأت کر بیٹھوں تو وہ کالی گلوچ پر اتر آتے ہیں، مجھے آج تک کوئی ایسا فون نہیں آیا جس میں فون گزارنے مجھ سے پوچھا ہو، آپ اس وقت مصروف تو نہیں ہیں اور کیا میں آپ سے دو منٹ بات کر سکتا ہوں، مجھے آج تک کوئی ایسا فون بھی موصول نہیں ہوا، جس میں "مقرر" نے ایک دو منٹ میں بات ختم کر دی، فون کے علاوہ بھی میں جب کسی کے "تابو" آ جاتا ہوں تو اس وقت تک اس کا فلفہ جاری رہتا ہے جب تک میں وہاں سے بھاگ کرنا نہیں ہوتا، دنیا کے دماغی امراض کے ماہرین اس نوعیت کی بلا تکان گفتگو کو پاگل پن سمجھتے ہیں، ان کی بات غلط نہیں، آپ کسی پاگل خانے میں جا کر دیکھ لیں آپ کو وہاں 90 فیصد پاگل تقریریں کرتے دکھائی دیں گے، میں اکثر دیکھتا ہوں ہمارے ہر شہری کے اندر لفظوں کا ابाल ہے اور وہ کوئی ایسا کان جلاش کر رہا ہے، جس میں وہ اپنا سارا لاوا اغذیل سکے اس ملک میں بولنے والے کروڑوں ہیں لیکن سننے والا کوئی نہیں، پاگلوں کی دوسری "خوبی" غیر متعلقہ شخص کے سامنے احتیاج ہوتی ہے اور ہم میں سے ہر شخص اس عارضے کا شکار ہے، دودھ میلی پی جاتی ہے لیکن ٹکاہت وہ چوہ ہے سے کرتے ہیں، مجھ سے لوگ اکثر پوچھتے ہیں "صدر پرویز مشرف نے 2007ء میں ایک جنپی کیوں لگائی تھی" میں ان سے عرض کرتا ہوں "بھائی انہوں نے ایک جنپی لگانے سے پہلے مجھ سے ہر گز مشورہ نہیں کیا تھا، آپ مہربانی فرمائے کہ اس سے پوچھئے، مجھ سے اکثر لوگ ٹکوہ کرتے ہیں" صدر مشرف ملک کے ساتھ بڑی زیادتی کر گئے، آسف علی زرداری اور میاں نواز شریف کا سیاسی کردار بھی ٹھیک نہیں اور یہ مولا نافضل الرحمن کیا کر رہے ہیں، میں ان سے عرض کرتا ہوں "حضور میں مولا نا، میاں اور زرداری نہیں ہوں، مہربانی فرمائے کہ آپ ان سے پوچھیں، لیکن وہ میری بات مانیںڈ کر جاتے ہیں، لوگ اکثر میرے پاس فوج عدیلہ پولیس، محکہ ماں، زیلوے اور مسلم لیگ کی شکایات بھی لے آتے ہیں اور ان کا اصرار ہوتا ہے میں ان کا مسئلہ فوراً حل کر دوں اور میرے پاس تقدیمه لگانے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا، ایک مرتبہ تو کمال ہی ہو گیا۔ تین سال پہلے ایک صاحب نے مجھ سے مطالبہ کیا "صدر بخش عراق پر مسلح حملہ کر رہا ہے آپ اسے سمجھاتے کیوں نہیں ہیں" میں نے فوراً وعدہ کیا میں اپنی اولین فرصت میں صدر بخش کو عراق سے نو جیسی نکالنے پر قابل کروں گا، ماہرین غلط فورم پر اس شکایت کو بھی پاگل پن کی علامت سمجھتے ہیں اور بد قسمی سے یہ علامت ہم سب میں ظاہر ہو رہی ہے، ہم ایسی ایج اور کے روئے کے خلاف مولوی سے شکایت کرتے ہیں اور مولوی صاحب کی کم علمی کی ایف آئی آرڈر اکفر

بے پاگل پن ہے۔

ہم اگر اپنے معاشرے کا تجزیہ کریں تو ہمیں یہ ملک یہ معاشرہ ایک بہت بڑا پاگل خانہ محسوس ہو گا، ہم سب غیر متوازن ہو چکے ہیں، ہم میں سے غریب، غریب حرم کا پاگل ہے، امیر، امیر پاگل ہے، کمزور، کمزور پاگل ہے، طاقتور، طاقتور پاگل اور چھوٹا شخص چھوٹا پاگل ہے اور بڑا شخص بڑا پاگل لہذا تم اپنے معاشرے میں جوں جوں اوپر کی طرف جاتے ہیں ہمیں بڑے بڑے پاگل دکھائی دیتے ہیں اور میں جب بھی اپنے ان طاقتور اور با اختیار پاگلوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے ان میں سے صرف ایک شخص صحت مند اور ذہن دکھائی دیتا ہے اور اس شخص کا نام قوم ملک ہے لہذا امیری خواہش ہے قوم ملک کو سازی سولہ کروڑ لوگوں کے اس پاگل خانے کا دارڈن لگادیا جائے۔

⊗ ⊗ ⊗

ہمارا کیا بنے گا

یہ قائد اعظم محمد علی جناح کی زندگی کا واقعہ تھا، قائد اعظم مسلم ایک کے جلسے سے خطاب کیلئے جا رہے تھے، قائد نے انگریزی سوت پہن رکھا تھا اور ان کے سر پر ہیئت تھا، وہ گھر سے نکلے اور گاڑی میں بیٹھ کر جسے گاہ کی طرف روانہ ہو گئے، گاڑی کی چھپت پنجی تھی چنانچہ آپ نے ہیئت اتار کر گود میں رکھ لیا، آپ کے ساتھی نے راستے میں عرض کیا "جواب آپ مسلمانوں کے لیڈر ہیں لہذا آپ اب دیکی لباس پہننا سیکھ لیں" قائد نے فرمایا "دیکی لباس سے کیا مراد ہے" ساتھی نے عرض کیا "ہندوستان کے مسلمان شلوار قمیض، پانچماہ قمیض یا کرتے اور پانچماہ کے ساتھ شیر و انی یا اچکن پہنتے ہیں اور سر پر دیکی ثوپی رکھتے ہیں" آپ نے پوچھا "لیکن میں یہ لباس کیوں پہنوں" ساتھی نے عرض کیا "جواب آپ مسلمانوں کے لیڈر ہیں چنانچہ جب آپ یہ لباس پہنیں گے تو آپ کی مقبولیت میں اضافہ ہو گا" قائد اعظم نے گھور کر ساتھی کو دیکھا، گود میں پڑا ہیئت اٹھایا، سر پر رکھا اور مضبوط لبجھ میں بو لے "میں منافق نہیں ہوں" اور اس کے بعد قیام پاکستان تک قائد اعظم محمد علی جناح انگریزی لباس پہنتے رہے پاکستان کے قیام کے بعد جب سرکاری لباس کا فیصلہ ہوا تو آپ نے شلوار قمیض، شیر و انی اور جناح کیپ پہنی اور اس کے بعد انتقال تک دوبارہ انگریزی لباس نہیں پہنا، یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن اس واقعے میں آپ کو لیڈر ہوں کا وہن لیڈر ہوں کی کمیٹی، لیڈر ہوں کا اخلاص اور لیڈر ہوں کی شفافیت دکھائی دیتی ہے اور یہ واقعہ ثابت کرتا ہے تو میں کو بنانے اور چلانے والے لوگ کس حرم کے ہونے چاہئیں؟ لیڈر ہوں کو کتنا واضح، شفاف اور اٹل ہونا چاہیے؟ انہیں منافقت، سمجھوتے اور چک سے کتنا پاک ہونا چاہیے اور انہیں وعدے اور عہد کا کتنا پاک ہونا چاہیے؟ قائد اعظم کی زندگی کا ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ کیجئے وہ 1946ء میں دورے پر نکلے تو ان کی ملاقات ایک ہندو طیے سے ہوئی، یہ کئی نسلوں سے بنیا تھا اور یہ یقینی اشیاء گروی رکھ کر لوگوں کو قرض دیتا تھا، قائد اعظم سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے قائد سے کہا "محمد علی جناح میں خاندانی بنیا ہوں، میری کئی نسلیں یہ کام کر رہی ہیں، آج تک ہماری نسل کا کوئی شخص اپنی زبان سے نہیں پھر ا لوگ اپنے زیور گہنے لے کر ہمارے پاس آتے ہیں، ہمارے پاس گروی رکھتے ہیں اور ان

کی بخوبی میں آنے والے واقعات کا نوٹس لے لیا کرتے تھے اور خالق فرعون ہو یا نمرود اسی وقت اسے ممالک میں طلب کر لیتے تھے اور جب تک ظالم مظلوم کی تلاشی نہیں کرتا تھا اس وقت تک انصاف کا عمل ہماری رہتا تھا، چیف جسٹس کے سامنے ایک شکایت کی صورت حال یہ تھی کہ با غبان پورہ لاہور میں بعض لوگوں نے وسائل میں دو بچوں کو قتل کر دیا، چیف جسٹس نے پولیس کے ذریعہ نہ صرف ملزم گرفتار کرائے بلکہ انہیں پریم کورٹ بھی طلب کر لیا، یہ لوگ با غبان پورہ کے بہت بڑے بدمعاش تھے، پریم کورٹ نے مقتول بچوں کے والدین کو ان سے 35 لاکھ روپے خون بہارے کرو دیا، عمر کوٹ کے ایک نائب میں تین ہندو بچے نہاتے ہوئے مر گئے، بچوں کی موت کی وجہ و پلٹ اور سید اکی وہ تاریخی تھیں جو ان اداروں نے نائب میں بچا کر کی تھیں، یہ خبر کراچی کے انگریزی کے ایک ماہنامہ میں شائع ہوئی، چیف جسٹس نے سید اور حیدر آباد الیکٹرک سپلائی کے ارباب اختیار کو طلب کیا اور مظلوم خاندانوں کو چھچھلا کھروپے لے کر دیئے، پریم کورٹ ان دونوں اتنی فعال ہو گئی تھی کہ اس نے سی بی آر کو تیکس نادہنگان سے کروڑوں روپے وصول کرا کر دیئے چنانچہ افتخار محمد چودھری کے یہ فیصلے تھے جن کی وجہ سے آج کی حکومت کو خطرہ ہے اگر چیف جسٹس بحال ہو گئے تو وہ اسی طرح سامنہ ایک شکایت کی وجہ سے آزاد ہو جائیں گے، عوام کو انصاف ملتا رہے گا اور لوگ سیاستدانوں کی اطاعت اور فرمائہ داری سے آزاد ہو جائیں گے اور چیف جسٹس کی بحالی کی راہ میں دوسری بڑی رکاوٹ این آراوز ہیں، آصف علی زرداری نے صدر پر وزیر مشرف کے ساتھ "ڈیل" کر کے اپنے تمام مقدمات ختم کرنے ہیں، صدر نے ان کے بعد اکاؤنٹس بھی کھوں دیئے ہیں، آصف علی زرداری بخوبی سے یہ گارنٹی چاہتے ہیں کہ عدیہ بحال ہونے کے بعد ان "این آراوز" کو نہیں چھیڑا جائے گا لیکن نج انسیں یہ گارنٹی دینے کیلئے تیار نہیں ہیں چنانچہ حکومت بخوبی کی بحالی کو ایک آئینی پیچ کے ساتھ نسلک کرنا چاہتی ہے، اس پیچ میں چار چیزیں شامل ہیں، اول معطل بخوبی کی بحالی کے بعد پریم کورٹ کے موجودہ نج بھی برقرار رہیں گے، جس سے پریم کورٹ میں بخوبی کی تعداد 27 ہو جائے گی اور یوں "باغی" نج تعداد میں کم ہونے کی وجہ سے حکومت کو ٹکٹا نہیں دے سکیں گے، دوم چیف جسٹس کی مدت مازمت 3 سال طے کر دی جائے گی، یہ پیچ نافذ اعلیٰ ہوتے ہوئے جوں تک چلا جائے گا، اس دوران افتخار محمد چودھری کے تین سال پورے ہو جائیں گے اور وہ بحال ہوئے بغیر ریٹائر ہو جائیں گے، سوم صدر کے 3 نومبر کے فیصلے کو قانونی شکل دے دی جائے گی اور چہارم چیف جسٹس کا سامنہ ایک شکایت یا محدود کر دی جائے گا، یہ ہے حکومت کا منصوبہ۔ لیکن مجھے یقین ہے حکومت کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو گا کیونکہ لوگ اسے قبول نہیں کریں گے۔

کی رسید تک نہیں لیتے کیونکہ وہ جانتے ہیں وہ اپنی چیز کے بارے میں بھول سکتے ہیں لیکن، ہم نہیں، میرے والد نے لوگوں سے جو امانتیں میں تھیں وہ میرے پاس محفوظ ہیں اور میں لوگوں کی جو امانتیں جمع کر رہا ہوں وہ میرا بینا لوتائے گا،" قائد اعظم خاموشی سے اس کی بات سنتے رہے، بنیابولا "محمد علی تم ایک لیڈر ہو لہذا تمہیں نہیں سے ہزار گناہ زیادہ ایک اندار اٹل اور قول کا پکا ہونا چاہیے، تم اپنی بات سے نہ پھرنا،" تم نے مسلمانوں سے آزادی کا وعدہ کیا ہے تو یہ وعدہ پورا کرنا، لیکن ایسا نہ ہو لوگ کل کو یہ کہیں، محمد علی جناح تو بیوں سے بھی چھوٹا لکھا،" قائد اعظم نے اس کا کندھا تھپتھیا اور سکرا کر فرمایا "میں سیاستدان ہوں دکاندار نہیں، تم فکر نہ کرو سورج دائیں سے باسیں ہو سکتا ہے لیکن میں اپنی بات سے نہیں پھر دوں گا،" یہ ہوتے ہیں لیڈر اور ان لوگوں کو کہتے ہیں سیاستدان، آج 2008ء میں بینہ کر ہم جب قائد اعظم محمد علی جناح کے وزیر اور اخلاص کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان کی شخصیت کا مقابل آج کے لیڈر رون سے کرتے ہیں تو ہمیں شدید تحفظ اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کہاں قائد اعظم محمد علی جناح جیسے عظیم لوگ اور کہاں صدر پر وزیر مشرف اور آصف علی زرداری جیسے لوگ؟ کہاں وہ شخصیات اور کہاں آج کے لیڈر صاحبان؟ کہاں وہ لوگ جو خون کے آخری قطرے اور گلے کی آخری سانس تک ڈٹئے رہتے تھے اور کہاں یہ لوگ جو ایک مہینے میں اپنے ہاتھ سے لکھے فرمان سے چھ گئے، کہاں وہ لوگ جنہیں پوری برطانوی حکومت پورے ہندوستان کے کا انگریزی لیڈر اور سارے زمانے کے خوف مل کر نہ ڈرا سکے اور کہاں یہ لوگ جو (B2) 58 کے خوف سے گلہ تک نہیں پڑھ رہے، جو اپنے بینک اکاؤنٹس، اپنے مقدموں اور اپنے جائیدادوں کے لائق میں اونچا سانس نہیں لے رہے اور جو اپنے کہے، اپنے فرمائے اور اپنے لکھے سے مخفف ہو چکے ہیں، کیوں؟ یہ کیوں بھی کم ہوش رہا نہیں۔

پاکستان پبلیک پارٹی دو باتوں سے خوف زدہ ہے، اول جو ڈیشی کی آزادی! افتخار محمد چودھری نے جون 2005ء میں عدیلیہ کی عطاں سنجانے کے بعد پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار عدیلیہ کو وہ مقام دلایا تھا، جس کے انتظار میں ملک کے کروڑوں لوگوں کی آنکھیں مدھم پڑ گئی تھیں اور جس کی خواہش میں اس ملک کی تین سلیں گھمل گھمل کر ختم ہو گئی تھیں، جس وقت افتخار محمد چودھری نے حلق اٹھایا تھا اس وقت پریم کورٹ میں 40 ہزار مقدمات زیر التواء تھے، افتخار محمد چودھری نے یہ مقدمات تباہ نے کا فیصلہ کیا، انہوں نے دن رات کام کیا اور 9 مارچ 2007ء تک 30 ہزار مقدمات تباہ نے چیف جسٹس نے اس کے ساتھ ساتھ چھ سے سات ہزار سامنہ ایک شکایت لئے اور پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار ان لوگوں کو انصاف ملنائیں گے، اسی انصاف کے لفظ تک سے واقع نہیں تھے، چیف جسٹس اخبارات اور شیلی ویژن

ہم برطانوی عوام کے مجرم ہیں

لندن میں آج کل دنیا کے بیس بڑے ممالک کی کافرنیس ہو رہی ہے یہ بیس ممالک دنیا کے ہر یہ ہر سال کسی بڑے شہر میں بیٹھ کر باقی 225 ممالک کے مقدر کا فیصلہ کرتے ہیں۔ یہ بڑک میں فیصلہ کرتے ہیں اگلے سال کس ملک کو کون سی نیکنا لو جی دی جائے گی اور کس ملک سے کون سا علم اور صنعت چھین لی جائے گی۔ یہ ممالک اس میٹنگ میں دنیا کے وسائل کو بھی آپس میں تقسیم کرتے ہیں یہ فیصلہ کرتے ہیں اس سال تیل کا 30 فیصد حصہ جاپان خریدے گا، گیس یورپ کے تین ممالک شامل کریں گے روس جو ہری تو اتنا کی سے فائدہ اٹھائے گا، جمنی افریقہ کے ممالک کو اسلحہ بیچے گا، چین چینی دنیا میں نئی منڈیاں قائم کرے گا، برطانیہ مشرقی بعد میں نئے ٹکس اور انشورنس کپنیاں بنائے گا اور فرانس سمندروں میں نئے معدنیاتی ذخائر تلاش کرے گا، دیگرہ دیگرہ۔ یہ ممالک اس میٹنگ میں ہاؤنے ممالک کے قدرتی وسائل اور خام مال کی خرید و فروخت کا فیصلہ بھی کرتے ہیں اور اس مال کے لئے بھی طے کرتے ہیں اور یہ ملک اس اجلاس میں یہ بھی طے کرتے ہیں کہ کس ملک کی معیشت کو کہاں لک لے کر جانا ہے اور کس ملک کی شاک ایکس چینی سے کتنا سرمایہ کالانا ہے دنیا کے بیس بڑے ممالک کے دانشوروں نے اس سارے گورکھ دھنے کو ایک خوبصورت نام دے رکھا ہے اور یہ نام ہے عالمگیریت۔ دنیا کے قرباً اپنے چھارب لوگ اور 225 ممالک اس عالمگیریت کے خلاف ہیں کیونکہ عالمگیریت سے ہر اس ملک کے مفادات کو نقصان پہنچتا ہے جو جی 20 کا بھر نہیں اور ہر وہ شخص اس سے سارے میں رہتا ہے جو 20 بڑے ممالک کا شہری نہیں۔ عالمگیریت کے خلاف یہ نفرت صرف محروم ملکوں اور محروم دنیا کے محروم شہریوں تک محدود نہیں بلکہ 20 بڑے ممالک کے باشمور ہمدرد اور دو دل رکھنے والے عوام بھی اسے پسند نہیں کرتے، ان عوام کا خیال ہے جی ایت، جی نین یا جی ٹونٹی یہی نے فرم رہا ہے صرف نوا آبادیات کی ایک نئی شکل ہیں بلکہ یہ محروم دنیا کے ساتھ ظلم بھی ہے چنانچہ جب بھی جی ٹونٹی، جی نین یا جی ایت ممالک کی میٹنگ ہوتی ہے تو ہزاروں لوگ کافرنیس ہال کے سامنے مظاہرہ کرتے ہیں اور اپنے اپنے ممالک کی قیادت کے خلاف نفرے لگاتے ہیں۔ چھپتے دو دنوں سے لندن میں بھی ایسے ہی مظاہرے ہو رہے ہیں۔ میں نے گزشتہ روز ٹیلی ویژن چینل پر لندن میں بینک آف انگلینڈ کے سامنے

کیا اس کو سیاست کہتے ہیں؟ کیا یہ سیاستدان ہوتے ہیں اور کیا ان لوگوں کو لیڈر کہلانے؟ حق حاصل ہے اگر آج قائد اعظم زندہ ہوتے تو سوچے اس ساری صورت حال پر ان کا کیا عمل ہوتا؟ کیوں وہ ان تمام سیاسی مناقتوں پر خاموش رہتے، میرا خیال ہے وہ ہرگز خاموش نہ رہتے اور اس جرم کی سزا میں وہ بھی ڈاکٹر عبدالقدیر اور افتخار محمد چودھری جیسے انجام کا فکار ہو جاتے یا پھر صدر پر دیر مشرف انہیں بھی کمر سے اٹھا کر گوانٹانامو بے بھجوادیتے اور آصف علی زرداری اس مسئلے پر فرماتے، میں نے تو قائد اعظم کو گرفتار نہیں کیا، آپ اس سے پوچھیں جس نے قائد اعظم کو امریکہ کے حوالے کیا تھا، ذرا سوچے ہم کیسے شاندار ملک میں رہ رہے ہیں اور کیسے شاندار لوگ ہمارے حکمران ہیں؟ ہمارا کیا بنے گا؟

⊗ ⊗

جلے جلوس اور مظاہروں کا خطرہ ہے تو فوری طور پر ہم سے رابطہ کریں، ہم چند گھنٹوں میں مظاہرین کو تتر بتکر دیں گے۔ مجھے یقین ہے ہم اس اشتہار کے ذریعے جانبِ حُنَّ ملک کی خدمات کو عامی شکل دے سکتے ہیں اور ملک صاحبِ دنیا کے جس ملک میں بھی مظاہرہ ہو رہا ہو جائز باہذ زیر و سیون کی طرح دہائ پہنچیں اور مظاہرین کو بھگا کرواپس آجائیں۔ پاکستان اس کام کیلئے ایک پرائیویٹ لمیڈیا کمپنی بھی بناتا ہے جس کے چیف ایگزیکٹو ہرجن ملک ہوں جبکہ ڈائریکٹریٹ میں پنجاب کے تازہ تازہ سابق آئی جی خواجہ خالد فاروق کوشامل کر لیا جائے کیونکہ یہ دونوں کمیٹیز میکنا لوگی کے ماہر ہیں، اس کمپنی میں احتیاطاً ایسے حضرات کو بھی ڈائریکٹریٹ پیش کر دی جائے جو ارکان اسلامی کو توثیق کے ماہر ہیں تاکہ اگر کسی ملک میں اپوزیشن جماعتیں مظاہرہ کر رہی ہوں تو کمپنی کی آپریشنل برائی کمیٹیز اور آنسو گیس کے ذریعے مظاہرین کا مقابلہ کرے جبکہ کمپنی کی فنافل برائی بوریوں اور سوت کیسیوں میں نوٹ بھر کر سیون اور ایٹ کلب روڈ میں بیٹھ جائے اور ایم پی اے حضرات کی بولیاں لگانا شروع کر دے۔ کمپنی کی سروبر کو زیادہ جامع بنانے کیلئے اس میں آئینی اور قانونی ماہرین کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے یہ لوگ آئینی ہیززادے ہونے چاہئیں تاکہ یہ میلی ویژن چمنٹر پر آ کر دعویٰ کر سکیں کہ مظاہرین کے مطالبات غیر قانونی اور غیر آئینی ہیں اور کسی ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے ان کے مطالبے پورے نہیں ہو سکتے۔ مزید یہ لوگ گورڈن براؤن اور پاراک حسین اور باما کوئی آئینی تراجمم اور صدارتی آرڈیننس کے مشورے بھی دے سکیں تاکہ امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور جاپان میں بھی مشالی امن قائم ہو سکے۔

مریلہ برھائیہ کے اس بڑی اور بچپن میں اس سے تعلق رکھنے والے مضمون میں نے جب سے لندن کے مظاہرین کو رائل بینک آف سکاٹ لینڈ کے شہنشہ توڑتے ہوئے دیکھا، میں اس وقت سے برطانوی حکومت کی عقل پر افسوس کر رہا ہوں۔ میں ان لوگوں کی کم عقلی پر حیران ہوں کہ انہیں پاکستانی ماہرین کی مہارت تک سے واقف نہیں یا اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہمارے ماہرین آدمی پاکستانی اور آدمی برطانوی ہیں، ان کے الیکٹرانی آج بھی لندن میں مقیم ہیں اور یہ لوگ صرف ایک ٹیلی فون کال کے ذریعے ہمارے ماہرین کی خدمات حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے اس وقت بھی شدید افسوس ہے کہ ہم نے ٹیلنٹ کو صرف اپنی حد تک محدود کر رکھا ہے، ہم نے اگر دنیا کے بارے میں سوچا ہوتا تو آج پوری دنیا اس کا گھوارا ہوتی، آج مظاہرین یوں لندن میں دندا تے نہ پھرتے۔ مجھے محض ہوتا ہے ہم اس معاملے میں برطانوی عوام کے مجرم ہیں۔

三

ہزاروں لوگوں کو جمع ہوتے، عالمگیریت کے خلاف نظرے لگاتے اور رائکل بینک آف سکاٹ لینڈ کی عمارت کے شیشے توڑتے دیکھا، میلی ویرین سکرین پر دور دور تک مظاہرین، پولیس اور دھواں دکھائی دے رہا تھا، پولیس مظاہرین کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن مظاہرین پولیس کے قابو سے باہر ہو رہے تھے، پولیس اور مظاہرین کے درمیان ہاتھا پائی کے دوران چند لوگ زخمی بھی ہو گئے۔ یہ زخمی سڑکوں اور فرست ہاتھوں بر لیٹ گئے اور اتنی حکومت کو ٹھیک ٹھاک گالیاں دینے لگے۔

ورثت پاسوں پر بیٹے سے اور پس پر بیٹے تھے۔ میں نے جب یہ مظاہد دیکھئے تو مجھے برطانیہ پر بہت رحم آیا اور مجھے محسوس ہوا آج اگر برطانیہ کے پاس رجن ملک جیسے جنگ اور پندرہ سو کنٹیزز ہوتے تو پوری دنیا یوں برطانیہ کی پولیس و زرارات داخلہ اور حکومت پر تھوں تھوں نہ کرتی کیونکہ رجن ملک فوری طور پر آئے ہے لندن کو ریڈزون قرار دے دیتے اس علاقے کے گرد خاردار تاریخیں لگوادیتے، سڑکوں پر بلاکس رکھوادیتے، ریپورٹز کے پکے مورچے بناتے اور ان مورچوں میں طیارہ ٹھکن تو پہلی لگوادیتے اور تمام برطانوی شہر یوں کاریڈزون میں داخلہ منوع قرار دے دیتے۔ ”مور اوور“ رجن ملک لندن میں ڈبل سواری پر بھی پابندی لگوادیتے، شہر میں دفعہ 144 بھی نافذ کرو جاتی، شہر کے تمام شرائیز نوجوانوں کو کانفرنس سے دو دن قبل تھانوں میں بند کر دیا جاتا، لندن میں خودکش حملہ آوروں کے داخلے کی خبریں پھیلا دی جاتیں اور کسی گاڑی سے بھاری اسلحہ اور باروں بھی پر آمد کر لیا جاتا اور ان سارے انتظامات کے بعد کنٹیزز کے ذریعے لندن آنے والے تمام راستوں کی نس بندی فرمادی جاتی تاکہ ملک کے تمام تاجری سوداگر، صنعت کا اور بزنس میں سر پر ہاتھ رکھ کر دھائی دیتے لیکن اس کے بعد بھی اگر مظاہرین قابو نہ آتے تو مظاہرین پر ڈنڈے اور آنسو گیس بھی برسائی جاتی اور ایک آدھہ جگہ پر احتیاطاً فائرنگ بھی کرادی جاتی، اگر اس کے بعد بھی حالات نہ سنبھلتے تو جنہر اکی مدد لی جاتی اور پورے ملک کے ٹیلی ویژن چنلوں پر بند کر دیتے جاتے اور یوں مظاہرین تتر بترا ہو جاتے اور برطانیہ کی حکومت دنیا کے 20 بڑے ممالک کے سربراہان کے سامنے سرخ رو ہو جاتی مگر افسوس ایسا نہ ہو سکا کیونکہ ہم رجن ملک صاحب کے شیلڈ کو مار کیتے نہیں کر سکے۔ دنیا آج کے دور کو کار پورہت اتنی کہتی ہے اور کار پورہت اتنی ایڈورٹائز گکی مرحون منت ہوتی ہے شاید اسی لئے دنیا کی تمام بڑی کمپنیاں، فریں اور حتیٰ کہ ممالک بھی اپنی خوبیوں اپنے اوصاف اور اپنی کامیابیوں کے اشتہارات دیتے

ہیں یہ اشتہارات بعد ازاں کاروبار میں اضافے ہا بات بے یہ پا پہ پیرس - ہیں بھی اگر اپنے سشم اور اپنے سشم کے جینس لوگوں کا ایک اشتہار ہنا کیس اور اس اشتہار کو عالمی میڈیا میں مشہر کریں تو ہمیں بے پناہ فائدے ہو سکتے ہیں۔ مثلاً ہم اپنی "کنٹیئر ٹیکنالوجی" کو عالمی مارکیٹ میں فروخت کر سکتے ہیں، ہم 245 ممالک میں یہ اشتہار دیں کہ اگر کسی ملک میں لاگک مارچ

اپس جا کر پاکستان کی مثالیں دیتے تھے۔ آپ لوگوں کو شاید یہ جان کر حیرت ہو گی 1960ء کی دہائی میں چین نے پاکستان سے تین ہوائی جہاز خریدے تھے اور ان میں ایک جہاز چین کے بانی ماوزے ٹنگ استعمال کرتے تھے یہ جہاز گز شستہ سال فروخت کیلئے پیش کیا گیا، پی آئی اے جنوب مشرقی ایشیا کی ہبھلی ائمراں تھی جس نے امریکا کیلئے فلاٹیں شروع کی تھیں، سودیت یونین ایک طویل عرصے تک پاکستان کو اپنے دوستوں کی فہرست میں شامل کرنے کیلئے بے تاب تھا، چین پاکستان کو اپنا دروازہ کھاتا تھا، امریکا پاکستان کی رضا مندی کے بغیر اس خطے کے کسی دوسرے ملک کی طرف روئی کا ہاتھ نہیں بڑھاتا تھا، ہم ہر لفاظ سے بھارت سے آگے تھے پاکستان کے کھیت بھارتی سمجھتوں سے زیادہ پیداوار دیتے تھے، ہمارے پاکستان میں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام تھا، پاکستان میں دنیا کے بڑے بڑے ڈیم تھے، ہم بھارت کو بھلی فروخت کرنے کے منصوبے بناتے تھے اور پاکستانی علاقوں سے پیاز، لہن، گندم اور دالیں سمجھل ہو کر اپنیا جاتی تھیں یکین پھر 12 اپریل 2009ء آج یا، 12 اپریل کو لندن میں دنیا کے بیس بڑے ممالک کی سربراہ کانفرنس تھی، اس کانفرنس میں دنیا کے 20 چودھریوں نے عالمی معیشت کے بارے میں بڑے بڑے فیصلے کئے، اس کانفرنس میں امریکا، کینیڈا، برطانیہ، فرانس، جمنی، جاپان، چین، آسٹریلیا، ارجنٹینا، برزیل، انڈونیشیا، اٹلی، میکسیکو، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، جنوبی کوریا، ترکی اور بھارت کے سربراہوں نے شرکت کی۔ آپ چالیس برسوں میں انقلاب دیکھئے وہ بھارت جو کبھی پاکستان کی ترقی کو حاصل نہ نظریوں سے دیکھتا تھا 12 اپریل کو اس کا وزیر اعظم من موہن سنگھ امریکا کے صدر بارک حسین اوبامہ، برطانوی وزیر اعظم گورڈن براؤن، فرانسیسی صدر جکولس سر کو زی، جاپانی وزیر اعظم تارو آسا ورچی صدر ہو جن تاؤ کے ساتھ بیٹھا تھا جبکہ اس وقت ہمارے صدر آصف علی زرداری افغانستان کے اس صدر کے ساتھ مذاکرات کر رہے تھے جس کی حکومت کابل کے دس مرلخ کلومیٹر کے ریڈ زون تک محدود ہے، ہم اس وقت ایران سے تیل کی خیرات مانگ رہے تھے اور ترکی کی طرف لچائی ہوئی نظریوں سے دیکھ رہے تھے۔ آپ ان چالیس برسوں کا انقلاب دیکھ لیجئے، ان چالیس برسوں میں بھارت خاک سے اٹھ کر جی ٹونٹی کلب میں شامل ہو گیا جبکہ ہم افغانستان کی ایڈو اس پر بڑے بڑے فیصلے کر رہے ہیں، کہاں وہ بلندی کہ امریکا چین سے ہاتھ ملانے اور چین امریکا کو دوستی کی دعوت دینے کیلئے پاکستان کا ہتھ تھا، کہاں وہ بلندی کہ چین پاکستان کی محبت میں بھارت کو جنگ تک کی دھمکی دے دیتا ہے اور امریکا پاکستان کو خطے کا سب سے اہم ملک سمجھتا ہے اور کہاں پہنچ کر آج مائیک مولن اور چہڈا البروک پاکستان میں کھڑے ہو کر اعلان کر دیتے ہیں بھارت بڑا ملک ہے اور ہم پاکستان کی وجہ سے اسے تاریخ نہیں کر سکتے، کہاں وہ دور کہ امریکا کیلئے پاکستان کو سینٹو اور سینٹو کا محبر بنانا مجبوری تھی اور کہاں آج کا دن کہ امریکا، بورپ، چین اور روس کی خارجہ پا لیسی بھارت کے بغیر کمل

بس ایک لیڈر چاہیے

ائزٹھل وزیریز پروگرام امریکی حکومت کا ایک دلچسپ منصوبہ ہے، اس پروگرام کے تحت امریکی حکومت تیسرا کے دانشوروں، صحافیوں، تاجریوں، سیاستدانوں اور رسول سوسائٹی کے نمائندوں کو امریکا کا "وزٹ" کرتی ہے، یہ دوہنقوں سے آٹھ ہنقوں کا پروگرام ہوتا ہے جس میں ان لوگوں کو امریکا کی مختلف ریاستوں اور اداروں اور منصوبوں کا دورہ کرایا جاتا ہے، میرے ایک ناراض دوست مبشر بھی اس پروگرام کے ذریعے امریکا کے دورے پر گئے تھے، مبشر بھ کا تلق سفارت کاری کے ساتھ ہے چنانچہ امریکا میں مختلف سفیروں کے ساتھ ان کی ملاقاتیں کرائی گئیں، ان ملاقاتوں میں بھ صاحب ایک ایسے سابق سفارت کار سے بھی ہے جس نے ایوب خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے ادوار میں پاکستان کے امریکی سفارت خانے میں کام کیا تھا، یہ سفارت کار "پارٹی از اور" جیسے بدنام زمانہ فقرے کا بھی خالق تھا، مبشر بھ کے ساتھ ملاقات کے دوران اس سفارت کار نے بڑا دلچسپ اکشاف کیا، اس کا کہنا تھا پاکستان 1960ء کی دہائی میں اس تیزی کے ساتھ ترقی کر رہا تھا کہ ہم سفارت کار اکثر بحث کیا کرتے تھے، میں سال بعد کراچی زیادہ ترقی یافتہ ہو گیا پھر لندن اور نیویارک۔ اس سفارت کار کا کہنا تھا کراچی اس دور میں ایشیا کا سب سے بڑا، مادرن اور ترقی کی طرف بڑھتا ہوا شہر تھا، پوری دنیا میں پاکستان کو عزت اور توقیر سے دیکھا جاتا تھا لیکن پھر پاکستان کی ترقی کو نظر لگ گئی اور آج ہم اس بات پر حیران ہیں کہ پاکستان قدرتی وسائل کے اس انبار کے باوجود ترقی کیوں نہیں کر سکا؟ اس امریکی سفارت کار کا کہنا تھا 1960ء کی دہائی میں بھارت پاکستان سے کہیں پیچھے تھا اور بھارتی سفیروں کو اپنی اسناد سفارت پیش کرنے کیلئے کئی کئی ماہ انتظار کرنا پڑتا تھا، آج صورتحال اس سے بالکل الٹ ہے۔ مجھے بھ صاحب نے یہ واقعہ کئی برس پہلے سنایا تھا مگر میں جب بھی کسی غیر ملکی دانشور، صحافی، رہنماء اور سیاستدان کو بھارت کی تعریف کرتے دیکھتا یا سنتا ہوں تو مجھے فوراً اس امریکی سفارت کار کی بات یاد آ جاتی ہے اور میرا دل افسوس اور دکھ سے بھر جاتا ہے۔ پاکستان کبھی ترقی پذیر ممالک کا لیڈر تھا، کوریا کے دانشور اور سیاستدان پاکستان آ کر ہماری ترقی کا مشاہدہ کیا کرتے تھے اور ہمارے ماذلز کو کاپی کرتے تھے، ملاشیا اور انڈونیشیا کی ایلیٹ کلاس کے بچے پاکستان کے تعلیمی اداروں میں پڑھتے تھے اور

آج سے

میں نے اٹھ کر کیلندر دیکھا یہ 16 فروری 2009ء سموار کا دن تھا، میں نے سرخ پیش سے ہوا، ہم نے اپنا سیاسی نظام چلنے نہیں دیا، ہم نے ہمیشہ نالائق ترین بے ایمان ترین اور بے عقل ترین لوگوں کو اعلیٰ ترین عہدوں پر بھایا، ہمارا دفتری نظام دنیا کا بدترین سistem ہے اور آپ جس کام کرو رکنا بند کرنا اور خراب کرنا چاہتے ہیں آپ اسے کسی سرکاری ملکے اور کسی حکومتی ملازم کے حوالے کر دیں یہ لوگ چند گھنٹے میں شیر کو ٹی بنا کر آپ کی گود میں بخادیں گے، آپ کسی سرکاری دفتر کو یہ درخواست دے دیں۔

ہمارے ملک کا پورا نام پاکستان ہے یا اسلامی جمہوریہ پاکستان، آپ پیٹ پیٹ کر مر جائیں گے لیکن وہ سرکاری دفتر آپ کو پاکستان کا پورا نام نہیں بتاتے گا۔ یہاں حالت یہ ہے گندم کا جو چیز آج چاہیے حکومت وہ چھ ماہ بعد ملکوں ہے اور شہروں ندی اور نالوں پر مل بنا کے فصلہ عموماً بر سات کے موسم میں کیا جاتا ہے اور چینی عموماً اس وقت اپورٹ کر لی جاتی ہے جب گندم کی ٹراپیاں شوگر ملوں کے گیٹ پر کھڑی ہوتی ہیں، ہم لوگ عموماً تذہین کے بعد کفن کا بندوبست کرتے ہیں اور مون سون گزرنے کے بعد چھتریوں کا ٹرک ملکوں کے ہر دور میں بڑے بڑے ملکے وزارتیں اور عہدے کوتاہ فہم، نالائق اور کرپٹ لوگوں کے حوالے کے رکھے اور پیروکری میں اور سیاست ہم نے ہمیشہ فوجی لنگر کے ضابطوں پر چلائی چنانچہ آج اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ بھارت جی 20 میں بیٹھا ہے اور ہم افغانستان رواثٹا، زائرے اور مالدیپ کے شیش پر بیٹھ گئے ہیں اور افغانستان بھی بوقت ضرورت ہمیں دھمکی دے دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کیا ہم اس صورت حال سے نکل سکتے ہیں، ہاں ہم نکل سکتے ہیں کیونکہ جو ملک ڈاکٹر عبدالقدیر اور ڈاکٹر شمر مبارک مند کے ذریعے ایتمم بنا سکتا ہے اور جس کے عوام افتخار محمد چودھری کو بحال کر سکتے ہیں وہ ملک چاہے تو دس رسول میں جی لوٹنی کامبر بن سکتا ہے بس فیصلے اور قیادت کی بات ہے، اس ملک کو اگر آج ایک ایسی قیادت مل جائے جس کی نظر میں سارے وعدے اور معاهدے قرآن و سنت کی طرح مقدس ہوں اور جو پیٹ پر دو دو پتھر باندھ کر عوام سے ایک پتھر کی درخواست کر سکے تو یقین کیجئے ہم دوبارہ ترقی کی شاہراہ پر آ سکتے ہیں، اس ملک کا بس ایک لیدر چاہیے، ایک ایسا لیدر جو سرے محل کی بجائے تاریخ میں زندہ رہتا چاہتا ہو۔

نہیں ہوتی، کہاں وہ دن کہ پاکستانی روپیہ سمجھ ہو کر بھارت جاتا تھا اور کہاں یہ دن کر دنیا کے امیر ترین لوگوں میں بھارت کے چالیس لوگ شامل ہو چکے ہیں، کہاں وہ دن کہ پاکستان یورپ کا دروازہ سمجھا اور کہا جاتا تھا اور کہاں یہ دن کہ پوری دنیا پاکستان کی طرف دھشت سے دیکھتی ہے اور دنیا کے جس کونے میں بھی دھشت گردی کی واردات ہوتی ہے تو پوری دنیا کی نظریں ہماری طرف اٹھ جاتی ہیں۔

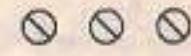
دے جس میں مقتول کی تین نسلیں انصاف تلاش کرتے کرتے قبروں میں چلی جاتی ہیں جبکہ قاتل عوام کے دوٹوں سے اسمبلیوں میں جایختہ ہیں اور جس میں انصاف صرف مضبوط اور بڑے لوگوں کو ملتا ہے میں آج سے یہ کہنے لگا ہوں انک کے پل کے پار بننے والے لوگ انسان نہیں ہیں چنانچہ انہیں ایتم بم سے اڑا دینا چاہیے میں نے آج سے بلوچستان کی ان مظلوم عورتوں کے بارے میں بھی خاموش رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے جو برسوں سے گھروں سے غائب ہیں اور ان کے لواحقین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون لپک رہا ہے میں آج سے ان سوا چھوٹو "منگ پر سنز" کا مطالبه بھی ترک کر رہا ہوں جنہیں پروین مشرف نے امریکہ کے ہاتھوں بچ کر ڈال کر ہے کر لئے تھے اور میں آج سے مدرسہ حضہ کی مقتول بچیوں کے خون سے بھی تائب ہو رہا ہوں میں آج سے یہ مطالبة بھی بند کر رہا ہوں جزل (ر) پروین مشرف کو عدالت میں لا یا جائے اور ان سے ان کی غلطیوں کا حساب مانگا جائے میں آج سے یہ مطالبة بھی بند کر رہا ہوں صدر آصف علی زرداری اور میاں نواز شریف بیرون ملک موجود اپنی دولت واپس لائیں میں آج سے ڈائریکٹ اور ان ڈائریکٹ 92 وزراء پر بھی خاموشی کا اعلان کرتا ہوں مجھے آج سے یہ اعتراض بھی نہیں کروں گا کہ کون سا وزیر سائز ہے چار لاکھ روپے کا پڑوں پھونک جاتا ہے کون سا وزیر کتنی گاڑیاں استعمال کرتا ہے کون سا وزیر کس کس مجھے کافی کھارہ ہے اور وزیر اعظم کی ذمی اے سے پلانوں کا کوئی کیوں مانگ رہے ہیں مجھے آج سے اس بات پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا کہ محترمہ نے نظیر بھنوکی شہادت کی تحقیقات کا بل سرکاری خزانے سے کیوں ادا کیا جا رہا ہے؟ میں آج سے یہ مطالبة بھی ترک کر رہا ہوں پاکستان پیپلز پارٹی کے ارکان محترمہ کی تحقیقات کے اخراجات پارٹی فنڈ سے کیوں ادا نہیں کرتے؟ میں آج سے حکومت کی "مس میجنٹ" کی نشاندہی بھی نہیں کروں گا میں بھلی کی لوڑ شیڈنگ، گیس کے پریشر میں کمی اگذشتی کی بندش، بے روزگاری، غربت اور مہنگائی کا ذکر بھی نہیں کروں گا میں ملک میں کھاد کی کمی، گندم کی عدم دستیابی اور چینی کے آنے والے بحران کی بات بھی نہیں کروں گا اور میں آج سے یہ بھی نہیں کہوں گا پارلیمنٹ میں آئنی ترمیم کے بغیر صوبہ سرحد کو پختو انخوہ کہنا غیر آئینی یہ احتجاج بھی بند کر رہا ہوں کہ ہمارے ایک لاکھ 20 ہزار فوجی قبائلی علاقوں اور سوات میں تعیبات ہیں یہ 1971ء کی طرح اپنے ہی لوگوں پر گولی چلانے پر مجبور ہیں اور ان کی گولیاں سوات اور قبائلی علاقوں میں ایک نئی مکتبی بانی کی فصل تیار کر رہی ہیں میں آج سے یہ بھی نہیں کہوں گا خودکش حملہ ہماری غلط پالیسیوں کا نتیجہ ہیں اور ہمارے قبائلی علاقوں میں رہوسا داوری آئی اے ملوٹ ہیں اور یہ سب پاکستان کو توڑنے کے منصوبے پر کار بند ہیں اور ہمیں عام شہری اور مجرموں کے درمیان تفریق کرنا ہو گی میں آج سے حکومت سے پر زور مطالبہ کروں گا وہ سوات سمیت پورے ملک میں انصاف کا وہ شاندار سٹم نافذ کر

بنانا چاہیے ہمیں اپنی غیرت اور اپنی سلامتی کی حفاظت کرنی چاہیے لیکن 16 فروری کو مجھے اچانک محسوس ہوا میں غلط ہوں میں غلط لوگوں کا ساتھ دے رہا ہوں اور مجھے فوری طور پر اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لئی چاہیے۔

پارٹی ڈسپلن

میری آنکھ کھلی تو میں نے فوراً کینڈر کی طرف دیکھا، یہ اخبارہ فروری 2009ء تھا، میری کایا پڑ، میری تبدیلی کا تیراون۔ میں نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور دنیا کو حکیم پا براعوان کی نظرؤں سے دیکھنا شروع کر دیا، مجھے سب سے پہلے معلوم ہوا پاکستان ڈیپلز پارٹی کے سیکرٹری جزل نیئر (متوقع) جہاں گیر پدر نے پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی پر اعتراض کی مجلس عالمہ کی رکنیت معطل کر دی اور انہیں شوکا زنوش جاری کر دیا۔ میں نے اس خبر پر اطمینان کا سائنس لیا۔ یہ واقعہ اگر 16 فروری سے پہلے وقوع پذیر ہوتا تو مجھے شدید افسوس ہوتا اور میں پاکستان ڈیپلز پارٹی سے اعتراض کا جرم پوچھتا میں جہاں گیر بدروں سے عرض کرتا، کیا ضمیر کے مطابق آواز اخہانا جرم ہے؟ کیا پارٹی کو محترمہ بنے نظیر بھنو شہید کا وعدہ یاد کرنا جرم ہے؟ کیا حواسِ ملک کی رائے اور وقوعات کا ساتھ دینا جرم ہے؟ کیا میری ڈیکلپریشن اور 5 اگست کے تحریری معابرے یا دکرانا صدر صاحب سے 58 دوب کے اختیارات لے کر پارلیمنٹ کو واپس کرنے کا مطالبہ گناہ ہے اور کیا روں آف لاء کا مطالبہ افتخار محمد چودھری اور وکلاء برادری کا ساتھ دینا اور حق کیلئے لانگ مارچ کرنا اور وہڑتا دینے کا اعلان جرم ہے؟ میں ان سے پوچھتا چودھری اعتراض کیا نہ نہیں لئے خاموش نہیں رہی تھی کہ ملک کے صدر جزل پر ویز مشرف تھے اور اس لانگ مارچ کے ذریعے انہیں ڈرانے دھمکانے اور کمزور کرنے کی ضرورت تھی، کیا یہ حقیقت نہیں اس وقت آصف علی زرداری کیلئے راستہ ہموار کرنے کی ضرورت تھی، میں اس وقت آصف علی زرداری کیلئے ڈرانے دے دی اور ان کیلئے خوارک پانی اور ڈالکش کا بندوبست بھی کیا لیکن آج ملک میں آصف اجازت بھی دے دی اور ان کیلئے خوارک پانی اور ڈالکش کا بندوبست بھی کیا تھا اور میں آج یہ علی زرداری کی حکومت ہے چنانچہ پارٹی بھی ایکشو ہو گئی ہے اور ڈسپلن بھی جامگ اخہا ہے مگر میں آج یہ بات نہیں کر سکتا کیوں؟ کیونکہ میں تائب ہو چکا ہوں، میں نے اپنی زندگی کا زاویہ بدل لیا ہے اور میں اب اس ملک کو جتاب عباس اطہر کی عینک سے دیکھ رہا ہوں چنانچہ مجھے اب اعتراض کا صارف نیصد مجرم دکھائی دے رہے ہیں۔ چودھری اعتراض کا تقاضی پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کے مرکب ہوئے ہیں، خدا کی پناہ 18 فروری 2008ء کے الیکشنز کی پہلی ساگرہ پر افتخار محمد چودھری کا ساتھ دینا، وکلاء اور رسول سوسائٹی کو اپنے حقوق کیلئے باہر نکلنے کی دعوت دینا، روں آف لاء، آزاد اور خود مختار عدالت کے خواب دیکھنا،

میں آج سے پوری طرح تائب ہو رہا ہوں اور میں نے نہ صرف حکومت کا بھرپور ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے بلکہ میں تمام جنوبی صحافیوں اور ایکٹر پرنسز سے بھی درخواست کروں گا وہ تمام لوگ بھی ہتھیار پھینک دیں تا کہ یہ ملک ترقی کر سکے یہ سُم آگے بڑھ کے اور ہم سب ایک دو برسوں میں تیسری دنیا سے نکل کر اپنی دنیا میں جا سکیں، میں ان تمام حضرات سے درخواست کروں گا آئے ہم سب آج سے خاموش ہو جاتے ہیں کیونکہ ہم لوگ اس ملک کی ترقی کی واحد رکاوٹ ہیں، یہ صرف چند اخبار، چند میلی ویژن چنلو، چند کالم لگاڑ، چند رپورٹر اور چند ایکٹر پرنسز ہیں جن کی وجہ سے یہ ملک ترقی نہیں کر رہا، ہم خاموش ہو جائیں تو خیر ہی خیر، بلے ہی بلے چنانچہ میں آج سے خاموش ہو رہا ہوں، آپ بھی کل سے خاموش ہو جائیں اور ملک کو..... کے آمرے پر چھوڑ دیں، سب تھیک ہو جائے گا۔



اپنے موقوف پر ڈالے رہتا 2007ء میں صدر پرویز مشرف کی طرف سے وزارت عظمی قبول نہ کرنا، ایکشن نہ لڑنا، وزارت نہ لیتا، سینٹ کے نکت کیلئے اپلاں نہ کرنا اور پارٹی قیادت سے اختلاف پارٹی ڈپلن کی خلاف وزری نہیں تو کیا ہے؟ میں ویژن جوتنو پر بیٹھ کر وزیر قانون جناب فاروق اعج نائیک صاحب کو صرف نائیک اور اٹارنی جزئی جناب سینئر لطیف کھوسے صاحب کو صرف کھوسے کہنا اور محرز پر یہ کورٹ کو ڈگر کورٹ کہنا پارٹی کے ڈپلن کی خلاف ورزی نہیں تو کیا ہے؟ تاک شوز میں بیٹھ کر یہ اعلان کرتا "مجھے یقین ہے افتخار محمد چودھری ضرور بحال ہوں گے" اور میں اپنی حکومت کی بقاء کیلئے اپنی پارٹی سے درخواست کرتا ہوں وہ عدیہ کو 2 نومبر کی پوزیشن پر بحال کر دے، پرویز مشرف کے احساب کا مطالبہ کرنا اور عدالتون میں پیش نہ ہونا پارٹی ڈپلن کی خلاف ورزی نہیں تو کیا ہے؟ پارٹی میں اتنے بڑے لوگوں کی موجودگی کے باوجود دنیا کا پانچواں بڑا انٹربراڈن جانا، دنیا بھر سے عدیہ کی آزادی کی جدوجہد کے ایوارڈ اور تمغے لیتا اور امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں خطاب کرنا اور بڑے بڑے جلوسوں میں شعلہ بیانی کا مظاہرہ پارٹی ڈپلن کی خلاف ورزی نہیں تو کیا ہے؟ اور حکومت سے محترمہ بے نظیر بھنو کے قتل کی تفتیش کا مطالبہ کرنا اور سر عام بغاوت سے بھر پور شعر پڑھنا اور انصاف کے بارے میں نظمیں لکھنا اور سردیوں کی دوپہر میں اپنے گھر کے لان میں بیٹھ کر کینوں کھانا پارٹی ڈپلن کی خلاف ورزی نہیں تو کیا ہے؟ چنانچہ میرا خیال ہے چودھری اعتراضاً احسن کو ان جرائم پر کڑی سے کڑی سزا دینی چاہیے تاکہ اس ملک میں آئندہ کسی شخص کو اتنے سکین جرائم کی جرأت نہ ہو۔

رابطہ قرار دیا، میری اگر کایا نہ پہنچی ہوتی تو مجھے اس ملاقات پر بھی بہت افسوس ہوتا کیونکہ میں نے 8 جولائی 2007ء میں لندن کی آل پارٹیز کانفرنس میں میاں نواز شریف کو خود یہ کہتے ہوئے سناء اور دیکھا بھی تھا کہ "پاکستان میں دمکتوں کے واقعات میں الطاف حسین کے کردار کے حوالے سے ضروری قانونی کارروائی کیلئے بر طالوں حکومت کو مشترکہ یادداشت بھجوائی جائے جبکہ مستقبل میں کوئی جماعت ایم کیوں ایم کیا تھا اتحاد نہیں کر سکی۔"

میری کایا کیونکہ پلٹ چکی ہے لہذا میں اب سمجھتا ہوں سیاست میں کوئی بات، کوئی چیز حرف آخرنہیں ہوتی، سیاست کے سارے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور کوئی بھی شخص کسی بھی وقت کسی بھی دروازے سے اندر بھی داخل ہو سکتا ہے اور باہر بھی نکل سکتا ہے اور سیاستدانوں کے تمام بیان "سیاسی بیان" ہوتے ہیں اور یہ ہرگز ہرگز قرآن و حدیث نہیں ہوتے چنانچہ قومی مفاد میں دونوں جماعتوں کے درمیان رابطے میں کوئی حرج نہیں، میری کایا کیونکہ پلٹ چکی ہے چنانچہ میں بھی حکیم با بر اعوان اور چودھری شارعلی خان کی طرح سمجھتا ہوں بچ دھرنوں اور جلے جلوسوں سے بحال نہیں ہوں گے اور وکلاء نے تحریک کے اعلان سے پہلے اپوزیشن جماعتوں کو اعتماد میں نہ لے کر بڑی زیادتی کی چنانچہ نہیں اب اس زیادتی کا تاوان برداشت کرنا چاہیے اور وکلاء لاگنگ مارچ اور وھر نے کو 3 نومبر 2009ء تک مُؤخر کر دیں، میری کایا کیونکہ پلٹ چکی ہے چنانچہ میں یہ سمجھتا ہوں وکلاء کا یہ خدشہ سویصد غلط ہے کہ ان کی جدوجہد کا پھل ہمیشہ سیاسی جماعتیں کھا جاتی ہیں، انہوں نے 9 مارچ 2007ء کو تحریک شروع کی، اس تحریک کا فائدہ میری کیونکہ کایا پلٹ چکی ہے اور میں اب دنیا کوئی عنیک سے دیکھ رہا ہوں چنانچہ مجھے یہ جان کر قطعاً حیرت نہیں ہوئی کہ پاکستان مسلم لیگ ن نے سینٹ کے ایکھنر کیلئے پاکستان ڈپلن پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ق کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے، میں آج اس سمجھوتے کو زمینی حقائق سمجھ رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں جب تمام بھوکوں نے ایک ہی دسترخوان پر جانا ہے تو پھر صلح صفائی کا مظاہرہ کیوں نہ کیا جائے؟ جب سب کا مقصد ایک ہے تو پھر سیاسی اختلافات جوڑ توڑ اصول اور بے اصولی کی لڑائی کو چند دنوں کیلئے موقوف کیوں نہ کر دیا جائے؟ کیوں ناں سارے سیاستدان سر جوڑ کر بیٹھیں، سینٹ کی سیٹیں آپس میں تقسیم کریں اور مارچ کے دوسرے ہفتے میں ایک بار پھر ایک دوسرے پر کچھ پھینکنا شروع کر دیں، اس فارمولے میں آخر کیا حرج ہے؟ یہ خونگوار واقعہ اگر 15 فروری سے قبل پیش آیا ہوتا تو مجھے بہت دکھ ہوتا لیکن اب کیونکہ میں نے دنیا کوئے سے زاویے سے دیکھنا شروع کر دیا ہے چنانچہ میں خوشی سے لذیاں ڈال رہا ہوں، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے کراچی میں ایم کیوں ایم کے گورنرڈ اکنڈ عشرت العہاد کے ساتھ ملاقات کی اور اس ملاقات کو ایم کیوں ایم اور پاکستان مسلم لیگ (ن) کے درمیان پہلا

آپ نے ٹریک روڈ کی خلاف ورزی کی چنانچہ آپ کو جرمانہ ادا کرنا پڑے گا،" ایم پی اے نے اسے ڈانتا۔ اس کے ساتھ بد تیزی بھی کی لیکن ٹریک وارڈن قانون پر اڑا رہا ہیاں تک کہ ایم پی اے کو اسے گھورا، اس کے ساتھ بد تیزی بھی کی لیکن اس دوران ایم پی اے کی انازخی ہو چکی تھی چنانچہ اس نے 300 روپے کا چالان پیدا کیا اور حکام پالا نے ٹریک وارڈن کو کھڑے کھڑے م uphol کر دیا، میں یہ خبر اگر فوراً حکام پالا کو فون کیا اور حکام پالا نے ٹریک وارڈن کے حق میں کالم لکھتا اور اس ایم 15 فروری کو پڑھتا تو میں کڑھنا شروع کر دیا، میں اس ٹریک وارڈن کے حق میں کالم لکھتا اور اس ایم پی اے کی بھرپور مدت کرتا لیکن 19 فروری تک کیونکہ میں ایک نیا شخص بن چکا ہوں چنانچہ میں اس معاملے میں ایم پی اے کو ٹھیک اور ٹریک وارڈن کو غلط سمجھتا ہوں، اس بے وقوف ٹریک وارڈن کو معلوم ہی نہیں تھا ایم پی اے کیا ہوتا ہے؟ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اگر چاہیں تو صدر پر دیز مشرف کو دس دس پار یوینفارم میں صدر منتخب کر سکتے ہیں یہ لوگ انعام محمد چودھری کو سیاسی شخصیت ڈیلیٹر کر سکتے ہیں اور پورا پورا شہر ہرپ کر کے بھی ڈکار نہیں لیتے، ایم پی اے قانون بنانے اور اس پر عملدرآمد کرنے کیلئے پیدا نہیں ہوئے یہ لوگ قانون توڑنے، قانون کو قدموں میں رومنے بلکہ اس پر گھوڑے دوڑانے کیلئے دنیا میں آتے ہیں، اس بے وقوف ٹریک وارڈن کو یہ تک معلوم نہیں تھا اس ملک میں قانون کسی رکن اسمبلی، کسی معاشرے میں مایوسی پھیلانے میں اتنا معروف رہا تھا کہ مجھے اپنے صحن میں جماں لکنے کا وقت ہی نہیں ملا میں کبھی 12 میں کے شہیدوں کو روتا رہتا تھا، کبھی لال مسجد اور مدرسہ خصہ کی بیچاں مجھے سونے نہیں دیتی تھیں اور کبھی میں وزیرستان پر گرانے جانے والے میزانلوں پر کڑھتا رہتا تھا، مجھے سانحہ کار ساز اور لیاقت باعث کے شہید بھی ٹھک کرتے رہتے تھے چنانچہ میں نے بہار کو بھی بہار کی طرح نہیں دیکھا، میں نے اب پولیس اس کا نشیبل کو چھڑی لگا کر جزل صاحب کے دربار میں پیش کرنے پر مجبور ہو گئی تھی لیکن اسکے پا وجود جزل صاحب کی تسلی نہیں ہوئی تھی اور آئی جی کو جزل صاحب کا غصہ دور کرنے کیلئے لاہور کا اسیں جنمیں ہر حکمران سچا اور ہر حکومت کے اقدامات کمرے دکھائی دیتے ہیں، جزوں والقفار علی بھٹو کے دور میں سو شلست ہو جاتے ہیں، جزل ضیاء الحق کے دور میں جاہد بن جاتے ہیں، بن نظیر بھٹو کے دور میں "لبی بی" کے جائز، ہو جاتے ہیں، میاں صاحب کے دور میں میاں صاحب کے "واہ جی واہ" گروپ میں شامل ہو جاتے ہیں، جزل پر دیز مشرف کے دور میں روشن خیال اور اعتدال پسند ہو جاتے ہیں اور آصف علی زرداری کے دور میں مظلوموں کے نوے میں شامل ہو جاتے ہیں اور جو سب کے یار ہیں لیکن کسی کے دوست نہیں ہیں چنانچہ میری زندگی بہت سکھی ہو گئی ہے مجھا ب کسی بات پر مبنی نہیں ہوتی۔

میں نے 19 فروری کو بھرپڑھی کسی ٹریک وارڈن نے چناب اسمبلی کے رکن شوکت منظور کی گاڑی روک لی، ایم پی اے صاحب ٹریک وارڈن کو بتاتے بھی رہے "میں ایم پی اے ہوں، میں ایم پی اے ہوں،" لیکن ٹریک وارڈن نے عاجزی اور وضعداری سے عرض کیا "سر قانون سب کیلئے برابر ہے"

بس ذرا سی بے شرمی

میاں صاحب زیادتی کر رہے ہیں

میاں نے کیلندرو دیکھا، یہ 23 فروری کی خوبصورت صحیح تھی میں نے 23 فروری پر بھی سرخ پسل سے دارہ کھینچ دیا، آج کے اخبارات میاں نواز شریف کے خطاب کے روڈل سے بھرے تھے، میاں نواز شریف نے جمعہ 20 فروری کو وکلاء کے ساتھ مل کر دھرنے کا اعلان کیا اور اس کے بعد 21 فروری کو پارٹی کی جزئی کوںسل سے تاریخی خطاب کیا، میاں صاحب کے اس خطاب میں ذوالقدر علی بھٹکوکی بھٹک لئی میاں صاحب جب یہ خطاب فرمائے تھے تو اس وقت وہ میاں صاحب کی بجائے انقلابی لیڈر نظر آرہے تھے میں بھچلے ایک سال سے میاں صاحب کی سیاسی حرکات و مکنات کا جائزہ لے رہا ہوں وہ 18 فروری 2008ء سے محتاط کھیل رہے تھے اور یوں محسوس ہوتا تھا میاں صاحب سمجھتے ہیں انہوں نے اگر سیاسی جلد بازی دکھائی یا اگر وہ وفاقی حکومت کیلئے خطرہ بن گئے تو فوج اس موقع کا فائدہ اٹھائے گی وہ اگر بڑھے گی اور ملک ایک بار پھر آٹھوں سال کیلئے جمہوریت کی بڑی سے اتر جائے گا چنانچہ وہ بڑی احتیاط سے سیاست کی شطرنج پر مہرے آگے پیچھے کر رہے تھے۔ میں محسوس کرتا رہا میاں صاحب بڑی حد تک اپنی طبیعت کے خلاف چل رہے ہیں لیکن پھر انہوں نے اچانک 20 اور 21 فروری کو اعلان جہاد کر کے ایک سال کی احتیاط کا کفارہ ادا کر دیا، وہ ایک ہی چھلانگ میں رنگ کے اندر آگئے لیکن یہ واقعہ اگر 15 فروری سے پہلے پیش آیا ہوتا تو میاں نواز شریف کی اس بہادری پر تالیاں بجاتا، میں انہیں مبارک پا دیش کرتا اور اس تاریخی مورکوئج کی جیت، اصولی موقف اور ملک میں عدل و انصاف کی بنیاد قرار دیتا لیکن کیونکہ اب میری کایا پلٹ چکی ہے، میں نے جنونیت ترک کر دی ہے، میں مایوسی پھیلانے سے تو بے کر چکا ہوں اور میں نے اس ملک میں جمہوریت کو استحکام دینے کیلئے قلمی جہاد کا فیصلہ کر لیا ہے چنانچہ مجھے میاں صاحب کے اعلان جہاد پر شدید افسوس ہوا اور میں بھچلے تین دن سے انتہائی غصے میں ہوں کیونکہ مجھے محسوس ہوتا ہے اگر میاں نواز شریف عدیہ کی آزادی کیلئے پورے اخلاص کے ساتھ ملک کو پر آگئے اور ان کی پارٹی نے وکلاء کے ساتھ مل کر دھرنا دے دیا تو پاکستان میں دو بڑی تبدیلیاں آجائیں گی معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری بحال ہو جائیں گے اور سابق صدر جزل (ریٹائرڈ) پروریز مشرف کا احتساب شروع ہو جائے گا اور یہ دونوں تبدیلیاں اس ملک کیلئے انتہائی خوفناک ثابت ہوں گی۔

میری کایا کیونکہ پلٹ چکی ہے چنانچہ میں نے جب 19 فروری کے اخبارات میں پڑھا وزیر اعلیٰ پنجاب نے صوبائی وزراء کیلئے 30 نئی گاڑیاں خریدنے کی اجازت دیدی ہے تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی، میں ذاتی طور پر جانتا ہوں پنجاب کے وزراء کے پاس ایک سال پرانی گاڑیاں ہیں اور ان گاڑیوں میں انہیں اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں بڑی دقت بلکہ کوفت ہوتی تھی، پنجاب کے عارضی وزیر اعلیٰ گلبرگ میں پرانی گاڑی میں "پکڑے" بھی گئے تھے چنانچہ نئی گاڑیاں انتہائی ضروری تھیں، میری درخواست ہے حکومت اگر اب گاڑیاں خریدنے ہی لگی ہے تو یہ مہربانی کر کے بلٹ پروف مریڈنر، بی ایم ڈبلیو اور پراؤ خرید لے تاکہ پنجاب کے وزراء بھی وفاقی وزراء کی طرح پورے اطمینان سے عوام کی خدمت کر سکیں لیکن آپ اگر میری ایماندار ارادے پوچھیں تو میں وزراء کو گاڑیاں دینے کا سرے سے مخالف ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں گذگورنس کیلئے تمام وزراء کے پاس ہیلی کا پڑراز اور جیٹ طیارے ہونے چاہئیں، اس سے وزراء کو تین فائدے ہوں گے اول، یہ لوگ ناشتا اپنے آبائی گھر میں فرمائیں گے لئے صوبائی دار الحکومتوں میں کر سکیں گے اور ڈنر اور آفیسر ڈنر میاں اسلام آباد میں فرمائیں گے اس "طویل دن" کے بعد بھی یہ لوگ فریش رہ سکیں گے اور رات دو بجے کے بعد یہ لوگ جتنا ہو سکا "گذگورنس" کا مظاہرہ بھی کر سکیں گے۔ دوم، ہیلی کا پڑراز اور جیٹ طیارے فضا میں ہونے کی وجہ سے خودکش حملوں سے محفوظ ہوتے ہیں چنانچہ ان قیمتی انسانوں کی سیکورٹی کا مسئلہ بھی حل ہو جائیگا اور سوم، ہماری سرکوں پر دھول میں بہت زیادہ ہے جسکی وجہ سے بعض اوقات ہمارے وزراء کے کپڑے خراب ہو جاتے ہیں اور جہازوں میں کم از کم یہ مسئلہ نہیں ہوتا چنانچہ میری دعا ہے حکومت کو جلد از جلد عقل آجائے اور وہ اگلے سال تمام صوبائی اور وفاقی وزراء کیلئے ہیلی کا پڑراز اور جیٹ طیارے خریدنے کیلئے آئی ایم ایف کو ترضی کی درخواست دیدے تاکہ صدر، وزیر اعظم، گورنر، وزراء اعلیٰ اور وزراء کے درمیان مساوات برابری اور یکسان معیار زندگی قائم کیا جاسکے۔

آپ میری کا یاپلٹ کا کمال دیکھئے میں کتنی جلدی غیر حقیقی اور مصنوعی بھراںوں سے نکل آیا اور مجھے اپنے ارد گرد کتنا اجالا، لکنی روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ دیکھے لجھے کوئی مسئلہ، مسئلہ ہی نہیں رہا چنانچہ میری اس ملک کے عوام سے درخواست ہے یہ بھی دنیا کو حکومت کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیں، ان کو بھی غربت غربت، یہاں کی پسمندی کی پسمندی کی بے روزگاری، لاقانونیت لاقانونیت، بے انسانی بے انسانی، ڈرون ڈرون اور میزائل میزائل نہیں لگیں گے۔ آپ کو افتخار محمد چودھری سچا ڈاکٹر عبدالقدیر عوام کا ہیر و اور چودھری اعزاز احسن اچھا دکھائی نہیں دے گا، آپ کو سرخ سرخ اور بزر بزر نہیں لگے گا، وہ بھی وہ کیا بات ہے بس ذرا سی بے شرمی کی ضرورت ہے اور سارے مسئلے ختم۔

میاں نواز شریف کی اس جارت کے دو مزید نقصانات بھی ہوں گے میاں نواز شریف کی کوشش سے اگر معزول نجی بحال ہو گئے تو عدالیہ کو یہ پیغام ملے گا کہ اس ملک میں کلمہ حق کہنے والے لوگ خارے میں نہیں رہتے، اس ملک میں جو شخص نیکی، اچھائی اور اصول کیلئے لڑتا ہے قوم اسے کندھے پر اٹھا کر دوبارہ کری پر بٹھادیتی ہے چنانچہ مستقبل میں تمام سرکاری عہدے دار اصول کیلئے عہدوں کی قربانی دے دیں گے اور اس کے نتیجے میں پورے ملک کا نظام بگڑ جائے گا۔ صدر کا سیکرٹری صدر کا غیر آئینی حکم نہیں مانے گا، وزیر اعظم کا شاف ان کے غیر قانونی احکامات تسلیم نہیں کرے گا، وزیر کا عملہ قواعد کی خلاف نہیں مانے گا، وزیر اعظم کا شاف ان کے غیر قانونی احکامات تسلیم نہیں کرے گا، وزیر کا عملہ قواعد کی خلاف نہیں مانے گا، اسکا کارکردے گا، تریک پولیس کا الہکار جرنیل کی گاڑی سے کاٹ لشیت اڑوادے گا، عدالتیں درزی سے انکار کردے گا، تریک پولیس کا الہکار جرنیل کی گاڑی سے کاٹ لشیت اڑوادے گا، عدالتیں بیرون، کرنلوں اور بریگیڈرزوں کے خلاف فیصلے دینے لگیں گی، سیکرٹری صاحب کا حکم سیکش افسروں نہیں مانے گا اور پسواری ڈی سی اکوڈ مختلطی، دینے سے انکار کردے گا، چنانچہ پورے ملک کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ میاں صاحب کی اس جارت کا دوسرا نقصان یہ ہو گا کہ عام شہری زیاسول سوسائٹی کا دماغ خراب ہو جائے گا کیونکہ جب افتخار محمد چودھری بحال ہوں گے اور جزل ریٹائرڈ پر ویز مشرف کا ثرائیں شروع ہو گا تو عام شہری کو پہلی بار اپنی طاقت کا احساس ہو گا وہ جان لے گا وہ اکیلا بھی اس ملک کا مقدمہ بدلتا ہے وہ جان جائے گا اگر وہ سڑکوں پر نکل آیا تو وہ صدر آصف علی زرداری جیسے مضبوط شخص کو بھی اپنا فیصلہ تبدیل کرنے پر مجبور کر سکتا ہے اور عام شہری کی یہ غلط مفہومی مستقبل میں انتہائی خطرناک ثابت ہو گی کیونکہ کل کو لوگ سو اس میں فوجی آپریشن فاتا پر ڈرون حملوں ستر ہویں ترمیم کے خاتمے بجلی کی لوڈ شیڈنگ، پڑوں اور گیس کے نزخوں میں اضافے، کابینہ میں وزراء کی تعداد پر ونوکوں، سیکورٹی اور صحت، تعلیم اور صاف پانی کی دستیابی جیسے مسئللوں پر بھی سڑکوں پر نکل آئیں گے اور حکومت عوام کی بات سننے پر مجبور ہو جائے گی۔ اگر عام شہری کو غلط مفہومی ہو گئی تو حکمران اپنے وحدوں سے پھر نہیں سکیں گے اور وہ مری ڈیکلیریشن جیسے اعلانات کو سیاسی بیان بھی قرار نہیں دے سکیں گے اور یوں اس ملک میں اتنا کی پھیل جائے گی چنانچہ میں سمجھتا ہوں میاں نواز شریف نے دھرنے کا فیصلہ کر کے بڑی زیادتی کی۔ انہوں نے اس ملک کے قانون، آئین، خاص بطے اور روایت کی توہین کی ہے اور اس توہین پر ان کی جتنی بھی نہادت کی جائے وہ کم ہو گی۔ میں سمجھتا ہوں اس معاملے میں صدر آصف علی زرداری کا موقف سو فیصد درست ہے چنانچہ انہیں ڈرنے کھبرانے اور پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، ہمارے جیسے روشن خیال، اعتدال پسند، حقیقت شناس اور زینتی حقوق سے واقف کالم نگار اور پی ای دی کے تمام تکریز پر منزد صدر صاحب کے ساتھ ہیں، یہ میدان میں ڈئے رہیں انشاء اللہ ان کے دشمن منہ کی کھا نہیں گے اور آخری دفعہ انہیں ہی نصیب ہو گی۔

آپ ذرا تصور کیجئے افتخار محمد چودھری جب بحال ہو گئے تو کیا ہو گا؟ عدالتیں سیاسی دباؤ سے آزاد ہو جائیں گی، سپریم کورٹ ہائی کورٹ اور سیشن اور سول کورٹس بھی شیر ہو جائیں گی اور وہ بھی آزادانہ فیصلے شروع کر دیں گی، نجی صاحبان صدر اور وزیر اعظم سے لے کر ناظم تک اس ملک کے تمام با اختیار لوگوں کو طلب کرنا شروع کر دیں گے، نجی سیاستدانوں کے خلاف فیصلے دیں گے، انصاف کا عمل تیز اور ستا ہو جائے گا، غربیوں بے بسوں بے کسوں اور مسکینوں کو انصاف ملنے لگے گا، عدالتیں اخبار کی سنگل کالم خبر پر سو ملتوں ایکشن لے لیا کریں گی، جس کے نتیجے میں پیور و کریسی، پولیس اور پرائیویٹ اداروں کو اپنا قبلہ نجیک کرنا پڑ جائے گا، عدالتیں کی خود مختاری کی وجہ سے گوالے دو دھمکیں پانی نہیں ملا سکیں گے، دکاندار کم نہیں تول سکیں گے، ادویات بھانے والی کمپنیاں دواؤں کی مکان مانی قیمت وصول نہیں کر سکیں گی، ڈاکڑوں کی پرائیویٹ پریکش بند ہو جائے گی، ٹرانسپورٹر زیادہ کرائے وصول نہیں کر سکیں گے، حکومت 40 ڈار بیرون پڑوں خرید کر 58 روپے لیزندیں پچ سکے گی، واپڈا بجلی اور گیس کے محکمے قدرتی گیس کے نزد نہیں لوگوں کو وزارتیں پیش نہیں کی جا سکیں گی، چنانچہ آپ خود انداز الگائیے اس کے بعد ملک کا کیا حشر ہو گا؟ حکومت کیسے کرے گی؟ انتظامیہ عوام پر ظلم کیسے کر سکے گی؟ منافع خور منافع کیسے کما سکیں گے؟ رشوت خور رشوت کیسے لے سکیں گے؟ وزراء کرپشن کیسے کر سکیں گے اور عام آدمی اور خاص شہریوں میں فرق کیسے برقرارہ سکے گا، لہذا میرا خیال ہے یہ اس ملک کے ساتھ بہت بڑا ظلم ہو گا۔ دوسرا نواز شریف کی تحریک سے سابق صدر جزل پر ویز مشرف کا ثرائیں شروع ہو جائے گا، وہ عدالت میں بیش ہوں گے اور دکاء ان پر اقدار پر قبضے، آئین توڑے نے ستر ہویں ترمیم پاکستان میں امریکیوں کو غیر قانونی اور غیر آئینی سہولتیں دیئے، لوگوں کو گھروں سے اٹھا کر امریکہ کے حوالے کرنے لال مسجد اور مدرسہ حفصہ پر حملہ کرنے ملک میں ایک جنگی لگانے اور جھوٹ کو گھروں میں محصور کرنے جیسی چھوٹی غلطیوں پر جرح کریں گے جس سے جزل صاحب کو کوفت بھی ہو گی اور یہ روایت بھی ثبوت جائے گی کہ پاکستان میں جرنیل قانون سے بالا ہیں اور کوئی طاقت ان کا احتساب نہیں کر سکی۔ میاں صاحب کی اس حرکت کے نتیجے میں ملکی تاریخ میں پہلی بار کسی سابق حکمران، کسی ریٹائرڈ جرنیل کا ثرائیں ہو گا، اسے سزا دی جائے گی اور یوں مارشل لاء کا سلسلہ رک جائے گا اور مستقبل میں جرنیل بھی حکومت پر قبضے سے پہلے سو سو بار سوچیں گے اور عدالتیں بھی کسی آمر کو آئین میں تبدیلی کا اختیار دینے سے گھبرا نہیں گی اور یوں ملک پر جمہوریت اور انصاف کی اصلی پڑی پر آجائے گا اور یہ اس ملک کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہو گی۔

اپنے روٹی کے بیز زاتار دیئے گئے اور روٹی کا نرخ فوراً پانچ روپے ہو گیا، آپ غور کیجئے اس ایک اقدام کتنے لوگوں کے روزگار اور آمدی میں اضافہ ہوا، کتنے لوگوں کا منافع بڑھ گیا اور آنے والے دنوں میں ہبھاب کے کتنے سرمایہ کاروں کو اس کا فائدہ پہنچے گا؟ میرا خیال ہے میاں شہباز شریف عوام کو سستی دل دے کر ان کا مزاج اور عادت بگاڑ رہے تھے اور یہ کسی بھی طرح طیارہ اغواء یا غداری سے کم بڑا جرم لکھنا نچہ و فاقی حکومت کو چاہیے وہ فوراً اس جرم پر میاں شہباز شریف کے خلاف مقدمہ درج کرے۔ میں نے فوراً ٹیبل کیلنڈر اٹھایا یہ 25 فروری کا دن تھا، کھڑکی کے شیشوں پر دھوپ دستک دے رہی تھی، کرے کے اندر ”برداشت ہبہل“ سی گرمی تھی، میں نے ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور نیوز چینلو سے گاؤں کے چینل پر شفت ہو گیا، کرے کا شور تھم گیا اور میں نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا، ایک منٹ 12 سیکنڈ پہلے نیوز چینلو چیج چیج کرتا ہے تھے پریم کورٹ نے میاں برادران کو ”ڈس کوالیغاٹی“ کر دیا اور اس خبر کے بعد تمام چینلوں میں ”برینگ نیوز“ کی دوڑ لگ گئی، میں بڑی دیر تک چینچی چلا تی سکریوں میں الجھارہا لیکن پھر مجھے اچانک یاد آیا میری کایا توپٹ ہجھی ہے چنانچہ میں نے فوراً اس صورتحال سے لٹکنے کے جتن شروع کر دیئے، میں نے سب سے پہلے چینل تبدیل کیا، پھر ٹھنڈے پانی کے دو گلاس چڑھائے پانچ چھلبے لبے سانس لئے جوتے اتار کر پاؤں پھیلائے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکرا دا کیا جس نے مجھے یہ یادگار اور شاندار دن دیکھنے کی توفیق عطا فرمائی، میں تسلیم کرتا ہوں پریم کورٹ نے یہ فیصلہ اگر 15 فروری سے پہلے دیا ہوتا تو میں اسے عدل اور سیاست کا یوم سیاہ قرار دیتا اور قلمی جہاد کیلئے فوراً میدان میں کو درپڑتا لیکن کیونکہ اب میری کایا پلٹ ہجھی ہے چنانچہ میں اس دن کو اب پاکستان کی تاریخ کا یوم نجات سمجھتا ہوں۔ 25 فروری کو جو کچھ ہوا وہ بہت ہی اچھا اور شاندار تھا اور مجھے یقین ہے یہ دن اچھے اور شاندار دنوں کی ماں بلکہ ثیسٹ ٹیوب مدد بابت ہو گا اور اس کی کوکھ سے ایسے بے شمار شاندار دن جنم لیں گے جو اس ملک کو ترقی، خوشحالی اور استحکام کی آخری منزل تک پہنچا دیں گے۔ میں نے سوچا مجھے فوری طور پر اس شاندار کارنامہ پر پریم کورٹ آف پاکستان پہنچ پارٹی اور وفاقی حکومت کو مبارک باو پیش کرنی چاہیے کیونکہ ان تینوں کی مشترک کوششوں سے اس ملک کے غریب عوام کو تفریغ طبع کیلئے یہ شاندار موقع طا اور ہم اس پر حکومت کی جتنی بھی تعریف کریں وہ کم ہو گی۔

آپ اس مبارک دن کی برکتیں ملاحظہ کیجئے، 25 فروری سے پہلے پنجاب کے اڑھائی ہزار سوروں پر غریب عوام کو دور دے پے میں روٹی ملتی تھی لیکن ماشاء اللہ جوں ہی عدالت کا فیصلہ سامنے آیا، میاں شہباز شریف کی حکومت ختم ہوئی اور پنجاب میں گورنر راج کے نفاذ کا اعلان ہوا سوروں سے دو

بہت اچھا ہوا

گے اور ان کی بدبو سے پورا ملک مہک اٹھے گا اور اس دن کی سب سے بڑی برکت فوج ہے، 18 فروری 2008ء کے ایکشناز اور پاکستان کے دو بڑے سیاستدانوں اور دو بڑی سیاسی جماعتوں کی طرف سے ایک دوسرے کو بھائی بھائی قرار دینے سے فوج یہ سمجھ بیٹھی تھی اسے اب باقی زندگی پر کوئی میں گزارنا پڑے گی لیکن 25 فروری کی برکت سے ان لوگوں کے چہرے ایک بار پھر خوشی سے دک اٹھے ہیں اور انہوں نے شام کے وقت اطمینان سے بینچہ کر اپنے لمبے بُلوں پر پاش پھیرنا شروع کر دی ہے چنانچہ میں سمجھتا ہوں 25 فروری کا دن ہر لحاظ سے تاریخی ہے اور اس تاریخی دن کی برکت سے بہت جلد پیچھے رہ جانے والے تین "ماہرین" بھی فارغ ہو جائیں گے چنانچہ پوری قوم اس دن کے تحلیق کاروں کی جتنی بھی تعریف کرے کم ہوگی۔

میں دل کی احتہاہ گہرا ہیوں سے سمجھتا ہوں بہت اچھا ہوا اور اگر منا بھائی اسی طرح ڈٹے رہے تو آخر فتح یقیناً ان کے قدم چوئے گی اور یہ آخری عمر ایک سو دس منزل عمارت کے کسی پینٹ ہاؤس میں اطمینان سے گزاریں گے۔

⊗ ⊗ ⊗

حد تک بے روزگاری کا خاتمه ہو جائیگا، پنجاب حکومت نے ایک سال سے وزراء کیلئے نئی گاڑیاں بھی نہیں خریدی تھیں جس کی وجہ سے وزراء ایک دو سال پرانی گاڑیاں استعمال کرنے پر مجبور تھے، وزراء کو پرونوکوں کی سہولت بھی حاصل نہیں تھی، پنجاب کے سینئر وزیر پر کوئی کیلئے صرف چار گاڑیاں دی گی تھیں جبکہ انہیں بلٹ پروف مرسٹریز کی سہولت بھی دستیاب نہیں تھی، 25 فروری کی برکت سے یہ رکاوٹ بھی ختم ہو گئی لہذا اب تمام وزراء کوئی گاڑیاں بھی دی جائیں گی اور انہیں پرونوکوں کیلئے پولیس اور رینجرز کے نازدہ دم دستے بھی فراہم کئے جائیں گے جس کے نتیجے میں وزراء عدل جسی اور یکسوئی کے ساتھ عوام کی خدمت کر سکیں گے۔ گزشتہ ایک برس سے پنجاب کی پیور و کریبی خوف کے عالم میں کام کر رہی تھی وزیر اعلیٰ پنجاب جس شہر کے دورے پر جاتے تھے اس شہر کے سرکاری ہستہاتوں کے ایس ایم حضرات سول و رکس کے عہدیداروں، سکولوں کے ہیئت ماضروں، پنجاب ہائی ویز کے افسروں اور سرکاری دفتروں کے اہلکاروں کی ذاتی زندگی میں خلل آ جاتا تھا، ان لوگوں کو راتوں کو اٹھاٹ کر ہستہات صاف کرنا پڑتے تھے، ڈپنسری میں دوائیں پوری کرنا پڑتی تھیں، سکولوں میں ماضروں کی حاضریاں یقینی بنانا پڑتی تھیں سرکوں کے کھنڈے بھرنا پڑتے تھے اور دفتری عملے کو وقت پر دفتروں میں لا نا پڑتا تھا، 25 فروری کی برکت سے پورے پنجاب کی پیور و کریبی نے اطمینان کا سائز لیا اور پورے ایک سال بعد پنجاب کے تمام ایس ایم حضرات 25 فروری کی رات اطمینان کی نیند سوئے، لاہور کے تمام سرکاری اہلکاروں ملکیکداروں اور پشاوریوں نے بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا، پچھلے ایک سال سے ناظموں کے فنڈز بھی تجدید تھے اور ان پیچاروں کو اپنی چائے تک کا خرچ ذاتی جیب سے دینا پڑتا تھا، 25 فروری کی برکت سے یہ فنڈز بھی بحال ہو گئے جس کے نتیجے میں ناظموں کے چہروں پر لالی آگئی۔ 25 فروری سے پہلے سیاستدان خود کو بہت مضبوط سمجھنے لگے تھے، یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے کہ قوم کی ذمہ داری ان کے نازک کندھوں پر استوار ہے اور اگر انہوں نے اخلاص سے کام نہ کیا تو کل کا مورخ انہیں معاف نہیں کرے گا، یہ لوگ اتحاد مل جل کر آگے بڑھنے سیاسی سمجھوتوں اور سیاسی برداشت جیسی لغویات میں بھی الجھ کر رہے گئے تھے، یہ لوگ سیاسی اختلاف کرتے ہوئے بھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تھے لیکن 25 فروری کی برکت سے ملک ان لغویات سے بھی پاک ہو گیا چنانچہ کل سے سیاستدانوں نے ایک دوسرے کو جس اعلیٰ پائے کی گالیاں دینا اور ایک دوسرے کے چہرے پر یکچھ ملنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، قوم بڑے دنوں سے اس کا انتظار کر رہی تھی اور ما شاء اللہ 25 فروری کے دن کی برکت سے یہ انتظار بھی ختم ہو گیا اور اب سیاستدان چوکوں اور چوراہوں میں بینچہ کرائیک دوسرے کی چڈیاں دھوئیں

میں نے 15 فروری کو جمہوریت، ستم روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی بتا کیلئے "جنوبیت" ترک کرنے کا فیصلہ کیا تھا، میں نے منصوبہ بنایا تھا میں حکومت پر تنقید نہیں کروں گا، میں حکومت کے ہر سفا کانہ بے رحمانہ اور سنگدلا نہ اقدام پر خاموش رہوں گا اور حکومت خواہ پنجاب میں گورنر اج لگوادے، موہل عدالتیں بنادے یا پھر وزراء کیلئے پچاس کروڑ روپے کی نی بلت پروف گازیاں خریدنے کا فیصلہ کر لے، میں حماقت اور فضول خرچی کی ہر گھنٹی میں حکومت کا ساتھ دوں گا، میں حکومت کی وعدہ خلافیوں اور لاہور کا ایک کاروباری شخص دیوالیہ ہو گیا وہ معاشی دباؤ میں آیا تو اس کے عزیز رشتہ دار، دوست احباب اور کاروباری ساتھی ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ دنیا میں بالکل تھارہ گیا، اس وقت اسے کسی روشن خیال عالم دین نے سمجھا، انسان پر غربت، افلس اور بھوک کے عالم میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے چنانچہ تم حالات کے ساتھ مفہوم امت کا کوئی راستہ نکال لوزہ صاحب بات سمجھے گئے چنانچہ انہوں نے لاہور شہر میں چھوٹے پیمانے پر شراب کی سپلائی شروع کر دی، وہ نیک نیت، محنت اور ثابت قدم تھے لہذا قادر ت نے ان کے کاروبار میں "برکت" ڈال دی اور وہ دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے، اس دوران انہوں نے اپنے کاروبار کو وسعت دیئے کیلئے شراب کے ساتھ چند وغیرہ وغیرہ قسم کے لوازمات بھی سپلائی کرنا شروع کر دیئے جس کے بعد ان کے کاروبار کو چار چاند لگ گئے اور وہ جلد ہی لاہور شہر کے بوئے "بنیس ٹائی کون" بن گئے جس کے بعد وہ اپنے آپ کو حاجی صاحب چڑے والے و مشروبات ڈیلر کہلانے لگے، حاجی صاحب کے پاس دولت آئی تو ان کے گرد نئے دوستوں کا میلہ لگ گیا، ایک دن نئے دوستوں کی محفل میں ان کا ایک پرانا دوست بھی آ گیا، پرانے دوست نے ان کی آن بان اور شان دیکھی تو اس نے پوچھا " حاجی صاحب آپ کا نیا کاروبار کیا چل رہا ہے؟" حاجی صاحب نے سب سے پہلے اس خدا کا شکر ادا کیا جس نے انہیں کسی غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچائے رکھا اور اس کے بعد محل کراپنے کاروبار کی تعریف کرنے لگئے حاجی صاحب کا دوست ذرا شریفانہ قسم کا تھا، اس کو جب حاجی صاحب کے کاروبار کی تفصیل معلوم ہوئی تو وہ شرمسار ہو گیا اور شرمندگی کے عالم میں حاجی صاحب سے پوچھا "کیا آپ اس کاروبار سے مکمل طور پر مطمئن ہیں؟" حاجی صاحب نے ایک لمبی آہ بھری اور اس کے بعد بولے "ویسے تو اللہ کا بڑا کرم ہے اللہ نے رزق میں وسعت دے رکھی ہے، شہر میں عزت اور دھاک بھی ہے لیکن بس ایک مسئلہ ہے!" دوست نے پوچھا "وہ کیا؟" حاجی صاحب نظریں جھکا کر بولے "بس لوگ کبھی کبھی بے شرم اور بے غیرت کہ دیتے ہیں باقی سب خیریت ہے۔"

باقی سب خیریت ہے!

لاہور کا ایک کاروباری شخص دیوالیہ ہو گیا وہ معاشی دباؤ میں آیا تو اس کے عزیز رشتہ دار، دوست احباب اور کاروباری ساتھی ایک ایک کر کے اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ دنیا میں بالکل تھارہ گیا، اس وقت اسے کسی روشن خیال عالم دین نے سمجھا، انسان پر غربت، افلس اور بھوک کے عالم میں حرام بھی حلال ہو جاتا ہے چنانچہ تم حالات کے ساتھ مفہوم امت کا کوئی راستہ نکال لوزہ صاحب بات سمجھے گئے چنانچہ انہوں نے لاہور شہر میں چھوٹے پیمانے پر شراب کی سپلائی شروع کر دی، وہ نیک نیت، محنت اور ثابت قدم تھے لہذا قادر ت نے ان کے کاروبار میں "برکت" ڈال دی اور وہ دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو گئے، اس دوران انہوں نے اپنے کاروبار کو وسعت دیئے کیلئے شراب کے ساتھ چند وغیرہ وغیرہ قسم کے لوازمات بھی سپلائی کرنا شروع کر دیئے جس کے بعد ان کے کاروبار کو چار چاند لگ گئے اور وہ جلد ہی لاہور شہر کے بوئے "بنیس ٹائی کون" بن گئے جس کے بعد وہ اپنے آپ کو حاجی صاحب چڑے والے و مشروبات ڈیلر کہلانے لگے، حاجی صاحب کے پاس دولت آئی تو ان کے گرد نئے دوستوں کا میلہ لگ گیا، ایک دن نئے دوستوں کی محفل میں ان کا ایک پرانا دوست بھی آ گیا، پرانے دوست نے ان کی آن بان اور شان دیکھی تو اس نے پوچھا " حاجی صاحب آپ کا نیا کاروبار کیا چل رہا ہے؟" حاجی صاحب نے سب سے پہلے اس خدا کا شکر ادا کیا جس نے انہیں کسی غیر کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچائے رکھا اور اس کے بعد محل کراپنے کاروبار کی تعریف کرنے لگئے حاجی صاحب کا دوست ذرا شریفانہ قسم کا تھا، اس کو جب حاجی صاحب کے کاروبار کی تفصیل معلوم ہوئی تو وہ شرمسار ہو گیا اور شرمندگی کے عالم میں حاجی صاحب سے پوچھا "کیا آپ اس کاروبار سے مکمل طور پر مطمئن ہیں؟" حاجی صاحب نے ایک لمبی آہ بھری اور اس کے بعد بولے "ویسے تو اللہ کا بڑا کرم ہے اللہ نے رزق میں وسعت دے رکھی ہے، شہر میں عزت اور دھاک بھی ہے لیکن بس ایک مسئلہ ہے!" دوست نے پوچھا "وہ کیا؟" حاجی صاحب نظریں جھکا کر بولے "بس لوگ کبھی کبھی بے شرم اور بے غیرت کہ دیتے ہیں باقی سب خیریت ہے۔"

فیصلہ دھائی دیتی ہے مجھے محسوس ہوا اگر انسان "جنونی گروپ" سے باہر آجائے تو اس کی زندگی بڑی سکھی ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کی گاہی کو ملازمت کا حصہ سمجھ کر برداشت کر جاتا ہے اور زندگی کو کافی کے کپ، ہوانا کے سکار اور بیرون کی خوبیوں کی طرح انہوں نے کرتا ہے لیکن اس سارے کھیل میں ایک چھوٹا سا، معمولی سماں میں ہے اور یہ مسئلہ حاجی صاحب چھڑے والے و مشروبات ڈبلر سے متاثرا ہے لوگ کبھی کھا رہے رہا یا میکلی فون پر بے شرم اور بے غیرت کہدیتے ہیں لیکن باقی سب خیریت ہے۔

آپ میری دروناک صورتحال کا اندازہ کیجئے کہ میں نے ابھی صرف فیصلہ کیا تھا اور اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ابھی بے شمار مرحلے باقی تھے لیکن 13 دنوں میں لوگوں نے فون کر کے میری منت مارڈی الہڑا میں ان جیالوں، مجاہدوں اور جرأۃ مند حضرات کی ہمت اور شجاعت پر حیران ہوں جو یہ کام پچھلے تین بیس برسوں سے کر رہے ہیں؛ جو قلم لے کر ہر حکومت کے دروازے پر پہنچ جاتے ہیں اور "آپ سرکار" شروع کر دیتے ہیں اس آپ سرکار کے نتیجے میں انہیں ہزاروں لاکھوں فرزندانِ توحید روزانہ گالیاں دیتے ہیں مگر ان کی جمین ناز پر شرمندگی کی سلوٹ تک نہیں آتی، میں حیران ہوں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کتنے بڑے "ظرف" سے نواز رکھا ہے کہ یہ لوگ سویرے سویرے انھوں کر حکومت کی دیوار چنان شروع کر دیتے ہیں اور حکومت کے خاتمے تک سانس نہیں لیتے الہڑا میں ان تمام حاجی صاحبان چڑے والے کو ان کی ثابت قدمی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

آپ ان حاجی صاحبان کی کارروائیاں ملاحظہ کر لیجئے کل لاہور میں سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر حملہ ہوا اور حاجی صاحبان کل سے اس حملے کو پاکستانی دہشت گروں کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان لوگوں کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ یہ اسے مبینی حملوں کا رد عمل قرار دے سکیں، یا اتنا ہی اعتراف کر لیں بھارتی ایجنسیوں نے بدله لینے کیلئے یہ کارروائی کی تھی اور یہ ایک خطرناک کھیل کا ڈبلر ہے؛ اصل قلم ابھی چلناباتی ہے، ہم اگر فرض کر لیں یہ لوگ بھارتی نہیں تھے اور یہ پاکستان کے نان سیٹ ایکٹریز ہیں تو پھر یہ مزید تشویشناک صورتحال ہے کیونکہ میاں شہباز شریف کے دور میں پنجاب دہشت گردی سے محفوظ رہا تھا، اس دور میں ذریہ اس اعلیٰ خان اور میاں نوازی میں دو تین واقعات ہوئے تھے لیکن یہ فرقہ وارانہ دہشت گردی تھی جبکہ سنشل پنجاب بالخصوص لاہور دہشت گردی سے محفوظ رہا تھا، اس کی دو بڑی وجہات تھیں ایک آپ میاں شہباز شریف سے ساختہ اتفاق کر سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود ماننا پڑے گا وہ ایک اچھے نظم اور اچھے ٹیم لیڈر ہیں چنانچہ انہوں نے اہم پوشوں پر ایماندار اور ان تھک افسر گا دیئے تھے اور ان افسروں کی کوششوں سے پنجاب محفوظ رہا، دوسرا میاں برادر میاں شناہی اور جنوبی وزیرستان میں

اروزہ حملوں، فاتا میں امریکی اثر و رسوخ اور فوجی آپریشن کے خلاف ہیں اور سوات کے مکے کا پاسن حل بھی چاہتے ہیں اور انہوں نے آج تک مدد بھی طبقے کو دہشت گرد بھی قرار نہیں دیا چنانچہ شدت پسندوں نے پنجاب کو نثار گٹ نہیں کیا لیکن جوں ہی پنجاب کی حکومت ختم ہوئی تو نان سیٹ ایکٹریز کیلئے اسلام آباد اور لاہور میں کوئی فرق نہیں رہا اور انہوں نے لاہور میں بھی کارروائیاں شروع کر دیں الہڑا یہ کارروائی اگر راکی ہے تو صورتحال تشویشناک ہے اور اگر یہ پاکستان کے نان سیٹ ایکٹریز ہیں تو بھی صورتحال انتہائی خوفناک ہے اور اگر ہم نے گورنر پنجاب کے اختیارات کی توسعہ اسی طرح جاری رکھی تو ٹھانی اور پاکستان اور لاہور میں کوئی فرق نہیں رہے گا لیکن میرا خیال ہے حکومت اس معاملے میں بخیدگی دکھانے کی بجائے ان حاجی صاحبان سے کام چلانے کی کوشش کر رہی ہے جن کی نظر میں چند گالیوں کے سوا بہ خیرت ہوتی ہے اور جو حکومتی رٹ قائم کرنے کیلئے لال مسجد جیسے واقعات کو بھی درست قرار دیتے ہیں۔

◎ ◎ ◎

سرما

خان کے ساتھ کروی اور وہ دونوں اطمینان سے زندگی گزارنے لگے اللہ تعالیٰ نے اس دوران اسے دو بچوں سے نواز 2001ء میں نائیں الیون کا واقعہ پیش آیا جس کے بعد دنیا کی تمام سیکریٹ ایجنسیاں دہشت گروں کے خفیہ نیٹ ورک کے پیچے لگ گئیں 2002ء کے وسط میں امریکہ کے اثاری جزل جان ایش کرافٹ اور ایف بی آئی کے ڈائریکٹر رابرٹ میول نے پریس کانفرنس کی اور اس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ ایف بی آئی القاعدہ کے سات کارکنوں کو جلاش کر رہی ہے، ان کارکنوں میں ایک درمیانی عمر کی خاتون بھی ہے، ان سات لوگوں نے ولڈر ٹرینسنپر حملے کیلئے دہشت گروں کو قلم فراہم کی تھی، اس اعلان کے کچھ عرصہ بعد ایف بی آئی نے عافیہ صدیقی کی تصویر ریلیز کر دی۔ ایف بی آئی کا کہنا تھا امریکی حکومت نے 1999ء میں القاعدہ کے تمام اکاؤنٹس منجد کر دیئے تھے جس کے بعد یہ لوگ بینکوں کے ذریعے رقم ٹرانسفر میں کر سکتے تھے چنانچہ ان لوگوں نے اس کا حل ہیروں کی شکل میں نکالا یہ لوگ مغربی افریقہ کے ملک لاہور یا سے ہیرے خریدتے تھے، یہ ہیرے امریکہ سمجھ کرتے تھے، انہیں اندر ولڈ میں فروخت کرتے تھے اور ان سے حاصل ہونے والی رقم دہشت گروی میں استعمال کرتے تھے۔ ایف بی آئی کا کہنا تھا عافیہ صدیقی ہیروں کی اس سلسلگ کی مرکزی کردار تھی، وہ سال میں کئی کمی بار لاہور یا جاتی تھی، وہاں سے ہیرے خریدتی تھی اور امریکہ لاکر فروخت کر دیتی تھی۔ ایف بی آئی کا کہنا تھا عافیہ صدیقی جولائی 2001ء میں بھی لاہور یا گنجی اور وہ وہاں سے 15 میلین ڈالر کے ہیرے خرید کر لاکی تھی بعد ازاں جولائی 2001ء میں سے پانچ لاکھ ڈالر خرچ کیے اور اس کے نتیجے میں امریکہ میں نائیں الیون کا ان لوگوں نے اس رقم میں سے پانچ لاکھ ڈالر خرچ کیے اور اس کے نتیجے میں امریکہ میں نائیں الیون کا واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ بعض امریکی صحافیوں کا کہنا تھا عافیہ صدیقی کی نشاندہی شیخ خالد محمد نے کی تھی، شیخ خالد القاعدہ کا مرکزی رہنمایا اور نائیں الیون کا سارا آپریشن اس نے ڈیزائن کیا تھا، وہ یکم مارچ 2003ء کو کراچی سے گرفتار ہوا تھا اور اس نے دوران تفتیش عافیہ صدیقی کا نام لیا تھا، اس وقت عافیہ کراچی میں مقیم تھی اور شدید گھر بیو مسائل کا شکار تھی، اس کے خادم نے اسے طلاق دے دی تھی جس کے صدمے کی وجہ سے اس کے والد دنیا سے رخصت ہو گئے، عافیہ کو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنوں بیٹھے کی نعمت سے نوازا لیکن اس کے باوجود وہ شدید ڈپریشن اور پریشانی کا شکار تھی، اسی پریشانی میں اس نے اپریل 2003ء میں اپنے تینوں بچے لیے اور تین کے ذریعے کراچی سے اسلام آباد روانہ ہو گئی، اس وقت اس کے بچوں کی عمر 5 سال، پانچ سال اور چھ ماہ تھی، عافیہ صدیقی راستے میں کسی جگہ بچوں سمیت غائب ہو گئی، عافیہ صدیقی کی گمشدگی کے چند روز بعد ایک موڑ سائکل سوار اس کی والدہ کے پاس آیا اور اس نے بتایا عافیہ گرفتار ہو چکی ہے اور اگر وہ اپنی بیٹی کی سلامتی چاہتی ہے تو وہ خاموشی اختیار کر لے۔

میری جان پر بچھلے دو ماہ سے ایک قرض چلا آ رہا ہے، یہ قرض عافیہ صدیقی ہے اور عافیہ صدیقی اور اس پر ڈھانے جانے والے مظالم میری آدمی نیند کھا جکے ہیں۔ میں روز جب رات کو سونے لگتا ہوں تو عافیہ صدیقی اور اس کے تین بچے میرے سرہانے بیٹھے جاتے ہیں اور ان کے آنسو سیدھے میرے ماتھ پر گرتے ہیں اور میری نیند ساتھ بھالے جاتے ہیں۔ عافیہ صدیقی کراچی سے گرام لے جائی گئی، گرام میں اس پر جتنے مظالم ڈھانے گئے اس کا پہلی بار انکشاف ابو بیحی علیہ نے کیا تھا۔ ابو بیحی علیہ کا تعلق القاعدہ سے تھا، وہ تنظیم کے اہم رہنماوں میں شمار ہوتا تھا اور وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ 2003ء میں گرفتار ہو گیا تھا، ابو بیحی کو گرام کے امریکی بیس میں قید رکھا گیا تھا، وہ جولائی 2006ء میں اپنے چار ساتھیوں کے ساتھ وہاں سے فرار ہوا اور اس نے 2007ء میں الجزریہ ٹیلی ویژن کو ایک انٹرو یو ڈیا، اس انٹرو یو میں اس نے انکشاف کیا "افغانستان اور بعض عرب ممالک میں بے شمار خفیہ جیلیں ہیں اور ان جیلوں میں سینکڑوں بے گناہ لوگ قید ہیں،" ابو بیحی کا کہنا تھا، "گرام کی جس جیل میں وہ لوگ قید تھے وہاں ایک پاکستانی خاتون بھی تھی، یہ خاتون دوسال پہلے گرام لائی گئی اور وہ شدید تشدد کے باعث اپنا ڈھنی توازن کھو چکی ہے،" ابو بیحی کا کہنا تھا، وہ ایک درمیانی عمر کی خاتون ہے جس کے ساتھ وہی سلوک ہو رہا ہے جو مرد قیدیوں کے ساتھ ہوتا ہے اور اس خاتون کی یادداشت ختم ہو چکی ہے،" میں نے جب الجزریہ پر ابو بیحی کا انٹرو یو نا تھا تو میرا زہن فوراً عافیہ صدیقی کی طرف چلا گیا تھا اور میں نے سوچا تھا وہ پاکستانی خاتون یقیناً عافیہ صدیقی ہو گی۔

یہ عافیہ صدیقی کون ہے؟ عافیہ صدیقی ایک پاکستانی امریکی خاتون تھی، وہ 2 مارچ 1972ء کو کراچی میں پیدا ہوئی، اس کے والد محض صدیقی پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے، یہ خاندان 70 کی دہائی میں امریکہ منتقل ہو گیا، عافیہ صدیقی پر مذہب کا غلبہ تھا، وہ سکول اور یونیورسٹی میں سکارف لیتی تھی، عافیہ نے دنیا کے بہترین تعلیمی ادارے "ایم آئی ٹی" سے گرجو یا پیش کی تھی، ایم آئی ٹی میں وہ مسلمان طالب علموں کی ایک ایسوی ایش میں شامل ہو گئی تھی، گرجو یا پیش کے بعد اس کے والدین نے اس کی شادی ڈاکٹر احمد

ربے ہیں لیکن قدرت ہمارے جواب سے مطمئن نہیں ہو رہی۔ آج اکیسویں صدی میں عافیہ صدیقی کا چھ ماہ کا بیٹھی ہم سے وہی سوال پوچھ رہا ہے وہ ہم سے پوچھ رہا ہے ”میرا کیا جرم تھا“ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنے اس کائنات کا ایک رب ہے اور اس رب کی نظر میں اس وقت ہمارا کیا مقام ہو گا؟ وہ ہمارے ہارے میں کیا سوچ رہا ہو گا؟ یہ چھ ماہ کا پچھا اس ملک کے 16 کروڑ لوگوں کو پیغام دے رہا ہے خدا کیلئے خدا سے ڈر۔ تم سب نے فوت ہونا ہے اور فوت ہونے کے بعد اپنے رب کے سامنے پیش ہونا ہے اور اللہ کی عدالت وہ عدالت ہے جس میں تمہیں کوئی بُش نہیں بچا سکے گا، وہاں صرف تمہارے اعمال، تمہاری سوچ، تمہاری جرأت اور تمہارا ایمان تمہارا ساتھ دے گا اور تم نے اپنے اعمال اور اپنی نیکیاں اس چھ ماہ کے بچے اور ایک مظلوم عورت کے حوالے کر دی ہیں چنانچہ تم اب خالی ہاتھ لے کر اللہ کے سامنے پیش ہو گئے۔ ہمیں ماننا پڑے گا عافیہ صدیقی کے معاملے میں ہماری خاموشی ایک ایسا گناہ کبیرہ تھی جس کا تاداں اس پوری قوم کو ادا کرنا پڑے گا، جس کی سزا ہم سب کو بھگتا پڑے گی۔ صدر مشرف کی سزا شروع ہو چکی ہے اور ہماری سزا کا وقت شروع ہونے والا ہے۔ بس چند دن کی بات ہے اور ہم تاداں کے بیٹھنے میں گئے کی طرح پیس دیئے جائیں گے، ہم معافی مانگتے مانگتے دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

⊗ ⊗ ⊗

انہی دنوں پاکستان کی وزارت داخلہ کے ترجمان اور دو امریکی اہلکاروں نے صحافیوں کے سامنے اعتراف کیا کہ عافیہ صدیقی اور اس کے بچے ان کی حراست میں ہیں اور وہ ان سے تفہیش کر رہے ہیں ابھی اس اعتراف کو چند ہی روز گزرے تھے کہ وزارت داخلہ اور امریکی اہلکاروں نے اپنے بیان کی تردید کر دی ایوں عافیہ صدیقی اور اس کے بچے قصہ ماضی بن گئے۔ عافیہ صدیقی 13 اگست 2008ء تک گوشہ گھنٹا میں رہی، 4 اگست کو نو مسلم صحافی ریڈلی نے اسلام آباد میں اکشاف کیا عافیہ صدیقی گرام جیل میں قید ہے اور اس پر انسانیت سوز تشدید کیا جا رہا ہے، اسی دوران عافیہ کے سابق خاوند نے دعویٰ کیا ایف بی آئی 2001ء کے جن دنوں میں عافیہ کو لا تیریا میں ہابت کرتی رہی ہے عافیہ ان دنوں امریکہ میں تھی اور ان کے پاس تمام ہبتوں موجود ہیں۔ اس کا کہنا تھا ”ممکن ہے القاعدہ نے عافیہ کی جعلی دستاویزات بنائی ہوں اور ان دستاویزات پر عافیہ کی جگہ کوئی دوسری خاتون سفر کرتی رہی ہو۔“

عافیہ مجرم ہے یا نہیں، یہ راز اس وقت تک راز رہے گا جب تک عافیہ اور اس کے بچے دنیا کے سامنے نہیں آتے اور انہیں محل کربات کرنے کی اجازت نہیں ملتی لیکن اس اجازت سے قبل انسانی غیر دنیا کے 6 ارب لوگوں سے چند سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ دنیا کا ہر قانون ملزم کو صفائی کا پورا پورا حق دیتا ہے لیکن عافیہ کے معاملے میں دنیا کا قانون پانچ سال کیوں خاموش رہا؟ نمبر دو، اگر عافیہ مجرم ہے تو اس کے تینوں مخصوص بچوں کا کیا قصور تھا؟ نمبر تین، عافیہ صدیقی پانچ سال گرام کی جیل میں قید رہی کیا پاکستانی ہونے کی حیثیت سے اسے رہا کرنا اور اسے دنیا کی عدالت میں پیش کرنا ہماری ذمہ داری نہیں تھی؟ پاکستان میں بے شمار علمائے کرام ہیں، ہم دنیا کی بہترین فوج کے مالک ہیں، اس ملک میں چار پانچ کروڑ پڑھے لکھے لوگ ہیں، اس ملک کے 80 نیصد لوگ روز مسجدوں میں جاتے ہیں، ہم سب لوگ صحیح شام قرآن مجید کی حلاوت کرتے ہیں، ہم سب کے سینوں میں دل ہے اور یہ دل ایک منٹ میں سڑاہی بار دھڑکتا ہے، ہماری نسوں میں خون بھی ہے اور یہ خون بھی ہماری رگوں میں سرکتا ہے، ہم سب خود کو زندہ اور باضیر انسان بھی کہتے ہیں لیکن جب عافیہ جیسے لوگوں کا معاملہ آتا ہے تو ہماری زبان میں گنگ کیوں ہو جاتی ہیں؟ ہمارا ضمیر کروٹ بدلت کر کیوں سو جاتا ہے اور ہماری نماز میں ہمارے قرآن مصلحت کی چادر کیوں اوڑھ لیتے ہیں؟ ہم نظریہ ضرورت کے مورچے میں سرکیوں چھپا لیتے ہیں؟ اور ہم یہ کیوں بھول جاتے ہیں عافیہ صدیقی کے ساتھ چھ ماہ کا ایک بچہ بھی تھا اور اگر کل روز حشر عافیہ صدیقی کے اس چھ ماہ کے بچے نے ہمارا گریبان پکڑ لیا تو ہم اللہ کو کیا جواب دیں گے۔ ہم بھول جاتے ہیں حضرت امام حسینؑ کے چھ ماہ کے بیٹھے نے فرات کے کنارے ایک سوال پوچھا تھا اور ہم چودہ سو سال سے اس سوال کا جواب دے

معلوم نہیں کافکا اس کہانی کے ذریعے اپنے قارئین کو کیا سمجھانا چاہتا تھا؟ اس کا یہ ملزم کس جذبے، کس طبقے کا غما نہدہ تھا اور وہ کون سے طبقے اور کون سے جذبے تھے جو اس کی سے بغیر اسے پہنچانی پڑھ کر محسوس ہوتا ہے وہ ملزم اس پڑھنے کے لئے ہیں لیکن جہاں تک ہمارا اور ہمارے ملک کا تعلق ہے یہ کہانی پڑھ کر محسوس ہوتا ہے وہ ملزم اس ملک کے 16 کروڑ عوام ہیں اور اس کہانی کے کاشیبل، تھانیدار، وکیل، برج اور عدالتیں اس ملک کی وہ مقتدر طاقتیں ہیں جن کے ہاتھ میں ان ملزموں کی تقدیر ہے یہ 16 کروڑ ملزم اس ملک کے ہر تھانیدار، ہر برج اور ہر عدالت سے درخواست کرتے ہیں "حضور آپ ہماری بھی عرض سن لیں" لیکن ہر عدالت، ہر برج اور ہر تھانیدار انہیں گھور کر چپ کر دیتا ہے۔ ڈراسو پچھے ایوب خان نے سکندر مرزا کو گرفتار کر کے راتوں رات جلاوطن کر دیا اور خود اس ملک کے بلاشکت غیرے مالک بن گئے اور انہوں نے ایک لمحے کیلئے نہ سوچا کہ وہ اس ملک کے لوگوں سے یہی پوچھ لیں کہ انہیں سکندر مرزا چاہیے یا ایوب خان۔ بھی کیلئے نہ سوچا کہ وہ اس ملک کے لوگوں سے یہی پوچھ لیں کہ انہیں سکندر مرزا چاہیے یا ایوب خان۔ خان آئے، حکومت کی اور جاتے جاتے 7 کروڑ لوگ بھنو کے حوالے کر گئے ان 7 کروڑ ملزموں سے پوچھ بخیر کہ انہیں بھشو چاہیے بھی یا نہیں۔ جزل خیاء تشریف لائے تو انہوں نے بھی ان "ملازموں" سے کی طرف غصے سے دیکھتا ہے اور سرد لبجھے میں حکم جاری کرتا ہے "تم تحریری طور پر اپنا بیان دے چکے ہو" اب تم صرف اپنے وکیل کو بولنے دو" ملزم اپنے وکیل سے عرض کرنے کیلئے منہ کھولتا ہے لیکن وکیل اس شعلہ بار نظر دو سے دیکھ کر پھنکا رہتا ہے "تم ملزم ہو تم کچھ نہیں بول سکتے" یوں کیس چتارہتا ہے یہاں تک کہ وکیلوں کی بھیں ختم ہو جاتی ہیں، نیچے کا دن آ جاتا ہے اور برج حاضرین کو گواہ بنا کر ملزم کو موت کی سزا نہاد دیتا ہے ملزم فیصلہ ملتا ہے اور آنکھوں میں آنسو بھر کر ایک بار پھر پاکستان کی میکن برج یہ کہہ کر عدالت برخاست کر دیتا ہے "عدالت اپنا فیصلہ نہاچھی ہے اب تم نے جو کچھ کہنا ہے اپنے میں کہو" ملزم مجرم بن کر جیل چلا جاتا ہے وہاں وہ جیل کے سامنے عرض کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جیل بھی اس کی فائل بند کر کے کہتا ہے "اب تم مجرم ہو تم کچھ نہیں کہہ سکتے" مجرم کو کال کو خڑی میں ڈال دیا جاتا ہے وہاں بھی اس سے جو ملنے آتا ہے وہ اسے روک کر کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ہر ملاقاتی اسے مجرم کہہ کر سننے سے انکار کر دیتا ہے آخر میں جب اسے پہنچی گھاث لے جایا جاتا ہے تو وہ جلا دے مخاطب ہونے کی سعی کرتا ہے لیکن جلا دبھی اس کی بات سننے سے انکار کر دیتا ہے زرہ کھینچنے سے چند لمحے پہلے مجرم آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور پھر وہاں موجود عملے پر نظر ڈال کر کہتا ہے "کوئی ہے جس کے کافلوں تک میری آواز کھینچ کے جو میری بات سن سکے" سب خاموش رہتے ہیں، مجرم خندزا اس سس بھرتا ہے اور پھر پھنڈے کو مخاطب کر کے کہتا ہے "یہ کیسے لوگ ہیں جو ملزم کی بات سننے سے بغیر اس کا فیصلہ کر دیتے ہیں" ابھی لفظ اس کے منہ ہی میں ہوتے ہیں کہ جیل روماں لہرا تا ہے اور جلا دختہ کھینچ دیتا ہے۔

جب تک

سے نہیں پوچھ رہا، کوئی ان سے نہیں پوچھ رہا انہیں کون سائیڈ رچا ہے اور انہیں کون سانقاوم درکار ہے۔ یقین بھیجے ایک کوچوان، ایک سارہاں اور ایک کمہار بھی کبھی کبھار اپنے گدھے اپنے اونٹ اور اپنے گھوڑے سے پوچھ لیا کرتے ہیں کہ اسے کون سا چارہ چاہیے "وہ پچک" کھانا پسند کرے گایا لوں وہ سجن میں بندھنا چاہے گا یا اندر باڑے میں اور اسے لکڑی کی کمرلی چاہیے یا سینٹ کی پکی ناند لیکن یہ لوگ جی ہاں یہ لوگ حکومتیں بناتے اور حکومتیں توڑتے وقت 16 کروڑ لوگوں پر ایک نگاہ غلط بھی نہیں ڈالتے اور اقتدار میں آنے کے بعد انہیں عوام کے مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، انہیں اتنی زحمت نہیں ہوتی وہ عوام سے پوچھ لیں کہ انہیں کیا چاہئے۔ عوام فاقلوں پر مجبور ہوں، غربت اور بے روزگاری کا شکار ہوں یا پہلوں چوکوں اور چوراہوں میں خود کشیاں کر رہے ہوں ان حکمرانوں کے کالوں پر جوں تک نہیں ریتگتی، ان کے غیر ملکی دورے اور ان کی میلنگز ہی ختم نہیں ہوتیں اور یہ ہر پندرہ ہویں دن اشیاء صرف کی قیمتیں میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ آپ انداز الگ نہیں یہ حکومت پڑوں کی قیمتیں میں پائیں بار اضافہ کر پھیلی ہے اور گزشتہ روز وزیر اعظم نے چھٹی بار پڑوں کی قیمت میں 10 روپے 97 پیسے، ڈیزل کی قیمت میں 7 روپے 45 پیسے اور مٹی کے تیل میں 8 روپے 64 پیسے کاریکار ڈاٹ اضافہ کر دیا، وزیر اعظم نے اس اضافے کی سری پر مستخط کرنے سے پہلے ایک لمحے کیلئے رک کر اتنا نہیں سوچا جو عوام بھوک سے مر رہے ہیں ان پر اس اضافے کے کیا اثرات پڑیں گے اور شاباش ان 16 کروڑ لوگوں کی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری پر جو اس اضافے پر بھی چپ سادھے بیٹھے ہیں۔ یہ حقیقت ہے ایک گھوڑا لگام کھینچنے اونٹ ناٹک باندھنے اور گدھاحد سے زیادہ بوجھہ ڈالنے پر بھی کبھار دولتی جھاڑ دیتا ہے، بلبا امتحنا ہے، ہنہنا لیتا ہے لیکن صدقے جاؤں ان 16 کروڑ شہزادوں پر کہ جس نے چاہا، جب چاہا اور جتنا چاہا ان پر بوجھ لا دو دیا اور جس کے ہاتھ میں چاہی ان کی لگام تھماوی مگر انہوں نے سراخا کر دیکھا اور نہ ہی احتجاج کیا، وہ بھائی واد۔ میں جوں بوجھا ہوتا جا رہا ہوں، میں جوں زندگی کی رو میں آگے بڑھتا جا رہا ہوں، میں جوں جوں اس ملک کے حالات دیکھتا ہوں، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے یہ ملک اس وقت تک نشیب اور زوال کی طرف بڑھتا ہے گا جب تک اس ملک کے 16 کروڑ لوگ اپنے لئے ملزم کی بجائے منصف کا کردار پسند نہیں کریں گے جب تک لوگوں کے مقدار کے فیصلے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں آئیں گے جب تک عوام حکمرانوں کو اپنی بات نہیں سائیں گے جب تک لوگ احتساب نہیں کریں گے جب تک لوگ حکمرانوں کو یہ نہیں بتائیں گے "ہم انسان ہیں، جانور نہیں"۔

بنانا اسٹریٹ

وہ واپس مڑا، آہستہ آہستہ چلتا ہوا الباس کے قریب پہنچا، الباس گھبرا گیا، وہ اس کے قریب پہنچ کر اس کے کان پر جھکا اور آہستہ سے بولا "ہمارے پاس کیلے ہیں، ہم ثابت کردیں گے کیلا توپ سے زیادہ مہلک ہوتا ہے، وہ مڑا، دروازے کی طرف بڑھا، ایک لمحے کیلئے رکا جز لیٹھا، جز لیٹھا اور عمارت سے باہر نکل گیا۔ پورچ میں اس کے گارڈز کھڑے تھے، وہ گاڑی میں بیٹھا اور عمارت سے باہر نکل گیا۔ وہ ہندورس میں کیلوں کا سب سے بڑا یوپاری تھا، وہ چھٹی نسل سے اس کا رو بار حصے ساتھ وابستہ تھا، اس کے پردازا کا پردازا کو لمبیس کے ساتھ ہندورس آیا تھا اور ملک میں ہزاروں ایکڑ پر چھیلے کیلے دیکھ کر جیران رہ گیا پردازا کا پردازا کو لمبیس نے فوراً بھانپ لیا تھا یہ کیلے مستقبل میں سونے کی کان ثابت ہوں گے چنانچہ اس نے کیلے کے جنگلات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔

یہ ایک طویل داستان ہے اور میرا خیال ہے جب تک آپ اس داستان کا پس منظر نہیں جائیں گے اس وقت تک آپ کو اس کھیل کی سمجھنہیں آئے گی۔ میں سب سے پہلے آپ کو ہندورس کے بارے میں بتاتا ہوں، ہندورس لاطینی امریکہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے، یہ ملک گھنے جنگلات، صاف پانی اور سیلے کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہے، یہ ملک کو لمبیس نے 1502ء میں دریافت کیا تھا اور 1525ء میں ہسپانوی چہاز رانوں نے ہندورس میں پہلی کالونی بنائی تھی۔ 1525ء کے بعد چین سے یورپی پا شدہوں کے چہاز ہندورس آتے رہے اور یہاں آباد ہوتے رہے یہ ہسپانوی لوگ مقامی آبادی میں "مکس" ہو گئے اور یوں آہستہ آہستہ یہاں ایک نئی نسل نے جنم لے لیا۔ 1800ء کے شروع میں ہندورس پر ہسپانویوں کا اثر و رسوخ کم ہونے لگا، جس کے بعد 1838ء میں ہندورس کے لوگوں نے چین سے آزادی حاصل کر لی۔ 1901ء میں اس ملک میں ایک بڑا دلچسپ واقعہ پیش آیا اور یہ واقعہ آگے چل کر سفارت کاری کی ایک خوبصورت اصطلاح بن گیا تھا۔ دنیا میں سب سے زیادہ کیلے ہندورس میں پیدا ہوتے تھے اور اس وجہ سے یہ ملک اس وقت تک دنیا میں کیلوں کا سب سے بڑا ایک پورٹر تھا، انہیسوں صدی میں ہندورس میں فردوں کی دو بڑی کپنیاں تھیں، ایک کا نام یونا یہند فروٹ تھا

ہس کی اکانومی ورلڈ پینک، آئی ایم ایف اور دوسراے ممالک کے زیر اثر ہوا اور جس میں اقتدار کر پٹ ہا ہبڑوں بے ایمان سیاستدانوں اور مفاد پرست جنیلوں کے دائرے میں گھومتا ہوا اس ملک کو بھی بنا تاری پبلک کہا جاتا ہے۔

پاکستان کو 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بنے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد چہل بار یورپی پولیس وقت البا سونام کا ایک جزل ہندورس میں بار سوخ سمجھا جاتا تھا، یونا یمنڈ فروٹ کمپنی کا مالک البا سوے ملا اور اس سے مدد مانگی تھیں لیکن البا سونے جواب دیا "تم لوگ تاجر ہو جنگ لڑاتم لوگوں کے بس کی بات نہیں، تم لوگ یہ سلسلہ فوراً بند کر دو" یونا یمنڈ کمپنی کے مالک نے جواب دیا "جب انادر میان میں آ جاتی ہے تو تاجر کو سپاہی بننے دیں گے" البا سونے جواب میں اس سے کہا "لڑنے کیلئے ہتھیار اور حوصلہ چاہئے اور تمہارے پاس کیا ہے؟" تاجر اس جواب پر غصے میں آگیا اور اس کے بعد اس نے جزل کو لکار کر کہا "ہمارے پاس کیلے ہیں اور ہم ثابت کر دیں گے کیا تو پ سے زیادہ ہمک ہوتا ہے" یونا یمنڈ کمپنی کے مالک نے اتنا کہا اور واپس جا کر کیا کو تو پ کی شکل دریا شروع کر دی، یونا یمنڈ فروٹ کمپنی نے سیاست میں قدم رکھ دیا، اس نے سب سے پہلے ہندورس کے تمام وزراء خریدے، پھر وزیر اعظم کو اپنا ملازم رکھ لیا، پھر اپنی مرضی کا پولیس چیف لگادیا، پھر بد معاشوں کا گینگ بنایا اور اسے ہندورس کی فوج کا نام دے دیا اور پھر اپنے فشیوں کو نجح بنا دیا، یوں پورے ملک کے طاقتو را داروں پر قبضہ کر لیا۔ یونا یمنڈ فروٹ کمپنی کے اس سیاسی اثر سوخ سے شینڈر فروٹ کمپنی کو نقصان پہنچنے لگا چنانچہ اس نے امریکہ اور یورپ کی ان کمپنیوں سے رابطہ کیا جن کو وہ کیلئے فروخت کرتی تھی، یورپ اور امریکہ کی فروٹ کمپنیوں نے شینڈر فروٹ کمپنی کو مالی سفارتی اور فوجی مدد دینا شروع کر دی، یوں ہندورس میں دلوں فروٹ کمپنیوں کے درمیان طاقت کی لڑائی شروع ہو گئی، یہ جنگ جب امریکہ کے مشہور لکھاری اوہنری کے نواس میں آئی تو اس نے دنیا کی اس عجیب و غریب جنگ پر ایک کتاب لکھی اور اس کتاب میں اس نے ہندورس کو بنا کری پبلک کا نام دے دیا اور وہ دن ہے دنیا نہ صرف ہندورس کو بنا تاری پبلک کہتی ہے بلکہ ہر وہ ملک جو سیاسی طور پر غیر ملکی ہو، جس کی پارلیمنٹ بے اختیار ہو، جس میں مانیا حکمرانی کرتے ہوں، جس میں سرکاری افسرو ادارے حکمران کلاس کے ذاتی ملازم سمجھے جاتے ہوں، جس کی عدالتیں سیاستدانوں کی تابع ہوں، جس کے الکٹرونی میں وحاذنی ہوتی ہو، جہاں ڈائیٹریشپ ہو، جس میں کرپشن عام ہو، جس میں سرکاری ملازمتیں رشتے داروں اور دوستوں میں تقسیم ہوتی ہوں، جس کی سرحدوں کی خلاف ورزی ہوتی ہو، جس میں فوج پارلیمنٹ سے زیادہ مضمبوط ہو، جس میں جرنیل اقتدار پر قبضے کرتے رہتے ہوں، جس میں قانون اور انصاف بکتا ہو، جس میں اسکن و امان نہ ہو، جس میں بیرونی طاقتیں کا اثر سوخ ہو

آپ فائنا اور صوبہ سرحد کے تازہ ترین آپریشن کو لے لجئے، اس آپریشن سے قبل یہ خبر میں آنا شروع ہوئیں طالبان پشاور شہر کی سرحدوں تک پہنچ چکے ہیں، پشاور شہر سے اوسطاروزانہ 17 کے قریب لوگ اغوا ہوتے ہیں اور بھارتی تاداں دے کر رہا ہوتے ہیں، نامعلوم لوگوں نے سرکاری عمارت، سکولوں اور دکانوں کو آگ لگانا شروع کر دی اور حکومتی مشینری معطل ہو کر رہ گئی۔ ان خبروں کے بعد حکومت نے آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیاں کو صوبہ سرحد کا "چارج" دے دیا جس کے بعد پیرا ملٹری فورسز نے فاما میں آپریشن شروع کر دیا۔ اس آپریشن کے بعد ثابت ہو گیا ہم حقیقت بنا ناری پبلک کی سرحدوں پر کھڑے ہیں، بس ایک قدم آگے بڑھانے کی دیر ہے اور یہ ملک مکمل طور پر مافیا ز کے قبیلے میں چلا جائے گا اور جس کے پاس جتنی طاقت ہو گی وہ ملک کے اتنے حصے پر قبضہ کر لے گا اور اپنا سکہ چلانا شروع کر دے گا اور خدا نخواست وہ وقت آگیا تو صدر پرویز مشرف، آصف علی زرداری اور رحمان ملک تو باہر بھاگ جائیں گے لیکن ہم لوگ کہاں جائیں گے؟ میں جب بھی یہ سوچتا ہوں تو میری روح تک کا پ جاتی ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کے دل میں رحم ڈال دے اور یہ آگ سے کھینا بند کر دیں، یہ اس مسئلے کا کوئی مستقل حل حلاش کر لیں ورنہ ہمیں 1971ء کی پوزیشن پر جاتے دیر نہیں گے مگر کیونکہ جس طرح ہندوؤں کے تاجردوں کے پاس کیلے اور مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کے پاس پہنچنے کی طاقت تھی بالکل اسی طرح قبائلی علاقوں کے پاس پوسٹ کی "دولت" موجود ہے اور یہ دولت جگ لڑنے اور جنتے کیلے کافی ہے۔

⊗ ⊗

بلیک بیس سے جھانکتی تصویر

انسانی یادیں تصویریوں کی شکل میں ہوتی ہیں، ہم جو کچھ دیکھتے ہیں، ہم جو کچھ سوچتے ہیں اور ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہیں، یہ سب تصویریوں کی شکل میں ہمارے ذہن کے بلیک بیس میں محفوظ ہو جاتا ہے اور ہم بوقت ضرورت اس خزانے کو استعمال میں لاتے رہتے ہیں۔ میرے ذہن کے بلیک بیس میں بھی ایسیے شمار تصویریں جمع ہیں ان میں ایک ایسی تصویر بھی موجود ہے جو مجھے روزانہ یاد آتی ہے اور میں بڑی دریتک اس تصویر کی تجھی میں الجھا رہتا ہوں۔ یہ 2007 کا سال تھا، صدر پرویز مشرف کا تکمیر ملک کی ہر گلی ہر سڑک اور ہر چوک میں چینتا چلا تا دھماکی دیتا تھا، اس دور میں نواب اکبر گنڈی، پریم کورٹ اور ٹلال مسجد سمیت جو بھی جنرل پرویز مشرف کی اتنا کے راستے میں آیا جنرل صاحب نے اسے اپنی طاقت کی ایزی تلنے پہل دیا۔ جنرل صاحب اس وقت نعشوں کے ڈھیر پر کھڑے ہو کر کے لہراتے تھے اور بلوچوں کو دھمکی دیتے تھے "یہ 1971ء نہیں کہ تم ادھر مار کر ادھر پہاڑ پر چڑھ جاؤ گے یہ 2007ء ہے، تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہر سے میراں آیا اور کہہ نکل گیا"۔ میں نے اس دور میں ایک بوڑھے شخص کو بازار روڈ کی مسجد میں گردگز اکراللہ تعالیٰ سے جنرل پرویز مشرف کیلئے درازی عمر کی دعا کرتے دیکھا، میں اس بوڑھے کی دعا من کر جیران رہ گیا کیونکہ اس وقت پاکستان مسلم لیگ ق کے چند "اویائے کرام" کے سوا کوئی شخص صدر پرویز مشرف کے حق میں دعا نہیں کرتا تھا، میں نے اس بوڑھے سے پوچھا "بابا جی آپ کو معلوم ہے آپ کیا دعا کر رہے ہیں، بوڑھے نے بھیگی آنکھوں سے میری طرف دیکھا اور دھکی آواز میں بولا" میں ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے گزگز اکر دعا کرتا ہوں یا باری تعالیٰ صدر پرویز مشرف کو اتنی زندگی ضرور عطا کر کے ہم اس ملک میں اس کے خلاف مقدمہ قائم ہوتے اسے عدالت کے کٹھرے میں کٹھرے ہوتے اور اس کا فیصلہ ہوتے دیکھ سکیں"۔

اس بوڑھے نمازی کے یہ الفاظ، اس کی بھیگی پلکیں اور مسجد کا وہ ماحول تصویر میں ڈھلا اور میرے ذہن کا حصہ بن گیا اور میں جب بھی پرویز مشرف کا نام پڑھتا ہوں، نستا ہوں یا ان کی تصویر دیکھتا ہوں تو وہ تصویر میرے ذہن کے بلیک بیس سے لکل کر میرے شور کے صحن میں آگرتی ہے اور میں سوچتا ہوں کیا اس ملک میں کبھی صدر (سابق) پرویز مشرف کا احتساب ہو گا؟ لیکن احتساب کے مطالبے سے پہلے آپ اپنے ذہن کو نہیں کر سوچنے پر ویز مشرف کے جرام کیا تھے؟ آپ کا رگل کا ایشو لے لجئے، اس کا

میں تاش کھیل رہے ہیں، گالف سے لطف اندوڑ ہو رہے ہیں اور ڈانس پارٹیوں کو انجوائے کر رہے ہیں۔ میں جب صدر پرویز مشرف کو انجوائے کرتے دیکھتا ہوں تو مجھے اس بوڑھے نمازی کی دعا یاد آ جاتی ہے اور میں سوچتا ہوں کیا اب بھی ان تمام سیاسی غلطیوں، آئین کا حلیہ بگاڑنے عوام کے مینڈیٹ کی تو ہیں کرنے کے۔ صدر پرویز مشرف کے جرائم صرف نہیں تک مدد و نہیں ہیں بلکہ پاکستان کے ہوائی اڈے امریکا کے حوالے کرنا ہوں، ڈاکٹر عبدالقدیر کی گرفتاری ہو، نواب اکبر بکشی کا قتل ہو، اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے ریفرندم ہو ایں ایف او ہو، ستر ہو ایں ترمیم ہو، طالبان کے خلاف آپریشن ہو، پاکستان کے قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن ہو، پاکستان میں عربیانی اور خاشی کا سیلا ب ہو، میرا تھن ریس، بست اور فیشن شوز ہوں، پاکستان کے شہریوں کو گھروں سے اخھا کرا میریکا کے حوالے کرنے کا نشوہ، چیف جنس افتخار محمد چودھری کی معزولی ہو، لال مسجد اور مدرسہ حضصہ پروفوج کشی ہو، این آزاد ہو، 12 منی کو کراچی میں شہریوں کا قتل عام ہو، 3 نومبر کی ایک جنپی ہوئی عدالت کے 92 جوں کی معزولی ہو، محترمہ بنے نظیر بھٹو کی شہادت ہو، 18 فروری کے ایکشون میں دھاندی ہو، یا پھر شوکت عزیز کی کرشمہ ہو، پاکستان کے پھٹلے آٹھ برس کے تمام بڑے سیاہ جرام کے پیچھے سابق صدر جزل ریٹائرڈ پرویز مشرف ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ملک میں جزل پرویز مشرف کی ہوس اقتدار کے باعث نہ صرف فوج کا ایجخ خراب ہوا بلکہ سول سو سائی بھی بری طرح دہشت گردی کا شکار ہوئی۔ آج اگر فنا میں گولی چلتی ہے یا پاکستان کے کسی حصے میں خودکش حملہ ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری جزل (ر) پرویز مشرف کے سرہی عائد ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے 8 سالہ اقتدار میں پاکستانی معاشرے پاکستانی آئین اور پاکستانی نظام میں اتنے کافی بودیے ہیں کہ انہیں چننے کیلئے اب کوئی نہیں چاہیں۔ یہ سابق صدر پرویز مشرف ہی ہیں جن کی وجہ سے آج جمہوریت کی گاڑی کے ٹاٹر پکھر ہو چکے ہیں اور سیاسی جماعتیں مل کر چلنے کی خواہش کے باوجود آگے نہیں بڑھ پا رہیں۔ یہ جزل پرویز مشرف ہی ہیں جن کی وجہ سے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا ڈھول ہمارے گلے میں لٹک رہا ہے اور پوری قوم اسے بجانے پر مجبور ہے اور یہ پرویز مشرف ہی ہیں جن کی وجہ سے آج پاکستان امریکہ کی ریاست بن چکا ہے اور یورپ کے سفیر پاکستان میں دائرائے کی طرح حکم چلاتے ہیں۔ یہ ایک الیہ ہے لیکن اس سے کہیں بڑا الیہ صدر (سابق) جزل (ر) پرویز مشرف کا اطمینان ہے وہ ملک کو برپا کرنے اور آئین کو پاؤں تلے کھلنے کے باوجود وہ اتنی بڑی سیاسی غلطیوں، زیادتیوں اور مظالم کے باوجود آج بھی پاکستان میں اطمینان سے گوم رہے ہیں یہ کیوبا کے سگار پی رہے ہیں، اسلام آپا دکلب ہے۔ میں ذہن کے بلیک بکس سے جھانکتی اس تصویر کو روزانہ یہ دلسا دریتا ہوں۔

رفیق تارڑ کی کرسی پر قبضے کو لے لیجئے، پاکستان مسلم لیگ ق کے قیام کو لے لیجئے، رچڈ آرٹیچ کی ایک میل فون کا ل پر اپنی داخلی اور خارجی پالیسی کے یوڑن کو لے لیجئے اور افغانستان میں طالبان حکومت کے خاتمے کو لے لیجئے، ان کا ذمہ دار کون تھا؟ آپ کو ہر سیاسی غلطی کے پیچھے جزل پرویز مشرف دکھائی دیں گے۔ صدر پرویز مشرف کے جرائم صرف نہیں تک مدد و نہیں ہیں بلکہ پاکستان کے ہوائی اڈے امریکا کے حوالے کرنا ہوں، ڈاکٹر عبدالقدیر کی گرفتاری ہو، نواب اکبر بکشی کا قتل ہو، اپنے اقتدار کو طول دینے کیلئے ریفرندم ہو ایں ایف او ہو، ستر ہو ایں ترمیم ہو، طالبان کے خلاف آپریشن ہو، پاکستان کے قبائلی علاقوں میں فوجی آپریشن ہو، پاکستان میں عربیانی اور خاشی کا سیلا ب ہو، میرا تھن ریس، بست اور فیشن شوز ہوں، پاکستان کے شہریوں کو گھروں سے اخھا کرا میریکا کے حوالے کرنے کا نشوہ، چیف جنس افتخار محمد چودھری کی معزولی ہو، لال مسجد اور مدرسہ حضصہ پروفوج کشی ہو، این آزاد ہو، 12 منی کو کراچی میں شہریوں کا قتل عام ہو، 3 نومبر کی ایک جنپی ہوئی عدالت کے 92 جوں کی معزولی ہو، محترمہ بنے نظیر بھٹو کی شہادت ہو، 18 فروری کے ایکشون میں دھاندی ہو، یا پھر شوکت عزیز کی کرشمہ ہو، پاکستان کے پھٹلے آٹھ برس کے تمام بڑے سیاہ جرام کے پیچھے سابق صدر جزل ریٹائرڈ پرویز مشرف ہی دکھائی دیتے ہیں۔ ملک میں جزل پرویز مشرف کی ہوس اقتدار کے باعث نہ صرف فوج کا ایجخ خراب ہوا بلکہ سول سو سائی بھی بری طرح دہشت گردی کا شکار ہوئی۔ آج اگر فنا میں گولی چلتی ہے یا پاکستان کے کسی حصے میں خودکش حملہ ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری جزل (ر) پرویز مشرف کے سرہی عائد ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اپنے 8 سالہ اقتدار میں پاکستانی معاشرے پاکستانی آئین اور پاکستانی نظام میں اتنے کافی بودیے ہیں کہ انہیں چننے کیلئے اب کوئی نہیں چاہیں۔ یہ سابق صدر پرویز مشرف ہی ہیں جن کی وجہ سے آج جمہوریت کی گاڑی کے ٹاٹر پکھر ہو چکے ہیں اور سیاسی جماعتیں مل کر چلنے کی خواہش کے باوجود آگے نہیں بڑھ پا رہیں۔ یہ جزل پرویز مشرف ہی ہیں جن کی وجہ سے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا ڈھول ہمارے گلے میں لٹک رہا ہے اور پوری قوم اسے بجانے پر مجبور ہے اور یہ پرویز مشرف ہی ہیں جن کی وجہ سے آج پاکستان امریکہ کی ریاست بن چکا ہے اور یورپ کے سفیر پاکستان میں دائراء کی طرح حکم چلاتے ہیں۔ یہ ایک الیہ ہے لیکن اس سے کہیں بڑا الیہ صدر (سابق) جزل (ر) پرویز مشرف کا اطمینان ہے وہ ملک کو برپا کرنے اور آئین کو پاؤں تلے کھلنے کے باوجود وہ اتنی بڑی سیاسی غلطیوں، زیادتیوں اور مظالم کے باوجود آج بھی پاکستان میں اطمینان سے گوم رہے ہیں یہ کیوبا کے سگار پی رہے ہیں، اسلام آپا دکلب

ادھار کی چند سائنسیں

کرہی تھیں، وہ جانتی تھیں امریکہ کو پاکستان میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا سلسلہ جاری رکھنے کیلئے کسی سیاسی طاقت کی ضرورت پڑے گی چنانچہ انہوں نے پھرے چار برسوں میں تین کام کئے،
بکٹی صاحب میری بات دلچسپی سے سنتے رہے ہیں نے عرض کیا ”بے نظیر بھنو نے آصف علی
وزیر اور امریکہ بھجوادیا جہاں وہ امریکی سینہروں، کانگریس میں اور حکومت پر اثر انداز ہونے والی
عنصیات کے ساتھ لابنگ کر رہے ہیں، دوسرا بے نظیر بھنو نے پاکستان کے اسلام پسند طبقوں اور جہادی
ملاقوں کے خلاف بیانات دینا شروع کر دیئے، انہوں نے لال مسجد کے آپریشن تک کو درست قرار دے
دیا اور تین انہوں نے صدر پر وزیر مشرف کے ساتھ خفیدہ مذاکرات شروع کر دیئے، ”بکٹی صاحب مکارے
اور چکیلی آنکھوں سے میری طرف دیکھ کر بولے ”لیکن یہ دونوں ایک دوسرے کوبے وقوف کیسے بنا رہے
ہیں، میں نے عرض کیا ”جزل پر وزیر مشرف کو تمبریا اکتوبر میں دوسری بار صدر منتخب ہونے کیلئے مولا نا
فضل الرحمن اور بے نظیر بھنو کی ضرورت ہے، اگر مولا نا فضل الرحمن صوبہ سرحد اور بلوچستان کی حکومتیں توڑ
دیتے ہیں اور بے نظیر بھنو نواز شریف کے ساتھ مل کر اسمبلیوں سے استعفے دے دیتی ہیں تو جزل پر وزیر
مشرف کو اقتدار بچانے کیلئے مارشل لاءِ لگانا پڑے گا جس کیلئے شاید فوج تیار نہ ہو، صدر مشرف مولا نا فضل
الرحمن کو ”قاپو“ کر چکے ہیں جبکہ بے نظیر بھنو کے ساتھ آج ذیل فائل ہو جائے گی یوں جزل پر وزیر
مشرف اسمبلیوں سے اعتماد کا دوٹ لے لیں گے، ”بکٹی صاحب نے مکرا کر پوچھا ”لیکن بے وقوف
ہانے والی بات درمیان میں رہ گئی“ میں نے عرض کیا ”وردی وہ کارڈ ہے جس پر دونوں لیڈر گیم کر رہے
ہیں، صدر مشرف چاہتے ہیں وہ یونیفارم کے ساتھ صدر منتخب ہوں، یونیفارم میں رہ کر عام انتخابات
کرائیں، نئی حکومت بنے اور وہ اس کے بعد یونیفارم اتار دیں لیکن بے نظیر بھنو بھتی ہیں جزل پر وزیر
مشرف صدر منتخب ہونے کے بعد یونیفارم اتارنے سے بھی انکار کر دیتے گے اور حکومت انہیں ایکشن میں
زیادہ سیئیں بھی نہیں لینے دے گی یوں وہ مارکھا جائیگی چنانچہ وہ چاہتی ہیں صدر سب سے پہلے یونیفارم
اتار دیں اور اسکے بعد اسمبلیوں سے اعتماد کا دوٹ لیں“ ”بکٹی صاحب نے فرمایا ”اس سارے کھیل میں
بے نظیر بھنو کو کیا ملے گا“ میں نے عرض کیا ”اگلی سو سو کیسز سے جان چھوٹ جائے گی آئین میں اگلے
تیری باروز یا عظم منتخب ہونے کی گنجائش نکل آئیگی اور ان کیلئے واپسی کا دروازہ کھل جائیگا اور بے نظیر
بھنو اس ذیل کے ذریعے وقت بھی حاصل کر رہی ہیں، ان کا خیال ہے اگست میں نئی صورتحال پیدا ہو
جائے گی اور 1988ء کی طرح یہ اگست بھی ان کیلئے خوش نصیبی لے کر آئے گا، ”بکٹی صاحب نے آخری
سوال پوچھا ”کیا دونوں کے منصوبے پورے ہو جائیں گے“ میں نے عرض کیا ”یہ فیصلہ اگست کا مہینہ کریگا“

یہ مہینہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں بڑا ہم ثابت ہو گا۔“
ہم اس کے بعد ہلکی چھٹکو میں مصروف ہو گئے عبدالرازق بکھی صاحب نے ٹیکی ویژن
کے ایک پروگرام میں جاتا تھا، ان کی خواہش تھی میں ان کے ساتھ چلوں اور ہم ٹیکی ویژن پروگرام کے
بعد اکٹھے کھانا کھائیں لیکن میں نے عرض کیا درکشان میں میری پرینٹشیشن ہے میں ابھی نہیں نکل سکتا۔
انہوں نے فرمایا ”آپ پھر میرے ساتھ رات کا کھانا کھائیں“ میں نے معدودت کرتے ہوئے جواب
دیا، میں اپنے دوست اعجاز قادری کے ساتھ کھانے کا منصوبہ بنایا ہوں تاہم میں نے اگست میں دوبارہ
کوئی آتا ہے، میں اس وقت آپ کے ساتھ گاؤں چلوں گا، انہوں نے میرے ساتھ ہاتھ ملا کر فرمایا ”وہ دو
میں نے ان کا ہاتھ دبا کر جواب دیا“ یہ ایک ہنجابی کا بلوج سے وعدہ ہے، انہوں نے قیقہہ لگایا، ماتھے پر
ہاتھ رکھ کر سلام کیا اور رخصت ہو گئے، میں دوبارہ درکشان میں مصروف ہو گیا، سہ پہر کو میں ہوٹل کے
کمرے میں آیا اور میں نے ٹیکی وی شیش کے تھے دہاں سے وہ باہر نکلے تھے تو راستے میں موڑ سایکلوں پر سوار
نا معلوم نوجوانوں نے ان کی گاڑی پر فائزکوں دیا، وہ موقع پر ہی جا بحق ہو گئے، ٹیکی ویژن پر ان کی
گاڑی اور ان کی خون میں ڈوبی ہوئی نعش بھی دکھائی جا رہی تھی، میں یہ خبر سن کر سکتے میں آگیا اور میرے
لئے یقین کرنا مشکل ہو گیا وہ شخص جو چند لمحے قبل میرے ساتھ گفتگو کر رہا تھا وہ اب دنیا میں موجود نہیں،
میں نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھا، اس ہاتھ پر ابھی تک عبدالرازق بکھی کے ہاتھ کی گرم جوشی
موجود تھی اور میں نے اپنے کان چھو کر دیکھے ان کا نوں میں بھی ان کے لبجھ اور خوبصورت اردو کے
اثرات باقی تھے، مجھے یقین نہیں آ رہا تھا وہ شخص جو دو گھنٹے میرے ساتھ بیٹھا رہا، جس نے میرے ساتھ
گفتگو کا بھرپور پیش کیا تھا اور میں نے جس کے ساتھ اگست میں دو تین دن اکٹھے گزارنے کا پروگرام بنایا
تھا وہ شخص اب دنیا سے رخصت ہو چکا ہے، میں نے سوچا، کیا یہ ہے وہ زندگی جس کو ہم عمر بھر دیں یوں
سمجھو توں اور نہ اکرات کا ہو پلاتے رہتے ہیں اور جس کو قائم رکھنے کیلئے ہم ہزار ہزار ساز شیں کرتے ہیں
لیکن جب یہ زندگی جدا ہونے پر آتی ہے تو یہ ہمیں آنکھ تک نہیں جھکنے دیتی، یہ ہمیں ایک سانس تک ادھار
نہیں دیتی، میں نے سوچا کیا صدر پر وزیر مشرف اور محترمہ بے نظیر بھنو کے پاس عبدالرازق بکھی سے مختلف
جسم ہے اور کیا ان لوگوں نے کبھی نہیں مرتا، اگر ان لوگوں نے بھی بالآخر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو پھر
اس سارے تام جہام کا کیا فائدہ، اس سارے کھیل اور سمجھو توں کی اس ساری منافقت کا کیا حاصل، مجھے
ان سوالوں کا کوئی جواب نہ ملا تو میں نے لمبی سانس بھری اور آخر میں سوچا اگر میں اس وقت عبدالرازق



بکھی کی دعوت قبول کر لیتا اور ان کے ساتھی وی شیش چلا جاتا تو اس وقت میں کہاں ہوتا!“ اس سوال
پر پہنچ کر میرا دل ڈوب گیا اور مجھے محسوس ہوا جیسے گولیوں کی ایک باڑی مرے سر کے
قریب سے گزرنگی ہے، مجھے محسوس ہوا قدرت نے مجھے چند سالیں ادھار دے دی ہیں۔

میں بتانا چاہتا تھا، میں نے چند دن قبل اخبارات میں ایک تصویر دیکھی، اس تصویر میں درمیانی عمر کی ایک خاتون تھی، خاتون کے سر سے خون چک رہا تھا، یہ خون بالوں سے بہتا ہوا ٹھوڑی تک پہنچ گیا تھا، خاتون کو چند خواتین نے سہارا دے رکھا تھا جبکہ ان کے پیچے سینکڑوں خواتین مجع تھیں اور ان سے ذرا سے فاصلے پر ایک ٹرک کھڑا تھا، میں نے تصویر کا کپیشن پڑھا، کپیشن میں لکھا تھا، "کوئی کے ایک سیاستدان نے اپنے علاقے کے لوگوں میں تقسیم کرنے کیلئے آئے کا ٹرک مل گوایا، آنا دیکھ کر وہاں سینکڑوں خواتین مجع ہو گئیں، خواتین نے ٹرک پر دھاوا بول دیا جس پر مجبوراً پولیس کو لاٹھی چارج کرنا پڑا اور یہ روزہ دار خاتون اس لاٹھی چارج کا شکار ہیں گئی،" یہ کپیشن اور تصویر ایسے ملک سے تعلق رکھتی تھی جو دنیا کے 30 بڑے زرعی ممالک میں شمار ہوتا ہے، جس میں دنیا کا سب سے بڑا نہری نظام ہے اور جسے قدرت نے چاروں موسم اور ہر قسم کی زمین عنایت کی۔ دنیا میں صرف ایسے دس ملک ہیں جن میں سندھرے یہیں کر صحراء، صحراء سے لے کر میدان، میدانوں سے لے کر بارانی زمین، نہری زمین اور دریاؤں کے ڈیلٹاؤں پر قائم کھلیان موجود ہیں۔ جن میں دنیا کی بلند ترین چوٹیاں اور پچاس پچاس کلومیٹر لمبیں ہیں اور جن میں بیک وقت 55 ڈگری سینٹی گریڈ کی گرمی اور متغیر پچاس درجے کی سردی پڑتی ہے لیکن اس ملک میں آج حکومات کو آنا نہیں مل رہا، اس ملک میں لوگ آئے کیلئے قطاریں بنا کر کھڑے ہیں، آئے کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان ہو رہے ہیں، ڈنڈے کھاتے ہیں اور زخم لے کر گھر جاتے ہیں۔ آپ ہماری بد نصیبی دیکھئے آج سندھ میں آئے کا تھیلا چھ سروپے میں بک رہا ہے۔ صوبہ سرحد کے بعض علاقوں میں یہ نوتو سو روپے میں ملتا ہے جبکہ بلوچستان میں دکاندار لوگوں کو منہ مالگی قیمت پر آنائج رہے ہیں۔ یہ وہ پاکستان ہے جو قسم سے قبل پورے ہندوستان کو آج فراہم کرتا تھا، ہمیں شرم سے ڈوب مرنا چاہئے۔

ہمیں نکت اور ذلت کے اس دور میں بہر حال پنجاب کی تعریف کرنا پڑے گی پنجاب میں عوام کو تمیں سوروپے میں آنا اور تنوروں پر دو سے تین روپے میں روٹی مل رہی ہے۔ پنجاب حکومت دعویٰ کر رہی ہے پنجاب کے تمام شہروں، قصبوں اور دیہات میں آنا تمیں سوروپے تھیلا سپاٹی کیا جا رہا ہے جبکہ تنوروں کو پابند کیا گیا ہے وہ عوام کو دو روپے میں روٹی فراہم کریں، وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے آئے کے معیار کی جائج پر تال کیلئے تمیں لیبارٹریاں بھی بنادی ہیں اور صوبے بھر کی سرکاری مشینزی کو آئے کی فراہمی کو یقینی بنانے کی خصوصی ہدایات بھی دے دی ہیں اور وزیر اعلیٰ کو جس علاقے سے کوئی شکایت موصول ہوتی ہے وہ اسی وقت اس ضلع کے ڈی اسی اوکو تبدیل کر دیتے ہیں، وزیر اعلیٰ کا دعویٰ ہے یہ بنے۔

ہندوستان رہنمائی کے بعد بھی جاری رہے گا اور وہ پنجاب میں گندم آئے اور روٹی کا بحران پیدا نہیں ہونے دیں گے لیکن میں ان کے اس دعویٰ سے اتفاق نہیں کرتا کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں گندم اور آئے کے

آئے کی جنگ

میں ماس کیوں نیکیشن کا طالب علم تھا تو کورس کی کسی کتاب میں تصویر کے بارے میں ایک چینی کہادت پڑھی تھی، یہ کہادت ماس کیوں نیکیشن کے تمام طالب علموں کی طرح میرے ذہن سے بھی چک کر رہ گئی، ماس کیوں نیکیشن کے کورس میں دو اسی تعریفیں ہیں جو اس شعبے کے کندڑہن سے کندڑہن طالب علم کو بھی یاد رہتی ہیں اور صحافت کے طالب علم خواہ پوری جریلزم بھول جائیں لیکن وہ یہ دونوں تعریفیں قبر تک یاد رکھتے ہیں۔ پہلا تعریف خبر کے بارے میں ہے، کسی مشہور امریکی صحافی نے خبر کے بارے میں کہا تھا، "اگر کتنا انسان کو کاٹ لے تو یہ کوئی خبر نہیں لیکن اگر انسان کے کوکاٹ لے تو یہ خبر ہوتی ہے،" اور دوسری تعریف یہ چینی کہادت ہے، چینی کے قدیم باشندوں کا خیال تھا، "ایک تصویر دس ہزار الفاظ کے برابر ہوتی ہے،" یہ دونوں تعریفیں بیک وقت غیر سمجھیدہ بھی ہیں اور انتہائی درجے کی سیر کس بھی لیکن طالب علمی کا دور ایسا وقت ہوتا ہے جب سمجھیدہ چیز بھی مذاق لگتی ہے، چنانچہ ہم لوگوں کو بھی یہ دونوں تعریفیں لطیفہ محسوس ہوتی تھیں لیکن جب میں عملی صحافت میں آیا تو معلوم ہوا یہ دونوں تعریفیں بنیادی طور پر میڈیا کی اصل فلاں ہیں اور خبر واقعی اس وقت تک خبر نہیں کہلاتی جب تک انسان کے کونکاٹ لے اور جہاں انسانی زبان گنگ اور لفظی خبر ہو جاتے ہیں وہاں تصویریں بولتی ہیں اور جہاں الفاظ مصلحت کے ذہر میں گم ہو جائیں وہاں کیسرے کا لینز اور ٹی وی سکرین آواز بن جاتی ہے، وہاں تصویریں خبروں اور کالموں کی جگہ لے لیتی ہیں۔ میں نے اپنی عملی صحافت میں ایسی سینکڑوں تصویریں دیکھی ہیں جو دس دس کالموں اور پچاس پچاس سرخیوں پر بھاری تھیں اور جن میں ایسا خوفناک سچ پھپا تھا جسے بیان کرنے کیلئے کروڑوں الفاظ خرچ کر دیجے جاتے تو بھی شائد لکھنے یا بولنے والا اس سچ کے کسی ایک پہلو کا اظہار نہ کر پاتا۔ میں دل کی گہرائیوں سے سمجھتا ہوں صحافت بالخصوص آج کی صحافت تصویروں کے بغیر مکمل نہیں ہوتی، اخبار کے سارے الفاظ اور حرف ایک طرف اور تصویر ایک طرف، اسی طرح نیوز چینڑا نے کے بعد ہمیں ماننا پڑے گا خبر وہی ہوتی ہے جو نیلی دیرین سکرین سے ہوتی ہوئی اخبار کے صفحے تک پہنچے یا اخبار کے صفحات سے ہو کر نیلی دیرین چینڑا کا حصہ میں روئیں بہہ کر صحافت کے فلسفے کی طرف چلا گیا، میں آپ کو دراصل ایک تصویر کے بارے

درجہ ذیل پاری ہنگاب کی سیاست میں ملوث ہو چکے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو گندم اور آٹے کی قلت پیدا کر کے اربوں روپے کماتے تھے اور اپنے منافع کا ایک مخصوص حصہ سیاستدانوں اور حکمرانوں کی "نذر" کرتے تھے چنانچہ وفاق میں میر ظفر اللہ جمالی کی حکومت ہو یا شوکت عزیز کی اور جzel خالد مقبول ہنگاب حکومت کے صریحہ ہوں یا چودھری پروین الہی۔ آئے کے یہ بیوپاری وزیر اعظم ہاؤس، وزیر اعلیٰ ہاؤس اور گورنر ہاؤس کے روزانہ کے "وزیر" ہوتے تھے اور یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے 2007ء میں شوکت عزیز اور چودھری پروین الہی کے ساتھ مل کر "فالتو" گندم دوسوڈارش کے حساب سے عالمی مارکیٹ میں بیچ دی تھی اور جب ملک میں آئے کا بحران پیدا ہوا تھا تو ان لوگوں نے پانچ سو ڈالرنی شن میں گندم خرید کر پاکستان کو سپلائی کی تھی اور اس خرید و فروخت میں انہوں نے اربوں روپے بنائے تھے، یہ آٹا مافیا سیاستدانوں سے زیادہ مضبوط ہے چنانچہ میرا خیال ہے یہ لوگ میاں شہباز شریف کو زیادہ دیر القدار میں لکھنے نہیں دیں گے، ان کی پوری کوشش ہو گی ہنگاب میں جلد سے جلد حکومت ختم ہو اور میاں شہباز شریف کی جگہ ہنگاب میں کوئی ایسا وزیر اعلیٰ آجائے جو صوبے میں گندم آئے اور روٹی کی قیمت کو عالمی مارکیٹ کے برابر کر دے تاکہ لاہور کے بیشترے اور ندویارک کے بیشترے ایک ہی قیمت میں روٹی خرید سکیں۔ مجھے خطرہ ہے یہ لوگ اگر اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو یہ چند ہی دنوں میں اربوں روپے کمالیں گے جبکہ عوام آئے کی قطار میں لگ کر پولیس کے ڈنگے کھائیں گے اور پھر باندھ کر سوئیں گے۔

ہمارے سارے سینئر تجویز نگار اور سیاستدان ہنگاب کی حالیہ کشمکش کو اقتدار یا سیاست کی لڑائی قرار دے رہے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں یہ آئے کی جنگ ہے اور یہ جنگ پاکستان مسلم لیگ ن اور پاکستان پیپلز پارٹی نہیں لڑ رہی بلکہ یہ جنگ آئے کے بیوپاریوں اور میاں شہباز شریف کے درمیان ہے اور آپ دیکھ لجھے گا جس روز میاں شہباز شریف اقتدار سے رخصت ہوں گے اس سے اگلے دن ہنگاب سے آناغا بہبہ ہو جائے گا اور عوام قطاروں میں کھڑے ہو کر چھوڑوپے میں آئے کا تھیلا خریدیں گے اور سوروں پر روٹی پانچ، چھوڑوپے میں فروخت ہو گی۔ یہ سیاست کی جنگ نہیں یہ آئے اور منافع کی جنگ ہے، اسکی جنگوں میں عموماً منافع خور جیتنے اور عوام ہارتے ہیں چنانچہ ہنگاب کے عوام بھی قطار میں کھڑے ہونے کیلئے کر کر لیں۔ یہ چند دن کی بات ہے۔

کیوں

خدیجہ کے والد کی ڈیوٹی شام پانچ بجے گھنٹم ہوتا تھی اور انہوں نے چھ بجے گھر پہنچ جانا تھا، آج خدیجہ کی زندگی کا ایک اہم دن تھا، آج دس سالہ خدیجہ کی سالگرد تھی اور خدیجہ نے اپنی تمام سہیلیوں کلاس فیلوز اور کرنسز کو بیان کھاتھا، خدیجہ کے والد نے ڈیوٹی پر جاتے ہوئے بیٹی کیلئے تھنخہ خرید لیا تھا، انہوں نے تھنخہ سرکاری گاڑی کی سیٹ کے نیچے رکھ دیا، ان کا خیال تھا جوں ہی ان کی ڈیوٹی ختم ہو گی، وہ گاڑی سے تھنخہ نکالیں گے اور کشہ پکڑ کر گھر پلے جائیں گے۔ انہوں نے اپنے ڈی ایس پی سے بھی اجازت لے لی تھی لیکن دس جنوری کو پانچ بجی بجے اور چھ بجی ہوئے مگر خدیجہ کے والد گھر نہ پہنچ سکے، خدیجہ نے اس دن مجھے فون کیا اور مجھ سے پوچھا "میری جیسی بچیاں کیا کریں" میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ خدیجہ نے بتایا "میرے والد لا ہو رپولیس میں ملازم تھے وہ 10 جنوری کو ڈیوٹی پر گئے، جی پی او کے قریب خود کش حملہ ہوا اور میں انتظار کرتی رہ گئی مگر میرے ابو بھجے چھوڑ کر آسمانوں پر چلے گئے" خدیجہ چند لمحوں تک اپنے آنسو سیئنی رہی اور تھوڑی دیر کر کر بولی "میرے گھر کیک بھی ہے، غبارے بھی اور چھوٹی چھوٹی موم بیان بھی، اگر نہیں ہیں تو میرے ابو نہیں ہیں اور جن بچیوں کے ابو سالگرد کے دن شہید ہو جاتے ہیں وہ بچیاں عمر بھر خوشیاں نہیں منا سکتیں"۔ میں نے مخصوصی خدیجہ سے پوچھا "پہلا تم کس شخص کو اپنا مجرم سمجھتی ہو؟" خدیجہ نے فوراً جواب دیا "میں خود کش حملہ اور کو اپنا مجرم نہیں سمجھتی، پتہ نہیں اس بے چارے پر کیا ظلم ہوا تھا جس سے مجبور ہو کر اس نے یہ راستہ منتخب کیا، میرے مجرم وہ تمام لوگ ہیں جنہوں نے ملک میں ایسے حالات پیدا کئے، میں ان تمام سیاستدانوں کو بھی اپنا مجرم سمجھتی ہوں جو ان حالات میں بھی اپنے مفادات کیلئے لڑ رہے ہیں اور قیامت کے دن میرے ہاتھ ان تمام لوگوں کے گریبانوں پر پہنچیں گے"۔ خدیجہ کا فون بند ہوا تو میرے دل سے اس بچی کیلئے دعا نکلی اور میں نے سوچا "زندگی کے دکھان کو کس طرح دس سال کی عمر میں پسپور کر دیتے ہیں"۔

یہ خود کش دھماکے کوں کر رہے ہیں یہ لوگ اس سے کیا فائدہ لیتا چاہتے ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے حالات کو اس موڑ تک پہنچا دیا، یہ بحث اب بعد از وقت ہو گی، اگریزی کا ایک محاذ وہ ہے،

ایڈ مرل فالن فوج کے علاوہ ایک بہت اچھے سفار تکار بھی ہیں، وہ فوج کے بہت اچھے منصوبہ ساز بھی ہیں اور وہ ری پبلکن کے ساتھ ساتھ ڈیمکریٹس میں بھی بہت مقبول ہیں اور چوتھا امر یہ کہ اب زمین کے علاوہ سمندری حدود پر بھی نظر رکھنا چاہتا ہے اور اس کیلئے اسے ایسے کمانڈر کی ضرورت تھی جو سمندری حدود کے شاخے سمجھتا ہوا ایڈ مرل ولیم فالن کی تعیناتی سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے صدر بش کی خواہش ہے ان کی پالیسیاں ڈیمکریٹس کے دور میں بھی چھلتی پھولتی رہیں لہذا وہ اب تمام اہم پوزیشنوں پر ایسے لوگوں کو تعینات کر رہے ہیں جو ولیم فالن کی طرح ری پبلکن اور ڈیمکریٹس دونوں میں مقبول ہیں۔ ایڈ مرل ولیم فالن زمینی قبضے کے قائل ہیں، ان کا فلسفہ ہے جب تک شورش زدہ علاقے آپ کے قبضے میں نہیں آتے اس وقت تک حالات آپ کے قابو میں نہیں آتے۔ ولیم فالن کی طرح امریکہ کی پیشہ آپریشن فورسز کی کمانڈ بھی نبوی کے ایک دوسرے افسر ایڈ مرل اریک اول سن کے پاس ہے اور ایڈ مرل اریک اول سن بڑے تو اتر سے پاکستان اور افغانستان کے دورے کر رہے ہیں۔ وہ اگست میں پاکستان آئے اور نومبر میں بھی اور دسمبر 2007ء میں بھی وہ افغانستان میں صدر حامد کرزی سے ملے جس کے بعد حامد کرزی نے پاکستان آکر محترمہ بنے نظیر بھنو سے ملاقات کی تھی۔ ایڈ مرل ولیم فالن بھی ایئر جنسی سے ایک دن پہلے پاکستان پہنچ چکے اور وہ ایئر جنسی کے نفاذ کے بعد تک پاکستان میں رہے تھے۔ ان دونوں اعلیٰ عبدیداروں کی پاکستان اور افغانستان کے دورے اور اعلیٰ حکام سے ملاقاتیں بہت اہم ہیں اور ان ملاقاتوں کے پیچھے خدشات کے بے شمار سانپ پیچے دکھائی دیتے ہیں۔ امریکی پریس بڑے عرصے سے نشاندہی کر رہا تھا صدر پرویز مشرف امریکہ کی جس حد تک مدد کر سکتے تھے انہوں نے کروی اور امریکہ اب باقی کام سیاستدانوں سے لے گا اور محترمہ بنے نظیر بھنو اس ناٹک کیلئے شامدار چواؤں ہیں۔ امریکہ کے بعض اخبار نویسون کا خیال تھا محترمہ بنے نظیر بھنو اقتدار میں آکر امریکی فوج کو پاکستان میں آپریشن کرنے کی اجازت دے دیں گی۔ محترمہ بنے بھی ایک آدھ بیان میں اس کا عندیہ دیا تھا لیکن پھر 27 دسمبر 2007ء کا واقعہ پیش آیا اور امریکہ کو اپنی پالیسی کا از سرفوجائزہ لینا پڑا، جنوری کے پہلے بیغتے کی پیش رفت سے یوں محسوس ہوتا ہے شامدار امریکہ اب پاکستان میں اپنی پیشہ فورسز اتارنے کیلئے زیادہ انتظار نہ کرے۔ امریکہ اس نئے بندوبست کیلئے پاکستانی حکومت سے اجازت طلب کرے گا، اگر صدر مشرف نے اجازت دے دی تو ان کا اقتدار جاری رہے گا بصورت دیگر پاکستان کا اقتدار " منتقل" ہو جائے گا اور یہ اجازت نئے بادشاہ کو دینا پڑے گی؛ ہم فرض کرتے ہیں پاکستان میں امریکہ کی پیشہ فورسز آجائی ہیں اور وہ ہمارے قبائلی علاقوں اور سوات میں آپریشن شروع کر دیتی ہیں تو کیا ہو گا؟ میں جب بھی اس

ماضی وہ چیز ہے جسے قدرت بھی نہیں بدلتی اور یہ حقیقت ہے ہم نے مااضی میں بے شمار غلطیاں کی تھیں، آج ان تمام غلطیوں کی فصل پک چکی ہے اور ہم چاہیں یا نہ چاہیں لیکن اب ہمیں غلطیوں کی یہ فصل کا نہ پڑے گی۔ ہمارے لئے اچھا ہو گا، ہم اپنی غلطیوں کا یہ بوجھ اپنے ہی کندھوں پر ڈھولیں ورنہ یہ بوجھ ہماری اگلی نسلوں کو اٹھانا پڑے گا اور انسان کیلئے اگلی نسل کی تکلیف ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ یہ ہم دھماکے ہماری مااضی کی غلطیوں کا نتیجہ ہیں لیکن ہم جو غلطیاں آج کر رہے ہیں ان کا نتیجہ کیا لکھے گا؟ پاکستان میں آج اس حقیقت پر کوئی شخص غور نہیں کر رہا، نیویارک ٹائمز نے گزشتہ جمہ کو دائیں ہاؤس میں ہونے والی ایک اعلیٰ سطحی میٹنگ کا حوالہ دیا تھا، یہ میٹنگ صدر بش نے کی تھی اور اس میں نائب صدر ڈک چینی اور وزیر خارجہ کو نہ دیز ار اس کے علاوہ امریکی سلامتی کے بے شمار وزیر اور مشیر شامل ہوئے تھے اور اس اجلاس میں امریکی حکومت نے ہمارے قبائلی علاقوں میں خفیہ آپریشن کے بارے میں غور و خوض کیا تھا، نیویارک ٹائمز کا دعویٰ تھا، امریکی حکومت پاکستانی علاقوں میں اپنی پیشہ فورسز اتارنے کی منصوبہ بندی کر رہی ہے اور امریکی حکومت کا خیال ہے صدر پرویز مشرف اور نئے آرمی چیف جزل اشفاق پرویز کیانی امریکی فوج کو پاکستان میں داخل ہونے کی اجازت دے دیں گے۔ گزشتہ ہفتے امریکہ میں ڈیمکریٹ پارٹی کے چار صدارتی امیدوار ہیلری کلینٹن، اوباما، جان ایڈورڈ اور رچرڈ سن کے درمیان ایک کھلا مباحثہ ہوا تھا اور اس مباحثے میں چاروں امیدواروں نے اعلان کیا تھا اگر امریکہ میں ہماری حکومت آئی تو ہم پاکستان کا جو ہری پروگرام امریکہ اور برطانیہ کی مکرانی میں دے دیں گے، اوباما نے پاکستان پر سیدھے سادے حملے کا اعلان بھی کر دیا۔ یہ دونوں خبریں غلطیوں کی ایک نئی امریکی سیریز کی نشاندہی کر رہی ہیں اور اگر ہماری حکومت دباؤ میں آکر امریکہ کی پیشہ فورسز کو قبائلی علاقوں میں اترنے کی اجازت دے دیتی ہے اور ہم اپنے نیوکلیئر پروگرام پر بھی سمجھوتہ کر لیتے ہیں تو ذرا تصور کیجئے ہمارے ملک کا نیا سینار یو کیا ہو گا؟ اور بد قسمتی سے ان دونوں غلطیوں کے امکانات موجود ہیں۔

ہمیں پاکستان کے مستقبل کا انداز اگانے کیلئے امریکہ کی تازہ ترین پیش رفت کا جائزہ لینا پڑے گا۔ امریکہ نے اپنی فوج کا ایک بڑا حصہ مل ایسٹ اور سینٹرل ایشیا پر تعینات کر رکھا ہے یہ فوج سینٹرل کمانڈ کہلاتی ہے اور یہ افغانستان اور پاکستان سمیت دنیا کے 27 ممالک کی "انچارج" ہے۔ مارچ 2007ء میں اس کے کمانڈر جزل ابی زید ریثاڑ ہوئے تو صدر جارج بش نے ایڈ مرل ولیم فالن کو سینٹرل کمانڈ کا چیف بنادیا، ایڈ مرل ولیم فالن کا تعلق امریکی نبوی سے تھا اور امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نبوی کے کسی افسر کو کسی کمانڈ کا چیف بنایا گیا تھا۔ امریکی چجزیہ نگار اس کی چار وجہات بیان کرتے ہیں،

”مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟“

”اگر پاکستان دیوالیہ ہو جائے تو پھر کیا ہو گا؟“ وہ نیچے فرش پر بینجھ گیا، اس نے آلتی پالتی ماری، کان سے گیلا مsla اور کچلا ہوا سگریٹ اتارا، اس پر پھونک ماری اسے ہونٹوں میں دبایا، ماچس میں ڈوب جائیں گے۔

جلائی، شعلے کا سرے کے سرے سے گلریا، آنکھیں بند کیں اور ایک لمبا، گہرا اور لطف سے بھر پور کش لگایا، اس کے ہونٹوں سے بد بودا رتبہ کو کی دو لکیریں لکلیں اور پورے کمرے میں پھیل گئیں، مجھے سگریٹ اور تباکو سے جتنی نفرت ہے اتنا ہی مجھے لوگوں کا سگریٹ پینے کا شائق اچھا لگتا ہے، میں جب ہونٹوں ہونٹوں کے سروں اور دانتوں کی لکیریوں کے درمیان سے دھوئیں کی لکیریں نکلتی دیکھتا ہوں تو میں چند ہوں کیلئے اس منظر میں کھوسا جاتا ہوں، وہ میری اس کمزوری سے واقف ہے چنانچہ وہ سگریٹ سلکانے سے پہلے کبھی مجھ سے اجازت نہیں لیتا، اس نے سگریٹ کا دوسرا کش لیا اور میری طرف دیکھنے لگا، میں نے فوراً جواب دیا ”اللہ دتے پاکستان کے حالات بہت خراب ہو جائیں گے“ اس نے چارلی چپلن کی طرح گال پچکائے، سرہلا یا اور اس کے بعد بولا ”ملا کیا ہو گا؟“ میں نے چند لمحے سوچا اور جواب دیا ”ڈالرمز یہ مہنگا ہو جائے گا“ اس نے فوراً میری بات کاٹی ”ہو جائے مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ جب ڈالر 60 روپے کا تھا تو میرے پاس کون سے ڈالروں کے بکے پڑے تھے؟“ میں نے اطمینان سے اس کی بات سنی اور اس کے بعد کہا ”ہم عالمی منڈی سے چڑوں نہیں خرید سکیں گے، وہ فوراً بولا“ نہ خرید سکیں، مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں نے تو اپنی موڑ سائکل پانچ سال پہلے بچ دی تھی، میں اب سائکل پر گھر سے یہاں آتا ہوں اور سائکل پر واپس چلا جاتا ہوں، میری بلا سے پاکستان کو پڑوں ملے نہ ملے“ میں نے اطمینان سے اس کی بات سنی اور اس کے بعد کہا ”پڑوں نہیں ہو گا تو ہمارے سارے ہوائی جہاز رک جائیں گے، ٹرینیں، بسیں اور کاریں بند ہو جائیں گی، ہمارے تحریل پاور پلانس بند ہو جائیں گے، ہمارے سارے کارخانے فیکٹریاں اور ملیں بند ہو جائیں گی، ہمارے سارے دفتر بند ہو جائیں گے اور ہمارے سارے پلازا اور شاپنگ سنٹر بند ہو جائیں گے،“ اس نے بیٹھے بیٹھے پہلو بدلہ اور بولا ”بند ہو جائیں مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟ میں کون سا جہازوں پر سفر کرتا ہوں؟“ میں دس سال سے ٹرین اور بس پر بھی نہیں بیٹھا اور میرے پاس کون سی کار ہے

مرحلے پر آتا ہوں تو میری روح تک کانپ اٹھتی ہے اور مجھے محسوس ہوتا ہے اس کے بعد ان علاقوں کے نوجوان انتقام لینے کیلئے پاکستان کے مختلف علاقوں کا رخ کریں گے ذرا سوچنے، اگر ایسا ہوا تو اس ملک کا کیا بنے گا؟ ہمارا کون کون سماجی پی او نشانہ بنے گا؟ ہمارے کس کس چوک میں معصوم اور بے گناہ لوگوں کی غشیں پڑی ہوں گی اور ہماری کس خدیجہ کا والد اس اندھے انتقام کا شکار ہو جائے گا؟ ہم فوری طور پر ان حالات کا انداز انہیں لگا سکتے یعنی یہ طے ہے 2008ء مسلمانی سے گزرنا نظر نہیں آتا۔ یہ سال جاتے جاتے خون کے بے شمار دریاؤں سے گزرنے کا اور ملک کے بے شمار لوگ خون کے ان دریاؤں میں ڈوب جائیں گے۔

پاکستان جیسے ملکوں کی سب سے بڑی بُدھتی حکمرانوں کی غلطیوں کا نتیجہ ہوتی ہے، غلطیاں حکمران کرتے ہیں لیکن ان غلطیوں کا نتیجہ ہمیشہ بے گناہ اور محسوم لوگ بحق تھے ہیں، مجھے یقین ہے جب صدر پرویز مشرف نے 2001ء میں دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا تھا، یا ہماری حکومت نے افغانوں اور طالبان کے ہیروز پکڑ کر امریکہ کے حوالے کرنا شروع کئے تھے تو اس وقت حکومت کے کسی عہدیدار نے خدیجہ کے والد سے مشورہ نہیں کیا ہو گا؟ حکومت کے کسی عہدیدار نے کراچی، راولپنڈی اور پشاور کے ان بے گناہ راگہروں سے نہیں پوچھا ہو گا جو اس دن گھر سے لکھے اور دھماکے کی لپیٹ میں آگئے اور خدیجہ جیسی بچیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تباہ چھوڑ گئے۔ یہ قسم اور قدرت بھی عجیب چیز ہے اس کی رسی ہمیشہ گناہگاروں کیلئے دراز لیکن بے گناہوں کیلئے تجھ ہوتی ہے اور بیش سے لے کر حادم کرزی تک تمام ظالم عزت و آبرو اور امن سے زندگی گزارتے ہیں لیکن خدیجہ کے والد جیسے لوگ گاڑیوں کی سیٹوں تلے تختے رکھ کر دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ یہ بُدھتوں کی فہرست کی سب سے بڑی بُدھتی ہوتی ہے، کاش میں اپنے رب سے پوچھ سکوں یا اللہ تیری یہ دنیا کیسی ہے؟

⊗ ⊗ ⊗

بجھے پہنچائی ہو گئی، دنیا ہمارے سفیروں، وزیروں، وزیر اعظم اور صدر کو حقارت سے دیکھئے گئی، ہمارے ملک کا جنہنہاں ابد نام ہو گا، ہماری تجارت رک جائے گی، دنیا کی کوئی کمپنی ہماری کمپنیوں کو سودا نہیں دے گئی، ہمارے فیر تکلی اتنا ٹھیک ضبط ہو جائیں گے، دنیا ہمیں بحکاری سمجھ کر ہم سے منہ پھیر لے گی اور اقوام عالم میں ہماری بے عزتی ہو گی، اس نے ایک بلند و بائیک قہقہہ لگایا، مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے، مجھے آج تک اس ملک میں عزت نہیں ملی، میں ہمیشہ آپ کے سامنے فرش پر بیٹھتا ہوں، آپ کے پورے دفتر میں کوئی شخص میرے ساتھ ہاتھ نہیں ملاتا، مجھ سے آج تک کسی سیاستدان نے دوست نہیں مانگا، میں اس ملک میں بحکاری ہوں، غیر ممالک چھوڑیں میرا اس ملک میں کوئی اٹاٹا نہیں، اللہ کی اس زمین کا ایک انج میرا نہیں اور مجھے پورا ملک حقارت سے دیکھتا ہے، آپ خود سوچئے جس شخص کو پوری زندگی عزت نہیں ملی وہ حکمرانوں کی عزت کیلئے کیوں پریشان ہو گا، چنانچہ مجھے کیا فرق پڑتا ہے، اس نے طنزیہ نظرؤں سے میری طرف دیکھا، اس کی نظرؤں میں حرارت تھی، یہ حرارت آنکھوں سے ہوتی ہوئی میرے پورے جسم میں پھیل گئی، میرا دل چاہا میں اس کو گریبان سے پکڑوں، اس کے منہ پر دو تھپٹ ماروں اور اسے دھکدے کر دفتر سے باہر نکال دوں لیکن میں کیونکہ ایک مہذب اور پڑھا لکھا انسان ہوں چنانچہ میں اس کی یہ بات بھی اطمینان سے سہہ گیا۔

میں نے اس سے کہا "امریکہ، یورپ، مشرق بعید اور مشرق وسطیٰ کے سفارتخانے ہمیں دیزے نہیں دیں گے، غیر ملکی فلاںش بند ہو جائیں گی، ہم میں سے کوئی شخص ملک سے باہر جا سکے گا اور نہ ہی کوئی ملک میں آ سکے گا، ہمارے پچھے توفیق اور سیست کے امتحان بھی نہیں دے سکیں گے، ہمارے پچھے سینٹر کیمبرج میں بھی نہیں بیٹھے سکیں گے اور ہمارے طالب علم اعلیٰ تعلیم کیلئے آ سکفورو، کیمبرج اور ہاروارڈ یونیورسٹی میں داخلہ بھی نہیں لے سکیں گے، ہمارے پچھے بار ایت لاء بھی نہیں کر سکیں گے، ہم پولیس، عدالتوں اور فوج کو تنخوا ہیں بھی نہیں دے سکیں گے، ہم ایوان صدر وزیر اعظم ہاؤس اور گورنر ہاؤس کے اخراجات بھی برداشت نہیں کر سکیں گے، ہمارے صدر وزیر اعظم اور وزیروں کے غیر ملکی دورے بھی رک جائیں گے، ہم کا بینہ اور پارلیمنٹ کے ارکان کی تنخوا ہوں اور مراغات کامل بھی ادا نہیں کر سکیں گے، ہمارے سرکاری اداروں اور دفتروں کا کام بھی رک جائے گا اور ہماری یورپ کریسی کیلئے لوٹ کھوٹ کے مواقع بھی ختم ہو جائیں گے، میں نے خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھا، اس نے ایک طویل شیطانی قہقهہ لگایا اور بولا "مجھے کیا فرق پڑتا ہے، میرے پچھے کے نصیب میں تو ناٹ سکول تک نہیں، میں پاسپورٹ تک نہیں بن سکتا، میں تو آج تک گوجرانوالہ تک نہیں گیا اور فوج، پولیس اور عدالت نے آج تک مجھے کون سا

جس کی میں فکر کر دیں گا، میرے گھر میں صرف دو بلب اور ایک پنچھا ہے، میں پچھلے پانچ سال سے بے روز گار ہوں، آپ کے با تھہ رو مزادر فرش صاف کرتا ہوں اور میرے گھر کا خرچ چلتا ہے اور رہ گئی شاپنگ تو میری بیوی اور میرے بچوں نے کبھی شاپنگ نہیں کی چنانچہ مجھے کیا فرق رہتا ہے۔

میں نے اس کی یہ بات بھی اطمینان سے سنی اور اس کے بعد کہا "ہماری دواؤں کی سلسلہ بند ہو جائے گی، ہمارے ملک کے تمام ہارت پیشہ، کنسر کے تمام مریض، گردوں، پیچھڑوں اور جگر کے اکثر مریض مر جائیں گے، ہم و گروں کیلئے شیپورنگ گورا کرنے والی کریمیں اور جلد زم کرنے والے لوشن بھی نہیں منگوا سکیں گے، ہمیں نو تھے پیٹ بھی نہیں مل سکیں گے اور ہم باہر سے بڑے فرقج، بڑے اے ہی اور بڑے مانگر و دیوادون، بھی نہیں منگوا سکیں گے، اس نے اپنے سر پر ہاتھ پھیرا، چند لمحے سوچا اور ابھی ان مجھے لجھے میں بولا "مجھے کیا فرق پڑتا ہے، آج جب پاکستان دیوالیہ نہیں تو میرے پاس کون ہی یہ ساری چیزیں موجود ہیں، میرے اب کو خون کی اللیاں ہو نہیں وہ گھر پر پڑا پڑا مر گیا، میں اسے گلی کے ڈاکٹر کے پاس تک نہ لے جاسکا" میری اماں کی ناگز نوٹ گئی میرے پاس ایکسرے کے پیسے نہیں تھے، وہ روتی روتنی مر گئی، میری بیوی میرے بچوں کو آج تک سر درد کی گولی نہیں ملی اور ہمارے گھر میں پانی کا کولر تک نہیں چنا، نچہ اگر پاکستان دیوالیہ ہو جائے تو مجھے کیا فرق پڑتا ہے، میں نے اس کی یہ بات بھی اطمینان سے سنی اور اس کے بعد کہا "ہم گندم نہیں خرید سکیں گے، ہمارے ملک میں بکلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ ہو گئی، ہمارے بیٹکوں میں روپے ختم ہو جائیں گے، ہمیں آلو پیاز اور بہن نہیں ملے گا، ہم چینی، گھنی اور میدہ نہیں لے سکیں گے، ہمیں چیز، کیک اور کافی نہیں ملے گی، ہم فرجح آنس کریم نہیں کھا سکیں گے، ہم اطاالوی سوت، جوتے اور نائیاں نہیں لے سکیں گے، ہم غیر ملکی خوشبو نہیں لگا سکیں گے اور اے جاہل انسان، ہم شیو کیلئے ریز را اور جیل نہیں خرید سکیں گے، اس نے قہقہہ لگایا، سگر یہ کا آخری کش لگایا اور بولا "جناب عالی مجھے گندم یا آٹا پہلے کھاں مل رہا ہے، میں سو گھروں سے بھیک مانگ کر آئے کے تھیلے کیلئے پیسے جمع کرتا ہوں، سارا دن قطار میں کھڑا ہوتا ہوں، آٹا لاتا ہوں اور ہم سب پانی میں بھگوکر آدمی آدمی روٹی کھاتے ہیں، ہم نے عرصہ ہوا آلو پیاز اور بہن کی شکل نہیں دیکھی، چینی، گھنی اور میدہ کس بلا کا نام ہے، ہم سرے سے نہیں جانتے، میرے محلے میں چار گھنٹے بکلی آتی ہے، چیز، کیک اور کافی، ہم نے زندگی بھر نہیں چھکھی اور شیو کیسے کی جاتی ہے مجھے اس فن سے واقفیت ہی نہیں چنا، نچہ مجھے کیا فرق پڑتا ہے، اس نے سگر یہ کاٹوٹا فرش صاف کرنے والی ٹاکی میں دبا دیا اور شوخ نظروں سے میری طرف دیکھنے لگا، مجھے شدید عرصہ آیا لیکن میں اس کی یہ بات بھی اطمینان سے برداشت کر گیا اور میں نے اس سے کہا "پوری دنیا میں ہماری

احتیاج کیسے کرنا چاہیے

ڈاکٹر محمد یونس چٹا گانگ یونیورسٹی میں معاشریات کے پروفیسر تھے انہوں نے 1975ء میں "جوبرا" گاؤں کے 42 خاندانوں کو 856 لکے (27 ڈالر) قرض دیئے ان خاندانوں نے بانس کے موڑھے رومال، چپلیں اور چادریں بنائیں اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے یہ گرامین بینک کی ابتدائی گرامین بینک دنیا کا پہلا معاشری ادارہ تھا جس نے غریب عورتوں کو چھوٹے قرضے دینے شروع کے اور بیگانی عورتوں نے ان قرضوں سے کمال کر دیا لہذا آج بنگلہ دیش میں خوشحالی انگرائی لے رہی ہے گرامین بینک دسمبر 1976ء میں شروع ہوا تھا اور حکومت نے 1983ء میں اسے باقاعدہ بینک تسلیم کر لیا تھا جس کے بعد ڈاکٹر یونس نے اسے دیہات میں پھیلایا اکتوبر 2006ء تک اس کی دو ہزار دو سو 26 شاخیں کھل چکی تھیں اور یہ بنگلہ دیش کے 71 ہزار 3 سو 71 دیہات کو غربت سے آزاد کر اچکا تھا ان میں برسوں میں بنگلہ دیش کے 165 لاکھ خاندانوں نے گرامین سے قرض لیا اور ان قرضوں سے دو کروڑ 22 لاکھ افراد کی معاشری حالت تبدیل ہوئی یہ بینک اب تک 45 ہزار بھکاریوں کو بھی باعزت زندگی دے چکا ہے جبکہ اس نے گرامین فون اور گرامین ٹیلی کام جیسے ادارے بھی بنائے جنہوں نے بنگلہ دیش کے دور دراز دیہات میں ایک لاکھ 39 ہزار خواتین کو پیسی اوہنا کر دیئے اور یوں بیگانی گاؤں ابلاغی دنیا سے جڑ گئے گرامین بینک کا سلسلہ اب 46 ملکوں تک پھیل چکا ہے اور دنیا کے دس کروڑ لوگ اس سے استفادہ کر رہے ہیں ڈاکٹر یونس کو اس نے ماڈل پر 13 اکتوبر 2006ء کو نوبل پرائز ملا تھا لیکن ڈاکٹر یونس ان کا گرامین بینک اور نوبل پرائز ہمارا موضوع نہیں ہمارا موضوع ذرا مختلف ہے۔

ڈاکٹر یونس نے 80ء کی دہائی میں اچانک محسوس کیا تھا صرف معاشری خوشحالی سب کچھ نہیں ہوتی ان انوں کیلئے میشت کے ساتھ ساتھ شعور اور لاکھ شائل بھی ضروری ہوتا ہے چنانچہ اس نے گرامین بینک سے قرضہ لینے والوں کیلئے 16 سماجی اصول وضع کئے اور جب تک کوئی شخص ان اصولوں پر عمل درآمد کی گارنٹی نہیں دیتا گرامین بینک اسے قرضہ نہیں دیتا گرامین بینک کے ورکرز قرض دینے کے بعد لوگوں کے گمراہ کر دیکھتے ہیں کیا وہ لوگ ان سماجی اصولوں پر عمل کر رہے ہیں؟ اگر انہیں کسی خاندان

النصاف دلایا ہے، کون سی پارٹیمنٹ اور سرکاری دفتر میرا ہے، اس ملک کا کون سا صدر، وزیر اعظم اور روزہ میرا ہے چنانچہ میری بلاسے یہ سارے لوگ بھوکے مر جائیں مجھے کیا فرق پڑتا ہے، وہ خاموش ہو گیا اور یہ میری برداشت کی حد تھی، میں کری سے اخھا، میں نے اسے طویل کالی دی اور اسے دفع ہو جانے کا حکم دے دیا، اس نے قہقهہ لگایا، وہ فرش سے اخھا، اس نے گندی تاکی جھاڑی اور مسکرا کر بولا "جناب میں اکیلا نہیں ہوں، اس ملک میں مجھے جیسے تیرہ چودہ کروڑ لوگ ہیں، یہ ملک خوشحال ہو یا دیوالیہ ہو جائے ہم تیرہ چودہ کروڑ لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا، اس ملک میں صدر پر وزیر مشرف کی حکومت ہو یا صدر آصف علی زرداری اس ملک کے سربراہ ہو جائیں، اس ملک کے وزیر اعظم شوکت عزیز ہوں یا یوسف رضا گیلانی اور اس کے مشیر خزانہ سلمان شاہ ہوں یا شوکت ترین ہم تیرہ چودہ کروڑ لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ آپ جیسے لوگ ہیں جن کو اے فرجت اور کاریں چاہیں، جنہیں پڑوں، بچل اور گیس کی فکر ہے یا جوڑا کے اور پر نیچے ہونے سے پریشان ہوتے ہیں اور جن کے وزیروں کیلئے اس ملک کا خوشحال ہونا ضروری ہے، یہ آپ جیسے صرف ایک دو کروڑ لوگوں کا ملک ہے، اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔



میں کمی محسوس ہوتا ہے لیکن اپنی شعور اور لائف شائل پر بچھر دیتے ہیں اور ان پچھر رز کا سلسلہ اس خاندان میں تبدیلی تک جاری رہتا ہے یہ اصول پچھا اس طرح ہیں، گرامین خاندان کے لوگ لظم و ضبط، اتحاد، حوصلہ اور محنت۔ کبھی ترک نہیں کریں گے، ہم اپنے خاندان کو اچھی اور معیاری زندگی دیں گے، ہم اپنے گھروں کو پکا کریں گے، ہم اپنی بزریاں خودا کا نئیں گے، ہم اپنا کنبہ چھوٹا کھیں گے، ہم اپنے بچوں کو تعلیم دیں گے، ہم اپنے گھر اور بچوں کو صاف سفر ارکھیں گے، ہم اپنے گھروں میں لیٹرین بنا نئیں گے، ہم پانی ابال کر استعمال کریں گے، ہم جیزی لیں گے اور نہ ہی دیں گے، ہم کسی کونقصان پہنچا نئیں گے اور نہ ہی کسی سے نقصان اٹھائیں گے، ہم اپنی آمدنی سے بچت کریں گے اور اس بچت کی سرمایہ کاری کریں گے، ہم دوسروں کی مدد کریں گے، ہم فلاج عامدہ کے کاموں کو وقت دیں گے اور ہم ہر صورت و دوست ڈالیں گے، ڈاکٹر یونس کے ان سماجی اصولوں نے بنگلہ دیش کو تبدیلی کے ایک ایسے عمل کا حصہ بنادیا جس نے لوگوں کا ماحول، عادات، حیلہ اور شعور بدل دیا۔ اب ڈاکٹر یونس کے دو کروڑ 22 لاکھ لوگ نہ صرف صاف سفر، صحت مند اور تعلیم یافتہ زندگی گزار رہے ہیں بلکہ ملک کی سیاسی اور سماجی زندگی میں بھی ان کا زبردست حصہ ہے، یوں اگر دیکھا جائے تو ڈاکٹر محمد یونس کی سماجی تحریک ان کے معاشی نظریے سے کہیں بڑی اور شاندار ثابت ہوئی، دنیا میں کسی بھی قوم کی میش کسی بھی وقت تھیک ہو سکتی ہے، آج پاکستان میں تیل نکل آئے سونے کے پھاڑ دریافت ہو جائیں یا بارشوں میں پچاس فیصد اضافہ ہو جائے تو ہم دس برسوں میں دنیا کی امیر ترین اقوام میں شمار ہو جائیں گے لیکن سوال یہ ہے کیا، ہم اس دولت سے اچھی زندگی بھی گزار سکیں گے؟ نہیں ہر گز نہیں، کیونکہ اچھی اور معیاری زندگی کیلئے سماجی شعور کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ شعور طویل ترینی عمل کا مقتضی ہے اور اس شعور کیلئے قوموں کو ڈاکٹر یونس جیسے لوگ درکار ہوتے ہیں، آپ اس سلسلے میں عربوں کی مثال لے سکتے ہیں، عربوں کو اللہ تعالیٰ نے 60ء کی دہائی میں تیل کی دولت سے نوازا تھا، چالیس برسوں میں تیل ختم ہو گیا لیکن عربوں کو زندگی گزارنے کا ذہنگ نہ آیا، وہ آج بھی اونٹوں پر پنچے باندھ کر "کیمل ریس" کرتے ہیں، صحرائیں مصنوعی برف باری سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور فرانس سے پانی درآمد کر کے پیتے ہیں، کیوں؟ کیونکہ انہیں کسی نے اچھی زندگی گزارنے کی ٹریننگ نہیں دی تھی، چنانچہ دولت ان میں کوئی تبدیلی نہ لاسکی۔

تھے وہ حکومت تک اپنے جذبات پہنچانا چاہتے تھے لیکن انہیں طریقہ معلوم نہیں تھا جبکہ میرے جیسے نام نہاد و انشور اس کمزوری کو عوام کی بے حسی اور مایوسی قرار دے رہے تھے، ہم نے عوام پر یہ الزام لگاتے ہوئے ایک لمحے کیلئے نہیں سوچا، وہ کون شخص ہو گا جو سڑک پر آئے اور پولیس کے ہاتھوں بڑیاں تڑا کر گھر جائیں گے، کون اپنی دکان بند کرے، کون دفتر سے چھٹی کرے اور کون اپنے بچوں کو آنسو گیس میں دھکیل دے، انسان کی فطرت ہے وہ تشدید اور موت سے گھبراتا ہے چنانچہ یہ پاکستانیوں کی فطری کمزوری تھی جس نے انہیں باہر نہیں نکلنے دیا، یہ سماجی شعور کی کمی ہے جس کے باعث جب بھی پاکستان میں 9 مارچ یا 3 نومبر کے واقعات پیش آتے ہیں تو لوگ بے بسی سے اپنے ہی بازوؤں کو دانتوں سے کاٹنے لگتے ہیں، وہ ساری ساری رات جاگتے ہیں لیکن انہیں سمجھنیں آتی وہ اپنے جذبات کا اظہار کیسے کریں ہے اب گرامین پینک کی طرح ہماری تمام این میں اوز، تمام فلاجی ادارے اور تمام نہ ہی اور سیاسی بھائیتیں ان حالات میں پینک کی طرح ہماری تمام این میں اوز، تمام فلاجی ادارے اور تمام نہ ہی اور سیاسی بھائیتیں ان حالات میں سماجی شعور کو اپنے ایجادنڈے کا حصہ بنالیں تو ملک میں بڑی تبدیلی آئی ہے، مثلاً آپ اخوت کو لیجئے، اخوت گرامین پینک کی طرح پاکستان کی ایک شاندار تحریک ہے، اسی طرح میں کئی بار کارروائی علم فاؤنڈیشن کا ذکر کر چکا ہوں، لاہور میں مرست سکول ہے، شیخ طاہر یوسف اس کے روح روائیں ہیں، مجھے یقین ہے یہ تنظیم آنے والے دنوں میں دنیا میں پاکستان کی پہچان بن جائے گی، ایڈمی فاؤنڈیشن ہے، ہمدرد کے مختلف پر جیکلش ہیں، ڈاکٹر اختر حیدر خان مرحوم کا اور گنگی پائلٹ پراجیکٹ ہے اور لودھراں پائلٹ پراجیکٹ ہے پاکستان میں ان کے علاوہ بھی سینکڑوں ہزاروں ادارے ہیں اگر یہ تمام ادارے مل کر ایک سماجی ایجادنڈا تیار کر لیں اور یہ ایجادنڈا تمام تحریکوں اور تنظیموں میں شامل کر لیا جائے تو ہم پاکستان میں ایک سماجی انقلاب لاسکتے ہیں، میر امشورہ ہے یہ تنظیم آج ہی سے اپنے نمبروں کو احتجاج کا طریقہ سکھانا شروع کر دیں، یہ انہیں بتا سیں احتجاج رائے ہوتا ہے جنگ نہیں اور ہم نے احتجاج کے دوران کی صورت ایسٹ، ڈنڈا اور پھر نہیں اٹھانا، ہم نے کسی کو گالی نہیں دیتی، یہ تنظیم اپنے کارکنوں کو سمجھائیں وہ جب سڑکوں پر آئیں تو انہوں نے کوئی بھی نہیں توڑنی، کوئی ٹارنہیں جلانا، کسی پولیس والے پر حملہ نہیں کرنا اور سڑکوں اور گلیوں میں گندنہیں ڈالنا، ہماری این میں اوز آج سے سماجی شعور کا سلسلہ شروع کر سکتی ہیں، یہ اپنے کارکنوں اور عام لوگوں کو سمجھائیں جب تک ایک جنپی ختم نہیں ہوتی اس وقت تک پاکستان کے تمام شہری اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں پاندھے رکھیں اور یہ لوگوں کو بتا سکتی ہیں پاکستان کے سارے عوام صبح دس بجے اپنے گھروں، دفتروں، سکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دکانوں سے باہر آئیں اور پانچ منٹ تک اپنی اپنی دلیز پر خاموش کھڑے رہیں، ذرا سوچنے جب 16 کروڑ لوگ اپنی اپنی دلیز پر

خانہ جنگی

”میں سب سے نمٹ لوں گا“ وہ طیش میں بولا اور میں میرا دوست بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے میں نے سمجھا نے کیلئے منہ کھولा لیکن اس نے مجھے گھورا اور پھنکا رتی آواز میں بولا ”تم لوگ یہاں سے جاتے ہو یا میں تمہیں بھجواؤں“ مجھے اس کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے تھے اس کے کارندے اور ورکشاپ کے چھوٹے ہمارے گرد جمع تھے میں نے اپنے دوست کا ہاتھ دبایا اور ہم چپ چاپ گاڑی میں آ کر بینچے گئے میرا دوست غصے میں تھا اسے اپنی توہین لورڈ لٹ کا شدید احساس ہو رہا تھا اس نے اسی احساس نفرت کے دوران ڈیش بورڈ سے روپالور کالا اور نیچے اترنے کیلئے دروازہ کھولنے لگا لیکن میں نے روپالور چھین لیا اور گاڑی بھگادی میرا دوست غصے میں کھول رہا تھا میں اسے پہاڑ پر لے گیا ہم دونوں پہاڑی ریستوران کی ایک الگ تھلک میز پر بینچے گئے اور میں اسے اسلام آباد کی خوبصورتی اور ہریالی دکھا دکھا کر نارمل کرنے لگا لیکن میرا دوست اپنی مختف پریشانی اور غصے سے اجھتا رہا وہ اسی طرح کھولتا رہا یہ بہت معمولی بات تھی ہم نے پچھر لگانے کیلئے ایک ورکشاپ پر ٹاڑ دیا تھا ہم ٹاڑ لینے گئے تو میرے دوست کا خیال تھا یہ اس کا ٹارنیس جبکہ دکاندار مصر تھا ہم اسے بھی ٹاڑ دے کر گئے تھے میرے دوست نے اپنے دوسرے ٹاڑ دکھائے ان ٹاڑوں اور اس ٹاڑ میں بڑا فرق تھا گاڑی کے تینوں ٹاڑ نئے تھے جبکہ یہ ٹاڑ اجھائی بوسیدہ اور خستہ تھا لیکن دکاندار ہماری بات مانے پر تیار نہیں تھا بجٹ کے دوران بات گہرگئی میں نے ورکشاپ کے مالک کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بد تمیزی پر اتر آیا میں نے اسے ایف آئی آر کٹوانے کی دھمکی لگائی تو وہ سینہ ٹھوک کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا ”آپ پولیس چھوڑ فوج لے آئیں میں سب سے نمٹ لوں گا“ ہم نے اصرار کیا تو اس نے ورکشاپ کے چھوٹے جمع کر لئے اور تمام لوگ بیچ کس راڑ اور ہتھوڑیاں لے کر ہمارے گرد جمع ہو گئے میں ان کی دیدہ دلیری اور بے خوفی سے ڈر گیا اور اپنے دوست کو وہاں سے لے کر بھاگ گیا ہم اپنا ٹاڑ بھی دیں چھوڑ آئے میرا دوست اس توہین کا انتقام لینا چاہتا تھا اس کا خیال تھا اگر میں اسے نہ روکتا تو وہ کم از کم دو تین لوگوں کی ٹانگوں میں گولیاں ضرور مار دیتا میں نے اسے سمجھایا ”یا صرف تین چار ہزار روپے کے ٹاڑ

کھڑے ہوں گے اور یہ روز کا معمول بن جائے گا تو اس احتجاج کا مقابلہ کون کرے گا ۱۹۴۷ءی طرح اگر این جی او ز مختلف محلوں، گلیوں اور سڑکوں کے نام پیسی اور کے تحت حلف نہ لینے والے بھنوں کے ناموں پر رکھ دیں اگر یہاں پس سکولوں، اداروں اور دکانوں کے نام لوگوں کے نام پر رکھ دیں جنہوں نے ہمارے ملک کیلئے قربانی دی تھی اور یہ فیصلہ کر لیں ان کے نمبر اپنے بھنوں کے نام ناپسندیدہ لوگوں کے ناموں جیسے نہ رکھیں اگر یہ لوگ ملک میں نام بدلنے کی تحریک شروع کروں، لوگ ہزاروں کی تعداد میں اپنے نام بد لیں اور اخبارات میں باقاعدہ اشتہار دیں تو اس سے کتنی بڑی تبدیلی آجائے گی لوگ اپنی چھتوں پر سیاہ پر چم بھی لہر اسکتے ہیں اور یہ ناپسندیدہ لوگوں کو ہزاروں کی تعداد میں فون اور ایس ایم ایس بھی کر سکتے ہیں یقین کیجئے یہ وہ طریقے ہیں جن سے ہم وہ ممتاز حاصل کر سکتے ہیں جو سینکڑوں جنگوں اور ہزاروں پھراؤ سے نہیں مل سکتے ہذا اگر اس نازک لمحے میں ڈاکٹر یونس جیسے لوگ سامنے آ جائیں تو ہم عوامی جذبات کو صحیح شکل دے سکتے ہیں ہم ملک اور ادارے بچا سکتے ہیں۔



بے بسی

"میں ان جھوں کو قوم کا ہیر و سمجھتا ہوں، میں تین فومبر سے اچھی طرح نہیں سویا میں کھانا کھاتا، نہایا دھونا اور کپڑے پہننا بھی بھول گیا ہوں، میرا کسی کے ساتھ بات چیت کرنے کو دل نہیں چاہتا، میں انتقام خود لینے لگتے ہیں، کیا سول وار میں سنشرل فورس ختم نہیں ہو جاتی؟ آپ دل پر ہاتھ روک کر بتائیے کیا اس وقت ملک میں کوئی سنشرل فورس موجود ہے؟ کیا کسی جگہ قانون اور انصاف نام کی کوئی چیز موجود ہے اور کیا لوگ آج غصے کی رو میں بہرہ رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب ہاں ہے تو کیا ہم خانہ جنگی کا فکار نہیں ہو چکے ہیں؟ کیا ہم تباہی کے دہانے پر نہیں کھڑے سوچئے اور اپنی عقل کا ماتم کیجھے۔

⊗ ⊗ ⊗

یہ نوجوان کیا کرے؟ مجھے بھی فوری طور پر اس سوال کا کوئی جواب نہ سوچا، یہ بے چارہ پاکستانی شہری تھا اور اس کے پاس صبر، شرمندگی، افسوس اور رونے دھونے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، میں نے سوچا اگر یہ نوجوان چین کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ چین میں کوریا کی جنگ میں ماڈے نے ٹنک کا بیٹا نوت ہو گیا تھا، جب بیٹے کی شہادت کی خبر چین پہنچی تو چین کی ماں میں اپنے بیٹے لے کر ماڈے کے پاس حاضر ہو گئیں اور ان سے عرض کیا آج سے ہمارے سب بیٹے آپ کے بیٹے ہیں ماؤ نے یہ بیٹے بھی محاذ

کا الزام لگا رہے ہیں، کراچی الطاف بھائی کا ہو چکا ہے اور ان کی اجازت کے بغیر وہاں پہنچنیں ہلتا، پنجاب گجرات الگی ہو چکا ہے، صوبہ سرحد ہے یو آئی کی ملکیت بن چکا ہے اور بلوچستان بلوچ سرداروں نے آپس میں تقسیم کر لیا ہے، پیچھے رہ گئے سرکاری ادارے تو یہ یونیفارم کی حفاظت میں جتے ہیں چنانچہ مسٹری شہاب ہو یا پھر میرا دوست یا سر شہاب دونوں قانون ہاتھ میں لینے کیلئے بے تاب پھر رہے ہیں، یہ سب لوگ اپنا فیصلہ خود کرنا چاہتے ہیں اور اپنے غصے میں کسی حکومتی ادارے کو شامل نہیں کر رہے یہ کیا ہے؟ کیا یہ سول وار نہیں، کیا سول وار میں یہی نہیں ہوتا کہ حکومتی ادارے جواب دے جاتے ہیں اور لوگ اپنا انتقام خود لینے لگتے ہیں، کیا سول وار میں سنشرل فورس ختم نہیں ہو جاتی؟ آپ دل پر ہاتھ روک کر بتائیے کیا اس وقت ملک میں کوئی سنشرل فورس موجود ہے؟ کیا کسی جگہ قانون اور انصاف نام کی کوئی چیز موجود ہے اور کیا لوگ آج غصے کی رو میں بہرہ رہے ہیں؟ اگر اس کا جواب ہاں ہے تو کیا ہم خانہ جنگی کا فکار نہیں ہو چکے ہیں؟ کیا ہم تباہی کے دہانے پر نہیں کھڑے سوچئے اور اپنی عقل کا ماتم کیجھے۔

انہوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں پچاس بینک بنائے اور دو گنی تجوہ اور مراعات پر ان ڈاکٹروں کو جنگ پر بھجوادیئے اور اس کے بعد محاڑ سے ہمیشہ اچھی خبر آئی، اگر یہ نوجوان چین کا شہری ہوتا تو یقیناً اس کی مال اسے معزول بجou کے پاس چھوڑ جاتی لیکن یہ چین نہیں پاکستان ہے، میں نے سوچا اگر یہ نوجوان کولمبیا کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ کولمبیا میں مافیا نے بجou اور عدالت کو بھوں سے اڑانا شروع کر دیا تھا لیکن بجou نے اس کے باوجود مافیا کے خلاف ساعت جاری رکھی، اس وقت جو جج عدالت جانے کیلئے گرے سے لکھتا تھا اسے یقین ہوتا تھا وہ گھروپس نہیں آئے گا لیکن اس کے باوجود وہ عدالت بھی جاتا تھا اور مقدمے کی ساعت بھی شروع کرتا تھا، عوام نے جب بجou کا استقلال دیکھا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے جس کے بعد عوام بجou کی شکل میں عدالت لاتے اور خود جج کی کرسی کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے۔ عدالت میں بم پھٹتا اور یہ لوگ بھی جج کے ساتھ شہید ہو جاتے، یہ سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آیا جب جج کی کرسی سے لے کر میلوں تک لوگ ہوتے تھے چنانچہ بم بازی کا سلسہ رک گیا اور بجou نے مافیا لارڈ کو سزا نادی، اگر یہ نوجوان میلان کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ میلان کے ایک میسر نے مجرمیت کو نوکری سے نکال دیا تھا، یہ مجرمیت ایمانداری، فرض شناسی اور حسن سلوک کی وجہ سے پورے شہر میں مقبول تھا، لوگوں نے فوراً مجرمیت آفس کا گھر ادا کر لیا اور اس وقت تک کسی نئے مجرمیت کو دفتر میں داخل نہیں ہونے دیا جب تک میسر نے عوام سے معافی نہ مانگی اور اس مجرمیت کو بحال نہ کیا۔ اگر یہ نوجوان ترکی کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ ترکی کے ایک باغی کو یونان نے پناہ دے دی تھی، جس کے جواب میں انقرہ کے شہری اپنی اپنی گاڑیوں پر گھروں سے نکلتے، یونان کے سفارتخانے کے سامنے رکتے، گاڑی کا ہارن بجا تے اور آگے روانہ ہو جاتے، یہ عمل لاکھوں لوگ روزانہ ہراتے تھے یہاں تک کہ یونانی سفارتخانے کا عملہ کا نوں میں روئی ٹھونے پر بھجوہ ہو گیا، اگر یہ نوجوان اندونیشیا کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ اندونیشیا کے ایک وزیر کی جاوہ میں کامیابی کی ایک کان میں دھماکہ ہوا اور کان کی گیلی مٹی اڑنے لگی، ان لوگوں نے یہ مٹی جمع کی، دارالحکومت گئے اور یہ مٹی وزیر کے گھر کے سامنے ڈھیر کرنے لگئی، وزیر صرف تین دن اس احتجاج کا مقابلہ کر سکے، اگر یہ نوجوان ایوری کوست کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ ایوری کوست کے ایک وزیر سرکاری ہپتالوں میں دواء کا استعمال شروع کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکٹروں کا خیال تھا اس دواء میں بے شمار "سایڈ افیکٹس" ہیں اور اگر سرکاری سطح پر اس دواء کا استعمال شروع کیا گیا تو مریضوں کو بہت نقصان پہنچ گا چنانچہ ڈاکٹروں نے وزیر کی ہدایات ماننے سے الکار کر دیا، وزیر نے ان ڈاکٹروں کو عبرت کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا، اس نے 50 ڈاکٹروں کو نوکری سے نکال دیا، عوام کو معلوم ہوا تو لوگ جمع ہو گئے یہ نیوزی لینڈ کے لوگوں کی طرف سے اس پولیس افسر کی استقامت اور ایمانداری کو سلام تھا۔

میں نے سوچا اگر یہ نوجوان اور اس جیسے دوسرے کروڑوں نوجوان نیوزی لینڈ، میکسیکو، مصر بنگلہ دیش، ایوری کوست، اندونیشیا، کولمبیا اور چین کے شہری ہوتے تو آج ان کے پاس اپنے جذبات کے

جنگ پر بھجوادیئے اور اس کے بعد محاڑ سے ہمیشہ اچھی خبر آئی، اگر یہ نوجوان چین کا شہری ہوتا تو یقیناً اس کی مال اسے معزول بجou کے پاس چھوڑ جاتی لیکن یہ چین نہیں پاکستان ہے، میں نے سوچا اگر یہ نوجوان کولمبیا کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ کولمبیا میں مافیا نے بجou اور عدالت کو بھوں سے اڑانا شروع کر دیا تھا لیکن بجou نے اس کے باوجود مافیا کے خلاف ساعت جاری رکھی، اس وقت جو جج عدالت جانے کیلئے گرے سے لکھتا تھا اسے یقین ہوتا تھا وہ گھروپس نہیں آئے گا لیکن اس کے باوجود وہ عدالت بھی جاتا تھا اور مقدمے کی ساعت بھی شروع کرتا تھا، عوام نے جب بجou کا استقلال دیکھا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے جس کے بعد عوام بجou کی شکل میں عدالت لاتے اور خود جج کی کرسی کے سامنے دیوار بن کر کھڑے ہو جاتے۔ عدالت میں بم پھٹتا اور یہ لوگ بھی جج کے ساتھ شہید ہو جاتے، یہ سلسلہ وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آیا جب جج کی کرسی سے لے کر میلوں تک لوگ ہوتے تھے چنانچہ بم بازی کا سلسہ رک گیا اور بجou نے مافیا لارڈ کو سزا نادی، اگر یہ نوجوان میلان کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ میلان کے ایک میسر نے مجرمیت کو نوکری سے نکال دیا تھا، یہ مجرمیت ایمانداری، فرض شناسی اور حسن سلوک کی وجہ سے پورے شہر میں مقبول تھا، لوگوں نے فوراً مجرمیت آفس کا گھر ادا کر لیا اور اس وقت تک کسی نئے مجرمیت کو دفتر میں داخل نہیں ہونے دیا جب تک میسر نے عوام سے معافی نہ مانگی اور اس مجرمیت کو بحال نہ کیا۔ اگر یہ نوجوان ترکی کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ ترکی کے ایک باغی کو یونان نے پناہ دے دی تھی، جس کے جواب میں انقرہ کے شہری اپنی اپنی گاڑیوں پر گھروں سے نکلتے، یونان کے سفارتخانے کے سامنے رکتے، گاڑی کا ہارن بجا تے اور آگے روانہ ہو جاتے، یہ عمل لاکھوں لوگ روزانہ ہراتے تھے یہاں تک کہ یونانی سفارتخانے کا عملہ کا نوں میں روئی ٹھونے پر بھجوہ ہو گیا، اگر یہ نوجوان اندونیشیا کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ اندونیشیا کے ایک وزیر کی جاوہ میں کامیابی کی ایک کان میں دھماکہ ہوا اور کان کی گیلی مٹی اڑنے لگی، ان لوگوں نے یہ مٹی جمع کی، دارالحکومت گئے اور یہ مٹی وزیر کے گھر کے سامنے ڈھیر کرنے لگئی، وزیر صرف تین دن اس احتجاج کا مقابلہ کر سکے، اگر یہ نوجوان ایوری کوست کا شہری ہوتا تو یہ کیا کرتا؟ ایوری کوست کے ایک وزیر سرکاری ہپتالوں میں دواء کا استعمال شروع کرنا چاہتے تھے لیکن ڈاکٹروں کا خیال تھا اس دواء میں بے شمار "سایڈ افیکٹس" ہیں اور اگر سرکاری سطح پر اس دواء کا استعمال شروع کیا گیا تو مریضوں کو بہت نقصان پہنچ گا چنانچہ ڈاکٹروں نے وزیر کی ہدایات ماننے سے الکار کر دیا، وزیر نے ان ڈاکٹروں کو عبرت کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کر لیا، اس نے 50 ڈاکٹروں کو نوکری سے نکال دیا، عوام کو معلوم ہوا تو لوگ جمع ہوئے،

عوام کیا کریں

ہم اب آتے ہیں عوام کی طرف، دنیا کی سب سے بڑی طاقت عوام ہوتے ہیں، یہ ایک ایسی طاقت ہے جس کے ہارے میں کہا جاتا ہے ”زبانِ خلق کو فقارِ خدا سمجھیں“، شاید یہی وجہ تھی دنیا کے تمام مذاہب، تمام نظریات اور تمام انقلابات عوام سے اٹھے اور آہستہ آہستہ طبقہ اشرافیہ یا حکمران کلاس تک پہنچے دنیا میں پج وہ ہوتا ہے جسے عوامِ حج تسلیم کرتے ہیں چنانچہ کسی بھی معاشرے میں تبدیلی کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ عوام ہوتے ہیں اور جب تک عوام متحرک نہیں ہوتے اس وقت تک معاشرے میں ”چیخ، نہیں آتی اور ہماری بد قسمیوں میں سب سے بڑی بد قسمی عوام کی بے حسی ہے ہمارے عوام کا بہت بڑا طبقہ بے حس بھی ہے، نکلا بھی اور خوش فہم بھی، آپ الیہ ملاحظہ کیجئے ہمارے لوگ تبدیلی، خوشحالی اور ترقی کیلئے پچھلے سانچہ برس سے حکومت کی طرف دیکھ رہے ہیں، ملک میں جب بھی کوئی نئی حکومت بنتی ہے تو لوگ اس کے ساتھ اپنی توقعات و ابستہ کر لیتے ہیں، سال چھ ماہ تک ان کی توقعات کی نصیحت ہے تو اپنے بھائیوں کے ساتھ اپنی توقعات و ابستہ کر لیتے ہیں، سال چھ ماہ تک ان کی توقعات کی نصیحت ہے تو لوگ اس کے خلاف نفرے لگاتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں اور مسجدوں میں گزر گزار کر اللہ تعالیٰ سے ”حکمرانوں سے جان چھڑا“ کی دعا میں کرتے ہیں، حکومت اس دوران اپنی طبعی اور غیر طبعی عمر پوری کر لیتی ہے اور ایوب خان کی جگہ یحییٰ خان، ذوالفقار علی بھٹو کی جگہ جزل ضیاء الحق، بے نظیر بھٹو کی جگہ نواز شریف اور صدر پرویز مشرف کی جگہ یوسف رضا گیلانی آ جاتے ہیں اور لوگوں کی توقعات ایک کوٹ سے نکل کر دوسری شیر و انی میں چل جاتی ہیں لیکن ان کے مسائل اسی جگہ قائم رہتے ہیں۔

آپ پاکستان کے مسائل کی تاریخ نکال کر دیکھ لجھئے، پاکستان میں مہنگائی ایوب خان کے دور میں بھی تھی، مہنگائی آج یوسف رضا گیلانی کی حکومت میں بھی ہے، بے روذگاری، جہالت، لودھیڈگ، بد امنی، بے انصافی اور لا قانونیت ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں بھی تھی اور یہ مسائل آج بھی ہیں، آنا، والیں، چاول، گھنی اور پڑوں سابق ادوار میں بھی ناپید تھا اور یہ آج بھی نہیں مل رہا چنانچہ اگر دیکھا جائے تو پچھلے

اظہار کیلئے سینکڑوں ہزاروں طریقے ہوتے اور اگر ہمارے زیر عتابِ حج بھی پاکستان کے علاوہ کسی زندہ ضمیر معاشرے میں ہوتے تو وہ بھی آج اتنے بے بس نہ ہوتے اور آج انہیں بھی تխواہوں، پشن، گاڑیوں، ڈرائیوروں، خاناموں، ملی فنوں اور رہائش گاہوں کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا، آج ہزاروں لاکھوں لوگ اپنے اپنے گھروں کی چاہیاں لے کر ان کے گھر کے باہر کھڑے ہوتے اور اس وقت تک سینکڑوں گاڑیاں ان کے گھروں کے باہر ہوتیں اور لوگ انہیں اب تک پچاس سال کی تخلوں ایں اور پہنچنیں پیش کر چکے ہوتے، افسوس یہ نوجوان اور یہ نج دنوں ایک ایسے ملک کے شہری ہیں جس کی بے بس زمینوں میں صرف بے بسی کاشت ہوتی ہے اور آج پورے ملک میں بے بسی کی یہ نصیحت ہے، ”ہم سب اپنے گھروں میں بیٹھ کر آ سان کی طرف دیکھ رہے اور آ سان، ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا ہے! کیوں؟ کیونکہ آ سان کے پاس بے بس لوگوں کیلئے مسکراہٹ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

⊗ ⊗ ⊗

دھکانے، ڈاٹنے، فاشی عربی اور بداخلالقوں کے لئے کرنے اور اپنی جوانی کے قصے سننے کے سوا کوئی کام نہیں، اگر یہ لوگ دس دس پندرہ پندرہ کا گروپ ہنا ہیں اور یہ گروپ کچی آبادیوں میں ایک ایک کرے کا سکول بنائیں اور بچوں کو مفت تعلیم دینا شروع کر دیں، ملک کے وہ تمام لوگ جن کی آمدی چالیس ہزار روپے سے زائد ہے اگر وہ دس دس لوگوں کا گروپ ہنا ہیں یہ لوگ چار چار ہزار روپے مہانہ "کنٹری یوت" کریں اور ان چالیس ہزار روپوں سے یہ لوگ اپنے محلے میں ایک چھوٹی سی ڈپنسری بنائیں، دس اساتذہ ایک گروپ بنائیں، ایک کرہ کرائے پر لیں اور یہ اساتذہ شام کے وقت معاشرے کے ان بچوں کو مفت پڑھانا شروع کر دیں جو اچھی اور اعلیٰ تعلیم افروز نہیں کر سکتے، دس ڈاکٹر اپنے گروپ بنائیں اور شام کو روز کسی کچی آبادی، کسی گاؤں اور غریبوں کی کسی بستی میں جائیں اور لوگوں کا مفت معائض کریں، دس کھلاڑی گروپ بنائیں یہ خط غربت سے بچے زندگی گزارنے والے طبقوں میں جائیں اور ان بچوں کو کھیلنے کا طریقہ سکھائیں، مجینٹر زاپنے اپنے گروپ ہنا ہیں اور محروم طبقوں کے بچوں کو فی تربیت دیں، بیگمات گروپس بنائیں، صابن اور ٹوٹھ پیٹ خریدیں اور کچی بستیوں میں جا کر بچوں کو منہ دھونے اور پیٹ کرنے کا طریقہ سکھائیں، کپڑے بیچنے والے تھان لیں، درزی لیں، کچی آبادیوں میں جائیں اور بچوں کو کپڑے ہی دیں، زرعی ماہرین کے گروپس بنیں اور یہ گروپس چھوٹے کسانوں اور کچی آبادیوں کے لوگوں کو اپنی ضرورت کی بزریاں اور بھل اگانے اور بکریاں پالنے کا طریقہ پتا ہیں، صنعت کاروں کے گروپس بنیں اور یہ گروپس کچی آبادیوں میں جا کر لوگوں کو چھوٹی چھوٹی صنعتیں لگانے کی ترغیب دیں، ماہرین نفیات گروپس بنائیں اور یہ گروپس کچی آبادیوں میں جا کر لوگوں کو آگے بڑھنے، ہمت جوان رکھنے اور زندگی کی خوبصورتیوں کے بارے میں پیچھر دیں، علماء کے گروپس بنیں یہ گروپس کچی آبادیوں میں اپنے ڈیرے اور مجرے بنائیں اور وہاں بیٹھ کر لوگوں میں زندگی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور طالب علم اپنے گروپس بنائیں اور یہ گروپس غریب بستیوں میں جا کر بچوں کو پڑھائیں یا ان طالب علموں کو تعلیم دیں جو پڑھنا چاہتے ہیں لیکن ان کے پاس وسائل نہیں ہیں تو ذرا سوچیں اس ملک میں کتنا بڑا انقلاب آ سکتا ہے، مجھے یقین ہے اگر ہماری سول سو سائی اس طرح متھر ک ہو جائے یہ لوگوں میں تحریک پیدا کرے تو شاید اس ملک میں کسی شخص کو خود کشی نہ کرنا پڑے، شاید لوگوں کے اندر رزندگی کے رنگ اٹھنے اور دوڑنے لگیں اور یہ ملک ٹوٹنے اور بکھرنے سے فج جائے، مجھے رہ رہ کر محسوس ہوتا ہے اگر ہمارے ملک کے پانچ کروڑ لوگوں نے 11 کروڑ لوگوں کو اپنی ذمہ داری نہ سمجھا، اگر پانچ کروڑ لوگوں نے آگے بڑھ کر ان گیارہ کروڑ لوگوں کا ہاتھ نہ تھاما تو اس ملک میں گیارہ کروڑ بچیں سکتے؟ اس ملک میں لگ بھگ دو کروڑ پیٹاڑ اور بزرگ شہری ہیں، ان لوگوں کے پاس بچوں کو ڈرائے۔

ادوار اور آج کے دور میں کوئی فرق نہیں، کل بھی کوئی تبدیلی نہیں تھی اور آج بھی معاشرے میں کوئی فرق نہیں آیا، ہم ہمیشہ اس معاملے میں حکومت اور حکمرانوں کو موردا الزام ٹھہراتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھول جاتے ہیں اگر صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے ایک ہزار ارکان، چار ہزار 9 سو گیارہ سیاستدان، ایک سو ایکس وزیر اور تین ہزار اعلیٰ سرکاری افراد ملک کا مقدار نہیں بدل سکے تو اس ملک کے 16 کروڑ عوام نے بھی بیروز گاری، مہنگائی، غربت، تعلیم، صحت، صفائی، انصاف اور امن و امان کیلئے کچھ نہیں کیا؟ ہمارے عوام نے تو آج تک اپنے سرکی جو نیں تک نکالنے کی ہمت نہیں کی یہ 16 کروڑ لوگ تو منہ دھلانے، مساوا کرنے اور دروازے پر پڑی کھرے کی نوکری تک اٹھانے کیلئے حکومت کا انتظار کرتے ہیں، دنیا میں حقوق اور فرائض میں فرض قانون کا درجہ رکھتا ہے اور جو شخص اپنا فرض ادا نہیں کرتا اسے حق مانتے کا "حق" حاصل نہیں ہوتا لیکن بدستی سے ہمارے 16 کروڑ عوام اپنے فرائض تو ادا کر نہیں رہے اور حق مانتے میں پیش پیش ہیں، ہمارے 16 کروڑ لوگ خاموشی سے گرفتار ہیں، خود کشیاں کرنے والوں کے جنازے پڑھ رہے ہیں اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے یہ لکھوہ کر رہے ہیں کہ ہمارے حالات تبدیل کیوں نہیں ہو رہے؟ ہم یہ بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسوقت تک اس قوم (یعنی پورا ملک) کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم اپنی حالت نہیں بدلتی۔

ہمارے عوام کیا کر سکتے ہیں؟ یہ وہ سوال ہے جس کے جواب میں ہماری خوشحالی، ترقی اور تبدیلی چھپی ہے! میرے مہر بانو! اس ملک میں 16 کروڑ لوگ ہیں، ان 16 کروڑ لوگوں میں 8 کروڑ خط غربت سے بچے زندگی گزار رہے ہیں جبکہ باقی 8 کروڑ لوگوں میں کلاس اور اپر کلاس میں شمار ہوتے ہیں، ہم اگر ان 8 کروڑ لوگوں میں سے لوگوں کے تین کروڑ لوگوں کو نکال دیں تو بیچھے مذہل کلاس اور اپر کلاس کے 5 کروڑ لوگ رہ جاتے ہیں یہ پانچ کروڑ لوگ خوشحال بھی ہیں، خود مختار بھی، تعلیم یافتہ بھی اور ورزشی بھی لہذا اگر یہ لوگ متھر ک ہو جائیں یہ لوگ اپنی ذمہ داری قبول کر لیں تو یہ پانچ کروڑ لوگ اس ملک میں خوشحالی، ترقی اور تبدیلی میں بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں اور دس سال میں یہ ملک کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے، یہ پانچ کروڑ تک بڑی طاقت ہیں اس کا اندازہ آپ 80 ہزار وکلاء سے لگا جیجے، اس ملک میں 80 ہزار وکلاء ہیں، ان میں سے نصف وکلاء 9 مارچ 2007ء کو گھروں اور چیمبرز سے لکھے اور انہوں نے نہ صرف فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا بلکہ ملک کا سارا سیاسی نقشہ ہی تبدیل کر دیا، اگر یہ 40 ہزار وکلاء اتنی بڑی تبدیلی لاسکتے ہیں تو ذرا سوچیں ملک کے 5 کروڑ خود مختار اور خوشحال عوام کیا نہیں کر سکتے؟ اس ملک میں لگ بھگ دو کروڑ پیٹاڑ اور بزرگ شہری ہیں، ان لوگوں کے پاس بچوں کو ڈرائے۔

گے اور نہ ہی پانچ کروڑ۔

دنیا کی تاریخ میں آج تک کوئی حکومت ملک کو بنا سکی اور نہ ہی بچا سکی یہ لوگ ہوتے ہیں، یہ عوام ہوتے ہیں جو ملکوں کو بناتے بھی ہیں اور بچاتے بھی ہیں اور بد قسمتی سے ہمارے ملک کے عوام ہی بے حصہ ہیں، ان میں کوئی جان ہی نہیں چنانچہ ملک کیسے بنے گا، ملک کیسے بچے گا۔

○ ○ ○

خود کشی کرنے والوں سے ڈر میں

محمد رفیق نے پاؤ بھر کا پتھرا لھایا، ہاتھ بلند کیا اور پورا زور لگا کر پتھر ہوا میں اچھاں دیا، پتھرا اڑتا ہوا شستے سے سکرایا، لھاک، کرج کرج کی آواز آئی اور شستے کی کرچیاں دور دور تک بکھر گئیں۔ محمد رفیق نے دونوں ہاتھ ہوا میں اٹھائے اور نفرے لگانے لگا۔ ٹیلی ویژن کا کیمرہ محمد رفیق کو دیکھ رہا تھا، کیمرے نے آہستہ آہستہ محمد رفیق کو فوکس کیا، سکرین کی سائیڈ سے ٹیلی ویژن کا روپرٹر سامنے آیا اور اس نے محمد رفیق سے پوچھا "آپ اتنے غصے میں کیوں ہیں؟" محمد رفیق نے کیمرے کی آنکھوں میں آنکھ ڈالی، غصے سے حکومت کو گالی دی اور بولا "میں فیکٹری میں کام کرتا ہوں، میں فیکٹری جاتا ہوں تو وہاں بچلی نہیں ہوتی، ہم سارا دن ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہتے ہیں، میں شام کو گھر واپس آتا ہوں تو گھر میں بچلی نہیں ہوتی، میری بیوی اور بچے اندر ہمیرے میں بیٹھے ہوتے ہیں، ہم نے پورے ماہ بچلی کی شکل نہیں دیکھی، ہمارے بلب، ہماری بیوب لائیں اور ہمارے سوچ تک کرٹ کو ترس گئے ہیں لیکن جب بل آیا تو وہ پانچ ہزار روپے تھا،" محمد رفیق رکا، اس نے حکومت کو ایک اور موٹی سی گالی دی اور بولا "میری تنخواہ پانچ ہزار ہے اور وہ بھی دو ماہ سے نہیں ٹیلی، آپ خود فیصلہ کرو میں پانچ ہزار روپے میں مکان کا کرایہ دوں، گھر کیلئے قطار میں لگ کر آٹا خریدوں، گھنی، چینی اور سبزی کا بند و بست کروں، بچوں کی سکول کی فیس دوں، بیوی کیلئے دوائیں خریدوں یا بچلی کا بل ادا کروں، مجھے بتائیے میں کیا کروں،" محمد رفیق رکا، اس نے لمبا سانس لیا اور دوبارہ بولا "چلو میں بل بھی دے دیتا ہوں لیکن اس کے بد لے مجھے بچلی تو ملے؟ یہ کیا انصاف ہے، بچلی دیتے نہیں ہیں لیکن بل وصول کر لیتے ہیں چنانچہ میں نے آج فیصلہ کیا، میں بچلی کا یہ دفتر توڑ کر گھر جاؤں گا،" اس کے ساتھ ہی ٹیلی ویژن کا روپرٹر کیمرہ میں محمد رفیق سے آگے نکل گئے لیکن انھا میں محمد رفیق کی گالیاں اور نفرے موجود ہے۔

محمد رفیق ان سولہ کروڑ پاکستانیوں میں سے ایک ہے جو بچلی کے ہاتھوں موت کے دروازے تک پہنچ چکے ہیں، ہماری جدید دنیا چارستونوں پر کھڑی ہے، معیشت، ٹیلی کیوں نیکیشن، کپسیوٹ اور میڈیا۔ سماجی ماہرین کا کہنا ہے اگر کسی معاشرے کے یہ چارستون ڈھ جائیں تو وہ سوسائٹی ایکسویں صدی سے

کے اس غصے کو جنگ کی شکل دے دے گا اور مسئلے کا حل مسئلے سے بھی کئی گناہکیں ثابت ہو گا۔ حکومت لوڈ شیڈنگ سے جان چھڑانے کیلئے کرائے پر پاور پلائیش حاصل کر رہی ہے یہ پاور پلائیش میں یہ نہیں بینت فی یونٹ بھلی فراہم کر رہیں گے اور جب ان کی پیداوار شروع ہو گئی تو حکومت کو پانچ ہزار روپے ماہانہ کمانے والے محمد رفیق کو دس ہزار روپے بل بھجوانا پڑے گا۔ آپ تصور کیجئے اس وقت محمد رفیق کا کیا رد عمل ہو گا؟ بھلی کی لوڈ شیڈنگ کے بارے میں ایک افواہ یہ بھی گردش کر رہی ہے کہ لوڈ شیڈنگ کی یہ لہر خالصتا کا روپاری ہے پاور پلائیش کا ایک مافیا اس وقت ملک میں موجود ہے اور یہ مافیا لوڈ شیڈنگ کا بھر ان پیدا کر کے نئے پاور پلائیش کی ضرورت پیدا کر رہا ہے، یہ نئے آئی پی ایز کی جنسی میکیشن کی کوشش ہے۔ پاکستان میں وچھلے ماہ غربت اور بے روزگاری کے ہاتھوں 147 لوگوں نے خودکشی کی تھی یہ نئے پاور پلائیش آنے سے پہلے کی صورتحال تھی۔ آپ تصور کیجئے جب پاور پلائیش آجائیں گے تو اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہو گی؟ اس وقت شاید لوگ بھلی کی تاروں کے ساتھ ناک کر دنیا کے دھوکوں سے آزاد ہو جائیں چنانچہ ہم ایک ایسی بندگی میں آچکے ہیں جس کے آگے کوئی راستہ نہیں اور وچھلے راستے پر حکومت ایک اوپنجی دیوار کھڑی کر رہی ہے۔ اس نازک گھری پر میری حکومت سے درخواست ہے وہ لوگوں کے ساتھ جھوٹ بولنا بند کر دے، عوام کو اصل حقائق بتائے اور اخلاص پر بنی ایک ایسی لائگ ٹرم پالیسی بنائے جو اگلے دس پندرہ برسوں میں اس ملک کو مسائل سے نکال دے ورنہ یقین کیجئے محمد رفیق جیسے لوگ اس ہمارے حکمرانوں کو بھانگنے کا راستہ نہیں دیں گے۔ معاشروں اور ملکوں کو مالیاتی بھراؤں سے اتنا خطرہ نہیں ہوتا جتنے خطرناک ان کیلئے خودکشی کرنے والے عوام ہوتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنی جان لے سکتا ہے اسے دوسروں کی جان لیتے ہوئے زیادہ منت نہیں کرتا پڑتی اور ملک میں اس وقت محمد رفیق جیسے لوگوں کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔

⊗ ⊗ ⊗

براہ راست نویں صدی میں جاگرے گی اور آپ دچکپ حقیقت ملاحظہ کیجئے بھلی ان چاروں ستونوں کی جان ہے اگر بھلی کا سوچ آف ہو جائے تو ملک میں معیشت بخختی ہے، میلی کیوں نیشن، کمپیوٹر اور نہیں میڈیا کی سکرین۔ آپ معیشت کی تفصیل میں جا کر دیکھئے، زراعت ہو، کارخانے ہوں، دفاتر ہوں یا مارکیٹ ہوں یہ تمام بھلی کے محتاج ہیں۔ اگر بھلی بند ہو جائے تو پوری معیشت کا بلب فیوز ہو جاتا ہے، میلی کیوں نیشن میلی فون کی شکل میں ہو، موہل کی شکل میں یا پھر انترنیٹ کی صورت میں، بھلی اس کی بھی جان ہے اور آپ آج کی ان بینیادی چیزوں کو کب تک یوپی ایس اور جزیرہ نما پر چلا سکتے ہیں؟ چنانچہ ایک وقت آتا ہے جب آپ کو ہاتھ کھڑے کرنا پڑتا ہے یہ اور اس وقت جدید دنیا کا یہ ستون بھی ڈھ جاتا ہے۔ کمپیوٹر آج کی سماجی دنیا کا دل ہے، آپ اس کے بغیر بس کامکٹ تک نہیں خرید سکتے اور یہ بھلی کا محتاج ہے اور رہ گیا میڈیا تو اخبار سے لے کر ریڈ یا اور ریڈ یو سے لے کر میلی ویژن تک میڈیا کی کوئی قسم بھلی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی اور پاکستان میں اس وقت جدید زندگی کے یہ چار ”ٹولز“ آخری سائیں لے رہے ہیں چنانچہ ہم بڑی تیزی سے ایکسویں صدی سے نویں صدی کی طرف جا رہے ہیں۔

بھلی کا یہ بھر ان کیوں ہے؟ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ یہ بھلی حکومت کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے یا اس میں وہ لوگ تصوروار ہیں جنہوں نے تیس برس سے کالاباغ ڈیم نہیں بننے دیا، بھلی رمضان تک کیوں موجود تھی اور بعد یہ بھلی کہاں رخصت ہو گئی اور ہم کب تک ان اندھیروں میں ڈوبے رہیں گے؟ یہ تمام سوال اپنی جگہ بہت اہم ہیں لیکن یہ ان سوالوں کا جواب تلاش کرنے کا وقت نہیں کیوں کہ جواب تلاش کرنے کیلئے بھلی چاہئے اور ہمارے ملک کی تاریخ اس وقت ایک ایک یونٹ کو ترس رہی ہیں مگر ایک چیز ثابت ہو چکی ہے حکومت ملک کا کوئی بینیادی مسئلہ حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یوں محسوس ہوتا ہے مسائل کی تمام گیندیں حکومت کے ہاتھ سے چھسلتی چلی جا رہی ہیں اور حکومت گھبراہٹ میں کبھی گیندوں کی طرف دیکھتی ہے اور کبھی تماشا یوں کی طرف خوف کی نگاہ ڈالتی ہے۔

حکومت شدید مالیاتی بھراؤں کا بھی شکار ہو چکی ہے، تمام عالمی ڈوز اور سرمایہ کاراپنے ڈالرز سمیٹ کر واپس جاچکے ہیں جس کے بعد حکومت کیلئے روزمرہ کے اخراجات چلانا بھی مشکل ہو چکا ہے چنانچہ حکومت نے سرماۓ کے حصول کیلئے عوام پر بوجھ بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ پاکستان میں پہلی بار حکومت عوام سے لوڈ شیڈنگ کے بل بھی وصول کر رہی ہے اور حکومت کا یہ اندام ظاہر ہے ملک کو خانہ جنگی کی طرف لے جا رہا ہے اور محمد رفیق جیسے مجبور لوگ ایک ایک کر کے سڑک پر آ رہے ہیں یہ لوگ آج لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے پھرے ہوئے ہیں لیکن حکومت لوڈ شیڈنگ کے جس حل پر کام کر رہی ہے وہ لوگوں

غور کرنا ہوگا۔ ان چار پہلوؤں میں سے پہلا پہلو اجتہاد ہے، اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس کے راستے میں وقت کی دیواریں حائل نہیں ہوتیں۔ یہ اپنے اندر ہر دوڑ ہر عہد اور ہر اتفاق کی گنجائش پیدا کر لیتا ہے۔ انسان اگر سجدہ نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اشاروں حتیٰ کر پکوں تک سے بجدے کی اجازت دے دیتا ہے۔ انسان وضو نہیں کر سکتا تو وہ ہاتھوں پر سوکھا ہاتھ پھیر کر وضو کر سکتا ہے، کسی میں حج کی استطاعت نہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر یہ فرض ہی ساقط کر دیتا ہے، انسان اگر برائی کو ہاتھ اور زبان سے نہیں روک سکتا تو اسلام اسے برائی کو دل میں برا کرنے کی اجازت دے دیتا ہے اور اگر مرد اور عورت نکاح کرنا چاہیں اور ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بننا کر میاں بیوی بن سکتے ہیں لہذا یہ دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے وقت کی ہر تبدیلی اور انسان کی ہر ضرورت کو "ویل کم" کیا، دنیا میں گھری ایجاد ہوئی، لا وڈ پسکر آیا، فٹ بال کھیلا جانے لگا، گاڑیاں اور چہاز آئے اور انسان نے ستاروں کی چالوں کا مطالعہ شروع کیا تو اسلام نے سب سے پہلے ان تبدیلیوں کو تسلیم کیا۔ یہ دنیا کا واحد مذہب ہے جو وقت کے عالموں کو عصری تقاضوں کی گنجائش پیدا کرنے کی پوری پوری اجازت دیتا ہے اور گنجائش کے اس عمل کو اجتہاد کہتے ہیں۔ سو اس کا یہ گنجائش کیلئے کافی دی اور اسے 34 کوڑے مارے گئے یہ بحث بھی فضول ہو گی کہ کوئی صاحب اس خاتون کے ساتھ شادی کرتا چاہتے تھے ناکامی ہوئی اور وہ طالبان میں شامل ہوئے۔ انہوں نے خاتون نے پر بد کاری کا الزام لگایا اور خاتون کو سرِ عام کوڑے مارے گئے اور یہ بحث بھی لا حاصل ہے کہ خاتون نے بھلی ٹھیک کرنے کیلئے الیکٹریشن کو گھر بلوایا تھا اور اس کے بعد الیکٹریشن اور خاتون دونوں حدود کے دائرے میں آگئے لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ ایک انتہائی غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی اقدام تھا اور اس اقدام پر اس ملک کے ہر مسلمان کا سرشم سے جھک گیا اور اس واقعے کے بعد یہ سوال درست گئا ہے کہ یہ کون سا اسلام ہے جو ایک پر وہ دار خاتون کو مددوں کے درمیان لٹا کر کوڑے مارتا ہے اور سارا جمع آرام سے، سکون سے اس کی چیزیں سنتا ہے؟ لوگوں کا یہ سوال بھلی ٹھیک ہے کہ یہ فیصلہ کسی قاضی نے سنایا تھا اور کیا اس سزا کیلئے شرعی گواہیاں لی گئی تھیں؟ میں تاریخ کا کیڑا ہوں، میں نے سیرت کی کتب اور خلفائے راشدین کے عهد میں النصف کا اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں پڑھا۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے لئے اسلامی سزاوں سے اخراج ممکن نہیں، ہم بھیت مسلمان ان سزاوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں اور ان پر عملدرآمد کے بھی پابند ہیں لیکن کیا اسلام کسی خاتون کو مددوں کے درمیان کوڑے مارنے کی اجازت دیتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں دیتا۔ یہ طریقہ سو فیصد غیر شرعی، غیر اخلاقی اور غیر انسانی تھا اور میں بھیت مسلمان اس غیر انسانی حرکت پر احتجاج کرتا ہوں۔

اس واقعے کا دوسرا پہلو میڈیا ہے، میں دل کی گہرائیوں سے یہ سمجھتا ہوں، ہم میڈیا کے لوگوں کا

میں احتجاج کرتا ہوں

یہ بحث بہر حال لا حاصل اور فضول ہے کہ یہ واقعہ کبل میں پیش آیا پھر میکورہ سید و شریف، شاہ ڈھیری یا پھر کالام میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ بحث بھی بے معنی ہے کہ یہ سو اس میں نفاذِ عدل سے پہلے کا واقعہ ہے یا پھر یہ سرحد حکومت اور طالبان کے درمیان تحریری معابدے کے بعد پیش آیا۔ یہ بحث بھی فضول ہے کہ یہ خاتون کسی غیر حرم مرد کے ساتھ گھر سے نکلی تھی اور طالبان نے خاتون کو سرِ عام کوڑے مارنا شروع کر دیئے۔ یہ بحث بھی لا حاصل ہے کہ اس خاتون کے اپنے سر کے ساتھ تباہی اور تعلقات تھے، لوگوں نے گواہی دی اور اسے 34 کوڑے مارے گئے یہ بحث بھی فضول ہو گی کہ کوئی صاحب اس خاتون کے ساتھ شادی کرتا چاہتے تھے ناکامی ہوئی اور وہ طالبان میں شامل ہوئے۔ انہوں نے خاتون پر بد کاری کا الزام لگایا اور خاتون کو سرِ عام کوڑے مارے گئے اور یہ بحث بھی لا حاصل ہے کہ خاتون نے بھلی ٹھیک کرنے کیلئے الیکٹریشن کو گھر بلوایا تھا اور خاتون دونوں حدود کے دائرے میں آگئے لیکن یہ بات طے ہے کہ یہ ایک انتہائی غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی اقدام تھا اور اس اقدام پر اس ملک کے ہر مسلمان کا سرشم سے جھک گیا اور اس واقعے کے بعد یہ سوال درست گئا ہے کہ یہ کون سا اسلام ہے جو ایک پر وہ دار خاتون کو مددوں کے درمیان لٹا کر کوڑے مارتا ہے اور سارا جمع آرام سے، سکون سے اس کی چیزیں سنتا ہے؟ لوگوں کا یہ سوال بھلی ٹھیک ہے کہ یہ فیصلہ کسی قاضی نے سنایا تھا اور کیا اس سزا کیلئے شرعی گواہیاں لی گئی تھیں؟ میں تاریخ کا کیڑا ہوں، میں نے سیرت کی کتب اور اسلامی سزاوں سے اخراج ممکن نہیں، ہم بھیت مسلمان ان سزاوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں اور ان پر عملدرآمد کے بھی پابند ہیں لیکن کیا اسلام کسی خاتون کو مددوں کے درمیان کوڑے مارنے کی اجازت دیتا ہے؟ نہیں بالکل نہیں دیتا۔ یہ طریقہ سو فیصد غیر شرعی، غیر اخلاقی اور غیر انسانی تھا اور میں بھیت مسلمان یہ اس واقعے کا ایک پہلو ہے لیکن اس کے چار مزید پہلو بھی ہیں اور ہمیں ان پہلوؤں پر بھی

نامعلوم خاتون میں کوئی فرق نہیں! اور ہم امریکی اور یورپی خالم کو بھی اتنا ہی ظالم سمجھتے ہیں جتنا اس مظلوم عورت کو سر عام کوڑے مارنے والوں کو کہتے ہیں چنانچہ میں این جی اوز کے اس رویے پر بھی احتجاج کرتا ہوں۔

اور اس واقعے کا چوتھا اور آخری پہلو اسلام دشمنی ہے، پوری دنیا ایک نامعلوم شخص کے غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر شرعی اقدام کی بنیاد پر اسلام اور مسلمانوں کو برآ کہہ رہی ہے، کیوں؟ کیا ایک مسلمان کے گناہ، غلطی یا جرم کی بنیاد پر پورے اسلام کو گالی دینا انصاف ہے؟ دوسرا سعودی عرب کی عدالت نے 10 مارچ 2009ء کو ایک 75 سالہ خاتون کو غیر محروم مردوں کے ساتھ ملاقات کے جرم پر 40 کوڑوں کی سزا دی تھی اور اس سزا پر کیوں خاموش ہے؟ اور سوات کے اس واقعے پر کیوں جتن رہی ہے؟ کہیں اس لئے تو نہیں کہ سعودی عرب ایک امیر ملک ہے چنانچہ دنیا کیلئے ان کے سارے نیصے قابل قبول ہیں جبکہ پاکستان ایک غریب ملک ہے چنانچہ کسی بھی نامعلوم ویدیو میکے جرم پر اس کو چھالت، برابریت اور وحشت کی گالی دے دی جائے اور ہم غربت کی وجہ سے یہ گالی چپ چاپ سہہ جائیں گے میں مسلمان ہوں پاکستانی ہوں اور اس رویے پر بھی پوری دنیا کے سامنے احتجاج کرتا ہوں کیونکہ کسی شخص کو غربت کی وجہ سے مجھے وحشت اور برابریت کی گالی دینے کا حق حاصل نہیں۔

⊗ ⊗ ⊗

بھی کوئی نہ کوئی ضابطہ اخلاق ہونا چاہئے، ایک ایسی فلم کا بار بار دکھانا جو معاشرے کو ”ڈی مورالائز“ کر دے، جسے دیکھ کر لوگوں کا ایمان، یقین اور سکون غارت ہو جائے یہ کہاں کا پروفسنل ازم اور آزادی ہے۔ اس ویدیو فلم سے کسی طور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ حقیقتاً پاکستان اور سوات میں ہیں آیا تھا اور یہ واقعی آج یا کل کی بات ہے۔ ہو سکتا ہے یہ افغانستان کے کسی گاؤں کا منظر ہو یہ بھی ہو سکتا ہے یہ ایک دو یا پانچ سال پرانی ویدیو ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے یہ فلم غیر حقیقی ہو یہ ایک ڈرامہ ہو جو اسلام پاکستان اور طالبان کو بدمام کرنے کیلئے رچایا گیا ہوا اور یہ کسی میں الاقوامی منصوبے کا حصہ ہو؟ کیا ہمیں اس ویدیو کو چلانے سے قبل ان تمام پہلوؤں کا جائزہ نہیں لینا چاہئے تھا؟ اور کیا قانون، معاشرہ، اخلاقیات اور اسلام کسی خاتون کی جھیلیں سن کر لوگوں کے دل اور ضمیر زخمی کرنے کی اجازت دیتا ہے؟ میں ضابطہ اخلاق کی کی پر اپنے میڈیا، اپنے پیشے کے سامنے بھی احتجاج کرتا ہوں اور اس واقعے کا تیرا پہلو خواتین کے حقوق کی علمبردار تنظیم اور ایکٹویٹ ہیں۔ محترمہ عاصہ جہاںگیر، فرزانہ باری اور شرمن اللہ نے دودن سے آسان سر پر اخخار کھا ہے۔ میں اس معاملے میں مکمل طور پر ان کے ساتھ ہوں، یہ واقعی ظلم ہے اور کسی معاشرے میں اس کی کوئی گنجائش نہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کیا عافیہ صدیقی عورت نہیں تھی، کیا اس کا تعلق پاکستان سے نہیں تھا اور کیا یہ مسلمان نہیں۔ ایک مسلمان عورت کو پاکستان کی ایجنسیوں نے اس کے مقصوم بچوں کے ساتھ اغوا کیا، اس کے بچے اس سے جدا کئے، پہلے پاکستان میں اس کے ساتھ تاریخ اور بدسلوک ہوئی، پھر اسے امریکہ کے حوالے کیا گیا، امریکی فوجی گرام میں پانچ سال تک اس خاتون پر جسمانی، ذہنی، روحانی اور جنسی تشدد کرتے رہے، امریکی ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق عافیہ صدیقی کے ساتھ جنسی زیادتی ہوتی رہی لیکن ہماری کسی وومن ایکٹویٹ اور زنانہ حقوق کی کسی تنظیم نے عافیہ صدیقی کے حق میں جلوس نہیں نکالا، ہماری مادرن بہنوں نے اس ظلم پر امریکا کی مذمت نہیں کی، کیوں؟ کیا ہم اس کا یہ مطلب لیں کہ اگر کلین شیو امریکی فوجی پانچ سال تک کسی مسلمان پاکستانی عورت پر ظلم کرتے رہیں تو یہ ظلم، ظلم نہیں ہوتا جبکہ اس کے مقابلے میں اگر کوئی واڑھی والا شخص (اور شخص بھی وہ جس کی قومیت نہ ہے اور چیز منظر ابھی تک واضح نہیں ہوا) کسی خاتون کو ایک منٹ گیارہ سینٹ تک کوڑے مارے تو یہ ظلم ہے! کیا جامعہ حضہ کی دو ہزار پچیاں عورتیں نہیں تھیں اور کیا بلوچستان کی وہ 260 پچیاں عورت نہیں جو ابھی تک گھروں سے غائب ہیں۔ ہمیں ماننا پڑے گا ہم ظلم کے معاملے میں بھی ”ڈبل سینڈرڈ“ کے شکار ہیں، ہم امریکی خالم کو ظالم کہتے ہوئے گھراتے ہیں جبکہ کسی باریش شخص کی حماقت کو ظلم عظیم کا درجہ دے دیتے ہیں۔ ہمیں چاہئے ہم فیصلہ کریں آج سے ہماری نظر میں عافیہ صدیقی اور اس

میں ایک کم عقل دنیا دار شخص ہوں لہذا میں نہیں جانتا عربوں کا تصور درست تھا، اہل روم کا خیال صحیح تھا یا پھر اہل یونان درست سوچتے تھے لیکن مجھے اتنا معلوم ہے اللہ تعالیٰ قدرت یا آسمانی طاقتیں اپنے بندوں پر ایسے لمحے ضرور اتارتی ہیں جب الگ ایک فیصلہ انہیں عظیم یا بدترین بنا دیتا ہے یہ وہ لمحہ اور یہ وہ فیصلہ ہوتا ہے جب ایک شخص حضرت امام حسین بن جاتا ہے اور دوسرا یہ ذج جب ایک شخص نپوں سلطان بنتا ہے اور دوسرا میر صادق، جب ایک شخص اسامہ بن لاہن بنتا ہے اور دوسرا بش، قدرت خیر اور شر کے اس انتخاب، دائیں اور بائیں کی پسند اور منفی اور ثابت کے اس چنانہ کا موقع دنیا کے ہر شخص کو دیتی ہے اور اس ایک لمحے کا فیصلہ انسان کی ذلت اور عظمت کا تعین کرتا ہے دنیا کے تمام بڑے عظیم اور شاندار لوگ اسی ایک لمحے سے لکھے ہیں اور دنیا کے تمام برے بد بخت اور قبل ملامت اشخاص بھی اسی لمحے کی پیداوار ہیں دنیا کا ہر انسان شخص ایک انسان ہوتا ہے لیکن یہ اس قیمتی لمحے کا وہ فیصلہ ہوتا ہے جو ہمیں اچھا یا برا بنا تا ہے، جو ہمیں پہاڑوں سے بلند سونے سے قیمتی اور دیوتاؤں سے مضبوط بنا تا ہے دور جو ہمیں طبعی زندگی کے دائرے سے نکال کر تاریخ کا حصہ بنا دیتا ہے یہ سقراط کا وہ "انکار" ہوتا ہے جو مرنے کے بعد بھی اسے پانچ ہزار سال تک زندہ رکھتا ہے اور جو اسکی زندگی کو دنیا کے آخری انسان کی آخری سانس تک پھیلا دیتا ہے میری پچھلے دنوں معلم چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سے ملاقات ہوئی تھی، میں اسکے پاس اکثر حاضر ہوتا ہے اور وہ میرے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں، اس ملاقات میں انہوں نے فرمایا تھا "اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اچھے فیصلے کرنے کی ہمت دیتا ہے وہ انہیں ڈٹ جانے کا حوصلہ دیتا ہے اور مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے 9 مارچ 2007ء کو ایک ایسا ہی فیصلہ کرنے کا چانس دیا، میں نے یہ چانس ضائع نہیں بھی اللہ تعالیٰ نے 9 مارچ 2007ء کو ایک ایسا ہی فیصلہ کرنے کا چانس دیا، میں نے یہ چانس ضائع نہیں ہونے دیا اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھے استقامت بخشی اور اس استقامت کے نتیجے میں آج پورے پاکستان کے عوام میرے پیچھے کڑے ہیں، میں نے ان سے اتفاق کیا اور اسکے بعد عرض کیا "آپ اگر ۹ مارچ کو صدر مشرف کیا مانے انکار نہ کرتے تو آپ بھی محض ایک لمحہ ہوتے اور آج لوگ آپ کا نام تک بھول چکے ہوتے، چودھری صاحب نے میری بات سے اتفاق کیا۔

دنیا کا سب سے مشکل سوال حقیقت یا سچائی ہوتی ہے، کون سچا ہے؟ کس کا موقف درست ہے اور کون سچائی پر ہے؟ یہ سوال آج تک انسان کو گمراہ کر رہا ہے لیکن اس کا جواب آج سے چورہ سو سال پہلے جو شہ کے پادشاہ نجاشی نے دے دیا تھا اور یہ وہ شخص تھا جس کا دل اور جس کی روح مسلمان اور بدن مشرک تھا چنانچہ جب اس کا انتقال ہوا تو نبی رسالت نے عرب کے ریگز اروں میں اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی اور سینکڑوں صحابہ گرام نے نبی رسالت کے ساتھ مل کر اس کیلئے دعائے مغفرت کی اپنی اوقات مربی اور صلاحیت کے مطابق خیر اور شر کا انتخاب کرتا ہے۔

عظمت کا لمحہ

قدیم یونان کے لوگ رات کو اپنی گھریاں دستاریں اور ٹوپیاں دروازے پر لکا دیتے تھے، ان کا خیال تھا عظمت کی دیوبی رات کے وقت اپنے آسمانی مسکن سے نکلتی ہے، ایک ایک دستار، ایک ایک گھری اور ایک ایک ٹوپی کے پاس رکتی ہے اور اسے ان ٹوپیوں، ان گھریوں اور ان دستاروں میں سے جو پسند آ جاتی ہے وہ اپنی سونے کی چھڑی اس پر رکھ دیتی ہے اور عظمت کی دیوبی کی یہ چھڑی جس دستار کو چھڑی جاتی ہے اس دستار کا مالک زمانے میں عظیم ہو جاتا ہے، اسے عزت، شہرت اور عظمت نصیب ہو جاتی ہے، اہل یونان کا ایمان تھا یہ دیوبی دنیا میں ایک بارہ شخص کے دروازے پر جاتی ہے اور اگر اس رات اس شخص نے اپنی دستار دروازے پر لکا رکھی ہو تو وہ اس کی دستار کو اپنی چھڑی سے چھوڑ دیتی ہے اور اگلی صبح جب وہ شخص اپنی دستار پہنچتا ہے تو دیوبی کی عظمت اس کے سر، اس کے ماتحت میں نفوذ کر جاتی ہے اور یوں وہ شخص معتبر ہو جاتا ہے اہل یونان رات کے اس پل کو عظمت کا لمحہ کہتے تھے اور ان کا خیال تھا یہ دنیا کا قیمتی ترین ذرا مختلف تھا، یہ لوگ سمجھتے تھے دیوتاؤں کا دیوتا دنیا کے ہر انسان پر عظمت کا ایک لمحہ اتارتا ہے اور انسان اگر اس لمحے سے پہنچ جائے تو وہ ستارہ بن جاتا ہے وہ انسانوں کی صفات سے نکلتا ہے، آسان پر پرواز کرتا ہے اور آسمان کے ستاروں کا حصہ بن جاتا ہے اور پھر ابد تک چمکتا رہتا ہے، اہل روم کا خیال تھا دنیا میں جو لوگ اس لمحے کو کھو دیتے ہیں وہ پھر بن جاتے ہیں اور دنیا کے تمام پھر وہ بد نصیب لوگ ہیں جنہوں نے عظمت کے لمحے کو کھو دیتے تھے اور آسمانوں کے تمام ستارے وہ خوش نصیب لوگ تھے جو عظمت کے اس لمحے سے پہنچ گئے اور ابتدی ہو گئے لیکن عربوں کا خیال ان دونوں سے مختلف تھا، عرب سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ دنیا کے ہر انسان کو ایک بار خیر اور شر میں سے کسی ایک کے انتخاب کا موقع دیتا ہے اور انسان اس لمحے جس کا انتخاب کرتا ہے اس کا اختتام ہمیشہ اس پر ہوتا ہے، عربوں کا خیال تھا معاشرے میں جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے قدرت اسے اتنی بھی کثرت سے خیر اور اتنے بھی وسیع شر کے سامنے لاکھڑا کرتی ہے اور انسان اپنی اوقات مربی اور صلاحیت کے مطابق خیر اور شر کا انتخاب کرتا ہے۔

بھی "اگر، مگر، چونکہ اور چنانچہ" میں یہ موقع کھو دیا تو تاریخ میں میاں نواز شریف اور آصف علی زرداری تھی، تاریخ بتاتی ہے مسلمان نجاشی کے پاس پناہ گزین ہوئے اور کفار مکہ نے ان لوگوں کی واپسی کیلئے ہمایے ہوں گے اور ان کے چہرے وقت کی گھاس اور عبرت کی ریت میں فن ہو جائیں گے پاکستان کا نجاشی کے دربار میں سفارت بھجوائی، کفار مکہ نے نجاشی کے دربار میں مسلمانوں کے خلاف ایک لبی عام شہری جوں کی بحالی چاہتا ہے اور جس شخص نے عام انسان کی اس سچائی کو نہ پہچانا وہ ہماری آنکھ کے سامنے وقت کے قبرستان میں دفن ہو جائے گا اور جس نے آگے بڑھ کر عام انسانوں کی خواہشوں کا ہاتھ پکڑ لیا اس پر عظمت کے لمحے قربان ہو جائیں گے۔

⊗ ⊗ ⊗

تحتی، تاریخ بتاتی ہے مسلمان نجاشی کے پاس پناہ گزین ہوئے اور کفار مکہ نے ان لوگوں کی واپسی کیلئے چوزی تقریر کی، نجاشی نے اس تقریر کے بعد حضرت جعفر طیارؑ کو جواب دینے کا موقع دیا، حضرت جعفر طیارؑ کے خطاب کے بعد نجاشی نے ان سے چند سوال پوچھئے، ان سوالوں میں ایک سوال تھا، "تمہارے نبی کو ماننے والے اولین لوگ کون تھے؟" حضرت جعفر نے فوراً فرمایا "یہ مکہ کے عام لوگ ہیں، ان میں غلام میں، مسکین ہیں اور معاشرے کے محروم لوگ ہیں" نجاشی نے فوراً کہا "بے شک یہ نبی سچا ہے" میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تھا تو میں نے حیرت سے سوچا تھا نبوت کی سچائی کا عام لوگوں کے ایمان کے ساتھ کیا تعلق؟ بدے عرصے بعد معلوم ہوا سچائی اللہ کی وہ نعمت ہے جو سب سے پہلے محروم، مسکین اور عام لوگوں تک پہنچتی ہے اور غریب اور محروم شخص کا خیال، اس کی پسند اور اس کی رائے ہمیشہ سچی ہوتی ہے، قدرت ہمیشہ محروم لوگوں کی آوازوں میں بولتی ہے اور دنیا کی ہر اچھائی محروم طبقوں سے ہو کر بالائی طبقوں تک پہنچتی ہے اور برائی ہمیشہ بالائی طبقوں سے زیریں طبقوں تک آتی ہے چنانچہ دنیا کے ہر نبی کو سب سے پہلے عام شخص نے تسلیم کیا تھا اور حضرت ابراہیم ہوں یا حضرت محمد معاشرے کے بالائی طبقے سب سے آخر میں ان پر ایمان لائے تھے، معلوم ہوا عام انسان کی بات بھی غلط نہیں ہوتی اور جو حکمران عام انسان کی بات نہیں متناہہ کبھی عظمت کے تحت تک نہیں پہنچ پاتا۔

آپ بدستمی دیکھئے عظمت کی یہ دیوبی آصف علی زرداری کے دروازے پر کھڑی رہی لیکن افسوس آصف علی زرداری نے یہ لمحہ کھو دیا، زرداری صاحب 28 دسمبر تک ایک عام انسان تھے لیکن پھر قدرت نے انہیں ایک بڑا انسان، ایک عہد ساز شخصیت بننے کا موقع دیا، عظمت کی دیوبی ساڑھے چار ماہ تک ان کے دروازے پر کھڑی رہی لیکن افسوس زرداری صاحب نے اس کی چھڑی اپنی دستار تک نہ پہنچنے دی اور اب یہ لمحہ میاں نواز شریف کے دروازے پر کھڑے ہیں اور اگر میاں نواز شریف نے بھی یہ لمحہ کھو دیئے تو یہ دونوں چند ہمینوں میں ماضی کا قصہ عبرت بن جائیں گے اور عظمت کے یہ لمحے ان انسانوں کے دروازوں پر جاری کیں گے جو قدرت کی چاپ سن سکتے ہیں، جو اللہ کی مہربانی کا شکر ادا کر سکتے ہیں، آپ عجیب بات دیکھئے دنیا میں حکومتیں، وزیر اعظم اور وزراء ہزاروں ہوتے ہیں لیکن قدرت ان میں سے کسی کسی کو لیدر بننے کا موقع دیتی ہے اور اللہ نے پہلے یہ موقع آصف علی زرداری کو دیا تھا اور یہ لحاظ میاں نواز شریف کے دروازے پر کھڑا ہے اور جس دن میاں نواز شریف تمام مجبوریوں اور سمجھوتوں سے آزاد ہو کر آگے بڑھ گئے اس دن عظمت کا تاج میاں صاحب کے سر پر ہو گا اور اگر میاں صاحب نے

ہوا تو وہ والد کی تدبیح کے بعد سیدھا سکول پہنچا اور اس دن بھی اس نے کلاس میں وہ سکول کا وقت ختم ہونے کے بعد بھی سکول میں رک جاتا تھا اور وظیفے کے امتحان دینے والے بچوں کو مفت شوشن پڑھاتا تھا، وہ سکول کے نالائق بچوں کو جمع کرتا تھا اور شام کو انہیں گھر لے آتا تھا، اپنے گھر سے انہیں کھانا کھلاتا تھا اور رات گئے تک انہیں پڑھاتا تھا، اپنے بچوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ براشاندار تھا، وہ اپنے بچوں کو خود سکول چھوڑتا تھا، انہیں سکول سے لے کر اپنے سکول آتا تھا، انہیں کسی درخت کے نیچے بٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتا تھا اور اس کے بعد انہیں ہوم ورک کرتا تھا، اس نے اپنے بچوں کو تیری چوتھی کلاس میں ہیکپیسر کے پورے پورے ڈرامے رنادیے تھے، اس کے بچے ریاضی کے مشکل سے مشکل سوال چکنی ہیکپیسر کے پورے پورے ڈرامے رنادیے تھے، اس کے بچے ریاضی کے مشکل سے مشکل سوال چکنی میں داخل ہوئے تو پہلے بھائی نے میڈیکل سورکھوں لیا جبکہ دوسرا بھائی سکول ٹیچر بن گیا، پہلے بھائی نے چند ہی ماہ میں میڈیکل سورکھوں کو نکال بنا لیا، وہ دوائیں شاک کرتا جب مریض دوائے کی تلاش میں ایڑھیاں بجا کر حل کر دیتے تھے، وہ اپنے شاگردوں اور بچوں کو اخلاقیات بھی سکھاتا تھا، اس نے انہیں روز نہا نے، رکھنے لگتے تو وہ دو گھنی اور تین گھنی قیمت میں دوائیں بیچتا، وہ نعلیٰ اور جعلی دوائیں بھی بنا تھا، وہ انکھاں رڑ دوائیں بھی فروخت کرتا تھا اور وہ نئے کے نیکے بھی بیچتا تھا، اس نے جعلی ڈرپس، آنکھ کے جعلی قطروں اور دو نمبر مرہموں کی فیکشی بھی لگائی اور وہ لوگوں کو درد کش دوائیں اور سیر ایڈز زبھی بیچنے لگا، اس نے دو تین سال میں شہر میں نصف درجن کے قریب میڈیکل سورکھوں کے ساتھ مل کر عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹنے لگا، اس نے ڈاکٹروں کو قرضے دے کر شہر میں نئے کلینیکس اور ہسپتال بھی بنوائے اور وہ ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر عوام کو دو نوں ہاتھوں سے لوٹنے لگا، اس شہر میں کبھی صرف ایک ڈاکٹر اور دو میڈیکل سورکھوں کے ساتھ مل کر عوام کو دو نوں ہاتھوں سے شہر میں دو سے تین درجن کلینیکس بن گئے اور میڈیکل سورکھ کا کوئی شمار قطار نہ رہا، شہر کا جو بھی شخص ایک بار کسی ڈاکٹر کی دلیزیز پر قدم رکھ دیتا تھا، دوائی اس کے معمول کا حصہ بن جاتی تھی اور شہر میں کوئی ایسا شخص اور کوئی ایسا گھرانہ نہیں بچا تھا جو بھتی میں کم از کم ایک دن اس کے کسی سورکھ سے دوائے نہیں خریدتا تھا، چنانچہ اس کا کاروبار دن گئی اور رات چو گئی ترقی کرنے لگا اور وہ شہر کا مตول ترین شخص بن گیا، شہر کی سب سے بڑی کوئی اس کی ملکیت تھی، شہر کے مفاہمات میں اس کا ڈاکٹر کی دلیزیز رسرجری کا کلینیک بنا لیا، وہ آج کل کر اپنی میڈیکل سورکھ کی اور کراچی میں آ کر لیز رسرجری کا کلینیک بنا لیا، فارن سروس جوان کی اور وہ آج کل زیادہ تکمیل کی دینے والی ڈاکٹر ہے، دوسرے بیٹے نے سی ایس ایس کیا، فارن سروس جوان کی اور وہ آج کل یورپ کے ایک ملک میں قونصل ہے، تیرا بیٹا ایم اے کرنے کے بعد سیاست میں آیا اور آج کل پارلیمنٹ کا ممبر ہے جبکہ ماسٹر صاحب کے شاگرد پورے ملک میں بکھرے ہوئے ہیں اور تمام بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں یا پھر کامیاب برنس میں ہیں، ماسٹر صاحب پاکستان کے جس شہر میں جاتے ہیں درجنوں با اثر لوگ ننگے پاؤں ان کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔

ایمانداری سے بچوں کو پڑھاتا تھا، اس نے زندگی میں کبھی سکول سے چھٹی نہیں کی، اس کے والد کا انتقال یہ دوسرے بھائی کی کہانی تھی، اب پہلے بھائی کی طرف واپس آتے ہیں، پہلے بھائی نے

اینڈ آف ڈے

آپ دو بھائیوں کی مثال لیں پہلا بھائی بے انتہائی لاچی، موقع پسند، مفاد پرست اور کرپٹ تھا جبکہ دوسرا بھائی ایماندار دین دار، ثابت سوچ کا حامل اور قیامت پسند تھا، دونوں بھائی عملی زندگی میں داخل ہوئے تو پہلے بھائی نے میڈیکل سورکھوں لیا جبکہ دوسرا بھائی سکول ٹیچر بن گیا، پہلے بھائی نے چند ہی ماہ میں میڈیکل سورکھوں کو نکال بنا لیا، وہ دوائیں شاک کرتا جب مریض دوائے کی تلاش میں ایڑھیاں رکھنے لگتے تو وہ دو گھنی اور تین گھنی قیمت میں دوائیں بیچتا، وہ نعلیٰ اور جعلی دوائیں بھی بنا تھا، وہ انکھاں رڑ دوائیں بھی فروخت کرتا تھا اور وہ نئے کے نیکے بھی بیچتا تھا، اس نے جعلی ڈرپس، آنکھ کے جعلی قطروں اور دو نمبر مرہموں کی فیکشی بھی لگائی اور وہ لوگوں کو درد کش دوائیں اور سیر ایڈز زبھی بیچنے لگا، اس نے دو تین سال میں شہر میں نصف درجن کے قریب میڈیکل سورکھوں کے ساتھ مل کر عوام کو دو نوں ہاتھوں سے لوٹنے لگا، اس نے ڈاکٹروں کو قرضے دے کر شہر میں نئے کلینیکس اور ہسپتال بھی بنوائے اور وہ ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر عوام کو دو نوں ہاتھوں سے لوٹنے لگا، اس شہر میں کبھی صرف ایک ڈاکٹر اور دو میڈیکل سورکھ کا کوئی شمار قطار نہ رہا، شہر کا جو بھی شخص ایک بار کسی ڈاکٹر کی دلیزیز پر قدم رکھ دیتا تھا، دوائی اس کے معمول کا حصہ بن جاتی تھی اور شہر میں کوئی ایسا شخص اور کوئی ایسا گھرانہ نہیں بچا تھا جو بھتی میں کم از کم ایک دن اس کے کسی سورکھ سے دوائے نہیں خریدتا تھا، چنانچہ اس کا کاروبار دن گئی اور رات چو گئی ترقی کرنے لگا اور وہ شہر کا مตول ترین شخص بن گیا، شہر کی سب سے بڑی کوئی اس کی ملکیت تھی، شہر کے مفاہمات میں اس کا ڈاکٹر کی دلیزیز رسرجری کا کلینیک بنا لیا، اس کے پاس تھیں اور اس کی دکانوں اور گھروں میں سائنس تھرست کے قریب ملازم تھے، اس کے بچے لا ہور اور مری ایس میں پڑھتے تھے اور وہ چھوٹے شہر میں رہنے کے باوجود شہزادوں اور بادشاہوں جیسی زندگی گزارتا تھا۔

دوسرਾ بھائی اس سے یکسر مختلف تھا، وہ سکول میں سوا تین ہزار روپے کا ملازم تھا، وہ پوری ایمانداری سے بچوں کو پڑھاتا تھا، اس نے زندگی میں کبھی سکول سے چھٹی نہیں کی، اس کے والد کا انتقال

انہیں فاتح بھی کاشنے پڑتے ہیں اور اپنی خواہشوں اور حسرتوں کی قربانی بھی دینا پڑتی ہے لیکن سفر کے آخری حصے میں وہ دنیا کی تمام نعمتیں پا جاتے ہیں، انہیں دولت بھی ملتی ہے، عزت بھی، شہرت بھی، نیک تاری بھی اور سکون بھی، آپ واپس دونوں بھائیوں کی طرف آئیں، آج پہلا بھائی قبر میں عذاب بھگت رہا ہے جبکہ دوسرا بھائی ستر سال کی عمر میں بھی صحت مند ہے، اسے دل کا عارضہ لاحق ہے اور نہ ہی پیشہ کی تکلیف، وہ روزانہ پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے اور پانچ پانچ کلو میٹروں کی کھانہ بھائی کے بچے کوڑی کوڑی کے محتاج ہیں جبکہ دوسرے بھائی کے بچے کروڑوں میں کھیل رہے ہیں، پہلا بھائی بدنامی اور عبرت کا شان بن چکا ہے جبکہ دوسرے بھائی کے استقبال کیلئے سینکڑوں لوگ جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ اینڈ آف دی ڈے دوسرا بھائی کا میا ب قرار پایا۔

مجھے یہ واقعہ میرے ایک استاد نے سنایا تھا اور آخر میں مجھے مشورہ دیا تھا "تم جب بھی زندگی کی منصوبہ بندی کرنا اینڈ آف دی ڈے کو سامنے رکھ کر اس کی پلانگ کرنا، تم خسارے میں نہیں رہو گے" میں آج سوچتا ہوں کاش ہمارے صدر پرور مشرف کا بھی کوئی استاد ہوتا تو وہ یوں آج تھا نہ ہوتے یوں آج ہر چیزان کے ہاتھ سے نہ نکل رہی ہوتی!

⊗ ⊗

کروڑوں روپے کمائے وہ پوری زندگی اپنے سکول پیغمبر بھائی کی غربت اور بے قوی پر ہستارہ، اس کا خیال تھا اس کا بھائی زمینی حقوق سے ناداً قف ہے چنانچہ وہ اپنا وقت اور توانائی ضائع کر رہا ہے وہ بھائی کو ہمیشہ پرائیوریت سکول کھولنے یا اپنے ساتھ میڈیکل سینورہ بنانے کا مشورہ دیتا تھا لیکن دوسرے بھائی نے ہمیشہ نہ کرتا دیا وہ اپنی غربت اور فقر و فاقہ میں خوش تھا پہلا بھائی اس پر ہستارہ ادا اور اپنی دولت میں اضافہ کرتا رہا لیکن پھر ایک عجیب واقعہ ہیش آیا، چالیس سال کی عمر میں پہلے بھائی کو ہارت ایک ہو گیا، وہ اس ایک سے بچ گیا لیکن اس کی صحت نہ سن جل سکی، اس نے باہی پاس کرایا، آپریشن نجیک نہ ہوا اور اس کے پیغمبروں میں پانی پڑ گیا، اس نے پیغمبروں کا علاج کرایا تو گردے جواب دے گئے، اس نے گردہ خرید لیا تو اس کا لبلہ جواب دے گیا، اس نے انسولین لینا شروع کی تو اس کے گلے میں کینسٹکل آیا، اس نے کینسٹر کا آپریشن کرایا تو اس کے گھٹے جواب دے گئے اور اس نے گھٹنے تبدیل کرائے تو اس کے دماغ میں رسولی نکل آئی، غرض وہ ایک سکلے سے لکھتا تو دوسرے میں داخل ہو جاتا یہاں تک کہ وہ بستر سے لگ گیا اور میں برس کی لگاتار بیماری کے بعد دنیا سے رخصت ہو گیا، اس نے زندگی میں اپنے بچوں کو کبھی گرم ہو انہیں لگنے دی تھی، بچے میں کی فراوانی کی وجہ سے زیادہ پڑھ بھی نہیں سکے چنانچہ باپ کے انتقال کے بعد ان کے ہاتھ میں اٹھا شے آئے تو وہ آپس میں لڑ پڑے، کار و بار اور جینک بیٹھ کا بٹوارہ ہوا، بچوں نے باپ کی زمین جانیداد بیٹھی اور لا ہور اور اسلام آباد شفت ہو گئے وہاں انہوں نے غلط موقع پر غلط انویں سمعت کی اور سارا پیسہ برپا کر دیا یہاں تک کہ وہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو گئے، آج کل پہلے بھائی کا ایک بیٹا لا ہور کی ایک بچی آبادی میں کریا نے کی چھوٹی سی دکان کرتا ہے دوسرا بیٹا اسلام آباد کے ایک پارٹی ڈیلر کے پاس ملازم ہے اور تیسرا بیٹا نشے میں دھت ہو کر مرے کوں پر پڑا رہتا ہے جبکہ اس کی بیوہ اپنی بیٹی کے بکڑوں پر پل رہی ہے، پہلے بھائی کی ساری سلطنت "ایندھ آف دی ڈے" برپا ہو گئی۔

ہم اب دونوں بھائیوں کی کہانی کے نتیجے کی طرف آتے ہیں، دنیا میں زندگی گزارنے کے دو راستے ہوتے ہیں، برائی کا راستہ اور اچھائی کا راستہ، برائی کا راستہ خوبصورت بھی ہوتا ہے اور شارٹ کٹ بھی، انسان اس راستے پر چل کر بہت جلد دولت اختیار اور آسودگی پا لیتا ہے لیکن سفر کے درمیان یا آخر میں یہی آسودگی، یہی اختیار اور یہی دولت اس کی سب سے بڑی ناکامی بن جاتی ہے، اسے کوئی بیماری لگتی ہے اور اس بیماری کا علاج اس کی آدمی دولت کو نکل جاتا ہے، باقی دولت اس کی نالائق اولاد اجازہ دیتی ہے اور آخر میں وہ انسان اور اس کا خاندان زیر و پوائنٹ پر کھڑا ہو جاتا ہے، اس کے بر عکس دوسرا راستہ ذرا طویل، مشکل اور سخت ہوتا ہے، اس راستے پر چلنے والے لوگ دوران سفر زیادہ سہو تیس حاصل نہیں کر پاتے،

2007ء کو سینئری چیل میان میں صحیح سائز سے چار بجے چھانی دے دی گئی۔ یہ تھی اس کی کیس کی مختصری رواد۔ اب آتے ہیں اس فقرے کی طرف میں جس کے بارے میں عرض کیا تھا اس فقرے میں وہ ہزار سال کی دانش موجود ہے اور اس فقرے کی وجہ سے یہ خبر اور 17 اپریل کا وہ دن میری زندگی کا اہم ترین دن بن گیا۔ چھانی کے بعد ان چاروں بھائیوں کی نعشیں بستی لکھا لے جائی گئیں اور انہیں اسی زمین میں دفن کر دیا گیا جسکی ملکیت کیلئے انہوں نے 13 افراد کو قتل کیا تھا۔ خبر نگار نے خبر کے آخر میں لکھا تھا ”چار بھائیوں نے جس زمین کیلئے 13 لوگوں کو قتل کیا وہ بالآخر اسی زمین میں دفن ہو گئے“ اور یہ فقرہ تھا جس نے مجھے بتایا دنیا کے کسی انسان کو زمین کیلئے کوئی جرم نہیں کرتا چاہے کیونکہ زمین آجک کسی کی ملکیت نہیں ہوئی۔

ہم لوگ جس زمین، جس جانیدا اور کو اپنی کہتے ہیں اس کے تین بڑے دلچسپ پہلو ہیں، اس کا پہلا پہلو بے وفا کی ہے دنیا کے تمام مکان، گھر، عمارتیں اور دکانیں تیس سال بعد اپنا لک یا مکین تبدیل کر لیتی ہیں۔ میرے دادا نے جو مکان بنایا تھا میرے والد اور چچا اس مکان میں نہیں رہے میرے والد نے ہمارے لئے جو گھر بنایا ہم لوگ اس میں نہیں رہے اور میں نے جو مکان اپنے اور اپنے بچوں کیلئے بنایا ہے میرا ندیشہ ہے میرے بچے بھی اس میں نہیں رہیں گے کیونکہ انسان ایک ایسا جانور ہے جس کی ہر سل اپنا نیا گھونسلہ اپنا نیا بیل بناتی ہے اور دنیا میں ہم سب لوگ اپنی آنکھوں سے اپنے بنائے ہوئے مکانوں کو خالی اور اس ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔ دوسری حقیقت اس سے بھی دلچسپ ہے دنیا میں سو سال بعد بستیوں اور شہروں کی ساری بیت تبدیل ہو جاتی ہے، گاؤں کی جگہ شہر آباد ہو جاتے ہیں اور شہروں کی جگہ بڑے شہر لیتے ہیں۔ آپ غور کیجئے دنیا کے تمام قدیم شہر آج اس جگہ نہیں ہیں جس جگہ انہیں آباد کرنے والوں نے آباد کیا تھا، لاہور راوی کے کنارے تھا اور بارہ دروازوں کے اندر قید تھا لیکن آج راوی لاہور کے بعد میں آؤں گا، پہلے آپ کو اس خبر کے مندرجات بتاتا چلوں۔ کبیر والا کے چار سے بھائیوں کی چھانی کی خبر تھی اور ایسی خبریں عموماً اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن اس خبر میں ایک ایسا فقرہ تھا جس میں وہ ہزار سال کی دانش چھپی تھی اور ہم عموماً زندگی کے ہنگاموں میں اس دانش پر توجہ نہیں دیتے۔ میں اس فقرے کی طرف تو بعد میں آؤں گا، پہلے آپ کو اس خبر کے مندرجات بتاتا چلوں۔ کبیر والا میں لکھا نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس گاؤں میں دو خاندانوں کے درمیان زرعی زمین کی ملکیت پر تنازعہ چل رہا تھا، اس تنازعے کے دوران ایک خاندان کے چار بھائیوں نے 15 اپریل 1999ء کو دوسرے خاندان کے 13 افراد کو کھاڑیوں کے ذریعے قتل کر دیا۔ قتل ہونے والوں میں پانچ خواتین اور دو مخصوص بچے بھی شامل تھے، مجرم واردات کے بعد گرفتار ہوئے، ان کے خلاف مقدمہ چلا اور ڈسٹرکٹ نجج خانیوال نے چاروں بھائیوں کو 13 مرتبہ چھانی دینے کا حکم دے دیا۔ مجرموں نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی لیکن یہ اپیل ہائی کورٹ اور پریم کورٹ دونوں نے خارج کر دی۔ مجرموں نے بعد ازاں صدر مملکت سے حرم کی اپیل کی لیکن صدر پرویز مشرف نے بھی 28 دسمبر 2006ء کو یہ اپیل مسترد کر دی اور یوں چار بھائیوں کو 17 اپریل بھی رہے ہیں اور انہوں نے جب زیر و پوائنٹ کے قریب گھر بنایا تھا تو اس گھر سے چند گز کے فاصلے پر

مٹی کیلے

انسان کی زندگی میں چند دن بہت اہم ہوتے ہیں، یہ دن اس کی زندگی کا سارا ر斧، سارا دھار، ساری سوچ بدل دیتے ہیں، میری زندگی میں بھی چند ایسے دن آئے تھے۔ ایک وہ دن تھا جب میں نے کلاس کی آخری کرسی پر بیٹھ کر پہلی پوزیشن حاصل کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک وہ دن تھا جب مجھے معلوم ہوا دنیا انسان سے سارے حق چھین لکتی ہے لیکن اس سے محنت کرنے، محبت کرنے، اللہ کے حضور قوبہ کرنے اور اس سے دعا کرنے کا حق نہیں چھین لکتی۔ ایک وہ دن تھا جب میں نے اپنے اندر کے خوف کو نکال کر پھینک دیا تھا، میں نے یہ یقین کر لیا تھا زندگی، عزت اور رزق اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے چنانچہ لوگوں سے حکومتوں سے اور حالات سے گھبرا نے کی کوئی ضرورت نہیں اور ایک وہ دن تھا جس نے مجھے زندگی کی ایک حقیقت سے روشناس کرایا جس کو میں اور میرے جیسے لوگ عمر بھرنہیں سمجھے پاتے۔ یہ 18 اپریل 2007ء کا دن تھا، اس دن اخبار کے اندر ورنی صفحات پر ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی اور اس خبر نے میرے ذہن کو جڑوں سے ہلا دیا۔ یہ کبیر والا کے چار سے بھائیوں کی چھانی کی خبر تھی اور ایسی خبریں عموماً اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں لیکن اس خبر میں ایک ایسا فقرہ تھا جس میں وہ ہزار سال کی دانش چھپی تھی اور ہم عموماً زندگی کے ہنگاموں میں اس دانش پر توجہ نہیں دیتے۔ میں اس فقرے کی طرف تو بعد میں آؤں گا، پہلے آپ کو اس خبر کے مندرجات بتاتا چلوں۔ کبیر والا میں لکھا نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے، اس گاؤں میں دو خاندانوں کے درمیان زرعی زمین کی ملکیت پر تنازعہ چل رہا تھا، اس تنازعے کے دوران ایک خاندان کے چار بھائیوں نے 15 اپریل 1999ء کو دوسرے خاندان کے 13 افراد کو کھاڑیوں کے ذریعے قتل کر دیا۔ قتل ہونے والوں میں پانچ خواتین اور دو مخصوص بچے بھی شامل تھے، مجرم واردات کے بعد گرفتار ہوئے، ان کے خلاف مقدمہ چلا اور ڈسٹرکٹ نجج خانیوال نے چاروں بھائیوں کو 13 مرتبہ چھانی دینے کا حکم دے دیا۔ مجرموں نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی لیکن یہ اپیل ہائی کورٹ اور پریم کورٹ دونوں نے خارج کر دی۔ مجرموں نے بعد ازاں صدر مملکت سے حرم کی اپیل کی لیکن صدر پرویز مشرف نے بھی 28 دسمبر 2006ء کو یہ اپیل مسترد کر دی اور یوں چار بھائیوں کو 17 اپریل

کلورول بن جائیں گے یا پھر کافی کابیکشیر یا بن کر اپنے بعد آنے والوں کی زندگی عذاب کر دیں گے۔ ہم سب اس حقیقت سے واقف ہیں لیکن کیونکہ ہماری مٹی میں حرص کا غصر بھی شامل ہے چنانچہ ہم پوری زندگی زیادہ سے زیادہ مٹی زیادہ سے زیادہ زمین گھیرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی کوشش کے دوران کسی دن اس مٹی میں مٹی ہو جاتے ہیں۔ ہم مٹی کے بیٹھے کتنے بے وقوف ہیں، ہم اس مٹی کیلئے قتل بھی ہوتے ہیں اور قتل بھی کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں مٹی بھی کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔

⊗ ⊗ ⊗

گاؤں تھا لیکن آج چالیس برس بعد یہ جنگل پاکستان کا مہنگا ترین شہربن چکا ہے۔ آپ تصور کیجئے آج جس جگہ ایف ٹین یا ای سیلوں کے سیکڑا آباد ہیں وہاں کبھی بستی نکھا جیسے گاؤں تھے اور اس گاؤں کے لوگ بھی زمین کے ایک چھوٹے سے بکڑے کیلئے ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے لیکن آج وہ زمین کس کی ملکیت ہے؟ آج اس پر کون آباد ہے؟ آپ تیری حقیقت بھی ملاحظہ کیجئے، دنیا میں پانچ سو سال بعد زمین اپنی ہیپ تبدیل کر دیتی ہے، شہروں کی جگہ جھیلیں، بن جاتی ہیں، جھیلوں کی جگہ گاؤں آباد ہو جاتے ہیں، دیہات سڑکوں میں دفن ہو جاتے ہیں، سڑکیں جنگلوں میں گم ہو جاتی ہیں، جنگل ویرانوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، دیرانے باغ بن جاتے ہیں، باع دلدل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں، دلدل میں صحرابن جاتی ہیں اور صحراء ریاؤں میں گم ہو جاتے ہیں۔ گویا پانچ سو سال بعد زمین کے سارے نین نقش تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہم لوگ آج جس جگہ بیٹھے ہیں یہ زمین کبھی مثل شہزادوں کی ملکیت تھی؟ اس سے پہلے خاندان غلام اسکامالک اس سے پہلے محمد غزنوی نے اسے تاراج کیا تھا، اس سے قبل اشوک اعظم اسکامالک تھا اور اس سے قبل کورے اور پانڈے اسکے حکمران تھے۔ اس زمین کو سکندر اعظم نے بھی اپنی ملکیت بنانے کی کوشش کی تھی اور راجہ اندر نے بھی اور اس پر بودھوں نے بھی اپنی امیر لگائی تھی اسے چنگیز خان نے بھی ہضم کرنے کی کوشش کی تھی اور تیمور لنگ بھی اسے اپنے قدموں میں رومنے کی خواہش لیکر یہاں آیا تھا لیکن وہ سب لوگ اپنی اپنی بولی بول کر رخصت ہو گئے اور آج اس پر ہمارا بسیرا ہے اور کل یہ کسی دوسرے کی ملکیت ہو گی۔

جی ہاں صرف پانچ سو سال بعد ہماری رہائش گاہیں ہمارے شہر کی جھیل میں دفن ہوں گے یا پھر ہماری آرزوؤں اور خواہشوں کے مخلوقوں سے دریا گزر رہے ہوں گے اور ہماری بڑیوں کی خاک تک کا نشان ان ہواوں میں موجود نہیں ہو گا لیکن اس کے باوجود انسان زمین کیلئے لڑتا ہے یہ اسے اپنی ملکیت بنانے کے خط میں جلتا ہے اور یہ اس خط کی تکمیل کیلئے دوسرے انسانوں کو قتل کر دیتا ہے، ہم لوگ کس قدر بے وقوف ہیں، ہم مٹی پر قبضے کیلئے انسانوں کی جان لیتے ہیں اور آخر میں خود بھی اس مٹی میں مل کر بے وجود بے نشان ہو جاتے ہیں کیونکہ انسان کی قبر اور قبرستانوں کی بھی ایک عمر ہوتی ہے، قبریں اور قبرستان بھی جوان ہوتے ہیں، بوڑھے ہوتے ہیں اور پھر بے نشان ہو جاتے ہیں۔ ہمیں کیا معلوم ہم کس کی قبر پر آباد ہیں اور ہمارے مکان میں کل کلاں کس کی قبر بنے گی۔ ہم سب مٹی کے بطن سے لکھ ہوئے لوگ ہیں اور ہماری تمام خواہشوں اور آرزوؤں نے بھی ایک دن مٹی میں مل کر ختم ہو جانا ہے اور ہماری خواہشوں کی مٹی بھی کسی دن زمین کے ساتھ اپنی بیت بدل لے گی۔ ہم کسی درخت کسی پودے کا

فرعون کا تکبیر سیلف میڈ لگوں کے غرور سے چھوٹا تھا، اس نے صرف اللہ کی نعمت کی تھی، وہ اللہ کے سوا اپنے تمام بزرگوں اپنے تمام دوستوں اور اپنے تمام مہربانوں کا احسان تسلیم کرتا تھا، وہ اپنے استادوں کو دربار میں خصوصی جگہ دیتا تھا اور وہ اپنی بیویوں کا اتنا احترام کرتا تھا کہ اس نے اپنی اہلیت مختار مہ کے کہنے پر حضرت موسیٰ کو گود لے لیا تھا، وہ رکے اور دوبارہ بولے "تم نمرود کو دیکھو، نمرود نے کھیتی باڑی کے جدید طریقے ایجاد کرائے تھے، اس نے دنیا میں اپنی بارز میں کوئی نہیں میں تقسیم کیا تھا، اس نے اپنی عمارتیں بنوائیں تھیں، اس نے شہروں میں فوارے لگوائے تھے، اس نے دنیا میں اپنی بارور دخت کا نئے کی سزا جو زیکی تھی اور وہ دنیا کا پہلا بادشاہ تھا جسکے ملک سے غربت اور بیروزگاری خشم ہو گئی تھی اور جسکی رعایا کا ہر فرد خوشحال ایک خاص قسم کی مسکراہت تھی اور یہ مسکراہت دنیا کے ہر صوفی، ہر نیک عالم اور اصلی دانشور کے چہرے پر ہوتی ہے۔ دنیا کا ہر صوفی، ہر عالم اور ہر نیک شخص اپنی نیکی اپنے علم اور اپنے تصوف کو لوگوں سے چھپا کر رکھتا ہے لیکن وہ اپنی مسکراہت نہیں چھپا پاتا۔ یہ مسکراہت اچھے لوگوں کا ٹریڈ مارک ہوتی ہے اور یہ آپ کو مدثریا سے لے کر نیشن منڈیا، میاں محمد بن حنفی سے شاہ حسین اور امام غزالی سے لے کر مولا ناروم تک دنیا کے ہر اچھے بڑے نیک عالم اور صوفی کے چہرے پر دکھائی دیتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اچھے لوگوں کو ان کی اس مسکراہت سے پہچانا، میں نے ان سے ایک ایسا سوال پوچھا جو میرے دل میں ہمیشہ سے کھلکھلا چلا آ رہا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا "دنیا کا ہر کامیاب انسان آخر میں تنہا کیوں ہوتا ہے، انہوں نے فوراً جواب دیا "اپنے تکبیر اور غرور کی وجہ سے، میں ان سے تفصیل کا متقاضی تھا، وہ بولے "دنیا میں تکبیر کی سب سے بڑی ٹھکل سیلف میڈ ہے، میں نے جیرت سے ان کی طرف دیکھا، انہوں نے فرمایا "جب کوئی انسان اپنے آپ اور اپنی کامیابیوں کو سیلف میڈ کا نام دیتا ہے تو وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ، قدرت اور فطرت کی نعمتی کرتا ہے بلکہ وہ ان تمام انسانوں کے احسانات اور مہربانیوں کو بھی روندوالا تھا، جنہوں نے اس کی کامیابی میں مرکزی کردار ادا کیا تھا اور یہ دنیا کا بدترین تکبیر ہوتا ہے، وہ رکے چند لمحے سوچا اور اس کے بعد بولے "تم فرعون اور نمرود کو دیکھ لو یہ دونوں انتہا درجے کے ذہین، فطیں اور بالصلاحیت حکمران تھے، فرعون نے نہیں کو خوٹ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا، اس نے ایک ایسی سیاہی بھی بنوائی تھی جو قیامت نیک مدد حرم نہیں ہوتی، اس نے ایسے اہرام بھی تیار کئے تھے جن کی بیعت کو آج تک کی جدید سائنس نہیں سمجھ پائی، اس نے دنیا میں آپاٹی کا پہلا نظام بھی بنایا تھا اور فرعون کے دور میں مصر کے صحراؤں میں بھی کھیتی باڑی سکتا۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ ہماری رگ رگ، ہماری نس نس سے واقف ہے چنانچہ وہ خود کو سیلف میڈ قرار دینے والوں کو تھہائی کی حتمی سزا دیتا ہے۔ تم دیکھ لو دنیا میں جس بھی شخص نے خود کو سیلف میڈ قرار دیا، جس نے فوراً عرض کیا "اپنے تکبیر اپنے غرور کی وجہ سے، انہوں نے اثبات میں سرہلایا اور مسکرا کر بولے "ہاں لیکن

اللہ میڈ

"اس کی وجہ تکبیر ہے، ہر کامیاب انسان اپنی کامیابی کو ذاتی اچھیوں میں سمجھتا ہے، یہ احساس اس کے اندر غرور اور تکبیر پیدا کر دیتا ہے اور یہاں سے خرابی جنم لیتی ہے، ان کے چہرے پر مسکراہت تھی، یہ ایک خاص قسم کی مسکراہت تھی اور یہ مسکراہت دنیا کے ہر صوفی، ہر نیک عالم اور اصلی دانشور کے چہرے پر ہوتی ہے۔ دنیا کا ہر صوفی، ہر عالم اور ہر نیک شخص اپنی نیکی اپنے علم اور اپنے تصوف کو لوگوں سے چھپا کر رکھتا ہے لیکن وہ اپنی مسکراہت نہیں چھپا پاتا۔ یہ مسکراہت اچھے لوگوں کا ٹریڈ مارک ہوتی ہے اور یہ آپ کو مدثریا سے لے کر نیشن منڈیا، میاں محمد بن حنفی سے شاہ حسین اور امام غزالی سے لے کر مولا ناروم تک دنیا کے ہر اچھے بڑے نیک عالم اور صوفی کے چہرے پر دکھائی دیتی ہے۔ میں نے ہمیشہ اچھے لوگوں کو ان کی اس مسکراہت سے پہچانا، میں نے ان سے ایک ایسا سوال پوچھا جو میرے دل میں ہمیشہ سے کھلکھلا چلا آ رہا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا "دنیا کا ہر کامیاب انسان آخر میں تنہا کیوں ہوتا ہے، انہوں نے فوراً جواب دیا "اپنے تکبیر اور غرور کی وجہ سے، میں ان سے تفصیل کا متقاضی تھا، وہ بولے "دنیا میں تکبیر کی سب سے بڑی ٹھکل سیلف میڈ ہے، میں نے جیرت سے ان کی طرف دیکھا، انہوں نے فرمایا "جب کوئی انسان اپنے آپ اور اپنی کامیابیوں کو سیلف میڈ کا نام دیتا ہے تو وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ، قدرت اور فطرت کی نعمتی کرتا ہے بلکہ وہ ان تمام انسانوں کے احسانات اور مہربانیوں کو بھی روندوالا تھا، جنہوں نے اس کی کامیابی میں مرکزی کردار ادا کیا تھا اور یہ دنیا کا بدترین تکبیر ہوتا ہے، وہ رکے چند لمحے سوچا اور اس کے بعد بولے "تم فرعون اور نمرود کو دیکھ لو یہ دونوں انتہا درجے کے ذہین، فطیں اور بالصلاحیت حکمران تھے، فرعون نے نہیں کو خوٹ کرنے کا طریقہ ایجاد کیا تھا، اس نے ایک ایسی سیاہی بھی بنوائی تھی جو قیامت نیک مدد حرم نہیں ہوتی، اس نے ایسے اہرام بھی تیار کئے تھے جن کی بیعت کو آج تک کی جدید سائنس نہیں سمجھ پائی، اس نے دنیا میں آپاٹی کا پہلا نظام بھی بنایا تھا اور فرعون کے دور میں مصر کے صحراؤں میں بھی کھیتی باڑی سکتا۔ اللہ تعالیٰ کیونکہ بعد ازاں عبرت کی نشانی بن گیا۔ کیوں؟، انہوں نے میری طرف دیکھا، میں نے فوراً عرض کیا "اپنے تکبیر اپنے غرور کی وجہ سے، انہوں نے اثبات میں سرہلایا اور مسکرا کر بولے "ہاں لیکن

اللہ کا انعام

"اچھا تم بتاؤ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بڑا تختہ کیا دیا تھا، وہ مسکرائے اور میری طرف دیکھا، میں سورج میں پڑ گیا، وہ اس دوران میری طرف دیکھتے رہے، میں نے تھوڑی دری سوچا اور عرض کیا" شعور، انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا، میں نے عرض کیا "عقل، وہ فوراً بولے "شعور اور عقل دونوں ایک ہی چیز ہیں" میں نے مزید سوچا اور عرض کیا "آ سیبجن، سورج کی روشنی پانی، خوراک اور بھالیاتی حس" انہوں نے ناں میں گردن ہلا دی، میں نے عرض کیا "تعیر کافن، انسان کائنات کی واحد خلوق ہے جو پھر وہ کوہیرے کی شکل وے سکتی ہے جو مٹی کا محل بنا سکتا ہے اور جوریت کے ذریعوں کو شہش میں ڈھال سکتا ہے، وہ مسکرائے اور انکار میں سر ہلا دیا، میں نے اس کے بعد انسان کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کا نام لینا شروع کر دیا لیکن وہ انکار میں سر ہلاتے رہے یہاں تک کہ میں تھک گیا اور بے بی سے ان کی طرف دیکھنے لگا، وہ مسکرائے اور زرم آواز میں بولے "آپ نے انسان کی جن خوبیوں اور صلاحیتوں کا ذکر کیا وہ تمام اللہ تعالیٰ کی دین ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ خوبیاں قائم اور دائم رہتی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے تو انسان فرعون ہو یا نسرودیا بش اس کی خوبیاں اس کی خامیاں بن جاتی ہیں اور وہ دنیا میں زندہ لاش بن کر رہ جاتا ہے، میں خاموشی سے سننے لگا، وہ بولے "میں آپ کو اس سب سے بڑے تختے کے پارے میں بتاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا" میں ہمہ تن گوش ہو گیا، وہ بولے "قدرت نے انسان کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی صلاحیت سے نواز رکھا ہے دنیا کی کوئی دوسری مخلوق، کوئی خاکی یا نوری پیکر اس خوبی کی مالک نہیں" میں نے حیرت سے پوچھا "جناب میں آپ کی بات نہیں سمجھا" وہ بولے "مثلاً تم چاند کو لے لاؤ اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو اس نے چاند میں ایک پروگرام فیڈ کر دیا اور چاند اس پروگرام کے تحت چمک رہا ہے اور جب تک قدرت پروگرام نہیں بدلتے گی یہ چاند اسی طرح چمکتا رہے گا، آپ سورج، ستاروں اور سیاروں کو لے لیجئے، زمین کی حرکت کو لیجئے، ہواوں، فضاوں، ندیوں اور نالوں کو لے لیجئے، دریاؤں، سمندروں اور پہاڑوں کو لے لیجئے، زلزلوں، طوفانوں اور سیلا بیوں کو لے لیجئے، یہ تمام ایک پروگرام کے تحت چل رہے ہیں اور قدرت یہ

بھی اپنی اچھی منش کو اپنی ذاتی کوشش، جدوجہد اور محنت کا نتیجہ کہا وہ کامیابی کی آخری سطح پر بخوبی کرتے ہیں شکار ہو گیا، وہ تھہائی کی موت مرا، وہ خاموش ہو گئے، میں چند لمحے انہیں دیکھتا رہا، جب خاموشی کا وقہ طویل ہو گیا تو میں نے عرض کیا "ہمیں سیلف میڈ کی بجائے کیا کہنا چاہئے، وہ فوراً بولے "اللہ میڈ" وہ چند لمحے دیکھتے رہے اور اس کے بعد بولے "کامیاب اور کامران لوگوں پر اللہ کا خصوصی کرم ہوتا ہے، اللہ ان لوگوں کو کروڑوں اربوں لوگوں میں سے کامیابی کیلئے خصوصی طور پر چھتا ہے، انہیں وہن اور آئینہ یا زد دیتا ہے، ان کو محنت کرنے کی طاقت دیتا ہے، انہیں دوسرے انسانوں کے مقابلے میں زیادہ توانائی بخشا ہے، ان کے آگے بڑھنے کے خصوصی موقع پیدا کرتا ہے، ان کیلئے کامیابی کے راستے کھولتا ہے، معاشرے کے بااثر اور اہم لوگوں کے دلوں میں ان کیلئے محبت اور ہمدردی پیدا کرتا ہے اور آخر میں تمام لوگوں کو حکم دیتا ہے وہ ان لوگوں کو کامیاب تسلیم کریں، وہ اپنی نشتوں سے اٹھ کر ان کیلئے تالی بجا کیس اگر یہ حقیقت ہے تو پھر یہ ساری کامیابی اللہ کی کامیابی نہ ہوئی، ہم لوگ اور ہماری ساری کامیابیاں اللہ میڈ نہ ہوئیں، تم سوچو، تم بتاؤ"۔ انہوں نے رک کر میری طرف دیکھا، میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ بولے "اور جب کوئی کامیاب شخص اپنی کامیابی کو اللہ کا کرم اور ہماری اپنی قرار دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں اس کے گرد رونق لگادیتا ہے، وہ لوگوں کے دلوں میں اس شخص کیلئے محبت ڈال دیتا ہے یوں یہ شخص زندگی کی آخری سانس تک لوگوں کی محبت اور رونق سے لطف اٹھاتا رہتا ہے، اللہ اس کی زندگی پر تھہائی کا سایہ نہیں پڑنے دیتا"۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور ڈرتے ڈرتے پوچھا "پھر انسان کی زندگی میں اس کی کوشش اور جدوجہد کا کیا مقام ہوا" انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا اور بولے "ہماری کیا مجال ہے، ہم اس کی اجازت کے بغیر محنت کر سکیں یا ہم اس کی ہماری اپنی کے بغیر جدوجہد کر سکیں، ہم میں تو اتنی مجال نہیں کہ ہم اس کی رضامندی کے بغیر اس کا نام تک لے سکیں، پھر ہماری محنت، ہماری جدوجہد کی کیا حیثیت ہے، یہ سب اللہ کی ہماری اپنی کا کھیل ہے، یہ سب اللہ میڈ ہے، ہم اور ہم سب کی کامیابیاں اللہ میڈ ہیں، خدا کے بندوں اللہ کے کریمیت کو تسلیم کروتا کہ تمہاری زندگیاں تھہائیوں سے فیکیں، تم پر غم کا سایہ نہ پڑنے"۔ وہ رکے اور اس کے بعد زور دے کر بولے "یاد رکھو زندگی میں کبھی خود کو سیلف میڈ نہ کہنا، ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ میڈ سمجھنا، اللہ تم پر بڑا کرم کرے گا"۔

خوشی سے خالی ہو جائے وہ چین اور سکون سے محروم ہو جائے اور اسے زندگی میں ایک تپش ڈپریشن اور مینشن کا احساس ہو تو اسے چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائے وہ کثرت سے توبہ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے، میں خاموش رہا، وہ بولے ”یہ سکون کا ایک نسخہ ہے، سکون کا دوسرا نسخہ معافی ہے، ہم لوگ دن میں اوسطاً سو سے تین سو تک غلطیاں کرتے ہیں، اگر ہم ہر غلطی پر مذدرت کو اپنی روشن بنالیں، ہم نے جلد بازی بے پرواہی، نفرت، غصے، تکبر اور ہٹ دھرمی میں جس شخص کا حق مارا، ہم نے جس کو نقصان پہنچایا اور ہم نے جس کو ڈسرب کیا، ہم اگر فور اس شخص سے معافی مانگ لیں تو بھی ہماری زندگی میں سکون آرام اور خوشی آ سکتی ہے، ہمیں معافی مانگنے میں بھی کوتاہی نہیں برتنی چاہیے کیونکہ معافی وہ چنان ہے جس کے نیچے سکون، خوشی اور خوشحالی کے چشمے چھپے ہیں اور جب تک ہم یہ چنان نہیں سرکائیں گے، ہم خوشی، خوشحالی اور سکون کا تھنڈا پانی نہیں پی سکیں گے، وہ رکے اور دوبارہ بولے ”یاد رکھو دنیا میں صرف اور صرف شیطان توبہ اور معافی سے دور رہتا ہے جبکہ اللہ کے بندے ان دونوں چیزوں کو اپنی روشنیں بنالیتے ہیں، ہٹ دھرمی، تکبر، ظلم، ضد، نفرت اور غصہ شیطان کی خامیاں ہیں اور جن لوگوں کی ذات میں یہ ساری خامیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں، تم کبھی ان کے منہ سے توبہ اور معافی کا لفظ نہیں سنو گے چنانچہ تم کبھی ان لوگوں کو پر سکون، خوش اور خوشحال نہیں پاؤ گے یہ دولت مند ہو سکتے ہیں لیکن یہ دولت انہیں خوشی اور سکون فراہم نہیں کرتی، تم ان لوگوں کا انجام بھی اچھا ہوتا نہیں دیکھو گے جبکہ معافی اور توبہ کرنے والے لوگوں میں تمہیں غصہ، نفرت، ضد، ظلم، تکبر اور ہٹ دھرمی نہیں ملے گی اور تمہیں یہ لوگ کبھی پریشان، ڈپریشن اور شیش نہیں ملیں گے چنانچہ ہر لمحہ لوگوں سے معافی مانگتے رہو اور اللہ سے توبہ کرتے رہو، تمہاری زندگی سے کبھی سکون، خوشی اور خوشحالی کم نہیں ہوگی، وہ خاموش ہو گئے، میں نے ان کے گھنٹے چھوئے اور باہر آ گیا۔

⊗ ⊗ ⊗

پروگرام فیڈ کر کے ان سے لتعلق ہو گئی، وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے عرض کیا ”جناب میں اب بھی آپ کا نقطہ نہیں سمجھ سکا“، وہ بولے ”دنیا کا کوئی پہاڑ کوئی درخت، کوئی جانور، کوئی ستارہ اور کوئی سیارہ اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتا لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس خوبی سے نواز رکھا ہے کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے وہ اسے راضی کر سکتا ہے“ میں نے عرض کیا ”جناب میں یہی تو آپ سے پوچھ رہا ہوں“، وہ مسکرائے اور بولے ”لیکن اس نقطے کو سمجھنے کیلئے مجھے پہچھے تاریخ میں جانا پڑے گا“، میں خاموشی سے سننے لگا، وہ بولے ”آپ شیطان اور حضرت آدم کا واقعہ کیھے؟“ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا وہ انسان کو سجدہ کرے، شیطان نے حکم عدوی کی، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوئے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راندہ درگاہ کر دیا، شیطان آسمانوں سے اتر اور کروڑوں سال سے زمین پر خوار ہو رہا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو گندم کا دانہ پکھنے سے منع فرمایا، حضرت آدم نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف درزی کی، اللہ تعالیٰ ان سے بھی ناراض ہوئے اور انہیں بھی آسمان سے زمین پر بیچ دیا لیکن حضرت آدم کے رویے اور شیطان کے رویے میں برا فرق تھا، وہ دم لینے کیلئے رکے اور دوبارہ گویا ہوئے ”شیطان زمین پر آنے کے باوجود اپنی بات پر اڑا رہا جبکہ حضرت آدم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگئے وہ بجدے میں پڑے رہتے تھے زروتے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی، اپنی غلطی، اپنے جرم اور اپنے گناہ کی معافی مانگتے جاتے تھے، حضرت آدم کی توبہ کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول نہ کر لی اور مشیت ایزدی ان سے راضی نہ ہو گئی، وہ خاموش ہو گئے ہمارے درمیان خاموشی کے بے شمار پل گزر گئے، جب یہ وقفہ طویل ہو گیا تو میں نے عرض کیا ”جناب میں اب بھی آپ کی بات نہیں سمجھا“، وہ مسکرائے اور نرم آواز میں بولے ”اللہ تعالیٰ کا انسان کیلئے سب سے بڑا انعام توبہ ہے، انسان اس انعام اس تحفے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ذات کو راضی کر سکتا ہے اور وہ اللہ جو اپنے بندے کی کسی خطا، کسی جرم کسی کوتاہی اور کسی گناہ سے ناراض ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے مان جاتا ہے اور اس بندے پر اپنے رحم، اپنے کرم اور اپنی محبت کے دروازے کھول دیتا ہے اور یوں انسان سکون میں چلا جاتا ہے“۔

وہ رکے اور دوبارہ بولے ”جب تک انسان کو اللہ کی محبت، کرم اور حم نصیب نہیں ہوتا اس وقت تک انسان کو سکون آرام، چین، خوشی اور سرست حاصل نہیں ہوتی، خوشی، خوشحالی اور سکون اللہ کی رضا مندی سے ملک ہے اور جو شخص، جو قوم اور جو طبقہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی سے محروم ہو جاتا ہے اس کا سکون، خوشی اور خوشحالی چمن جاتی ہے چنانچہ جب بھی انسان کا رزق نجگ ہو جائے، اس کا دل سرست اور

مجھے جتنا دیا کیا واقعی میں اتنا ڈیزرو کرتا تھا، جواب آیا "نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری اوقات سے زیادہ دیا،" میں نے سوچنا شروع کر دیا، سوچتا گیا، سوچتا گیا، محظی گئیں، محظی گئیں، معلوم ہوتا گیا، ہوتا گیا، میں آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس دنیا میں اربوں لوگ مجھ سے زیادہ ذہین، مجھ سے زیادہ محنتی اور مجھ سے زیادہ فکار ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے زیادہ عزت، ان سے زیادہ صحت اور ان سے زیادہ رزق دیا، اس دنیا میں کروڑوں اربوں لوگ مجھ سے زیادہ کام کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے میرے کام کو ان سے زیادہ ورجا اور ان سے زیادہ اہمیت دے دی، مجھے معلوم ہوا میرا رب مجھے میرے کام میری صیعت خراب ہو گئی میں نے غصے سے باہر دیکھا، باہر ہاتھ سے کہیں زیادہ میلا کچیلا اور سوکھا سڑا بھکاری کھڑا تھا، میں نے اسے ہاتھ سے معاف کرنے کا اشارہ کیا اور گاڑی روپس گیئر میں ڈال دی ہاتھ وہیں رہا، میں نے ہاتھ کو ہاتھ سے باہر دھکلینے کی کوشش کی مگر ہاتھ وہیں رہا، میرے غصے میں اضافہ ہو گیا، میں نے اپنے آپ سے پوچھا "کیا میں دنیا میں اپنی اوقات کے مطابق زندگی گزار رہا ہوں،" جواب آیا "نہیں، اس سے لاکھ کروڑ درجے بہتر،" میں نے سوچنا شروع کیا تو معلوم ہوا، میری اوقات تو بہت ہی چھوٹی ہے، میں معمولی معمولی باتیں برداشت نہیں کر سکتا، میں کہنگی، سفلے پن اور حص کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، میں اس قدر ملتقم مزاج ہوں کہ میں زیادہ کمزور لوگوں سے بھی انتقام لیتے نہیں چوکتا، جھوٹا ہوں، غیبت باز ہوں، خوش کلام ہوں، احساس کتری کا شکار ہوں اور خود غرض ہوں اور وہ کون سی خامی کوں سی خرابی ہے جو میرے اندر نہیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کا کرم سر پر سایہ کئے ہوئے ہے، اللہ تعالیٰ نے میری ساری خامیوں ساری خرابیوں اور سارے چیزوں پر پردے ڈال رکھے ہیں، اللہ نے مجھے عزت، شہرت اور نیک نامی سے نواز رکھا ہے، میرے پاس آزادی ہے، آسائش ہے اور فراوانی ہے۔"

میں نے آگے پیچھے مزکر دیکھا، میرے گروگرو لوگ ہی لوگ تھے، سرہی سرہی کندھے ہی کندھے اور دھڑکی دھڑکتھے، میں نے ان تمام دھڑوں تمام کندھوں اور تمام سردوں کو غور سے دیکھا، مجھے سارے لوگ اپنے جیسے لگئے مجھے معلوم ہوا، ان سب لوگوں کو ان کی محنت ان کے کام سے زیادہ مل رہا ہے، انہیں ان کا رب ان کی اوقات سے زیادہ دے رہا ہے، میں نے آنکھیں بند کر لیں، وہ سارے دھڑک بہت سارے دھڑک بن گئے وہ سارے کندھے بہت سارے کندھے بن گئے وہ سارے سر بہت سارے سر بن گئے، یہ سارے سر کندھے اور دھڑک پندرہ سو لہ کروڑ بن گئے اور وہ سڑک بھیل کر ملک بن گئے اسلامی جمہوریہ پاکستان پاک سر زمین شاد باؤ مجھے محسوس ہوا اس پورے ملک کو اس کی اوقات سے زیادہ مل رہا ہے، قدرت ان تمام سردوں کندھوں اور دھڑوں کو ان کی محنت سے کہیں زیادہ صلدے رہی ہے، یہ سب لوگ بھارت میں بھی ہو سکتے تھے، اس بھارت جس میں 19 کروڑ لوگ 6 روپے روزانہ کرتے ہیں اور 6 کروڑ دو روپے، جس میں 20 کروڑ اچھتوں کو آج کے زمانے میں بھی سائیکل خریدنے کی اجازت

اوقدات

ایک سوکھا سڑا، میلا کچیلا ہاتھ کھڑکی سے اندر آیا اور آ کر میرے سامنے پھیل گیا، میری طبیعت خراب ہو گئی میں نے غصے سے باہر دیکھا، باہر ہاتھ سے کہیں زیادہ میلا کچیلا اور سوکھا سڑا بھکاری کھڑا تھا، میں نے اسے ہاتھ سے معاف کرنے کا اشارہ کیا اور گاڑی روپس گیئر میں ڈال دی ہاتھ وہیں رہا، میں نے ہاتھ کو ہاتھ سے باہر دھکلینے کی کوشش کی مگر ہاتھ وہیں رہا، میرے غصے میں اضافہ ہو گیا، میں نے شدید وحشت میں چلا کر کہا "کما کر کھاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہاتھ پاؤں دیے ہیں،" میلا کچیلا شخص ہس پڑا، اس کے ہاتھ سے کہیں زیادہ گندے اور بد بودار تھے، اس نے ہاتھ میرے سامنے لہرایا اور بد بودار لجھے میں بولا "کیا تمہیں اتنا ہی ملتا ہے جتنا تم کام کرتے ہو، جتنا تم اپنے ہاتھ پاؤں چلاتے ہو،" میرے دماغ کو آگ لگ گئی، میں نے اس کا ہاتھ نہایت بد تیزی سے جھٹک دیا، ہاتھ وہا پس دہیں آگیا، میں نے گاڑی سے اتنے کیلے پینڈل کھینچا لیکن اس سے پہلے کہا پس ارادے میں کامیاب ہوتا، میرے ساتھی نے مجھے پر سکون رہنے کا اشارہ کیا اور جیب سے پانچ روپے کا سکہ لکال کر بھکاری کے ہاتھ پر رکھ دیا، بھکاری نے سکہ اٹ پھیر کر دیکھا اور پھر میری جھوٹی میں پھینک کر بولا "اس سے کیا ملتا ہے یہ دولت تم اپنے پاس سنبھال کر رکھو،" یہ اونٹ کی کر پر آخی تکا تھا، میرے ضبط کے سارے کیل قبضے کل گئے، میرے منہ میں جھاگ آگئی اور میں اپنے جسم کی ساری نفرت سمیٹ کر اس پر چڑھ دوڑا،" تمہیں تمہاری اوقات کے مطابق تو دے دیا، اب تمہیں کپڑے بھی اتار کر دے دیں،" بھکاری نے قہقهہ لگایا، ہاتھ وہا پس کھینچا اور نسبتاً اوپنی آواز میں بولا "اللہ تعالیٰ نے جتنا تمہیں دیا کیا تمہاری اتنی اوقات تھی،" میں نے غصے سے اپنے سلیمان دیا، گاڑی کے ناڑچ چڑھائے اور میں اس میلے کیلے سوکھے سڑے بھکاری اور اس کے سوکھے سڑے اور میلے کیلے ہاتھ سے دور چلا گیا۔

پہ شاید دوسرا چوک تھا یا تیسرا، گاڑی سرخ سکنل پر رکی، میں نے رومال سے پسینہ پوچھا، جو نبی گرم سلگتے قطرے سوتی رومال کے ریشوں میں جذب ہوئے میری ذات کی پہلی اینٹ نے اپنی جگہ چھوڑ دی، ایک سوال اندر سے اٹھا اور اٹھ کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا، میں نے اپنے آپ سے پوچھا "اللہ نے

نہیں جو اپنی پشت پر جھاؤ و باندھ کر پھرتے ہیں، جو جو تھے نہیں پہن سکتے اور جو بڑی ذات کے ہندوؤں سے بات کرتے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں، ہم لوگ روانڈا، بروندی، کوسوو اور سربیا میں بھی ہو سکتے تھے جہاں لوگ اقوام تحدہ کے کمپوں کے سامنے ایک ایک روٹی کیلئے ہفتہ ہفتہ پڑے رہتے ہیں یہ لوگ فلسطین کے شہری بھی ہو سکتے تھے جہاں کوئی گمراہی نہیں جس کے محن میں چار پانچ قبریں نہ ہوں یہ لوگ عراق اور افغانستان کے شہری بھی ہو سکتے ہیں جہاں زندگی اب خوف کا دوسرا نام ہے اور یہ لوگ ان بالکل ٹیکس کے شہری بھی ہو سکتے تھے جن میں لوگ چند ڈالوں کیلئے اپنے بچے بیچنے کیلئے تیار بیٹھے ہیں، مجھے معلوم ہوا، ہم سب لوگ اپنی اوقات سے کہیں بہتر زندگی گزار رہے ہیں، تھیک ہے حالات اتنے اچھے نہیں جتنے ہوئے چاہیں لیکن ان حالات کو تو ہم نے ہی بہتر بنانا ہے، اس نظام کو بدلتا، ظالم طرز حکومت کا رخ تبدیل کرنا، اپنے پاؤں کے کائے چننا تو ہماری اپنی ذمہ داری ہے یہ فرض یہ ذمہ داری تو ہم نے ہی بھانی ہے قدرت نے تو کوئی کمی کوئی سر جس چھوڑی، ہمیں آزادی دی زمین دی اپنی دیا اور رزق دیا لیکن اب ہم چاہتے ہیں وہ اپنے فرشتے ~~تازل~~ فرمائیں فرمائیں بھی درست کردے وہ آصف علی زرداری کا دل پھیر دے وہ صدر پرویز مشرف کو اٹھا کر ایوان صدارت سے باہر پھینک دے اور وہ فرشتے بھجوائے اور فرشتے بھجوں کو ان کی کرسیوں پر بٹھادیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ کرم کیا کرتا ہے اور اس کرم سے فائدہ تو انسان نے خود انھا نا ہوتا ہے۔

میں نے یوڑن لیا اور اس میلے کیلے سوکھے سڑے بھکاری کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا، واپس آیا، گاڑی سے اتر کر اسے تلاش کیا، مگر وہ نہ ملا، میں دریک تک تلاش کرتا رہا لیکن جب ماہیوں ہو گیا تو اندر سے آواز آئی وہ بھکاری بھکاری نہیں تھا وہ ایک پیغام تھا، وہ ایک خط تھا، ادھورے پتے والا بے رنگ خط اور بے رنگ خط میں کاغذ کی ایک چھوٹی سی چٹ تھی اور اس چٹ پر لکھا تھا "یاد رکھو جو رب نعمت دیتا ہے، وہ رب نعمت چھین بھی سکتا ہے، اگر اپنے رب سے اپنی اوقات سے بڑھ کر پانا چاہتے ہو تو اپنی اوقات میں رہو، شکر کرو تو بہ کرو اور ہر وقت اسے یاد رکھو"۔



ہیکسیو میں ہوٹ سے ڈاؤن ٹاؤن کیلئے فیری چلتی تھی، ہم بالکوں سے آخری فیری کورات کے اندر ہیرے میں گھلتے ہوئے دیکھ رہے تھے، تم نے اُس وقت سرگوشی میں پوچھا تھا "کیا یہ فیری واپس آئے گی؟" میرے پاس کوئی جواب نہیں تھا، تمہارا سوال اور میری خاموشی دونوں اب تک بالکوں کی بیلوں سے لپٹنے ہوئے ہیں۔

انہ لاکن میں رات کے آخری پہر چاند نے ہماری کھڑکی پر دستک دی، تم نے پٹ کھول کر دیکھا، چاند ندی کی لہروں میں "مکس اپ" ہوا رہا تھا، تم نے چاند کے ساتھ سودا کر لیا، تم نے خوابوں کے بد لے چاند لے لیا اور میں خاموشی سے خوابوں کو دور جھیلوں کی طرف رخصت ہوتے دیکھتا رہا، میری وہ خاموشی اور تمہارے خوابوں کی لاش دونوں ابھی تک انہ لاکن کی فضائیں میں کر رہی ہیں۔ کلوں کے پل کی جالیوں میں ہزاروں تالے لگے ہیں اور تالوں پر لاکھوں لوگوں کے نام کنندہ تھے، لوگ آتے تھے تالہ لگاتے تھے، ایک دوسرے کے ماتھے کا ہوسا لیتے تھے اور چابیاں دریا میں پھینک دیتے تھے۔ تم پوچھا تھا "کیا انسان وقت کوتالے سے باندھ سکتا ہے؟" میں خاموش رہا تھا، تم نے تالوں کی پوری قطار پر پیار سے شفقت سے اور عقیدت سے ہاتھ پھیر دیا تھا، تمہاری عقیدت، تمہاری شفقت اور تمہارے پیار کا میں بھی ابھی تک ان تالوں پر موجود ہے۔ بر گن میں اُس دن دھوپ تھی اور دھوپ میں ذرا سی تلخی، ہم نے بلندی سے شہر کو دیکھا، شہنشاہ مندر پہاڑ کی ناف چوم رہا تھا اور پہاڑوں کے کوچبوں پر شہر آباد تھا۔ تم نے دھوپ میں اپنا ہاتھ ڈبوایا، تھوڑی اسی دھوپ چرائی اور یہ دھوپ میرے مخندے پر چھرے پر مل دی، بر گن کی دھوپ کا وہ ذائقہ بھی ابھی تک میرے ماتھے، میرے کانوں کی لوؤں اور میری تھوڑی سے چپکا ہے اور یون فروٹاپ آف دی یورپ، اپس کے بلند ترین گلیشیر پر آئس پیس تھا اور آئس پیس کی بر فیکی دیواروں میں ہم دونوں کا سایا دکھائی دے رہا تھا، سایہ سائے کے ساتھ سرگوشیاں کر رہا تھا، یہ سرگوشیاں اور برف کے وہ سائے دونوں ابھی تک یون فروٹ کی ٹرین میں پڑے ہیں۔

تم کا ڈنٹ کر کے دیکھ لواہجر کے چودہ ہزار چار سو بارہ سمندروں میں خوشیوں کے، مسرتوں کے اور قربتوں کے صرف تین سوا تھارہ گزڈوں لے تھے، ہماری محبوتوں کے صحرائیں صرف تین سوا تھارہ پچھوں کھلے تھے لیکن یہ سارے پچھوں ابھی تک مہک رہے ہیں، یہ سارے پچھوں ابھی تک زندہ ہیں۔

عبداللہ الکیڈاٹی

الگہم ہریت - اڑو بازار، ۱۰۰ ہر